چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

ڈائجسٹ

کراچی

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کراچی

جلد نمبر 19 شمارہ نمبر 2 نومبر 2017ء

ای میل ایڈریس: Dardigest01@gmail.com

... ایڈیٹر خالد علی

... ایڈیٹر آصف حسن

... شاہد علی

... ایڈیٹر محمد ذیشان

قیمت -/60 روپے

سالانہ قیمت -/1080 روپے

ادارہ کا کسی بھی رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ڈر ڈائجسٹ میں چھپنے والی تمام کہانیاں فرضی ہوتی ہیں کسی کی ذات یا شخصیت سے مماثلت اتفاقیہ ہوسکتی ہے

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کئے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

18 ملک این اے کاوش

عجب انتقام

خوف اور عبرت کے سمندر میں......غوطہ زن
خود غرضی کا لبادہ اوڑھے......خونی کہانی

41 فیصل ندیم

خوف نگر

ایک چڑیل کی لرزہ بر اندام کرتی روداد،
جب وہ سامنے آئی تو لوگ حیران ہو گئے

45 سکندر حبیب گجر

مددگار روحیں

خود غرض اور مطلب پرستی کی ایک انمٹ کہانی
جو کہ پڑھنے والوں کو مبہوت کر دے گی

52 اے وحید

رولوکا

دین و دنیا میں فلاح پانے کیلئے قرآن کی
باتوں پر عمل کرنا انسانی زندگی کیلئے اہم ہے

75 پیا سحر

اوتار

حقیقت پر مبنی بہت ہی دل گرفتہ، دل شکستہ اور
دل فریفتہ دل و دماغ کو مبہوت کرتی کہانی

81 ناصر محمود فرہاد

شیطان کی آنکھیں

حقیقت سے چشم پوشی انسان کو ناکام ہی نہیں
بلکہ پریشان بھی کرتی ہے، ایک عجیب کہانی

90 ایم الیاس

خونی جزیرہ

مشہور و معروف رائٹر کے زور قلم کی شاہکار
کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کر دے گی

107 ایس امتیاز احمد

نیک روح

دل و دماغ پر خوف کا سکہ بیٹھاتی......عجیب
و غریب......پرتجسس کہانی......

112 شکیل نیازی

بلا کا خاتمہ

ہارر کہانیوں میں سرتاج کہانی جو کہ پڑھنے
والوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دے گی

128 محمد خالد شاہان

اسرار

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی
گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا

151 طارق محمود
پراسرار سانپ
خوف و ہراس کے افق پر ......اٹکھیلیاں کرتی عجیب وغریب ......دل فریفتہ کہانی

160 محسن عزیز
کلاوتی
صدیوں پرانی ایک آتما کی دل گرفتہ روداد ......جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کردے گی

167 محمد شعیب
انٹرویو
رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی حیرت ناک، خوف ناک اور انوکھی کہانی

172 عمران قریشی
تاتونی
خراماں خراماں ......دل و دماغ کو خوف و ہراس کے شکنجے میں جکڑتی ......شاہکار کہانی

195 مریم فاطمہ
آسیبی پینٹنگ
بغض وکینہ اور حرص ولالچ میں انسان خونی رشتوں کو بھی بھول جاتا ہے، حقیقت کہانی میں ہے

200 مریم مرتضیٰ
بدلہ
خون کا بدلہ خون ......اسی کے مصداق ......حقیقت پرمبنی تحیر انگیز ......ڈراؤنی کہانی

203 فاطمہ خان
شیطانی گڑیا
ایا عقل میں آنے والی بات ہے کہ کیا کوئی گڑیا بھی بول سکتی ہے، کہانی پڑھ کر دیکھیں

208 رضوان علی سومرو
بددعا کا خاتمہ
نفسانی خواہش کی پروردہ ایک شخص کی ناقابل یقین سزا کی وحشت ناک لرزیدہ کہانی

219 ادارہ
قوس قزح
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں......

224 شہزادہ چاندزیب عباسی
حیرت کدہ
حرص ولالچ کے گرداب میں غوطہ زن دل ودماغ کو مبہوت کرتی دل فریفتہ و دل گرفتہ کہانی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

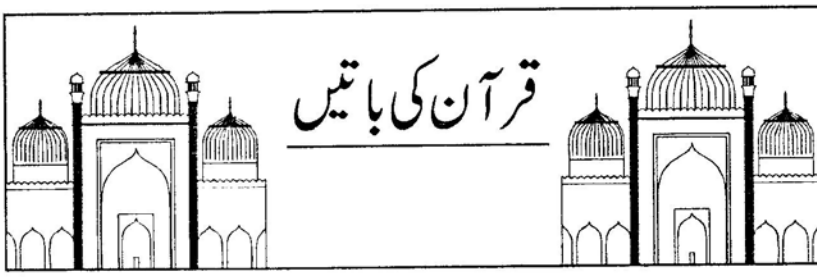

قرآن کی باتیں

☆ مومنوں جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد یعنی نماز کے لئے جلدی کرو اور خرید و فروخت ترک کردو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ۔ (سورۃ جمعہ 62 آیت 9 سے 10)

☆ اور یہ نہ کہو کہ اللہ تین ہیں، اس اعتقاد سے باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی معبود واحد ہے۔ اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 171)

☆ کہو کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اسے کس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق پر نقل کر رکھا ہے۔ ان کے کچھ حصے کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو اور تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا کہہ دو۔ اس کتاب کو اللہ نے نازل کیا تھا پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بے ہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔ (سورۃ انعام 6 آیت 91)

☆ جو شخص دنیا (میں عملوں) کی جزا کا طالب ہو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت (دونوں) کے لئے اجر (موجود) ہیں۔ اور اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 134)

☆ اور اس دن تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ان کے کرتے گندھک کے ہونگے اور ان کے مونہوں کو آگ لپیٹ رہی ہوگی۔ (سورۃ ابراہیم 14 آیت 49 سے 50)

☆ جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی۔ اور جو برائی لائے گا اسے سزا ویسی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (سورۃ انعام 6 آیت 160)

☆ اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 133)

☆ کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کے کتنے نفیس زوج (جوڑے) اگائے ہیں۔ (سورۃ شعراء 26 آیت 7)

☆ اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو۔ کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (سورۃ انفال 8 آیت 61)

(کتاب کا نام ''قرآن مجید کے روشن موتی''، بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

مسز زینت خان روات سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹرز صاحبان۔ امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے۔ اکتوبر کا ڈر ڈائجسٹ ... تاریخ کو خریدا۔ روات میں ڈر ڈائجسٹ کی غیر فراہمی کی صورت میں راولپنڈی کمیٹی چوک سے خریدا۔ سالگرہ نمبر کے اس خوش کن ... کی مناسبت سے کچھ باتیں احاطہ تحریر میں لانا چاہتی ہوں۔ کہانی لکھنا ایک فن ہے۔ اسے یونہی عجلت میں نہیں لکھنا چاہئے۔ لکھنے ... جب تک وسیع مطالعہ نہیں کرے گا تو اس کی کہانی پڑھنے والوں پر اچھا تاثر قائم نہیں کرے گی۔ میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ لکھنے والوں کی کمی ہے بلکہ لکھنے والوں میں Real Life Horror لکھنے کی ''شدید کمی'' ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک میں ہماری قومی زبان 'اردو' میں لکھنے کا رجحان ہم سے کہیں زیادہ پایا جاتا ہے۔ لیکن کمال ہے کہ وہ ہم سے زیادہ اردو الفاظ کی کھوج رکھتے ہیں۔ اس فن کی دنیا میں اتنی محنت کر رہے ہیں اور باکمال تحریریں فری انٹرنیٹ میں دے رہے ہیں اور ہر کوئی ایک نیا خیال (آئیڈیا) لئے ہوئے ہے۔ اس سالگرہ کے موقع پر ڈر کے تمام لکھاریوں سے امید ہے کہ وہ بھی محنت سے کام لیتے ہوئے ڈر میں نئے خیال کو لائیں۔ ڈر کے پاس اچھے لکھنے والے ہیں جیسے ایس حبیب خان صاحب، ایس امتیاز احمد، احسان الحق، فلک زاہد، عمران قریشی یہ نام کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ نئے لکھنے والوں سے اپیل ہے کہ وہ بھی اس ''لکھنے کے فن کی دنیا'' میں قدم رکھنے سے پہلے تکنیکی اعتبار سے اپنے آپ کو مضبوط ... لکھنے والے ... زیادہ ... پڑھتے ... بتاتے ہیں کہ آپ کیا لکھ رہے ہوتے ہیں اور کہانی کی اصل صورت میں آیا ... رہا ہے یا نہیں لکھ رہا۔ امید ہے کہ یہ باتیں آپ سب غور طلب سمجھتے ہوئے، ان پر عمل کرنے ... اللہ ... آپ سب کو کامیابی و کامرانی عطا فرمائیں، آمین۔ ڈر کے لئے دعا گو ہوں۔ نیک تمنائیں۔!!!

☆☆ زینت صاحبہ: یہ حقیقت ہے کہ پڑوسی ملک میں لکھنے والے زیادہ الفاظ کی کھوج میں رہتے ہیں اور یہ سب گھر ہو اور معاشرتی ... یت کا اثر ہوتا ہے، اب تو ہمارے ملک میں ''ہ اور ھ'' کا بھی فقدان نظر آتا ہے کیونکہ اب تو نئے لکھنے پڑھنے والے ہے اور ھے میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ زیادہ لوگ اپنے آپ سے دور مغرب کی تقلید میں آگے ہی آگے بڑھ رہے ہیں۔ دل ہمارا بھی دکھتا ہے مگر......

مسز سندس اقبال راولپنڈی سے، السلام علیکم ایڈیٹر صاحب۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ 25 اگست کو خریدا۔ یہاں پنڈی میں بہت گرمی ہے۔ اس مرتبہ ڈر کا سرورق قدرے بہتر تھا۔ کہانیوں کی فہرست پر نگاہ دوڑائی تو اس مرتبہ بھی اپنے موسٹ فیورٹ رائٹر احسان الحق صاحب کی کہانی نہ پا کر دل کو دھچکا سا لگا، اللہ تعالیٰ سے ان کی صحت کے لئے دعا گو ہوں۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ کی سالگرہ نمبر کا شمارہ ہاتھوں میں ہے، سب کو ڈر کی سالگرہ مبارک ہو۔ ڈر کی بہترین منجھی ہوئی رائٹر ایس حبیب خان صاحب کی کہانی پڑھ کر دل بہت خوش ہوا کیونکہ کہانی بہت خوب تھی۔ دیگر کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ سب کو دوبارہ ڈر کی سالگرہ مبارک۔ سب کے لئے ڈھیروں دعائیں، والسلام۔

☆☆ سندس صاحبہ: پنڈی ہی نہیں اب تو کراچی بھی جیسے سوانیز سے پر ہے۔ خیر خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے ویری ویری تھینکس۔ ہم بھی احسان الحق صاحب کی صحت کے لئے دعا گو ہیں۔

پیا سحر گجرات سے، السلام علیکم...... کافی دنوں کے بعد خطوط کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں، امید ہے سب خیریت سے ہوں گے زندگی اتنی مصروف ہوگئی ہے کہ اب لکھنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا، سالگرہ نمبر میں میری کہانی لگانے کا بہت بہت شکریہ، ڈر میں کافی نیو رائٹرز دکھائی دینے لگے ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی کے لئے اتنا ہی کہوں گی کہ کوشش جاری رکھیں لکھتے لکھتے ہی آدمی لکھاری بنتا ہے...... سالگرہ نمبر کافی اچھا رہا اس دفعہ مگر مجھے سب سے اچھی کہانی فلک زاہد صاحبہ کی ''پارسل'' لگی جو ہر لحاظ سے ایک بہترین تحریر تھی وہ ہمیشہ اپنی کہانیوں سے دل چھو لیتی ہیں ویلڈن...... اس کے علاوہ دیگر کہانیوں میں ایس حبیب خان کی بلیک میجک ضرغام محمود کی مرگ حیات ایس امتیاز صاحب کی خونی ڈرامہ شوکی صاحب کی درخواست اور گلاب خان کی گاؤں کی چڑیل اچھی کہانیاں تھیں باقی کہانیاں بھی ٹھیک تھیں زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی اب اجازت اللہ حافظ......!!!

☆☆ پیا صاحبہ: خوش جایئے، نئی کہانی اوتار بھی شامل اشاعت ہے اور قوی امید ہے کہ اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر نئی کہانی ارسال کریں گی۔ شکریہ۔

مسز فرحین حامد رحیم یار خان سے، محترم ایڈیٹرز اینڈ اسٹاف، السلام علیکم، اکتوبر 2017ء کا شمارہ خریدا۔ اس بار کا سرورق بھی اچھا تھا۔ اس مرتبہ گھریلو مصروفیات کی وجہ سے زیادہ کہانیاں نہیں پڑھ سکی۔ اس لئے صرف دو کہانیاں پڑھنے پر ہی کہوں گی کہ یہ سالگرہ نمبر کا رسالہ بہترین ہوگا۔ پہلی کہانی بلیک میجک پڑھی اور دوسری کہانی خونی ڈرامہ۔ ایس حبیب خان صاحبہ سے درخواست ہے کہ ڈر میں ریگولر لکھا کریں کیونکہ ان کے قلم میں دم ہے، شکریہ۔ والسلام۔

☆☆ فرحین صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ تمام اہل خانہ پر اپنا فضل و کرم رکھے تاکہ آپ ہر ماہ ڈرڈائجسٹ کے لئے اپنی رائے ارسال کرتی رہیں۔

خدیجہ فاطمہ اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل، اس مرتبہ بھی ڈر کا سرورق انتہائی پسند آیا۔ سرورق ڈرڈائجسٹ کے عین مطابق بنایا گیا ہے۔ بہت ہی زبردست۔ پہلے میں باجی (ایس حبیب خان) کا دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ انہوں نے ہمارے دل کی بات کا پاس رکھتے ہوئے ہمیں ڈرڈائجسٹ میں ایک خوب صورت کہانی ''بلیک میجک'' پڑھنے کو دی۔ گو اس کہانی میں انگلش کے الفاظ کی بھرمار تھی لیکن بہت زبردست باجی، سدا خوش رہیں۔ سالگرہ مبارک۔ دیگر کہانیاں بھی خوب رہیں۔ والسلام۔

☆☆ خدیجہ صاحبہ: آپ کا سرورق اور ساتھ ہی کہانیاں بھی پسند آئیں اس کے لئے بہت بہت شکریہ، آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولئے گا مت۔ Thanks۔

ایس حبیب خان کراچی سے، السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ ڈر کی پوری ٹیم اور اس کے چاہنے والے سب خیریت سے ہوں گے۔ ''سالگرہ نمبر'' کا جس شدت سے انتظار تھا وہ ختم ہوئی اور ''سالگرہ نمبر'' اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ میرے ہاتھوں میں ہے۔ سرورق اچھا لگا۔ ابتداء ''قرآن کی باتیں'' سے ہوئی۔ جہاں خطوط کی بزم میں نئے پرانے دوستوں سے ملاقات ہوئی وہیں ان کی تعریف و تنقید سے مزین جاندار تبصرے بھی پڑھنے کو ملے۔ ساتھ ہی جن دوستوں نے میری تحریر ''شیطانی کھوپڑی'' کو پسند کیا ان کا شکریہ! اپنے دوستوں اور اپنے فینز کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ محترم احسان الحق صاحب آپ نے جن خوب صورت الفاظ میں میری تعریف و حوصلہ افزائی کی ہے اس کے لئے میں آپ کی ازحد مشکور ہوں! یہ آپ کا بڑا پن ہے جو آپ نے مجھ جیسی ایک ادنیٰ رائٹر کو پاکستان کی ایک بہترین لکھاری کے خطاب سے نوازا۔ آپ جیسے باکمال اور سینئر رائٹر کے یہ الفاظ میرے لئے کسی سند سے کم نہیں ہیں! بہت بہت شکریہ۔ آپ نے بالکل صحیح لکھا کہ شکریہ تو ڈر کے ادارے کا کرنا چاہئے یہ محترم شاہد علی صاحب کی حوصلہ افزائی ہے جنہوں نے میرے قلم کو جلا بخشی ہے۔ تھینک یو سو مچ ایڈیٹر صاحب! کہانیوں میں سے ابھی تک جو پڑھی ہیں۔ ان میں ''پارسل'' فلک زاہد کی اچھی کاوش تھی، ''سالگرہ نمبر'' پیا سحر کی تحریر کردہ کہانی پسند آئی الگ انداز سے لکھی گئی اچھی تحریر تھی۔ ''روح کا بدلہ'' رشک نور کو کہنا چاہوں گی لکھتی رہیں۔ آپ میں ٹیلنٹ ہے آپ لکھ سکتی ہیں۔ ''مرگ حیات'' پلاٹ کے اعتبار سے ایک بہترین تحریر ثابت ہوئی۔ ضرغام محمود صاحب کا شمار One Of Te Best Writter میں ہوتا ہے اور جن کا قلم کبھی مایوس نہیں کرتا۔ دیگر تحاریر ابھی زیر مطالعہ ہیں جو کہ مصروفیت کی بنا پر اب تک پڑھ نہ سکی مگر امید ہے کہ وہ بھی اچھی ثابت ہوں گی۔ ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو!

☆☆ ایس حبیب صاحبہ: قلمی لگاؤ سے خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ۔ خیر میں سارے رائٹرز کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ خوش دلی سے اپنی تحریریں ارسال کرتے ہیں اور میں تو بس انہیں بنا سنوار کر قابل اشاعت بنا دیتا ہوں۔ میری خواہش ہوتی ہے کہ کسی کی محنت رائیگاں نہ جائے اور محنت کرنے والے لکھتے لکھتے لکھاری بن جاتے ہیں اور یہ ہر نئے رائٹر کو یاد رکھنا چاہئے کہ محنت کا صلہ ضرور ملتا ہے اور ہاں میری کوشش ہوتی ہے کہ میں ہر کسی کا خط پورے کا پورا شائع کروں مگر ہائے رے مجبوری محدود صفحات کی پابندی۔ خط لکھنے والے میری مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے درگزر کر دیا کریں۔ شکریہ۔

انابیہ مصطفیٰ آباد سے، السلام علیکم! امید ہے ڈر سے وابستہ تمام لوگ ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ کیا ہے ناں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا لکھوں کیونکہ میں زندگی میں پہلی بار کسی ڈائجسٹ سے رابطے کی خاطر خط لکھ رہی ہوں۔ اسی وجہ سے علم نہیں ہے کہ کیا لکھوں اور

ڈاؤن بھی ہو رہی ہے۔ میں ایک گاؤں مصطفیٰ آباد میں رہتی ہوں۔ فیملی میں کوئی بھی پڑھا لکھا نہیں ہے۔ اس وجہ سے خط لکھنے اور پوسٹ کرنے کے بارے میں کچھ بھی علم ہے ہی نہیں۔ شہر کالج جاتی ہوں تو آتے ہوئے ڈائجسٹ بھی خرید لیتی ہوں۔ میں بہت عرصہ سے ڈر کی خاموش قاری ہوں، سب سے پہلی کہانی جس نے ایسا ڈائجسٹ سے ناطہ جوڑ کہ آج تک منسلک ہوں۔ عشق ناگن بہت اچھی اسٹوری تھی۔ اور اب جس کہانی نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا وہ ہے ایم الیاس صاحب کی خونی جزیرہ پلیز برا مت مانئے گا ہر چیز ایک حد تک ہی اچھی لگتی ہے اور کچھ کہانیوں میں رائٹر حضرات کچھ زیادہ ہی لکھ جاتے ہیں۔ اور پھر جو مجھے فیل ہوا بول رہی ہوں۔ سوری اکتوبر کے شمارے میں ابھی چند ایک کہانیاں ہی پڑھی ہیں جو ہمیشہ کی طرح بہت اچھی ہیں۔ یہ جو پیا سحر کی کہانی ہے سالگرہ نمبر کیا حقیقی ہے یا پھر کہانی، کہانی کہانی ہی ہے۔ تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتے ہیں۔ اللہ سب کو اور زیادہ زور قلم دے۔ آمین۔ ایس امتیاز احمد میرے موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں۔ ان کی ہر کہانی بہت اچھی ہوتی ہے۔ اچھا اب اجازت دیں بہت باتیں ہوگئیں۔ اللہ ڈر اور ڈر سے منسلک تمام لوگوں کو دنیا آخرت کی کامیابیاں و کامرانیاں عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆ انابیہ صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم لیجئے آپ کی ناپسندیدگی کی وجہ سے خونی جزیرہ کا اختتام ہوگیا۔ اور امید ہے کہ اب آپ ہر ماہ ''نوازش نامہ'' ضرور ارسال کریں گی۔ Thanks۔

رابعہ عباس بستی فتے والی سے، السلام علیکم، امید ہے کہ ڈر سے وابستہ تمام لوگ خیریت سے ہوں گے۔ اس دور میں مسکراہٹ بھی ایک خواب ہو کر رہ گئی ہے۔ Study کی مصروفیت کی وجہ سے کچھ زیادہ نہیں لکھ رہی۔ کوشش کرتی ہوں کہ ڈر کے لئے ٹائم نکال سکوں۔ میری پہلی کہانی جو شائع ہوئی تھی تو مجھے اتنی خوشی ہوئی جس کو میں الفاظ نہیں دے سکتی۔ ڈر نے مایوس نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ڈر کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆ رابعہ صاحبہ: ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو Study میں کامیاب و کامران کرے۔ آپ کہانی لکھا کریں اور اس طرح آپ لکھتے لکھتے لکھاری بن سکتی ہیں۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی ڈر کو یاد رکھیں گی۔ شکریہ۔

فلک زاہد لاہور سے، ڈر کے تمام لکھنے اور پڑھنے والوں کو میری طرف سے السلام علیکم امید ہے سب خیریت سے ہوں گے، ماہ اکتوبر کا شمارہ 22 ستمبر کو صبح گیارہ بجے بذریعہ ڈاک موصول ہوا، جلدی سے لفافہ چاک کر کے دیکھا تو سرورق پر نگاہ پڑتے ہی دل میں ٹھنڈک اتر گئی کیونکہ سرورق پر موجود حسینہ بہت ہی پرکشش تھی آگے گئی تو مزید ٹھنڈک کا احساس ہوا یہ دیکھ کر پہلی کہانی مجھ سے شروع ہو کر ایس حبیب خان کی آخری کہانی پر ختم ہو رہی تھی...... خطوط میں کافی بہن بھائی نظر آئے مگر میں کسی ایک کا نام لئے بغیر صرف اتنا کہوں گی کہ جو سرے سے کہانی لکھنا نہیں جانتے انہوں نے ڈر کے سینئر رائٹرز پر ایسے تنقید کی ہے جیسے خود کہانی لکھنے میں کمال مہارت رکھتے ہوں اگرچہ پسند اپنی اپنی اور تنقید کا حق ہر کسی کو ہے مگر پھر بھی کچھ خیال رکھنا چاہئے۔ پچھلے کچھ ماہ میں نے ذرا سخت تبصرہ ارسال کر دیا تو کچھ بہن بھائی مجھ سے ناراض ہوگئے جبکہ کچھ نے بلاوجہ جوابی تنقید کی مجھ پر، یہاں لوگ صرف اپنی تعریف سننا چاہتے ہیں تنقید درحقیقت کسی سے بھی برداشت نہیں اس لئے آئندہ یا تو میں خط نہیں لکھوں گی یا پھر کسی پر تنقید نہیں کروں گی لیکن ایسا بھی نہیں کہ جھوٹی تعریف کروں گی جس کی کہانی پسند آئے گی کھل کے تعریف کروں گی جس کی پسند نہ آئی اس کا ذکر بھی نہیں کروں گی اور ایسا کرنے سے وہ خود ہی سمجھ جائے گا...... کہانی میں تسلسل نہیں، روانی نہیں ہے یہ الفاظ مجھے حیرت میں ڈال دیتے ہیں جناب کہانی لمبی ہو تو بندہ پڑھتے پڑھتے تھک ہی جاتا ہے آپ ایک ناول کو ایک نشست میں نہیں پڑھ سکتے آپ کو بیچ میں رکنا ہی پڑے گا اب میرے اس خط پر کسی کو اعتراض ہو تو آئی ڈونٹ کیئر لیکن اگر میری تنقید کی وجہ سے کسی بہن بھائی کا دل دکھا ہو تو اس کے لئے بھی معافی چاہتی ہوں میں منہ کی سیدھی اور سچی ہوں۔ اب بات ہو جائے سالگرہ نمبر کی تو شمارے میں موجود کہنے کو تو 25 خاص کہانیاں تھیں مگر میں صرف ان کہانیوں کا ذکر کروں گی جو میری نظروں میں خاص الخاص تھیں...... میرے حساب سے سالگرہ کی سرتاج کہانی کا اعزاز ایس حبیب خان صاحبہ کی کہانی ''بلیک میجک'' کو جاتا ہے جو کہ ایک فریش موضوع پر لکھی زبردست تحریر تھی...... دوسری سپرہٹ اسٹوری انکل ضرغام محمود کی ''مرگ حیات'' رہی جو لاجواب ثابت ہوئی۔ یہ دونوں کہانیاں اس ماہ کی ٹاپ کہانیاں تھیں شاباش ''درخواست'' شوکی صاحب چونکہ یہ آپ کی پہلی کہانی تھی لہٰذا بہت خوب رہی ورنہ مزید اچھی لکھ سکتے تھے۔ ''گاؤں کی چڑیل'' بھائی گلاب خان سولنگی کی حقیقی کہانی نے

دل لرزا دیا۔ ''چھوٹا بچہ'' نینا خان چونکہ آپ نئی ہیں اور کہانی بھی حقیقی لے کر آئیں اس لئے اچھی رہی..... رضوان قیوم کی ''اجگر'' بھی اچھی تھی مگر اینڈ ادھورا سا لگا..... پیاسحر کافی دیر بعد ڈائجسٹ میں نظر آئیں آپ کی کہانی ''سالگرہ نمبر'' مزاحیہ سی اسٹوری کافی اچھی لگی اور محمد شعیب بھائی پلیز اب کچھ نیا لکھیں بھائی احسان الحق کی کہانی کو سالگرہ نمبر میں نہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ آخر میں پھر معذرت اگر میری کوئی بات بری لگی ہو تو زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی..... اللہ حافظ.....!!!

☆☆ فلک صاحبہ: ہر انسان کی پسند اپنی اپنی ہوتی ہے، ایک چیز کسی کو پسند ہوتی ہے اور پھر وہی چیز دوسرے کو ناپسند۔ بہر حال تنقید برائے اصلاح ہونی چاہئے۔ اور اگر تنقید ہو رہی ہے تو اس پر غور کرنا چاہئے۔ ہر رائٹر کو چاہئے وہ بڑا ہو یا چھوٹا اسے فراخ دل ہونا چاہئے اور دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ نظر آتے ہیں وہ بہت زیادہ قوت برداشت کے مالک تھے اور ہیں۔ اور ہم جن کی امت ہیں ان کی زندگی کا مشاہدہ کر لیں۔

مصباح بستی فتے والی سے، السلام علیکم! امید ہے کہ ڈرسے وابستہ تمام لوگ خیریت سے ہوں گے ڈرڈائجسٹ کی محفل میں پہلی مرتبہ لکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور یہ شرف مجھے میری دوست رابعہ عباس سے ہوا ہے۔ ڈرڈائجسٹ پہلے ہی زیر مطالعہ رہا ہے لیکن کبھی تبصرہ نہیں لکھ پائی تھی۔ خیر ڈر کی ہر کہانی بھرپور، تجسس، ایکشن، پراسراریت اور ڈراؤنی ہوتی ہے اور پھر دلچسپ اتنی ہوتی ہے کہ چھوڑنے کو دل نہیں کرتا۔ جیسا کہ قسط وار کہانی ''رولوکا'' دلچسپی کا بھرپور سامان لے جا رہی ہے۔ اور ''اسرار'' کہانی بھی اچھی جا رہی ہے۔ تمام اسٹاف اور قارئین کو محبت بھرا سلام۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے ڈر کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆ مصباح صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے اور آئندہ ماہ بھی خط لکھنے کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔

نینا خان کراچی سے، السلام علیکم! جناب ایڈیٹر صاحب امید کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ ماہ اکتوبر کا سالگرہ نمبر پڑھ کر بے حد خوش ہوئی۔ اکتوبر میں نہ صرف ڈرڈائجسٹ کی سالگرہ ہے بلکہ میری بھی 16 اکتوبر کو برتھ ڈے آتی ہے اور مجھے میری برتھ ڈے کا بہت خوب صورت تحفہ ڈرڈائجسٹ نے دیا ہے میری اسٹوری لگا کر اپنی اسٹوری پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ ڈر کے ادارے کا نام خوشیاں بانٹنا ہے اور اس ادارے میں تمام کام کرنے والوں کو اللہ بہت خوش رکھے اور انہیں کامل صحت دے۔ (آمین) ماہ اکتوبر کی بھی تمام کہانیاں بہت اچھوتی اور خوف سے بھرپور تھیں جسے پڑھ کر میں بہت لطف اندوز ہوئی۔ پارسل نشان عبرت، مہمان شکتی، موت کی پکڑ، یوجی، خونی کیفے، ہوائی مخلوق، بلیک میجک وغیرہ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ اور ساتھ ہی ایک بار پھر شکریہ میں شب و روز ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ نینا صاحبہ: آپ کو سالگرہ مبارک ہو اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سدا خوش رکھے۔ آپ کی کہانی ''عجیب وقت'' کمپوز ہو چکی، اگلے شمارے میں ضرور شامل اشاعت ہوگی، اس کے لئے معذرت اور ہاں آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا بھولئے گا مت۔

محسن عزیز حلیم کوٹھا کلاں سے، السلام علیکم! تمام ڈر اسٹاف، ریڈرز اینڈ رائٹرز کو میری طرف سے پیار بھرا سلام، اکتوبر کا شمارہ جلد ہی مل گیا، ٹائٹل زبردست تھا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں اور پھر خطوط کی محفل میں انٹری دی تو کچھ نئے دوست ملے، سب کو ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، کہانیوں کی محفل میں گئے تو ''پارسل'' کے متعلق کہتا ہوں کہ پیاری بہن فلک زاہد واقعی چھا گئی ہیں۔ ''مشک''، ''سسٹر عطیہ زاہرہ لے کر آئیں زبردست کہانی رہی۔ ''آسیبی ڈرامہ'' مہر پرویز احمد دولو ویری بیسٹ ''شیطانی عمل'' طارق محمود ویری نائس ''گاؤں کی چڑیل'' گلاب خان سونگی ویری گڈ، ''سالگرہ نمبر'' آپی پیاسحر ویلڈن۔ ''روح کا بدلہ'' سسٹر رشک نور، آپ کی کہانی زبردست رہی۔ ''خونی ڈرامہ'' ویری نائس ''چھوٹا بچہ'' آپی نینا خان آپ تو واقعی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ''خونی کیفے'' مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ پہلی کہانی اور وہ بھی اتنی اچھی۔ ''درخواست'' ویری نائس ''یوجی'' محمد شعیب زبردست ''مرگ حیات'' بھائی ضرغام محمود آپ تو جب بھی آتے ہیں کمال ہی کرتے ہیں۔ Good ''موت کی پکڑ'' نور اسلم کاوش بہت زبردست ''آسیبی حویلی'' آپی مریم فاطمہ آپ کی کہانی کا ہمیں انتظار رہتا ہے۔ ''اجگر'' رضوان قیوم ویری گڈ ''ہوائی مخلوق'' اقرا قریشی بڑی کمال کی کہانی

ویری گڈ، ''مہمان شکتی'' محمد قاسم رحمان ویری گڈ۔ ''نشان عبرت'' ویری نائس ''خونی انجام'' دل کو چھو لینے والی کہانی، ''بلیک میجک'' ایس حبیب خان آپ تو ہر بار چھا جاتی ہیں۔ قوس قزح میں سبھی نے اچھا لکھا۔ ''رولوکا'' یہ قسط بھی بیسٹ رہی۔ ''خونی جزیرہ'' زبردست قسط رہی۔ ''اسرار'' کا جواب نہیں۔ پیارے انکل جی اب میرے بارے میں کچھ خیال کریں۔ شاید میری کہانی پر بھی نظر کرم ہو جائے۔ اور اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہیں گے کہ ڈر ڈائجسٹ ہمیشہ ترقی کرتا رہے۔ آمین۔

☆☆ محسن صاحب: خوش ہو جایئے آپ کی کلاوتی شامل اشاعت ہے۔ اور فوراً اب کوئی نئی کہانی ارسال کر دیں، کہانی کو دوبارہ ضرور پڑھ لیجئے گا اور ہاں خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ۔

گلاب خان سولنگی کشمور سے، السلام علیکم جناب احوال یہ ہے کہ پچھلے دنوں میرے بیٹے کا روڈ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور وہ تا حال کراچی کے ایک نجی اسپتال میں زیر علاج ہے۔ اس دوران مجھے اور فیملی کو کافی پریشانیوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے اپنا خون بھی ڈونیٹ کیا۔ خدا کے فضل و کرم سے میرے بیٹے کی طبیعت کافی بہتر ہو گئی ہے۔ لیکن وہ اب بھی زیر علاج ہے اور یہ عید بھی ہماری اسپتال میں ہی گزرے گی، لیکن اس سارے پراسیس میں مجھے گرتے ہوئے اپنے معاشرے کا صحیح عکس دیکھنے کا مشاہدہ ہوا۔ اس زوال پذیر معاشرے میں غریبوں کو دوائی اور علاج معالجے کی صورت میں دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا رہا ہے، جہاں انسانیت سسک رہی ہے اور مسیحائی کاروبار بن گیا۔ وہ معاشرہ بھلا کیسے اسلامی فلاحی ریاست کہلا سکتا ہے؟؟؟ سر میں اب بھی اسپتال سے ہی یہ خط لکھ رہا ہوں۔ کیا اس ملک میں غریب کو علاج کا حق نہیں ہے؟ زندگی بچانے والی ادویات کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ ارباب اختیار کو نظر نہیں آ رہا؟ اس کا جواب عوام نے دینا ہے۔ اب آتے ہیں ستمبر کے شمارے کی طرف تو سب سے پہلے شاہد بھائی! میں اسپتال کی پریشانیوں میں سے کچھ وقت نکال کر آپ کے دفتر میں آیا اور جس طرح سے آپ نے ہمارا استقبال کیا اور خاطر کی میں آپ کا اور ڈر کے پورے اسٹاف کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اپنا قیمتی وقت دیا، یقین مانو شاہد بھائی آپ سے مل کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ تھوڑی دیر کے لئے اسپتال کے کرب و مصائب کو بھول سا گیا تھا۔ آپ نے مجھے کافی حوصلہ دیا اور یہی وجہ ہے کہ اسپتال میں رہتے ہوئے بھی ڈر کے لئے اپنی تحریر لکھ رہا ہوں۔ اچھا اب اجازت چاہوں گا۔ خدا حافظ۔

☆☆ گلاب سولنگی صاحب: میں نے ایک جگہ اور کئی لوگوں سے سنا ہے کہ جب کسی ملک کی عوام بے راہ روی اور ایمان سے ہٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ سخت حکمران مسلط کر دیتا ہے، خیر یہ بات حقیقت ہے کہ سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے اور انسان خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ اربوں کھربوں اور کروڑوں سے ہاتھ دھو لیتا ہے۔ تو ایسی زندگی سے کیا فائدہ کہ اپنی زندگی میں دوسروں کا احساس نہ کرنے والا کبھی کبھی تو بے گور و کفن ہی چلا جاتا ہے۔ کاش کہ ہر کرتا دھرتا انسان دوسروں کا احساس کرے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ''کر بھلا تو ہو بھلا'' انسانیت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ تمام اہل خانہ کی پریشانیاں دور کرے۔ (آمین)

عبدالجبار رومی قصور سے، السلام علیکم ڈر کے خوب صورت سرورق کے لئے اتنا ہی کہوں گا کہ سالگرہ کی مناسبت سے بہت عمدہ رہا اور سالگرہ کی بہت بہت مبارک ہو۔ قرآن کی باتیں دل میں گھر کرتی ہیں اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ خطوط کی محفل سے نینا خان، اقراء قریشی، مسز زینت خان، فلک زاہد، ایس حبیب خان، سیدہ عطیہ زاہرہ، احسان الحق، طارق محمود، مدثر بخاری اور محمد خالد شاہان کے خطوط بھرپور تبصرے کے ساتھ اچھے لگے۔ کہانیوں میں ضرغام محمود کی ''مرگ حیات'' سب سے اچھی لگی۔ مریم فاطمہ کی تحریر آسیبی جھیل بھی اچھی رہی۔ اقراء قریشی کی کہانی بھی اچھی رہی۔ سنہری مچھلی جل پری سے مل کر ہریرہ نے شرجیل کو رہائی دلوائی اور طالوس جن کو نشان عبرت بنا دیا۔ کہانی اچھی لگی۔ بلیک میجک کا بھی جواب نہیں۔ محمد شعیب کی تحریر یوجی بھی اچھی رہی لیکن یوجی اتنا نقصان کر کے غائب ہو گیا اور ایم اے توقیر کو انتظار پہ لگا دیا اسی کہانی کا کوئی حصہ بنا کے یوجی کو بھی منطقی انجام تک پہنچایا جانا چاہئے تھا۔ چھوٹا بچہ اچانک بڑا ہو گیا ماورائی مخلوق ایسی ہی ہوتی ہے نینا خان کی آخر میں کی گئی نصیحت اچھی لگی۔ رشک نور کی کہانی بھی اچھی تھی۔ فلک زاہد کی کہانی پارسل زبردست رہی، ہماری زندگی کسی خواب پریشاں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور اس کائنات کی ہر شے انتظار کر رہی ہے۔ فنا ہونے کا شاید، خوب صورت لفظوں اسرار و تحیر سے لبریز اے وحید کی تحریر ''رولوکا'' بہت عمدہ جا رہی ہے۔ اسرار بھی زبردست طریقے سے آگے بڑھ رہی ہے اور یہ کہانی ڈاکوؤں سے پنجہ آزمائی کرتا پڑھنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ قوس قزح سے رقیہ انجم، محمد اسحاق انجم

ا... کا انتخاب اچھا لگا۔ جبکہ غزل سے رابعہ آفرین، ساحل ابڑو کا نرالہ انداز شاعری اور ریاض حسین قمر کی شاعری عمدہ رہی والسلام۔

☆☆ عبدالجبار صاحب: سالگرہ نمبر کے لئے لکھی نظم زبردست رہی دل کو بھا گئی اور بہت خوشی ہوئی اس کے لئے شکریہ، اور پھر خط لکھنے اور کہانیوں کے لئے ڈھیروں شکریہ۔

محمد حنیف شاکر ننکانہ صاحب سے، ڈیئر ایڈیٹر صاحب، السلام علیکم، کے بعد عرض ہے کہ میں کافی عرصہ سے ڈر ڈائجسٹ کا خاموش قاری ہوں مگر بہت زیادہ مصروفیات کی بنا پر کچھ لکھنے کی ہمت نہیں کرسکا، مگر اب کچھ وقت نکال کر لکھنے کی جسارت کررہا ہوں، ڈائجسٹ نہایت ہی عمدہ جارہا ہے خاص کر قرآنی صفحہ پڑھنے سے روح تازہ ہوجاتی ہے۔غزلیں اور شعر بھی معیاری ہوتے ہیں یوں سمجھیں کہ ڈر ڈائجسٹ اپنی مثال آپ ہے اس کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں میں بھی ایک غزل بھیج رہا ہوں امید ہے حوصلہ افزائی ضرور ہوگی۔

☆☆ محمد حنیف صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، ڈر ڈائجسٹ اور اس کی کہانیاں پسند کرنے کے لئے شکریہ، آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولئے گا مت۔شکریہ۔

ڈاکٹر عامر شہزاد ننکانہ صاحب سے، السلام علیکم! کے بعد عرض ہے کہ میں ڈر ڈائجسٹ سے عرصہ 10 سال سے وابستہ ہوں، مگر بعض وجوہات اور مصروفیات کی وجہ سے بہت چاہتے ہوئے بھی ڈائجسٹ کے لئے کچھ لکھ نہ پایا مگر اب ہمت کرکے اور ٹائم نکال کر لیٹر لکھ رہا ہوں ستمبر کا ڈر پڑھا جو بہت عمدہ تھا، غزلیں، خطوط اور شعر سب بہترین تھیں اور دل خوش ہوگیا۔ بالخصوص اسلامی صفحہ پڑھنے سے روح خوش ہوگئی تمام نئے اور پرانے رائٹرز کو میری طرف سے سلام قبول ہو اور خاص طور پر ایڈیٹر صاحب آپ کو میری طرف سے اس بات پر بہت مبارک قبول ہو کہ اس دور میں جب سوشل میڈیا عروج پر ہے اور اکثر نامور ڈائجسٹ بند ہوچکے ہیں مگر ڈر ڈائجسٹ ماشاءاللہ پوری آب وتاب سے جاری وساری ہے۔خدا اسے نظر بد سے بچائے اور دن دن رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

☆☆ عامر شہزاد صاحب: ڈر ڈائجسٹ ویلکم، چلئے حوصلہ افزائی ہوگئی اور اب قوی امید ہے کہ حسب وعدہ ہر ماہ اپنی اچھی تحریریں ضرور ارسال کریں گے۔Thanks۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم! خیروعافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں، موسم آہستہ آہستہ بدل رہا ہے، آسمان صاف ہے ہر طرف دھوپ کی کرنیں روشن ہیں۔دوستوں سے ملنے اور ضروری کام نمٹانے کے بعد شہر جانا نصیب ہوا۔ کچھ شاپنگ کرنے کے لئے آج یکم محرم الحرام ہے۔ہر طرف فضا اداس اداس دکھائی دیتی ہے۔واقعہ کربلا ہمیں گزرے واقعات اور قربانیوں کی یاد دلاتا ہے۔گھنٹہ گھر کے قریب بکسٹال پر ڈر ڈائجسٹ سالگرہ نمبر 2017ء کے تازہ پرچے سے ملاقات ہوگئی اس بار سالگرہ نمبر بہت اچھا تھا۔سرورق بڑے کمال کا تھا اندر جھانکا تو رنگ برنگی تحریروں سے ملاقات ہوگئی۔خط اور غزلیں شائع کرنے پر میں آپ کا بے حد مشکور ہوں، سالگرہ نمبر اپنی مثال آپ تھا جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، پرچے کا اپنا ہی ایک الگ معیار ہے۔ سالگرہ نمبر نکالنے پر میری جانب سے مبارکباد قبول کریں۔تمام سلسلے اپنی اپنی جگہ پر بہتر تھے۔جیسے انگوٹھی میں نگینہ ہو، آپ کی یاد آوری کا شکریہ میں شب وروز دعا گو رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ڈر ڈائجسٹ کو مزید ترقی سے نوازے۔

☆☆ محمد اسلم صاحب: بہت بہت شکریہ کہ آپ ہر ماہ قلبی لگاؤ سے خط ارسال کرتے ہیں اور ہم بھی آپ کو دلی طور پر یاد کرتے ہیں اور آپ کی ترقی اور خوشحالی کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔آئندہ ملاقات تک کے لئے اللہ حافظ۔

ایس امتیاز احمد لاہور سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا! سالگرہ نمبر ہاتھوں میں ہے۔تجزیہ لکھنے کا ارادہ تھا؟ مگر آنکھوں کی تکلیف کے باعث نہ لکھ سکا؟ عنقریب آنکھوں کا آپریشن ہے دعا کی درخواست ہے اپنے تمام دو یورز سے شکریہ، خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے..... سالگرہ نمبر کے لئے Story`s کا انتخاب لاجواب رہا۔ ہمارے آرٹیکلز کو جگہ دینے کا شکریہ۔میٹرز آپ کے پاس ہے دیکھئے گا۔آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ڈر کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام کوب صورت پڑھنے والے دو یورز کو دعا سلام، اپنا خیال رکھئے گا۔

☆☆ امتیاز صاحب: آپ بھی اپنا شب وروز خیال رکھئے گا کیونکہ موسم حد درجہ گرم ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل وکرم کرے۔

دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا آپریشن کامیاب کرے۔ (آمین)

محمد شعیب فیصل آباد سے، السلام علیکم! سرورق پر ڈر کا سالگرہ نمبر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ہمیشہ کی طرح منفرد ٹائٹل تھا۔ کہانیاں بھی اس بار پہلے سے زیادہ تھیں۔ سب سے پہلے خطوط کی محفل تھی۔ جہاں سب سے آدھی ملاقات کر کے اچھا لگا۔ زینت خان کا طویل تبصرہ بہت عمدہ رہا۔ کہانیوں میں سب سے پہلے پارسل پڑھی۔ اس کے علاوہ گلاب خان کی گاؤں کی چڑیل بھی ایک اچھی کہانی تھی۔ پیاسحر کی سالگرہ نمبر آپ بیتی کی شکل میں کہانی اچھی کاوش رہی۔ خونی کیفے اچھی کہانی رہی۔ باقی کہانیاں زیر مطالعہ ہیں۔ نومبر میں ڈر سے مجھے پورا ایک سال ہو جائے گا۔ پچھلے سال نومبر میں کہانی ''موت کا معمہ'' سے شروع ہونے والا یہ سفر ایک سال مکمل کر چکا ہے۔ جس کے لئے میں پوری ڈریم کا بہت مشکور ہوں۔ جنہوں نے تقریباً ہر ماہ مجھے ڈائجسٹ کی محفل میں جگہ دی۔ ایک سال میں گیارہ کہانیاں (نو افسانے، ایک ناولٹ اور ایک مکمل ناول) شائع ہونا میرے لئے بہت ہی اعزاز کی بات ہے۔ آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔ انشاء اللہ، اگلے شمارے میں پھر ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔

☆☆ شعیب صاحب: ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر فضل و کرم کرے اور آپ برسر روزگار ہو جائیں۔ محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ صلہ ضرور ملتا ہے۔ بشرطیکہ لگن سچی ہو۔ بدنظر اگلے ماہ ضرور شائع ہو جائے گی۔ شکریہ۔

عبدالعزیز بلوچ کراچی سے، محترم ایڈیٹرز اسٹاف اور رائٹرز السلام علیکم اس مرتبہ ڈر اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ ساتھ جلد موصول ہوا۔ سرورق منفرد اور ڈر کے مطابق رہا۔ خطوط سب ہی دوستوں کے اچھے تھے۔ احسان الحق صاحب کی صحت اور تندرستی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں۔ سالگرہ نمبر میں فلک زاہد صاحبہ پارسل لے کر حاضر ہوئی جو قابل تعریف رہی۔ ایس حبیب صاحبہ نے بلیک میجک سے پورے محفل کو سحر زدہ کر دیا۔ طارق محمود شیطانی عمل کرتے ہوئے نظر آئے، طارق بھائی آپ بہت اچھا لکھتے ہیں مہر پرویز احمد دولو کا آسیبی ڈرامہ اور ایس امتیاز احمد صاحب کا خونی ڈرامہ کا جواب نہیں اور دیا خان بلوچ کی خونی کیفے نے بہت متاثر کیا۔ پیاسحر کی سالگرہ نمبر، مریم فاطمہ کی آسیبی جھیل، اقراء قریشی کی ہوائی مخلوق، محمد ابو ہریرہ بلوچ کی نشان عبرت بھی شاندار اور زبردست تحریریں تھیں، ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ عبدالعزیز صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، آئندہ بھی خط لکھنے کے لئے شکریہ قبول کریں۔

مہر پرویز احمد دولو میاں چنوں سے، سلام مسنون، آپ کی محبتوں کے جواب میں شکریہ کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ حاضر خدمت ہیں۔ محبتوں کے خزانے تھال میں سجائے ڈر 22 ستمبر کو دروازے پر منتظر پایا۔ سرورق کا جواب نہیں۔ قرآن کی باتیں پڑھ کر رب ذوالجلال کی لاتعداد نعمتوں کا ادراک ہوا۔ خطوط کی مٹھاس نے آج تک شہد کی طرح پورے من کو میٹھا کر رکھا ہے۔ نیا خان کی محبتوں کا شکر گزار ہوں۔ مسرت زینت خان آپ نے تو مجھے مفرور کر دیا۔ آپ کی نوازشوں کا قرض کیسے چکاؤں؟ میاں یاور حسین کا شکر گزار ہوں، محترم احسان الحق صاحب آپ کی محبتیں میرے لئے بہت بڑا ایوارڈ ہے۔ عبدالعزیز بلوچ اور محمد شعیب کی چاہتوں کا مقروض ہوں، فلک زاہد کی پارسل لاجواب تحریر تھی۔ درخواست میں شوکی اور میری طرف سے خان نے رحمدلی کے جذبے کو اجاگر کیا ہے۔ مشک بھی اچھی تحریر تھی، اے وحید کی ردولو کا آب و تاب سے منزل کی طرف گامزن ہے۔ طارق محمود نے بھی بہت خوب لکھا۔ گلاب خان کی تحریر نے تو حیران کر دیا۔ سادہ سے لفظوں پر سالگرہ نمبر پیاسحر کی ذہانت کا نچوڑ نظر آئی، رشک نور کا روح بدلہ کوب رہی۔ ایم الیاس کی خونی جزیرہ میری پسندیدہ تحریر ہے۔ نیا خان بھی اچھی تحریر لائین دیا خان کے خونی کیفے نے تو خون خشک کر دیا۔ محمد شعیب کا یوحی کا انتقام اور پھر انجام کا جواب نہیں۔ ملک این اے کاوش نے خوب موت کو پکڑا۔ مریم فاطمہ کی کہانی زبردست رہی، باقی کہانیاں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

☆☆ مہر پرویز صاحب: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا خط پڑھ کر اچھا لگا اور اب قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ ضرور بھیجے گا۔ Thanks

احسان الحق محترم ایڈیٹرز، اسٹاف اور رائٹرز و قارئین کرام، السلام علیکم۔ امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ 23 اگست کو موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ کہ ناچیز کو یاد رکھا۔ محترم ایڈیٹر صاحب اپنے بائیں

کان کی شنوائی سے محروم ہو چکا ہوں۔ مرض قابو میں آ گیا ہے لیکن ایمیونیٹی لیول اتنا کمزور ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں۔ سب مرض کے تقاضے ہیں۔ سالگرہ نمبر پڑھتا رہا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں بالخصوص اول و آخری کہانیاں تو ڈر ڈائجسٹ کی سپر قلم نگاروں کی تحریریں تھیں۔ جن کی تعریف کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ ''چھوٹا منہ بڑی بات'' ہوگی۔ سب کے لئے ڈھیروں دعائیں بھی۔ سب بہن بھائیوں کو ڈر کی سالگرہ مبارک۔ والسلام و خیر اندیش۔

☆☆ احسان صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد آپ کو کلی صحت عطا کرے اور تمام اہل خانہ پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔ کہانیوں کی تعریف اور نوازش نامہ کے لئے شکریہ۔

میاں یاور حسین اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل! امید ہے سب وہاں خیریت سے ہوں گے۔ آپ سب کو ڈر کی سالگرہ مبارک۔ اس مرتبہ سرورق اچھا تھا لیکن خوفناک نہیں تھا جبکہ سرورق کو خوفناک ہی ہونا چاہئے کیونکہ ڈر چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ میں نے سب کی سب کہانیاں پڑھی ہیں، صرف قسط وار کہانیاں نہیں پڑھتا۔ اس مرتبہ سب نے اچھا لکھا لیکن مجھے بلیک میجک، پارسل، درخواست، خونی ڈرامہ، خونی کیفے زیادہ پسند آئیں کیونکہ کچھ زیادہ Realistic Style میں لکھی گئی تھیں۔ سب کو سلام۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سب کو خوشیاں دے۔ آمین۔

☆☆ یاور صاحب: آپ کو سرورق پسند آیا اور ساتھ ہی کہانیاں بھی اس کے لئے ڈھیروں شکریہ، اگلے ماہ بھی ڈر کو ضرور یاد رکھئے گا۔ Thanks۔

طارق محمود کامرہ اٹک سے، السلام علیکم! بچپن سے کہانیوں میں اتنی دلچسپی رہی کہ جب بھی جہاں سے بھی کوئی کہانیوں کی کتاب کوئی ملتی تو چاہے رات لگ جاتی لیکن پڑھ کر ہی دم لیتے اور پھر آہستہ آہستہ پڑھتے پڑھتے لکھنے پر شوق چرانے لگا۔ کہانی بھیجنے پر ڈر نے حوصلہ دیا تو مزید کہانیاں لکھیں، شروع ہی سے پریوں اور جنوں کی کہانیاں شوق سے پڑھتے تھے اسی لئے ڈر اپنا پسندیدہ رسالہ بنا اب ہر ماہ کوشش کر کے تبصرہ اور کہانیاں ضرور لکھتے ہیں تاکہ ڈر سے مستقل رابطہ رہے۔ اب چلتے ہیں سالگرہ نمبر کی طرف دل کو کھینچنے والے ٹائٹل کے ساتھ اس ماہ کا ڈر بہترین رہا۔ قرآن کی باتیں، ایک اچھا سلسلہ ہے۔ خطوط کی محفل اور قوس قزح کے کیا کہنے۔ اس ماہ کی پہلی کہانی ''پارسل'' ایک اچھا سبق دے رہی تھی۔ دوسری کہانی ''درخواست'' بھی ایک سبق آموز کہانی تھی۔ تیسری کہانی سیدہ عطیہ صاحبہ کی ''مشک'' ایک چھوٹی سی اچھی لوا اسٹوری تھی۔ عطیہ صاحبہ کے بارے میں جان کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ ایم اے راحت صاحب کی شاگرد رہیں۔ ''آسیبی ڈرامہ'' گاؤں کی چڑیل بھی اچھی رہی۔ پیاسحر کی ''سالگرہ نمبر'' بہت ہی زبردست اسٹوری تھی۔ ''خونی ڈرامہ'' ایس امتیاز احمد کی ہمیشہ کی طرح سسپنس سے بھرپور ایک بہترین تحریر تھی۔ ''مرگ حیات'' ضرغام محمود صاحب نے بہت ہی محنت سے ایک اچھی کافی تخلیق کی۔ ''موت کی پکڑ'' کا جواب نہیں۔ رضوان قیوم کی ''اجگر'' نے بھی زبردست سسپنس دیا اچھی اسٹوری تھی۔ باقی کہانیاں بھی بہت ہی اچھی اور ڈر کے معیار کے مطابق تھیں۔ اتنا اچھا سالگرہ نمبر مرتب کرنے پر مبارکباد قبول کریں دعا ہے کہ ڈریوں ہی ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔ آمین۔

☆☆ طارق صاحب: آپ کی کہانی بھی میری نظر میں زبردست تھی۔ ہماری دعا ہے کہ کامیابی آپ کے قدم چومے آئندہ بھی تبصرہ ضرور بھیجئے گا۔ شکریہ۔

صفدر علی فیصل آباد سے، السلام علیکم! پورے ڈراسٹاف کو ہم ادب سے سلام عرض کرتے ہیں، ڈر سے جڑے ہر فرد کو سالگرہ مبارک، اس بار ڈر شمارہ کو 25 کہانیوں سے سجایا گیا۔ جسے دیکھ کر ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ اپنا خط شائع ہوا دیکھ کر اور بھی خوشی ہوئی۔ اس بار کہانیاں واقعی زبردست تھیں۔ ''رولوکا'' میری پسندیدہ کہانی ہے اس کے علاوہ ''اسرار'' اور ''تاتونی'' بھی کچھ کم نہیں، باقی کہانیاں پارسل، درخواست، آسیبی جھیل، اجگر، مہمان شکتی، چھوٹا بچہ، بلیک میجک اور مرگ حیات بھی کمال کی رہیں۔ پڑھائی کی مصروفیات کی وجہ سے صرف یہی پڑھ سکا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ باقی تمام کہانیاں بھی لاجواب ہوں گی۔ اپنے پسندیدہ رائٹرز کو خصوصی سلام جن میں ''اے وحید''، ''محمد خالد شاہان''، ''عمران قریشی''، ''مریم فاطمہ''، ''فلک زاہد'' اور ''محمد شعیب'' شامل ہیں۔

☆☆ صفدر صاحب: دل لگا کر خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے اور آئندہ بھی نوازش نامہ بھیجنے کے لئے بہت بہت شکریہ قبول کریں۔

عجب گل اداسی ٹنڈوالہ یار سے، السلام علیکم! محترم ایڈیٹر اسٹاف اور رائٹرز قارئین کرام امید ہے کہ سب خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ستمبر کے شمارے میں اپنی کہانی دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی اس کے لئے دلی شکریہ۔ اکتوبر کا شمارہ 20 تاریخ کو مل گیا۔ ٹائٹل کی حسینہ بہت ہی خوب صورت منظر پیش کر رہی تھی۔ شہزادہ چاند زیب عباسی میرے موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں۔ فہرست میں سب سے زیادہ ان کی کہانی کو تلاش کرتا ہوں۔ چاند زیب سے Request ہے کہ جلدی واپس آجائیں۔ احسان الحق محمد شعیب اور دیگر حضرات کا شکریہ جنہوں نے میری کہانی کی تعریف کی۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ آپی فلک زاہد کی کہانی ''پارسل'' ٹاپ آف مقطع رہی ویلڈن، ایس حبیب خان کی بلیک میجک اچھی تھی۔ انکل امتیاز احمد کی کہانی بھی کافی خوب رہی۔ انکل امتیاز سے میری Request ہے کہ آپ بڑی کہانیاں لکھنا اسٹارٹ کریں۔ سلسلہ وار میں رولو کا اور تاتونی خوب جا رہی ہیں۔ شاعری کی دنیا میں محمد اسلم جاوید کی شاعری زبردست رہی، ویلڈن، خیر میں اپنی نئی کہانی ارسال کر رہا ہوں۔ اور قوی امید ہے کہ مجھے قریبی اشاعت میں جگہ ملے گی۔ (شکریہ)

☆☆ عجب گل صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کے لئے شکریہ، کہانی لکھ کر کسی اور سے فیئر کرالیا کریں کیونکہ آپ کی رائٹنگ پریشان کرتی ہے۔ شکریہ۔

اعجاز احمد کراچی سے، عرض یہ ہے کہ کافی دن بعد ڈر کے لئے خط تحریر کر رہا ہوں اور وجہ ہے ڈر کی سالگرہ، میں ڈر کا مستقل قاری ہوں اور اسے بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ اگرچہ پہلے بھی میرا تنقیدی خط شائع نہیں کیا گیا تھا۔ مگر ایک فین ہونے کے ناطے یہ میرا فرض ہے کہ ڈر کی بہتری کے لئے میں کہانیوں پر تبصرہ کروں۔ سب سے پہلے کہانیوں میں ''پارسل'' پڑھی۔ کہانی میں بہت جھول تھا۔ ''مشک'' سنجھی ہوئی رائٹر کی اچھی تحریر تھی۔ ''آسیبی ڈرامہ'' ''شیطانی عمل'' اور ''گاؤں کی چڑیل'' تینوں ایک ہی ٹائپ کی تھیں اور ڈر کے معیار سے بہت نیچے تھیں۔ ''سالگرہ نمبر'' منفرد انداز کی حامل تحریر تھی، پسند آئی۔ ''روح کا بدلہ'' اور ''خونی ڈرامہ'' کچھ سمجھ نہ آسکی، معذرت کے ساتھ رائٹر کو بہت محنت کی ضرورت ہے! ''چھوٹا بچہ'' بقول رائٹر یہ سچا واقعہ تھا تو مان لیتے ہیں، اچھا لگا گڈ! ''خونی کیفے اور یوجی'' دونوں کہانیوں کا کوئی سر پیر نہیں تھا۔ اگرچہ میں محمد شعیب صاحب کی تحریروں کا فین ہوں مگر یوجی پڑھ کر بہت مایوسی ہوئی۔ ''مرگ حیات'' کیا بات ہے۔ ضرغام محمود صاحب کی بہت ہی اعلیٰ تحریر تھی۔ ''موت کی پکڑ'' عمدہ تحریر تھی۔ بہت پسند آئی۔ ''آسیبی جھیل'' کہانی یکسانیت کا شکار تھی۔ ''اجگر'' رضوان قیوم صاحب کے قلم سے نکلی ایک عمدہ تحریر تھی۔ ''ہوائی مخلوق اور مہمان شکتی'' دونوں کوئی خاص تاثر قائم نہ کرسکیں۔ ''نشان عبرت'' اس کہانی کے بارے میں کیا کہوں؟ اسے پڑھ کے لگا کہ میں ڈر کے بجائے ''عمرو عیار'' اور ''طلسم ہوشربا کی کہانی پڑھ رہا ہوں۔ لکھنے والوں سے گزارش ہے کہ لکھتے وقت ڈر کے معیار کا خیال رکھیں اور معیاری تحریر کے متلاشی لوگوں کو مایوس نہ کریں۔ ''خونی انجام'' اوکے تھی۔ ''بلیک میجک'' ایس حبیب خان صاحبہ کی لاجواب تحریر تھی۔ ایس حبیب صاحبہ میری موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں اور ہر دفعہ کچھ نیا لے کر ہی حاضر ہوتی ہیں۔ ان کی ہر تحریر بہت جاندار ہوتی ہے۔ میرے تبصرہ کا مطلب کسی کی دل آزاری نہیں، تنقید برائے اصلاح ہے، امید کرتا ہوں کہ تمام رائٹرز اسے کھلے دل سے لیں گے۔

☆☆ اعجاز صاحب: خوش ہو جایئے کیونکہ آپ پر محکمہ ڈاک کو رحم آ گیا۔ ہر انسان کی پسند اپنی اپنی ہوتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ تمام کہانیاں ایک کی پسند کے مطابق ہوں۔

☆☆☆

قارئین کرام! رولو کا کی قسط نمبر 150 آپ کے ہاتھوں میں ہے اور یہ رولو کا کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ قارئین کرام! شروع سے اب تک 150 قسطوں میں کئی قسطیں ایسی بھی ہوں گی جو کہ انیس بیس بائیس یعنی نرم گرم، ان تمام قسطوں کو قارئین آپ سب نے پسند کیا۔ اور آپ سب کی پسند پر ہی رولو کا ہر ماہ شائع ہو رہی ہے۔ جو قارئین قسطیں پڑھتے ہیں ان سے استدعا ہے کہ آئندہ ماہ رولو کا کے متعلق ضرور اپنی رائے دیں تاکہ اس رائے کی روشنی میں رولو کا کو کوئی نیا موڑ دیا جا سکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک الگ کاغذ پر اپنی رائے ارسال کریں، شکریہ۔ (ادارہ ڈرڈائجسٹ)

عجب انتقام

ملک این اے کاوش-سلانوالی سرگودھا

بپھری ہوئی روح کی اچانک آواز سنائی دی۔ جنگل سے نکل کر یہ مت سمجھو کہ تمھاری جان بخشی ہوگئی، ایک عبرتناک سزا تمھارے لئے تیار ہے، تم مرو گے نہیں لیکن دوسروں کے لئے عبرت کا نشان بن جائو گے۔

خوف اور عبرت کے سمندر میں.....غوطہ زن خودغرضی کا لبادہ اوڑھے.....خونی کہانی

وہ پیچھے دیکھے بنا مسلسل بھاگ رہا تھا۔اس کی ٹانگیں شل ہو رہی تھیں لیکن پھر بھی زندہ رہنے کی خاطر وہ بھاگ رہا تھا۔اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اگر وہ رک گیا تو موت اس پر حاوی ہو جائے گی۔وہ بجلی کی سی تیزی سے دوڑ رہا تھا۔گھپ اندھیرا ہونے کے باوجود اسے سب کچھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے چودہ طبقوں میں اس کی آنکھیں دیکھنے کی جسارت رکھنے لگی تھیں یا پھر شاید یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اسے زندہ رہنا تھا۔وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ایک پل کے لیے بھی رک گیا تو دوبارہ دوڑ نہیں پائے گا۔وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی تمام تر ہمت لگا کے دوڑ رہا تھا۔

اس کے پیچھے مسلسل قہقہے لگانے کی بلند و بالا بازگشت گونج رہی تھی۔یوں لگ رہا تھا جیسے ایک ساتھ کئی لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے ہوں۔منزل قریب تھی۔کچھ ہی فاصلے پر اسے مین روڈ دکھائی دے رہا تھا۔جس پر خاصی تعداد میں ٹریفک آجا رہی تھی۔وہ کسی طرح اس بھیانک قبرستان سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔

عین اس وقت جب وہ قبرستان کی حدود سے باہر قدم نکالنے ہی والا تھا کہ ایک دیوقامت درخت کی بلند و بالا شاخ جھولتی ہوئی نیچے آئی اور اسے مضبوطی سے جکڑتی ہوئی فضا میں معلق ہوگئی۔یہ سب کچھ اتنی سرعت سے ہوا تھا کہ اسے سمجھنے کی فرصت بھی نہ ملی تھی۔قبرستان کی سکوت زدہ فضا میں خوشی اور فتح کے قہقہے بلند ہونے لگے تھے۔یوں لگ رہا تھا کہ جیسے شہر خموشاں کے باسی اس کی بے چارگی اور بے بسی پر قہقہے ہانک رہے ہوں۔مسلسل دوڑتے رہنے کی وجہ سے اس کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔اس نے حالات کو سمجھنے کے لیے فی الوقت اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اپنی کیفیت پر قابو پانے کی ناممکن سی سعی کرنے لگا۔

تبھی اس درخت کی شاخ نے اسے اچھال کر دوسرے درخت کی طرف پھینکا اور دوسرے درخت کی شاخ نے اسے فی الفور پکڑ لیا اور پھر یہ سلسلہ سرعت سے چل پڑا۔ایک درخت کی شاخ دوسرے کی طرف اسے اچھال رہی تھی۔فٹ بال کی مانند درخت اس سے کھیل رہے تھے اور وہ مسلسل چیخ و پکار کر رہا تھا۔اتنی دیر دوڑنے کی وجہ سے وہ بمشکل اپنی منزل کے قریب پہنچا تھا لیکن درختوں نے اسے اچھالتے اچھالتے واپس پہنچا دیا تھا۔

تبھی آخری درخت کی شاخ نے اسے جھک کر نیچے زمین پر پھینک دیا۔یہ وہی جگہ تھی جہاں سے اس نے بھاگنا شروع کیا تھا۔تھوڑی دیر تک تو وہ آنکھیں بند کیے

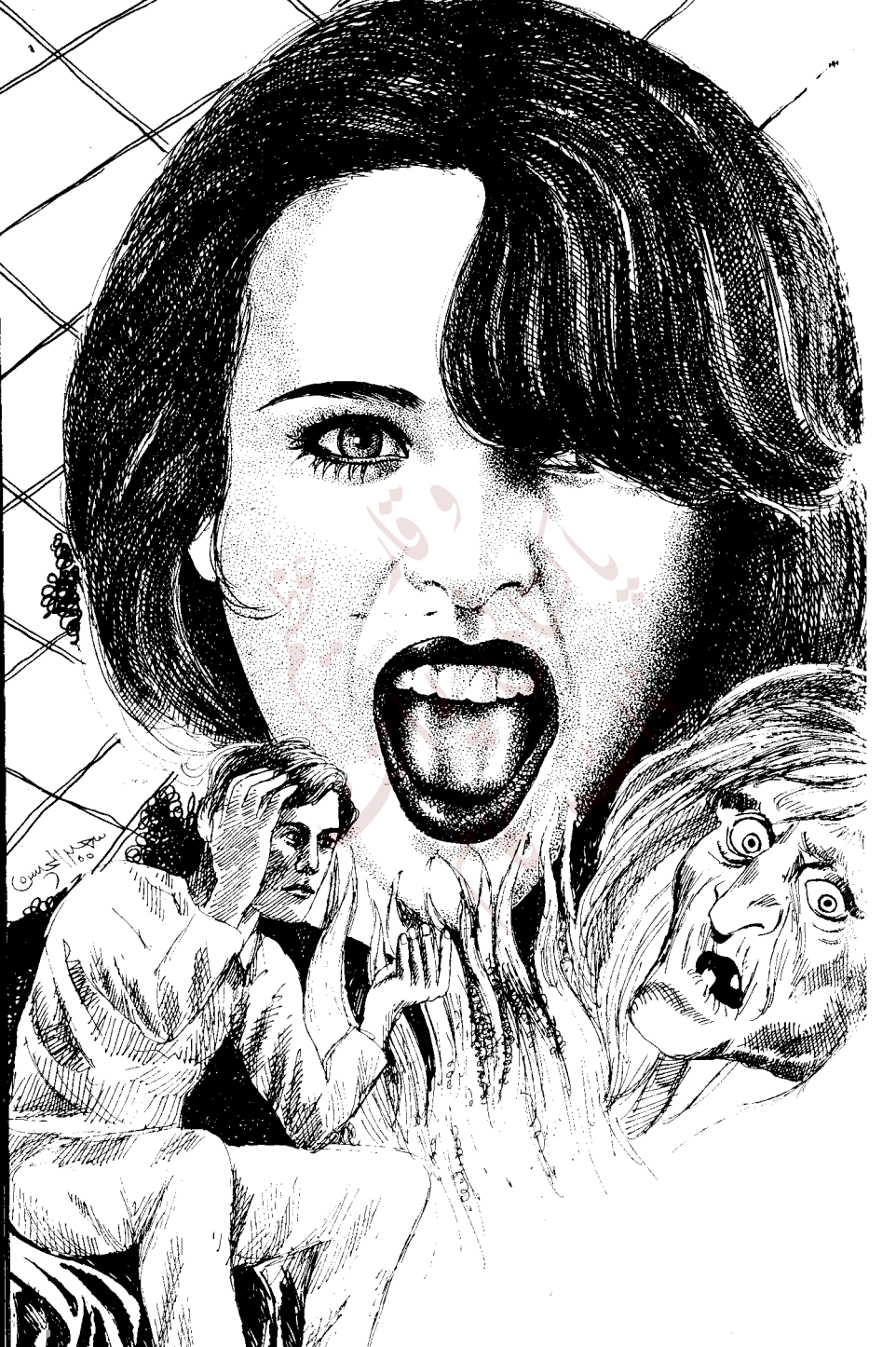

پکارا ہااور پھر جب اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو اگلا منظر دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔

☆......☆......☆

نومبر پہلے کی نسبت ٹھنڈا ثابت ہوا تھا۔ ستمبر کے آخری دنوں میں کمروں میں گھسنا پڑ گیا تھا۔ اور پھر نومبر نے تو سونے پہ سہاگا کر دیا تھا۔ نومبر کے اوائل دنوں میں موسلا دھار بارشیں ہوگئی تھیں۔ بارشوں کی وجہ سے ٹھنڈ کافی پڑ گئی تھی۔ کمروں میں گھسنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو ہیٹر آن کرنے پڑے تھے۔ جن کے ہاں ہیٹر کی سہولت نہیں تھی وہ کمروں میں آگ جلا کر گزارا کرتے تھے۔

آج نومبر کی تیرہ تاریخ تھی۔ صبح سے کافی ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔ امیر گھروں میں ان گنت پکوان پک رہے تھے جبکہ غریب لوگ دعا گو تھے کہ موسم کروٹ بدلے اور وہ کام کے سلسلے میں گھروں سے باہر نکلیں۔ لیکن موسم اتنا ٹھنڈا ہو چکا تھا کہ کپکپی سے پسلیاں ٹوٹنے کا خدشہ ہونے لگتا تھا۔ دن تو در کنار جب شام کے سائے اپنے پر پھیلانے لگے تو موسم میں ٹھنڈک مزید بڑھنے لگی۔

نواب سہراب خان اپنی حویلی میں انگیٹھی کے سامنے بیٹھے کسی گہری سوچ میں مبتلا تھے جب ان کی اہلیہ نے آ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے چونک کر اپنی اہلیہ کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے جی......؟" اہلیہ نے پوچھا۔ "آج آپ نے پورا دن انگیٹھی کے سامنے بیٹھ کر بیتا دیا ہے۔ صبح سے میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کافی مضطرب دکھائی دے رہے ہیں۔ بچے بھی پوچھ رہے تھے کہ ابو آج اتنے اداس کیوں ہیں؟"

نواب سہراب خان نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آئے گوہر ہائے آبدار ان کی اہلیہ سے پنہاں نہ رہ سکے۔

"آپ رو رہے ہیں......؟"

"کیا تمہیں معلوم ہے آج کیا تاریخ ہے؟" نواب سہراب خان نے سوالیہ نگاہوں سے اہلیہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تیرہ نومبر۔" اہلیہ نے مختصر جواب دیا۔

"آج ہماری بیٹی کو ہم سے جدا ہوئے ایک سال بیت گیا ہے۔" نواب سہراب خان گویا ہوئے۔

"آپ اسے لے کر اتنا کیوں پریشان ہیں؟" اہلیہ نے ان کی ڈھارس بندھانے کے لیے کہا

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ آپ کی عزت پر مٹی اچھال کر اپنے کسی آشنا کے ساتھ نو دو گیارہ ہوگئی تھی اور آج تک اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔"

اہلیہ کی بات میں دم ضرور تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ آج بیٹی کا سن کر اس کا دل بھی کرچی کرچی ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے وہ وقت یاد آ گیا تھا جب اس کی جوان بیٹی کی میت اس کے گھر پہنچی تھی۔

"میرا دل نہیں مانتا کہ میری بچی نے ایسی کوئی حرکت کی ہوگی۔ ضرور اس کے ساتھ کوئی مسئلہ پیش آیا ہوگا" نواب سہراب خان نے پوچھا۔

"آپ کیوں ایسی باتیں سوچتے ہیں۔ حقیقت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا۔" اہلیہ نے جواب دیا۔

"یہ حقیقت نہیں ہے۔" نواب سہراب خان نے پریقین انداز میں کہا۔

"وہ بہت ضدی تھی۔" ان کی اہلیہ نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔

"کسی کی بات ماننا اسے گوارہ ہی کہاں تھا۔ سب کی ناک میں اس نے دم کر رکھا تھا۔ وہ راتوں رات مشہور ہونے کے سپنے دیکھا کرتی تھی لیکن کھلی آنکھوں سے دیکھے سپنے اتنی جلدی پورے کہاں ہوتے ہیں۔ میں اسے بہت سمجھاتی تھی کہ یہ سب کچھ فضول کام ہیں لیکن مجال ہے اس کے کانوں پر جوں تک رینگ جاتی۔"

تھوڑی دیر پاس کھڑے رہ کر بالآخر ان کی اہلیہ بڑے بڑے ڈگ بھرتی ان کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"میری پیاری بیٹی آج بھی میرا دل اس بات کو ماننے سے انکاری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ضرور کچھ اور بات ہوگی۔ یقیناً مجھ سے کچھ نہ کچھ چھپایا جا رہا ہے لیکن

حقیقت کو کیسے سمجھ اور جان سکوں گا۔" نواب سہراب خان نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے فریم ہوئی ایک تصویر کو جو سامنے دیوار پر لگی تھی دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم ایک ادیب تھی۔ضد نام کی تو کوئی چیز بھی تمہارے اندر نہ تھی۔تم بہت ہی حوصلے اور ہمت والی لڑکی تھی۔اپنے غم وغصے کو لفظوں کا جامہ پہنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتی تھی۔میں کیسے مان لوں کہ تم نے اتنا بڑا اقدم اٹھایا ہے۔میں تمہاری کمی کو ہمیشہ بڑی شدت سے محسوس کرتا ہوں۔آج تمہیں مجھ سے بچھڑے پورا ایک برس ہو چکا ہے لیکن پھر بھی میں تمہیں بھول نہیں پا رہا۔نجانے کیسے لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنوں کو دفنانے کے بعد بھول جاتے ہیں۔"

نواب سہراب خان تصویر کو تکتے ہوئے بولے جا رہے تھے۔تبھی انہوں نے ایک عجیب ہی منظر دیکھا جسے دیکھتے ہی ان کی زبان جیسے فق ہو کر رہ گئی تھی۔انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

"یہ سب کچھ تم کیسے لکھ لیتی ہو؟" سوال کیا گیا۔

جواباً سیرت نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے کزن جبار کو دیکھا۔

"پتہ نہیں کیسے......؟" اس نے جواب دیا

"یہ کیسا جواب ہے؟" جبار نے برا مناتے ہوئے کہا۔

"یہی جواب ہے۔" ڈھٹائی سے بتایا گیا

"لگتا ہے تمہیں میرا سوال کرنا اچھا نہیں لگتا؟" جبار نے اس کے چہرے پر نگاہیں ٹکاتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" سیرت نے جواب دیا۔

اس وقت وہ جبار کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھی جوس پی رہی تھی۔روڈ کے ساتھ ہی انہوں نے گاڑی کو کھڑا کر کے سامنے دکان سے دو جوس لیے تھے۔

"یہ کام ہر کوئی نہیں کر سکتا۔" جبار بولا۔

"قلم کی سیاہی کاغذ پر پھیلانا سب کو آتا ہے لیکن قلم کے آنسوؤں کو حقیقی جامہ پہنانا سب کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔" سیرت نے جبار کی طرف کھوئی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاہاہا......قلم کے آنسو......یار تم ادیب حضرات بھی کیا عجیب ہوتے ہو۔نجانے اتنے الفاظ کہاں سے حاصل کر لیتے ہو۔" جبار قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے بولا۔

"حالات سے۔" سیرت نے جواب دیا تو جبار نے غور سے سیرت کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اسے بہت سے سوال تیرتے ہوئے دکھائی دیئے۔

"کیا تم اس واقعے کو فراموش نہیں کر سکتی؟" جبار نے پوچھا۔

"وہ صرف میری ماں نہیں تھی۔" سیرت بولی۔

"وہ میری اچھی دوست بھی تھی۔میری ماں مجھے ہمیشہ دوستوں کی طرح ناصحانہ انداز میں سمجھایا کرتی تھی۔یہی وجہ تھی کہ میں ان سے کچھ زیادہ ہی محبت کرتی تھی۔پاپا بھی مجھ سے کافی فرینک تھے لیکن وہ ماما کی طرح نہیں تھے۔جبار میری ماں مجھے بہت یاد آتی ہے۔دل کرتا ہے کہ میں بھی ان کے پاس چلی جاؤں۔"

بات مکمل کرنے تک سیرت کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔جبار کو شرمندگی ہوئی کہ اسے سیرت کو کریدنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے تھی۔

"تم یقین نہیں کرو گے میری ماما میرے ساتھ ایسی گھومتی تھیں کہ لوگ انہیں حقیقت میں میری فرینڈ سمجھتے تھے......لیکن......لیکن اس منحوس گھر میں قدم رکھتے ساتھ ہی ہماری خوشیاں یکے بعد دیگرے گھر کے آنگن سے رخصت ہو گئی تھی۔مجھے اس کی شکل سے بھی نفرت ہے......یہ میری ماما کی قاتل ہے......میرے پاپا کو اس چڑیل نے اپنے اشاروں پر چلانا شروع کر دیا ہے۔پاپا مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے وہ اس کی باتوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں......جبار وہ صرف ہماری جائیداد کی بھوکی ہے۔وہ مجھے اور پاپا کو بھی مار دے گی۔"

سیرت روتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔جبار نے سیرت کو سینے سے لگا لیا تھا۔وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی لاچار تھا۔وہ کیا کر سکتا تھا۔سیرت کے گھر کے معاملات میں بولنے کا اس کا کوئی حق بھی تو نہیں بنتا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا میں ہوں نہ تمہارے ساتھ۔'' جبار نے اس کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔

''وہ تمہیں بھی مار ڈالے گی۔'' سیرت پیہم روتے ہوئے بولی۔

''کولڈ ڈاؤن بے بی پلیز۔'' جبار نے اسے خود سے چپکاتے ہوئے کہا۔لیکن اس نے اندر کا غبار کیسے دھل سکتا تھا۔

جبار کے سینے سے لگ کر کتنی ہی دیر تک وہ دھواں دھار روتی رہی تھی اور جبار اسے مسلسل حوصلہ دیتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اسے اپنی قوت بینائی پر وثواس نہیں ہو رہا تھا۔اس کے سامنے ایک عجیب وغریب منظر تھا۔اسے اچھی طرح سے یاد تھا کہ درختوں کی شاخوں نے اسے اچھال کر قبرستان کے عین وسط اس جگہ لا پھینکا تھا۔جہاں کچھ عرصہ قبل اس نے دوستوں کے ساتھ مل کر ایک دوست کی سوتیلی بہن کو گڑھا کھود کر دبا دیا تھا۔وہ جانتا تھا کہ اس کا صرف قصور یہ تھا کہ وہ اس کی سوتیلی بہن تھی لیکن وہ نہایت ہی شریف اور عزت دار لڑکی تھی۔وقت آخر تک وہ ان سے اپنی زندگی اور عصمت کی بھیک مانگتی رہی تھی مگر جب بھائی کو اس کی عزت کی دھجیاں اڑاتے وقت احساس نہیں ہوا تھا تو بھلا دوستوں کو کیا خاک ہونا تھا۔

وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ہر طرف یوں روشنی پھیلی ہوئی تھی جیسے دن نکل آیا ہو۔یہ ایک وسیع وعریض میدان تھا جہاں دور دور تک کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔روشنی کے پھوٹنے کی بھی کوئی سمت دکھائی نہ دے رہی تھی۔یوں لگ رہا تھا جیسے چاروں سمتوں سے،آسمان کی وسعتوں اور زمین کی گہرائیوں سے ہر جگہ سے روشنی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو۔

تبھی یک لخت موسم میں انتہا کی گرمی پھیلنے لگی۔اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہوگیا۔اسے یوں لگنے لگا جیسے گرمی کی شدت سے اس کا شریر پگھل کر پانی پانی ہو جائے گا۔پیاس کی شدت اسے محسوس ہونے لگی۔تبھی اس کی نگاہ دور.....بہت دور کسی پر جا ٹھہری۔وہ کوئی لڑکی تھی جو سر پر بڑا سا مٹی کا گھڑا جیسا برتن اٹھائے چلی جا رہی تھی۔وہ بے شک بہت دور تھی لیکن اسے واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔اس لڑکی نے ریگستانی لڑکیوں جیسا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔یہی نہیں اس نے چہرے پر نقاب کیا ہوا تھا۔لیکن اتنی دور سے بھی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس لڑکی کا چہرہ اسے واضح طور پر دکھائی دے رہا ہو۔

اس کا نام ضیغم تھا۔وہ بی ایس سی پارٹ ٹو کا اسٹوڈنٹ تھا۔اس کا شمار انتہائی تیز ترین اور لائق اسٹوڈنٹس میں ہوتا تھا۔یہی نہیں وہ شکل وصورت سے بھی کافی پیارا تھا۔یہی وجہ تھی کہ کتنی ہی الہڑ مٹیاریں اس کے آس پاس بھٹکتی دکھائی دیتی تھیں۔ظاہری طور پر وہ انہیں لفٹ تک نہیں دیتا تھا لیکن باطنی طور پر اس کے گندے ذہن میں ان کے لیے عجیب عجیب اور نہایت ہی گھٹیا پلان بنتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ کتنی ہی معصوم اور انجان لڑکیاں اس کے ہاتھوں سے اپنی عصمت دری کروا چکی تھیں۔

اسے شدید پیاس کا احساس ہونے لگا تبھی اس نے بنا سوچے سمجھے اس لڑکی کی طرف سرعت سے دوڑنا شروع کر دیا۔وہ جتنی اسپیڈ سے دوڑ سکتا تھا۔دوڑ رہا تھا۔اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔گرتے پڑتے وہ بالآخر اس لڑکی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔لڑکی اس سے بے خبر آگے آگے چل رہی تھی۔

''سنو.....پلیز مجھے.....پانی پلا دو۔'' اس نے بمشکل تمام اپنی بات مکمل کی۔

لڑکی اس کی بات سن کر رک گئی لیکن اس نے مڑ کر پیچھے نہ دیکھا۔

''مجھے پانی چاہیے پلیز۔''

وہ دوبارہ ملتجیانہ انداز میں تقریباً چیخا۔لڑکی نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر سے گھڑا نما اس برتن کو اتارا۔وہ برتن گھڑے کے جیسے تھا لیکن گھڑا نہیں تھا۔وہ گولائی کی بجائے لمبوتری شکل کا تھا اور ایک گھڑے سے تقریباً دوگنا بڑا اور چوڑا بھی تھا۔ضیغم کو حیرانگی بھی ہوئی کہ ایک نوجوان لڑکی نے پانی سے بھرے اتنے بڑے برتن کو اتنی آسانی سے سر پر کیسے اٹھایا ہوا ہے لیکن خیر اسے

...ں سے غرض ہے نہ کہ گٹھلیوں سے۔

وہ جلدی سے اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور ہاتھوں کو ملا کر اس طرح منہ سے لگایا کہ اس برتن سے نکلنے والا پانی سیدھا اس کے منہ میں جائے۔ لڑکی نے اس برتن کو تھوڑا الٹایا تو پانی تیزی سے گرنے لگا۔ ضیغم نے سرعت سے بڑے بڑے گھونٹ پینے شروع کردیئے لیکن ابھی اس نے دو تین گھونٹ ہی بھرے ہوں گے کہ وہ کھانستا ہوا یکدم پیچھے ہٹا۔ وہ جان چکا تھا کہ اس نے پانی نہیں بلکہ کوئی گرم اور گاڑھا سیال مادہ پیا ہے۔ جس کی وجہ سے اسے ابکائیاں شروع ہوگئی تھیں۔

جب اس نے اس برتن کی طرف دیکھا تو اس میں سے پانی کی بجائے خون گر رہا تھا۔ تبھی اس کی نگاہ لڑکی کے چہرے پر پڑی تو خوف سے اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ وہی لڑکی تھی۔ جسے انہوں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد بے دردی سے ماردیا تھا۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے اٹک کر رہ گیا۔ خوف سے اس کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔ اس برتن سے خون یوں سرعت سے نکل رہا ہو جیسے کسی ٹیوب ویل سے پانی نکلتا ہے۔

وہ خون ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ خون تیزی سے ادھر ادھر پھیلنا شروع ہوگیا تھا۔ اس لڑکی نے زور زور سے قہقہے لگانے شروع کردیئے اپنی جان بچانے کے لیے ایک بار پھر سے ضیغم اپنی تمام تر ہمت یکجا کر کے جس طرف منہ لگا تھا دوڑ رہا تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ ایک جگہ چکرا کر گرا۔ تبھی اس نے اٹھ کر بھاگنا چاہا تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے پیروں میں آہنی زنجیریں ڈال دی ہوں۔ تبھی اس کا جسم واپس کھنچنے لگا۔ وہ خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن سب کچھ بے سود تھا۔ پلک جھپکتے میں وہ اسی جگہ پہنچ گیا جہاں لڑکی سے اس نے پانی مانگا تھا۔ اس لڑکی نے ابھی تک اس برتن کو اسی طرح پکڑا ہوا تھا۔ خون سرعت سے بہہ رہا تھا۔

اس کا پورا شریر خون میں لت پت ہوگیا تھا۔ ہر طرف خون ہی خون دکھائی دے رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے خون کا سیلاب آ گیا ہو۔ وہ اٹھ کر بھاگنے کی سعی کرتا تو پھسل کر فوراً اس خون کے سیلاب میں جا گرتا۔

''بے وقوف بھاگ کہاں رہے ہو؟'' لڑکی نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''اتنی دور سے تم بھاگتے ہوئے یہاں تک آئے اور مجھ سے پانی مانگا۔ اب پیو اسے ورنہ جان سے مار ڈالوں گی۔''

''پلیز مجھ پر رحم کھاؤ۔'' ضیغم نے روتے ہوئے التجا کی۔

''بس اتنی جلدی ہار مان گئے۔'' لڑکی نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مرد تو کبھی ہار مانتا ہی نہیں۔ کیسے مرد ہو جو اتنی جلدی ہار مان گئے۔ اس وقت تو کافی مردانگی دکھا رہے تھے۔ بس نکل گئی ساری ہوا۔''

''مجھ سے غلطی ہوگئی تھی پلیز مجھے معاف کردو۔'' ضیغم نے ایک بار پھر التجا کی۔

''کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جن کی سزا بھگتنا لازم ہوتا ہے۔'' لڑکی نے قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے ہوئے برتن کو زور سے زمین پر دے مارا۔ دوسرے ہی لمحے جیسے زمین کے اندر سے لاوا ابل پڑا ہو۔ زمین پر پھیلا لہو تیزی سے گرم ہونے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے زمین کے نیچے دوزخ کی آگ کے آلاؤ جلا دیئے گئے ہوں۔ ضیغم تڑپ کر رہ گیا۔

اس نے بمشکل تمام بھاگنا شروع کردیا۔ ہر دوسرے یا تیسرے قدم پر وہ منہ کے بل جا گرتا اور اس کے حلق سے چیخ بلند ہوتی۔ وہ لڑکی کھا جانے والی نگاہوں سے اسے پیہم گھورے جارہی تھی۔ اس کی حالت زار پر اسے قطعاً رنج نہیں ہو رہا تھا بلکہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے تسکین مل رہی ہو۔ لہو آہستہ آہستہ زیادہ گرم ہونے لگ گیا تھا۔ ضیغم کی فلک شگاف چیخیں دور دور تک پھیل رہی تھیں۔ کوئی سننے والا نہیں تھا۔ وہ بار بار مڑ کر لڑکی سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ تبھی لہو سے بلبلے سے اٹھنے شروع ہوگئے۔ ضیغم نے خود کو بچانے

کی لاکھ سعی کی لیکن پھر بھی دھڑام سے لہو کے سیلاب میں جا گرا اور اس کی چیخیں تک دب کر رہ گئیں۔

☆.....☆.....☆

نواب سہراب خان کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے۔ وہ ان کی نظروں کا دھوکہ ہے یا پھر ایک واضح اور سچی حقیقت.....؟

ان کی بیٹی کی تصویر میں یوں لگ رہا تھا جیسے آنکھیں جھپکائی گئی ہوں۔ نواب سہراب خان نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو مسلا اور دوبارہ اس تصویر کی طرف بغور دیکھا۔ ایک بار پھر ویسا ہی منظر ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس بار اس منظر میں اضافہ ہوا اور اس تصویر کے لبوں میں جنبش پیدا ہوئی۔

''آپ صحیح کہتے ہیں پاپا ایک ادیب کبھی بھی جلد باز اور انا پرست نہیں ہو سکتا۔''

ان کی سماعت سے سرگوشی ٹکرائی۔ یہ آواز بھلا وہ کیسے فراموش کر سکتے تھے۔ یہ آواز تو ان کی چہیتی شہزادی کی تھی۔ جسے گزرے بے شک پورا ایک برس بیت چکا تھا لیکن اس کی یاد آج بھی ان کے رگ و پے میں زندہ تھی۔

''تم کہاں ہو میری بچی؟'' نواب سہراب خان نے تڑپ کر ادھر ادھر دیکھا اور وہیل چیئر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تصویر میں۔'' دوبارہ سرگوشی ہوئی۔

نواب سہراب خان نے فوراً مڑ کر تصویر کی جانب دیکھا اور دھیرے دھیرے چلتے ہوئے تصویر کے پاس جا پہنچے۔

''یہ سب کیا ہے؟'' نواب سہراب خان نے پہلی بار تصویر کے پاس پہنچ کر سرگوشیانہ انداز میں پوچھا۔

''اپنی جگہ پر بیٹھ جایئے اور اس تصویر میں دیکھنا شروع کر دیجئے۔'' تصویر کے لب ہلے اور ایک بار پھر ان کی سماعت سے آواز ٹکرائی۔

''سب کچھ آپ کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔ آج میرے انتقام کا دن ہے۔ ایک خبیث کو سزا مل چکی ہے۔ تین باقی بچ گئے ہیں۔ اب ان کی باری ہے۔ جب تک آپ یہاں سب کچھ دیکھیں گے تب تک میرا انتقام اپنے انجام کو پہنچ چکا ہوگا۔''

اس کے بعد ہلتے لب یک دم ساکت و جامد ہو گئے۔ نواب سہراب خان حیرت کے سمندر میں غرق سب کچھ دیکھ اور سن رہے تھے۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مڑ کر وہ اپنی وہیل چیئر پر براجمان ہو گئے اور ان کی نگاہیں متواتر اسی تصویر پر مرکوز رہیں۔

تبھی انہوں نے دیکھا کہ سامنے لگے فریم میں تصویر نے رنگ بدلنا شروع کر دیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس تصویر میں پانی کا سیلاب شروع ہو گیا تھا۔ تبھی کچھ مناظر اس پر عیاں ہونا شروع ہو گئے اور اس کے بعد ایک فلم شروع ہو گئی جس کا ایک ایک پارٹ نواب سہراب خان کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کرنے کے لیے کافی تھا۔

☆.....☆.....☆

سیرت اور اس کی سہیلی دونوں اسکول سے روزانہ پیدل گھر آیا کرتی تھیں۔ ان کے اسکول سے گھر کا فاصلہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ آہستہ آہستہ باتیں کرتی وہ دس سے پندرہ منٹ میں گھر پہنچ جایا کرتی تھیں۔ اسکول سے تھوڑا آگے آ کے کچا راستہ شروع ہو جاتا تھا۔ اس کچے راستے کے دونوں اطراف لہلہاتے کھیت تھے۔ اسی راستے پر تھوڑا آگے جا کر ایک برگد کا پرانا درخت تھا۔ جس کے نیچے ایک مجذوب ہر وقت پڑا رہتا تھا۔

کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ بہت پہنچا ہوا انسان تھا۔ کچھ اس کی حالت دیکھ کر اس سے شدید نفرت بھی کرتے تھے کیونکہ اس کی حالت دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ صدیوں سے نہ نہایا ہو۔ لیکن کچھ دن پہلے ہونے والے واقعے نے سب کو اس مجذوب کی طرف متوجہ کیا تھا۔

ہوا یوں کہ سیرت کے گاؤں کا ایک آدمی جو کہ اب اس کے والد کی عمر کا ہو چکا تھا۔ اس کی شادی کو بیس برس بیتنے والے تھے۔ ان کے ہاں اولاد نہ تھی۔ ایک دن وہ دونوں میاں بیوی شہر سے واپسی پر اس جگہ سے گزر رہے تھے تو اس مجذوب نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روک کر اپنے پاس بلایا۔

دونوں نے پہلے تھوڑی پریشانی لی لیکن اس شخص کی بیوی نے خاوند کو تسلی دی کہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی بات ہمیں مان لینی چاہیے ممکن ہے وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو۔ جب دونوں اس کے پاس پہنچے تو اس مجذوب نے انہیں اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا۔ اس وقت مجذوب آلتی پالتی مارے دونوں ہاتھوں سے پیہم مٹی چھاننے میں مصروف تھا۔

''کیا تمہیں اولاد نہیں چاہیے.....؟'' اس مجذوب نے متواتر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے کہا تو دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیسی بات کررہے ہیں آپ؟'' اس شخص کی اہلیہ نے ناگواری سے کہا۔

''تمہاری قسمت میں ایک ساتھ تین بیٹے اور تین ہی بیٹیاں لکھی ہیں لیکن تم لوگ اپنا حصہ کیوں نہیں لے رہے؟'' مجذوب نے متواتر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ غلط کہہ رہا ہے۔'' پہلی بار اس عورت کے خاوند نے کہا۔

''یہ ہمیں لالچ دے کر ہم سے کچھ بٹورنا چاہتا ہے۔ ایسے بہروپیوں کو میں بہت اچھے طریقے سے جانتا ہوں۔''

اس شخص نے جیسے ہی اپنی بات مکمل کی مجذوب نے پہلی بار اسے حیرت سے دیکھا۔ ''غلط خیال ذہن میں مت لاؤ۔ مجھے دینے کے لیے تمہارے پاس ہے ہی کیا؟ کیا میں تمہارے پیسے کی خاطر بات کررہا ہوں۔ مجھے پیسے کی کوئی طلب نہیں ہے۔''

اس عورت کے خاوند کو خجالت محسوس ہوئی کہ اسے ایسی بات ہی کرنی چاہیے تھی۔ لہٰذا وہ چپ کرگیا۔

''ہمیں جہاں کسی نے مشورہ دیا ہم وہاں گئے ہیں لیکن ہمیں کوئی افاقہ نہیں ہوا۔'' حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اس عورت نے اپنے خاوند کی سائیڈ لیتے ہوئے کہا۔

''بس اس وجہ سے ہم کافی ناامید سے ہوگئے ہیں۔ نہیں تو میرے خاوند کبھی کسی کے ساتھ ایسی زبان میں بات نہیں کرتے۔''

''جس گھر میں تم لوگ رہائش پذیر ہو اس کے ایک کمرے سے اپنا سامان نکال لو۔'' مجذوب بولا۔

مجذوب نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ اس نے متواتر مٹی چھانتے ہوئے کہا تو دونوں نے حیرت سے پہلے اسے اور پھر ایک دوسرے کو تکا۔

''بہت پہلے یہ جگہ ایک غریب گھرانے کی تھی۔ ان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ اس وقت اس گھر میں صرف ایک کمرہ تھا اور اس کی چار دیواری نہیں تھی۔ چنانچہ وہ بیٹا ان کا اکلوتا اور بہت پیارا تھا۔ اس لیے انہوں نے اسے وہیں دفن کردیا تھا۔ پھر یکے بعد دیگرے جب وہ دونوں رحلت کرگئے تو انہیں بھی وہیں دفن کیا گیا جہاں اب تم لوگوں نے دوسرا کمرہ بنایا ہوا ہے۔

وقت کے ساتھ ان کی قبریں زمین کی تہہ کے ساتھ مل گئیں اور پھر ایک لمبے عرصے کے بعد وہ مکان تم لوگوں تک بکتا ہوا آیا ہے۔ اس کمرے کی کھدائی کرواکے ان قبروں کی نشاندہی کرو۔ پھر ان قبروں کو اچھی طرح سے بنا کر اس کمرے میں آنا جانا بند کرو۔ اس کمرے میں جب وقت ملے اللہ کا کلام پڑھا کرو۔ چونکہ تم اس بات سے غافل تھے اور اس کمرے میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ نیچے ان کی قبریں ہیں۔ اس لیے تم اس پکڑ میں رہے ہو جاؤ بس یہ کام کرو اور اللہ سے اپنا حصہ وصول کرو۔''

اتنا کہہ کر اس مجذوب نے انہیں جانے کا اشارہ کیا تو دونوں انگشت بدنداں وہاں سے چل پڑے۔ محلے کے کچھ احباب کی مدد سے انہوں نے اس کمرے سے سامان نکالا اور محلے کی جامع مسجد کے امام صاحب کی موجودگی میں اس جگہ کی کھدائی کی گئی تو واقعی وہاں سے تین قبروں کے آثار ملے۔ امام صاحب نے ان کے تختے اٹھانے سے منع کیا اور پھر ان کی ہدایت پر ان قبروں کو اچھے سے بنادیا گیا۔

مجذوب کی اس کرامت نے سب کو حیرت میں مبتلا کردیا اور پھر واقعی جب کچھ ہی ماہ کے اندر اس عورت کو امید لگی تو پورا گاؤں اس مجذوب کے پاس اکٹھا ہوگیا۔ اس عورت کے خاوند نے اس مجذوب سے معذرت کی۔ مجذوب کو انہوں نے گاؤں میں ٹھہرنے کی آفر دی

لیکن اس نے فوراً مسترد کردیا۔ پھر گاؤں والوں نے کہا کہ وہ اس کے لیے اسی جگہ چھوٹا سا کمرہ تیار کردیتے ہیں لیکن پھر بھی اس نے انکار کردیا اور کہا کہ ''مجھے کمروں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ زمین اللہ کی ہے اور میں اس کی زمین پر اپنی ملکیت نہیں جما سکتا۔ مجھے یہیں بیٹھنا ہے۔''

تب سے اس مجذوب کو وہیں بیٹھا دیکھا جانے لگا۔ جیسے جیسے لوگوں کو اس کے بارے میں پتہ چلتا لوگ اس کے پاس آتے۔ وہ سب کے لیے دعائیں کرتا اور سب کی مشکلات اللہ باری تعالیٰ حل فرما دیتا۔

سیرت اور اس کی سہیلی جب وہاں سے گزرنے لگیں تو نہ چاہتے ہوئے بھی ان دونوں کی نگاہ اس مجذوب کی طرف گئی تو اس نے دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''یہ اللہ کا بہت پہنچا ہوا بندہ ہے۔ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ چلو سنتے ہیں اگر یہ ناراض ہو گیا تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' سیرت کی دوست نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا تو دونوں اس مجذوب کی طرف چل پڑیں۔

بزرگ کے پاس پہنچ کر دونوں اس کے سامنے نیچوں کے بل بیٹھ گئیں۔

''بابا جان آپ نے ہمیں بلایا.....؟'' سیرت نے پوچھا۔

''کچھ فیصلے ایسے ہوتے ہیں۔ جو انسان کو سرتاپا ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔'' مجذوب نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

دونوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا گویا اس مجذوب نے اس کی بات کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

''لیکن تقدیر کا لکھا کوئی نہیں مٹا سکتا۔ تقدیر کے ساتھ لڑا نہیں جاسکتا۔ حالات رخ بدلنے والے ہیں اور ان کی بدلتی کروٹ تمہارے لیے اذیت ناک ہے۔ صبر سے کام لینا اور اپنا فیصلہ بڑی عدالت میں چھوڑ دینا۔ وہاں کوئی سفارش نہیں چلتی۔ رشوت نہیں دینی پڑتی۔ وہاں صرف حق کی سنی جاتی ہے اور ناحق کو سزا دی جاتی ہے۔

وہ ذات بہت کریم اور انصاف کرنے والی ہے۔ وہ اپنی ساری مخلوق سے ایک جیسا ہی پیار کرنے والی ذات ہے۔ چاہے کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ اس کے ماننے والا ہو یا اس کا انکاری وہ دونوں کو ایک جیسی اہمیت دینے والی ذات ہے۔ دونوں کی ایک جیسی دعا سننے والی اور اسے قبول کرنے والی ذات ہے۔ وقت آخرت کی تیاری کرو۔ وقت نزع قریب ہے۔ شجرِ اجل سے تمہارے نام کا پتہ گر گیا ہے۔ جاؤ اور عزت اور ایمان سے مرنے کی دعا کرو۔''

مجذوب نے اتنا کہہ کر دونوں کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ مجذوب کی بات نے دونوں کے رونگٹے کھڑے کردیئے تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر وہ مجذوب کہنا کیا چاہ رہا تھا۔ بے شک اس کے کہے لفظوں سے وہ اچھی طرح سے آشنا ہوگئی تھیں۔

''واٹ از دس یار.....؟'' سیرت نے حیرت سے اپنی سہیلی کو دیکھتے ہوئے۔

''آئی ڈونٹ نو کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے؟'' اس کی سہیلی نے مکمل لاعلمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے کہ یہ سٹھیا گیا ہے؟''

اس کی دوست نے خیال ظاہر کیا۔ ''نہ جانے کیوں مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔'' سیرت بولی۔

''ڈونٹ وری یار۔'' اس کی سہیلی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''اس کی باتوں کو دل پر لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

دونوں باتیں کرتی ہوئی گھر کی طرف چل پڑیں۔ سیرت کی دوست کا گھر پہلے آتا تھا۔ وہ اپنے گھر چلی گئی اور سیرت اپنے گھر۔ جیسے ہی اس نے گھر میں قدم رکھا تو اس کی سوتیلی ماں نے کھا جانے والی آنکھوں سے اسے گھورا۔

''اب جان چھوڑ بھی دے اسکول کی۔'' اس نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔

''گھر کے کام کاج کیا تیرا باپ کرے گا۔ ماں تو وہی جو مر کھپ گئی۔ میں تیری ملازم تو ہوں نہیں کہ تیرے لیے یہاں ڈشیں تیار کرکے رکھوں۔ جا جلدی سے بیگ

کام کر۔ پتہ نہیں کس یار سے ملنے کے بہانے ... دیمک کی طرح چپکی ہوئی ہے۔ کتی خود تو مرگئی ... نوں کو میرے گلے ڈال گئی۔"

اس کے منہ میں جو آیا بکتی چلی گئی۔ اس نے جب ...لی ماں کو گالی دی تو سیرت سے رہا نہ گیا۔

''کمینی عورت اپنی زبان سنبھال کے بات ...'' سیرت نے بیگ وہیں پھینکا اور غصے سے پھنکارتی ...ی بولی۔

''کتی ہوگی تو...... تیرا پورا خاندان۔ یہ گھر میرے باپ کا ہے اور تو اس گھر میں نوکرانی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ سمجھ گئی اپنی اوقات سے باہر مت ہو۔''

اس کا اتنا کہنا تھا کہ ساتھ والے کمرے میں بیٹھا اس کا سوتیلا بھائی سرعت سے باہر نکلا اور ایک ساتھ کتنے ہی تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیے۔

''تیری اتنی مجال کہ تو میری ماں سے بدتمیزی کرے۔'' اس نے سیرت کو بالوں سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''اگر وہ تیرا باپ ہے تو میرا بھی باپ ہے۔ اور یاد رکھ اس گھر میں میری ماں نہیں بلکہ تو نوکرانی ہے۔ باپ کی جائیداد کے بیٹے وارث ہوتے ہیں بیٹیاں نہیں۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' سیرت نے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے کہا۔

''زبان درازی کرتی ہے۔'' اب کی بار اس کی سوتیلی ماں بولی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر آئی اور رہی سہی کسر اس نے پوری کردی۔

مار کھا کھا کے سیرت کی حالت غیر ہوگئی۔ دونوں نے اسے کمرے میں بند کردیا۔

''اس کی عقل ٹھکانے لگانی ہی پڑے گی۔'' اس کا سوتیلا بھائی بولا۔

''ماں تو ذرا بازار سے سودا سلف لے کے آ۔ میں آج اپنے دوستوں کی دعوت کرتا ہوں۔ ویسے بھی یہ کونسا میری سگی بہن ہے۔''

اس کے بھائی نے بے غیرتی کی انتہا کرتے ہوئے کہا تو اس کی ماں نے رہی سہی کسر پوری کردی۔

''ایسا مزہ چکھانا کہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہے۔ بڑی بنتی ہے مالکن۔'' اس کی ماں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''تو چنتا مت کر۔'' اس کا بیٹا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بولا۔

فوراً سے بھی پیشتر سیرت کی سوتیلی ماں وہاں سے نو دو گیارہ ہوگئی اور عین اسی وقت سیرت کے سوتیلے بھائی نے اپنے دوستوں کو کال کر کے فوراً گھر پر بلایا۔

فوراً ہی اس کے دونوں دوست وہاں آن پہنچے۔ اور جب اس نے انہیں سیرت کے بارے میں بتایا تو وہ فوراً اس کے ساتھ اس کمرے میں گئے جہاں سیرت زخموں سے چور پڑی کراہ رہی تھی۔ اپنے بھائی کے ساتھ دو لفنگوں کو دیکھ کر وہ یکدم سیدھی بیٹھ گئی۔ ان تینوں کی آنکھوں میں اس نے سفاکیت کو دیکھ لیا تھا۔ جب تینوں اس کی طرف بڑھے تو وہ فوراً اپنی جگہ کھڑی ہوگئی۔

''بھائی یہ سب کیا ہے......؟'' سیرت نے خوف سے کانپتی آواز میں پوچھا۔

''اے اپنی زبان سے بھائی کا لفظ مت نکال۔ تجھ جیسی کو بھلا بہن کون بناتا ہے۔ حسن کی کلی آج تجھے ہم مسل کر رکھ دیں گے۔'' سیرت کا بھائی بے غیرتی کی انتہا کو چھوتے ہوئے بولا۔

''نہیں پلیز مجھے چھوڑ دو۔'' سیرت نے فریاد کرتے ہوئے کہا۔

لیکن کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ ایک ساتھ تینوں اس پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑے اور اس کے کپڑوں کو پھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد اس کی عزت کی دھجیاں اڑاتے رہے اور اس کی بے بسی پر قہقہے ہانکتے رہے۔ بے یارومددگار اور بے بس معصوم کلی نجانے کب زندگی کی بازی ہار گئی۔

جب انہیں اس کی موت کا پتہ لگا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''یہ کیسے ہوا.....؟''سیرت کے بھائی نے حیرت سے پوچھا۔

''ابھی تو یہ صحیح تھی۔''اس کا ایک ساتھی بولا۔

''لیکن اب یہ مردہ ہے۔''دوسرے نے جواب دیا۔

''اب کیا کریں.....؟''ایک بار پھر سوال ہوا۔

''اسے ٹھکانے لگائیں ورنہ ہم سب ٹھکانے لگ جائیں گے۔''اس کا دوست بولا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔''دوسرے دوست نے اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

''اگر فی الفور کوئی لائحہ عمل اختیار نہ کیا گیا تو مصیبت گلے پڑ جائے گی۔''

''اسے فوراً قبرستان لے جانا پڑے گا تاکہ وہیں کوئی گڑھا کھود کر اسے دبا آئیں۔''سیرت کے بھائی نے صلاح دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن لے کر کیسے جائیں گے.....؟'' ایک دوست نے پوچھا۔

''کچھ تو کرنا ہے۔''سیرت کا سوتیلا بھائی بولا۔

''اسے کسی کپڑے میں لپیٹ کر پھینک آتے ہیں۔''ایک دوست نے مشورہ دیا۔

''جو بھی کرنا ہے جلدی کرو اگر پاپا آ گئے تو مصیبت گلے پڑ جائے گی۔''سیرت کا سوتیلا بھائی ڈرتے ہوئے بولا۔

سیرت کے مردہ جسم کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر جیسے تیسے وہ لے کر پرانے قبرستان پہنچ گئے۔اس قبرستان میں گورکن سے بچ کر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں گھنے درختوں کے جھنڈ تھے۔اتفاق سے انہیں وہاں ایک کھڈا دکھائی دیا جو کسی کے لیے قبر کے طور پر کھودا گیا تھا اور ابھی تک کسی کو دفنایا نہیں گیا تھا۔انہوں نے اوپر کھڑے ہو کر وہیں سے سیرت کی باڈی کو نیچے پھینک دیا۔

اگر اس وقت سیرت کے اندر سانسیں ہوتی تو اس کی فلک شگاف چیخیں پورے شہر خموشاں میں افراتفری مچا کر رکھ دیتی۔جس بے دردی سے انہوں نے اس کی باڈی کو پھینکا تھا۔ضرور کوئی نہ کوئی ہڈی ٹوٹی ہوگی۔

جلدی سے جیسے تیسے کر کے انہوں نے اس کے اوپر مٹی ڈالی اور ہانپتے کانپتے وہاں سے رفو چکر ہوئے اور سیدھا گھر آن پہنچے۔

ان کے آنے سے پہلے سیرت کی سوتیلی ماں گھر آ چکی تھی۔جب اسے ساری صورتحال کا علم ہوا تو اس نے فوراً سیرت کا بستہ چھپا دیا اور کہا کہ اگر سیرت کا باپ پوچھے تو یہی کہا جائے کہ وہ اسکول سے واپس آئی ہی نہیں۔

جب نواب سہراب خان واپس گھر آیا تو دونوں ماں بیٹے نے یہی کہانی سنائی کہ اس کی بیٹی اپنے کسی یار کے ساتھ نو دو گیارہ ہوگئی ہے۔نواب سہراب خان نے اسے ہر جگہ تلاش کیا لیکن اسے نہ ملنا تھا نہ ملی۔

نواب سہراب خان نے کسی طور پر بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ اس کی بیٹی کوئی ایسا قدم اٹھا سکتی ہے۔اس نے حالات سے تنگ آ کر چپ سادھ لی تھی۔لیکن جب بھی تیرہ نومبر تاریخ آتی۔اسے اپنی بیٹی کی یاد شدت سے تڑپاتی۔یوں لگتا جیسے اس کی بیٹی اسے پکار رہی ہو۔وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو اور اسے پکار رہی ہو کہ وہ آ کر اس کی مدد کرے۔جب وہ بے بس ہو جاتا تو آ کر اپنی بیٹی کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر دھواں دھار رونا شروع کر دیتا۔

☆.....☆.....☆

''تمہارا نام کیا ہے؟''پولیس آفیسر نے پوچھا۔

''مراتب علی۔''لڑکے نے جواب دیا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''پولیس آفیسر نے دوبارہ پوچھا۔

''یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک نئی لیبارٹری بنی ہے۔میں وہاں جا رہا ہوں۔''لڑکے نے جواب دیا۔

''مگر جتنا مجھے یاد ہے یہاں قریب کوئی لیبارٹری نہیں ہے۔''پولیس آفیسر نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا اور پھر ساتھ کھڑے کانسٹیبل سے پوچھا۔

''کیا تمہیں کسی لیبارٹری کے بارے میں علم ہے؟''

''بالکل نہیں سر یہاں سے تھوڑی دور آگے جا

جنگل شروع ہورہا ہے۔اوراس جنگل میں سے تو کوئی دن کے وقت بھی گزرنا گوارہ نہیں کرتا کیونکہ وہ جنگل جنگلی درندوں سے لبالب بھرا ہوا ہے۔'' کانسٹیبل نے جواب دیا۔

''کوئی ثبوت......؟'' پولیس آفیسر نے لڑکے کو مخاطب کیا۔

تو اس نے فوراً گاڑی میں سے ایک کارڈ نکال کر دیا۔وہ واقعی ایک انویٹیشن کارڈ تھا۔

''حیرت ہے کبھی سنا نہیں ایسی کسی لیبارٹری کے بارے میں۔'' پولیس آفیسر بولا۔

''اینی وے یو گو ناؤ۔''

پولیس آفیسر نے اجازت دے دی تو اس لڑکے نے گاڑی کو گیئر میں ڈالا اور وہاں سے چلتا بنا۔پولیس آفیسر اسے دور تک جاتا دیکھتے رہے۔

''لگتا ہے کوئی نئی لیبارٹری بنی ہے۔لیکن یہاں سے کبھی کسی کو جاتے دیکھا نہیں۔شاید کوئی ایسا راستہ ہو جس سے آمدورفت کا نیا سلسلہ شروع ہوگیا ہو۔'' پولیس آفیسر بڑبڑاتے ہوئے بولا تو ساتھ کھڑے کانسٹیبل نے تصدیق میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

مراتب علی نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور ہلکا ہلکا میوزک بھی لگا لیا۔وہ جلد سے جلد اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچنا چاہتا تھا۔وہ پولیس آفیسر اور کانسٹیبل کی باتوں سے بے پناہ حیران تھا کہ چوکی پر ڈیوٹی پر کھڑے ہونے کے باوجود انہیں یہاں پر موجود لیبارٹری کے بارے میں کیوں پتہ نہیں لگ پایا تھا۔

ابھی اس نے چھ سات کلومیٹر کا سفر طے کیا تھا کہ اسے دور سے جنگل کے آثار دکھائی دینے لگے۔وہ واقعی حیران وششدر رہ گیا۔اس نے گاڑی کو یکدم روکا اور انویٹیشن کارڈ نکال کر اسے پڑھنے لگا۔دراصل وہ اس سے کنٹیکٹ نمبر دیکھنا چاہتا تھا تاکہ آگے رابطہ کرکے انہیں اپنی آمد کے بارے میں بتا سکے اور ان سے معلومات حاصل کرسکے۔

مراتب علی ایک مایہ ناز سائنسدان تھا۔اس نے اعلیٰ تعلیم امریکہ سے حاصل کی تھی۔اس کی ذہانت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے امریکہ سرکار نے اسے کافی آفرز کی تھیں لیکن اس نے سب آفرز کو مسترد کردیا تھا۔وہ صرف اپنے وطن کے لیے کام کرنا چاہتا تھا۔اپنے ملک کے اندر کام کرتے ہوئے اسے دو سال ہونے والے تھے۔اس کی ذہانت اور قابلیت کی بنا پر اسے جلد ہی اٹامک انرجی میں اعلیٰ درجے کی پوسٹ پر تعینات کردیا گیا تھا۔دو سال کے معمولی عرصے میں اس نے ان گنت شاگرد بنا لیے تھے۔اس کا مشن ملک کے اندر ذہین اور قابل لوگوں کی ایک پوری ٹیم تشکیل دے کر ملکی سلامتی کے لیے کچھ کرنا تھا۔

تبھی ایک ہفتہ قبل اسے ایک انویٹیشن کارڈ موصول ہوا تھا۔جس میں اسے ایک نئی بننے والی لیبارٹری کے افتتاح پر مہمان خصوصی کے طور پر انوائٹ کیا گیا تھا۔پہلے تو اس نے سوچا کہ اپنی مسز کو بھی ساتھ لیتا چلے لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ اکیلا ہی جائے گا۔

اب وہ انویٹیشن کارڈ کو پڑھ رہا تھا۔جس پر مکمل پتہ لکھا ہوا تھا۔اس پر کوئی بھی کنٹیکٹ نمبر درج نہیں تھا۔اسے اپنی کم عقلی پر افسوس ہونے لگا کہ پولیس آفیسر نے اس کا وقت تو ویسے ہی ضائع کردیا تھا۔کم ازکم اسے ان سے اس ایڈریس کے بارے میں معلومات لے لینی چاہیے تھی۔اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ کافی سفر کرکے آچکا تھا۔اس لیے اس نے سوچا بجائے واپس جانے کے اسے آگے بڑھنا چاہیے۔وہ جلد از جلد لیبارٹری تک پہنچ جائے گا۔

اس نے ایک بار پھر گاڑی کو گیئر میں ڈالا اور گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔جلد ہی مراتب علی گاڑی کو لے کر جنگل کی حدود میں داخل ہوگیا۔جنگل کے راستے پر گاڑی ڈالتے ہی اسے یوں لگا جیسے وہ اندھیرے روڈ پر آگیا ہو۔جنگل کافی گھنا تھا۔درختوں نے روڈ کے اوپر دونوں طرف سے جھک کر روڈ پر تقریباً اندھیرا پھیلایا ہوا تھا۔نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ہیڈلائٹس آن کرلیں۔گاڑی کی رفتار بھی اس نے آہستہ کرلی تھی۔تقریباً دن کے دو بجے کا وقت تھا لیکن اب

یوں لگ رہا تھا جیسے رات کے دو بجے کا وقت ہو۔ جیسے جیسے گاڑی آگے بڑھ رہی تھی۔ اندھیرا زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔

ایک بار تو مراتب علی کا دل چاہا کہ وہ واپس مڑ جائے لیکن پھر اس نے سوچا کہ یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔ لیکن جلد ہی اس نے یہ ارادہ منسوخ کر دیا کہ وہ ایک عزم کے ساتھ اپنے ملک میں آیا ہے۔ اور اب واپس چلا جائے تو یہ بات اس کی شان کے خلاف ہے۔ اسے نہ جانے کیوں تھوڑا تھوڑا ڈر سا لگ رہا تھا۔ اس نے ڈر کو ختم کرنے کے لیے میوزک کی آواز تیز کر دی تھی۔ دو تین خم دار راستوں سے ہوتا ہوا وہ اب تک تقریباً چار پانچ کلو میٹر کا سفر طے کر چکا تھا۔ تبھی ایک خم دار موڑ مڑتے ہوئے یکدم اسے بریک لگانے پڑے۔

اس کا دل دھک دھک دھڑک رہا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی تیزی سے اس کی گاڑی کے آگے سے گزرا ہو۔ اگر وہ یکدم بریک نہ لگاتا تو اب تک اس کی گاڑی نیچے کھائیوں میں گر چکی ہوتی۔ اس نے سر گاڑی کے اسٹیرنگ پر رکھ کر اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی اور جلد ہی اس نے اپنے حواس پر قابو پا لیا۔

ایک بار پھر اس نے گاڑی کو گیئر میں ڈالا۔ گاڑی میں شدت کی گرمی محسوس ہونے کی بنا پر اس نے اے سی آن کر لیا لیکن اس سے بھی کچھ افاقہ نہ ہوا تو چار و ناچار اس نے فرنٹ سیٹ والا شیشہ کھول دیا۔ تبھی اس کی سماعت سے کسی لڑکی کی دلسوز چیخ سنائی دی تو اس نے فوراً گاڑی روک دی۔ تبھی اس کی نگاہ دائیں جانب ایک جگہ مرکوز ہو گئی۔

ایک نوجوان لڑکی کے پیچھے تین لڑکے لگے ہوئے تھے۔ لڑکی مسلسل کسی کو مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ لڑکی کے منہ پر بھی نقاب تھا اور ان تینوں لڑکوں کے چہروں پر بھی نقاب تھا۔ ان سب کا رخ اسی کی طرف تھا۔ مراتب علی انگشت بدنداں رہ گیا کہ اتنے اندھیرے میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہاں اسے یہ چاروں اتنے واضح طور پر کیسے دکھائی دے رہے تھے۔ گاڑی کو اس نے بند کر دیا اور ان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ چاروں اس کے قریب پہنچ گئے۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن تھیں۔ لڑکی ایک دم سے گاڑی کے آگے آ کے تقریباً گر پڑی۔ وہ تینوں لڑکے بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان لڑکوں نے اس کی آنکھوں کے سامنے پہلے اس کی لڑکی کی عصمت کی دھجیاں اڑائیں اور پھر اس ختم کر کے ساتھ ہی ایک گڑھا کھود کر اس میں دبا دیا۔

مراتب علی حیرت کے سمندر میں غرق یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ کوئی بھی اس کی موجودگی کا نوٹس کیوں نہیں لے رہا تھا۔ لڑکی کو گڑھے میں دبانے کے بعد وہ لڑکے ایک طرف بیٹھ گئے اور پہلی بار انہوں نے اپنے چہروں سے نقاب اتارے۔ اگلا منظر دیکھ کر مراتب علی کے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی۔ وہ دو لڑکوں کو اچھی طرح سے پہچان چکا تھا۔

ان میں سے ایک اس کا دوست ضیغم تھا اور دوسرا کبیر۔ تبھی اس کے ذہن میں کچھ سالوں پرانی ایک فلم چلی۔ کبیر کی سوتیلی بہن کی انہوں نے بھی اسی طرح عصمت دری کر کے اسے گڑھا کھود کر دبا دیا تھا۔ ابھی تک تیسرے لڑکے کا چہرہ اسے دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس کے دوست ابھی تک ایسے کاموں میں کیوں ملوث ہیں۔ وہ گاڑی سے اترا اور ان تینوں کی جانب چل پڑا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچا تو اگلا منظر دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔

وہاں پر موجود تیسرا لڑکا کوئی اور نہیں بلکہ اسی کا ہمشکل تھا۔ اسے دیکھ کر اس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ فوراً پیچھے ہٹا اور گرتا گرتا بچا۔ اس کی حالت زار دیکھ کر ان تینوں نے بھیانک قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ مراتب علی کو یوں لگا جیسے جنگل کی ہر شے اس پر قہقہے ہانک رہی ہو۔ وہ فوراً بھاگا اور اپنی گاڑی میں جا گھسا۔ تبھی اس نے ایک اور خوفناک منظر دیکھا۔ جس جگہ ان تینوں لڑکوں نے اس لڑکی کو دبایا تھا۔ اس جگہ سے یکدم خود بخود مٹی ادھر ادھر ہونے لگی اور تبھی وہ لڑکی اس گڑھے میں سے باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں گھڑا نما کوئی مٹی کا بڑا سا برتن تھا۔ اس نے جا کر وہ سیدھا ضیغم پر انڈیل دیا۔ ضیغم کی فلک

...وں سے پورا جنگل کانپ اٹھا۔اس کے پورے ... بلے ابھر آئے تھے۔یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے ... آگ لگادی ہو۔

کبیر اور اس کا ہمشکل وہاں پاس کھڑے یہ تماشہ ... رہے تھے۔تبھی وہ لڑکی اس کی طرف متوجہ ہوئی ... بولی۔

''اب تیری باری ہے۔''

مراتب علی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔اس نے ... سے بھی پیشتر گاڑی کو بیک گیئر میں ڈال کر گاڑی واپس ...کانا شروع کردی۔وہ جلدازجلد اس جنگل سے ...نکلنا چاہتا تھا۔اسے یقین ہوگیا تھا کہ پولیس آفیسر ٹھیک ... کہہ رہا تھا کہ انہوں نے آج تک اس سمت کسی کو آتے ...نہیں دیکھا تھا۔وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھ ...دھوکا ہوا ہے۔اسے دھوکے سے بلوا کر اسے ختم کرنے کی ...کی جارہی ہے۔اس نے گاڑی کی رفتار بڑھادی اور خم ...دار سڑک پر موڑ کاٹتے ہوئے وہ بڑی مشکل سے بچاؤ کرنہ ... اس کی گاڑی تیزی میں روڈ سے نیچے اترجاتی اور سیدھی ...بالردرختوں سے جاٹکراتی۔اس نے پہلی بار پیچھے ...مڑ کر دیکھا لیکن اندھیرے کی وجہ سے اسے کچھ دکھائی نہ ...دیا اور جیسے ہی اس نے سامنے دیکھا اس کے حلق سے فلک ...شگاف چیخ نکلی۔

کوئی بہت ہی بڑا ریچھ کی طرح کا جانور روڈ ...پر کھڑا تھا۔اس کے پورے جسم پر اتنے لمبے بال تھے کہ ...زمین سے چھو رہے تھے۔اس کا قد ایک صحت مند ہاتھی ...کے جیسا تھا۔یہی نہیں جسامت میں بھی وہ اس سے کم نہ ...تھا۔اس کی آنکھیں اتنی بڑی اور خوفناک تھیں کہ مراتب علی ...کی چیخ نکل گئی تھی۔تبھی گاڑی سیدھی جاکر اس سے ...ٹکرائی۔مراتب علی کا سر اسٹیئرنگ پر جالگا اور اس کی آنکھوں ...کے سامنے تارے ناچنے لگے۔

تبھی اسے یوں لگا جیسے اس کی گاڑی اوپر ہی ...اوپر اٹھتی جارہی ہے۔پہلے تو اس نے اپنا وہم سمجھا لیکن ...جب اس نے گردن موڑ کر باہر دیکھا تو اس کی حیرت ...بیدار ہوگئی۔گاڑی واقعی روڈ سے کم ازکم دس بارہ فٹ اونچی اٹھ چکی تھی۔جب اس نے سامنے دیکھا تو اسے اپنی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے اٹکتی ہوئی محسوس ہوئی۔اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

''وقت اجل بہت دور ہے لیکن زندگی خاردار بن جائے گی تمہاری.....لوگ تمہیں دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگائیں گے.....بھاگنے سے مصیبتیں ٹل نہیں جاتیں۔'' اس خوفناک درندے کے لب ہلے۔

تبھی اس کی گاڑی کو ہوا میں یوں اچھال دیا گیا جیسے وہ گاڑی نہ ہو بلکہ کوئی فٹ بال ہو۔مراتب علی گاڑی میں ادھر سے ادھر اڑ اڑ کر گرنے لگا۔وہ خود کو سنبھالنے کی لاکھ سعی کررہا تھا لیکن یہ سب کچھ اس کے بس سے باہر تھا۔گاڑی اڑ کر روڈ پر جاگری۔سامنے والا شیشہ چور چور ہوکر مراتب علی کے جسم میں پیوست ہوگیا۔پہلی بار مراتب علی کے حلق سے فلک شگاف چیخ نکلی۔درد کی شدت کے باعث اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

وہ جلدی سے گاڑی سے باہر نکلنے کی سعی کرنے لگا لیکن اس کے انگ انگ میں شیشے کے بے شمار ٹکڑے پیوست ہوچکے تھے۔جس کی وجہ سے وہ باہر نہ نکل پایا۔تبھی یکدم گاڑی کا دروازہ کھلا اور اسے کسی نے گریبان سے پکڑ کر باہر کھینچا اور ہوا میں اچھال روڈ پر دے مارا۔جس کی وجہ سے رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی۔

مراتب علی کو یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس کے انگ انگ کو کاٹ دیا گیا ہو۔زخموں کو ہوا لگنے کے باعث اسے کافی درد ہورہا تھا۔اس نے بمشکل تمام اٹھنے کی کوشش کی اور اٹھنے میں کامیاب بھی ہوگیا لیکن اگلا منظر دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔کبیر کی سوتیلی بہن جسے انہوں نے درندگی کا نشانہ بنایا تھا۔اس کے سامنے موجود تھی۔

''مجھے معاف کردو پلیز!مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔'' مراتب علی نے دھواں دھار روتے ہوئے التجا کی۔

''یہی تو میں بھی چاہتی ہوں کہ جو غلطی ایک بار ہوگئی وہ دوبارہ سرزد نہ ہو۔'' کبیر کی بہن نے غصے سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں پلیز!مجھے معاف کردو میں دوبارہ ایسی غلطی

نہیں کروں گا۔'' مراتب علی درد کی شدت سے تڑپتے ہوئے بولا۔

''کیا تم مجھے میری زندگی لوٹا سکتے ہو؟'' کبیر کی بہن نے پوچھا۔

جواباً مراتب علی بے بس ہوکر رہ گیا۔ اس کے پاس اس کے اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

''میں بھی جینا چاہتی تھی لیکن تم ظالموں نے مل کر مجھے بے عزت کر کے بے موت مار دیا۔ میرا باپ آج بھی میرے غم میں اشک بہاتا ہے۔ تم لوگوں نے مجھ پر الزام لگایا کہ وہ اپنے کسی عاشق کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ لیکن وہ آج بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔''

اس کی بات سن کر مراتب علی نے سڑک پر مخالف سمت دوڑنا شروع کر دیا۔

''کہاں تک بھاگو گے؟''

کبیر کی بہن (سیرت) نے کھا جانے والی آنکھوں سے اسے بھاگتے ہوئے کہا۔

مراتب علی اپنی تمام تر ہمت یکجا کر کے بھاگ رہا تھا۔ وہ جلد از جلد جنگل سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ ایک بار جنگل سے باہر نکلنے پر وہ کسی طور پولیس آفیسر کی مدد حاصل کر سکتا تھا۔ اس کے پورے وجود میں شیشے کے ٹکڑے پیوست ہوئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے دوڑنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔

ابھی اسے دوڑتے ہوئے تھوڑی دیر گزری تھی کہ اسے یوں لگا جیسے وہ روڈ کی بجائے کسی خاردار راستے پر دوڑ رہا ہے۔ جب وہ اندھیرے میں کچھ دیکھنے کے قابل ہوا تو اس کا یہ شک حقیقت میں بدل گیا۔ وہ واقعی روڈ سے ہٹ کر بھاگ رہا تھا۔ گویا وہ بھٹک چکا تھا۔

بے خیالی میں بھاگتے ہوئے وہ راستہ بھول چکا تھا۔ ایک بار پھر اس کی حیرت ہویدا رہ گئی۔ وہ ایک خاردار راستے پر دوڑ رہا تھا۔ اس پورے راستے پر جیسے کانٹے ہی کانٹے بچھے ہوئے تھے۔ جو اس کی جوتی میں سے پار ہو کر اس کے تلووں میں گھسے تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ فوراً زمین پر بیٹھ گیا تاکہ جوتیوں میں سے ان کانٹوں کو نکال سکے لیکن وہ جیسے ہی روڈ پر بیٹھا جیسے پورے روڈ پر کانٹے بچھائے گئے تھے۔ ایک بار پھر اس نے حلق پھاڑ کر چیخ ماری۔ اس کی آنکھوں سے آنسو امڈ کر باہر آ نکلے۔

وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اس نے دوسرا پاؤں اوپر اٹھایا تاکہ اس کے تلوے سے کانٹے نکال سکے لیکن یہ دیکھ کر اس کی جان ہی نکل گئی کہ جوتی کا تلوا کہیں پیچھے گر گیا تھا۔ اس کا ہاتھ سیدھا اپنے پیر کے تلوے سے ٹکرایا۔ اس نے بمشکل تمام کانٹے نکالے اور پھر دوسرا پاؤں اٹھا کر دیکھا تو اس کی بھی یہی حالت تھی۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تاکہ سیدھے راستے کا تعین کر کے وہ مین روڈ تک پہنچ سکے لیکن عین اس وقت اس کی سماعت کسی جنگلی جانور کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔

مراتب علی کا دل پسلیوں سے آن لگا۔ جان کس کو پیاری نہیں ہوتی۔ مراتب علی نے ایک بار پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ بھاگنے کے ساتھ ساتھ وہ زور زور سے ''ہیلپ..... ہیلپ'' بھی چلا رہا تھا۔ یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ اس خونی جنگل میں اس کی مدد کرنے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ وہ مسلسل بھاگ رہا تھا۔ تبھی وہ رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جانور کے دھاڑنے کی سنائی دینے والی آواز اب اسے نہیں سنائی دے رہی تھی۔ لیکن اس کی سانسیں کافی پھول چکی تھیں۔ حلق خشک ہو چکا تھا مگر ایک بار پھر اس نے بھاگنا شروع کر دیا۔

اس امید پر کہ شاید وہ اس خونی جنگل سے باہر نکل جائے۔ تبھی اس کی نگاہ اپنی گاڑی پر پڑی۔ وہ سرعت سے گاڑی میں بیٹھا اور اسے گیئر میں ڈال دیا۔ اتفاق سے جلد ہی وہ مین روڈ پر آ گیا۔ جیسے ہی وہ مین روڈ پر آیا اس نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ تبھی اسے دور سے روشنی کے ہالے دکھائی دینے لگے۔ گویا جنگل ختم ہونے والا تھا۔ اس نے گاڑی کی رفتار اتنی تیز کر دی کہ اگر وہ کسی چیز سے ٹکراتا تو اس کی کرچیاں کر کے رہ جاتیں۔ جلد ہی وہ اس خونی جنگل سے باہر نکل چکا تھا۔

اس نے جنگل سے باہر نکلتے ہی زبردست بریک
لگائی۔گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور اس نے بمشکل گاڑی
روکا۔گاڑی کو روک کر وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنی کیفیت
قابو پانے کی غرض سے گاڑی کے اسٹیئرنگ پر سر رکھ
کر ہانپنے لگا۔

یہ اس کی خام خیالی ثابت ہوئی کہ مصیبت ٹل چکی
تھی۔سب سے بڑی مصیبت تو اب اس پر حملہ آور ہونے
والی تھی۔وہ گاڑی کے اسٹیئرنگ سے سر ٹکائے بیٹھا تھا کہ
اسی وقت اس کی سماعت سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی
آواز ٹکرائی۔گاڑی کے فرنٹ والا شیشہ تو پہلے ہی پاش پاش
ہو چکا تھا اور اب اس میں سے جو منظر وہ دیکھ رہا تھا۔اس
نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔

ہزاروں کی تعداد میں شہد کی مکھیاں سامنے والے
شیشے کے سامنے اڑ رہی تھیں۔یوں لگ رہا تھا جیسے پلک
جھپکتے میں وہ اس پر حملہ کر دیں گی۔تبھی اس کی سماعت سے
کسی کی آواز ٹکرائی۔

''جنگل سے نکل کر یہ مت سمجھو کہ تمہاری جان بخشی
ہو گئی۔ایک عبرت ناک سزا تمہارے لیے تیار ہے۔تم
مرو گے نہیں لیکن دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بن
جاؤ گے۔''

اس کے بعد آواز آنا تو بند ہو گئی لیکن شہد کی مکھیوں
نے ہلہ بول دیا۔مراتب علی نے گاڑی کو گیئر میں ڈال کے
فل اسپیڈ میں کر دیا۔مکھیاں گاڑی میں بھر گئیں اور انہوں
نے مراتب علی کے پورے جسم پر ڈنک مار مار کر اس کے
پورے جسم میں اپنا زہر پھیلا دیا تھا۔اس کا پورا وجود پھول
گیا تھا۔گاڑی کا اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ
گیا تھا۔گاڑی کا رخ جس طرف تھا۔گاڑی سرعت سے
اس طرف دوڑی جا رہی تھی۔

اتفاق سے گاڑی کا رخ اسے روکنے والے پولیس
افسر اور کانسٹیبل کی طرف تھا۔جب انہوں نے گاڑی
کو تیزی سے اپنی طرف آتا دیکھا تو فوراً دوربین کی
مدد سے اسے دیکھا اور اگلا منظر دیکھ کر ان کے رونگٹے
کھڑے ہو گئے۔

''گاڑی میں بیٹھے نوجوان کو شہد کی مکھیوں نے دبوچ
رکھا ہے۔گاڑی اس کے کنٹرول سے باہر ہے۔اگر یہ
آ کر چوکی سے ٹکرائی تو چوکی کے تباہ ہونے کا اندیشہ
ہے۔فوراً کوئی لائحہ عمل اختیار کرو۔''پولیس آفیسر نے ساتھ
کھڑے کانسٹیبل سے کہا تو وہ فوراً چوکی کے
اندر گیا اور اندر بیٹھے کانسٹیبلوں کو بلا لایا اب ان کی
تعداد درجن سے زیادہ تھی۔

''کیسے روکیں اس گاڑی کو.....؟'' کانسٹیبل نے
پوچھا۔

''اس کے ٹائروں کو نشانہ بناؤ۔'' آفیسر نے تحکمانہ
لہجے میں کہا۔

''لیکن احتیاط برتنا انجن کو فائر نہ لگے ورنہ گاڑی
کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔''

سارے کانسٹیبل اپنی اپنی گنیں لے کر مستعد
ہو کر بیٹھ گئے۔جیسے ہی گاڑی ان کی گنوں کی حدود میں داخل
ہوئی۔انہوں نے ایک ساتھ فائر کیے تو گاڑی کے اگلے
دونوں ٹائر پھٹے اور گاڑی کا اگلا حصہ یکدم زمین سے
ٹکرایا۔عین اسی وقت گاڑی کا پچھلا حصہ اوپر اٹھا اور گاڑی
الٹی ہو کر زمین پر دھڑام سے گری۔

پولیس آفیسر بدستور دوربین کی مدد سے گاڑی کو دیکھ
رہا تھا۔تبھی اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔گاڑی کے
اندر نوجوان کو جکڑنے والی تمام مکھیاں باہر نکلیں اور سرعت
سے جنگل کی طرف اڑ گئیں۔وہ حیران رہ گیا۔اسے یوں
لگا جیسے وہ مکھیاں خود نہ آئی ہوں بلکہ کسی کے حکم پر انہوں نے
نوجوان پر حملہ کیا ہو۔

''جاؤ اس نوجوان کا پتہ کرو۔مجھے تو لگتا ہے کہ
وہ مر گیا ہوگا۔''پولیس آفیسر نے اندازہ ظاہر کرتے
ہوئے کہا۔

کانسٹیبل فوراً اس طرف بڑھے۔تبھی چوکی میں
موجود امدادی ٹیم کے کارکنوں کو بلایا گیا۔نوجوان کو گاڑی
سے باہر نکال کر چوکی پر لایا گیا۔فرسٹ ایڈ کے بعد یہ
اندازہ ہو گیا کہ نوجوان زندہ ہے لیکن اس کی رگوں میں خون
سے زیادہ شامل ہو چکا ہے۔اس کا پورا وجود آبلے کی

مانند سوج چکا تھا۔وہ جہاں پر بھی ہاتھ لگاتے تھے اس نوجوان کی چیخ نکلتی تھی۔جلد ہی ایمبولینس میں اس نوجوان کو شہر کی طرف روانہ کردیا گیا۔اس کی جیب سے نکلنے والے بٹوے میں اس کا شناختی کارڈ اور وزٹنگ کارڈ بھی انہیں مل گیا۔جس کی مدد سے انہوں نے اس کے ورثا کو بھی آگاہ کردیا تھا۔

☆.....☆.....☆

نواب سہراب خان اس وقت اپنی زمینوں میں کام کروا رہے تھے۔جب جبار ان کے پاس اپنی بائیک پر پہنچا۔

''بیٹا آج تو بڑے دنوں بعد دکھائی دیئے ہو کہاں ہوتے ہو.....؟''نواب سہراب خان نے جبار کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''بس انکل کچھ خاص نہیں۔''جبار بولا۔

''میں اکثر آتا رہتا ہوں گھر لیکن آپ دکھائی نہیں دیتے۔سیرت نے بتایا تھا کہ آپ کافی مصروف رہتے ہیں۔''

سیرت کے نام پر نواب سہراب خان نے ایک ٹھنڈا سانس خارج کیا۔ان کی کیفیت کا ٹوتو جیسے بدن میں لہو نہیں والی ہوگئی تھی۔

''کیا بات ہے انکل آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں؟''

جبار نے نواب سہراب خان کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے پوچھا تو نواب سہراب خان نے آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو انگلیوں کے پوروں سے صاف کیا اور بولے۔

''میری زندگی مجھے چھوڑ گئی ہے۔''

''مطلب.....؟''جبار نے ناسمجھی کے عالم میں پوچھا۔

''نہ جانے میری بچی کہاں گم ہوگئی ہے؟''نواب سہراب خان نے کہا اور پھر ساری کہانی اسے کہہ سنائی۔

''ایسا کیسے ممکن ہے سراسر جھوٹ ہے؟''جبار نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ میری بچی ایسی خطا نہیں کرسکتی۔''نواب سہراب خان نے ڈیرے پر پڑی چار پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں اسے بہت قریب سے جانتا ہوں وہ ا حرکت کبھی کسی صورت میں نہیں کرسکتی۔''جبار نے پریقی لہجے میں کہا۔

''وہ اپنی ہر بات مجھ سے شیئر کیا کرتی تھی۔یہ س ان کی بنائی من گھڑت کہانیاں ہیں۔وہ کسی طور بھی ا حرکت نہیں کرسکتی۔وہ کسی کے ساتھ کیسے بھاگ ہے۔آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ جلد ہی ہم دو رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے والے تھے۔''

''میں کیا کرسکتا ہوں؟''نواب سہراب خان خون کے گھونٹ نگلتے ہوئے کہا۔

''دشمنوں کو جانتے ہوئے بھی آپ ان کے خلا کارروائی کرنے سے کیوں کترا رہے ہیں۔آپ کو طرح سے معلوم ہے کہ یہ صرف ایک من گھڑت ہے۔''

''وہ وقت دور نہیں ہے میرے بچے جب یہ اپنے کیے پر پچھتائیں گے۔''نواب سہراب خان نے کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ شاید جبار کے ساتھ اپنی اندرونی کیفیت کو نہیں کرنا چاہتے تھے یا پھر شاید اس کے سا خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''نجانے ان ظالموں نے میری بچی کے س کیا کیا ہے لیکن یہ لوگ اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں پا گے۔''

جبار نواب سہراب خان کی بات سن کر خون گھونٹ پی کر رہ گیا لیکن اس کا من چھلنی ہوگیا۔گویا کا شک صحیح ثابت ہوا تھا کہ ان لوگوں کے سیرت کے س کچھ کیا تھا۔لیکن انہوں نے سیرت کو کہاں چھپادیا؟ بات اس کے لیے ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گئی تھی۔

اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ کچھ بھی ہوجائے وہ بات تہہ تک پہنچ کر رہے گا۔

☆.....☆.....☆

''کبیر بیٹا دیکھا تم نے تمہارے دونوں دوستوں کی کیا حالت ہوچکی ہے۔'' کبیر کی ماں نے اسے گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر فوراً اس کے پاس جا کر کہا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کون کررہا ہے؟'' کبیر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''دونوں کی حالت ایسی کہ دیکھ کر لوگ کانوں کو ہاتھ لگا رہے ہیں۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود دیکھو تو انہیں موت نہیں آئی۔'' کبیر کی ماں نے تیزی سے کہا۔

''ہوسکتا ہے ان کی کسی سے دشمنی ہو؟'' کبیر نے سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں.....!'' اس کی ماں نے پریقین لہجے میں کہا۔

''مطلب.....؟'' کبیر نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ سب اس کی روح کا کیا دھرا ہے۔'' کبیر کی ماں نے کھوئے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''کس کی روح کا.....؟'' کبیر حیرت سے بولا۔

''اسی منحوس کی روح کا جسے تم لوگوں نے مار دیا تھا۔'' کبیر کی ماں نے کہا۔

یہ ایک ایسا انکشاف تھا جس پر کبیر چونک سا گیا تھا۔ اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ اس جدید دور کے اندر روحوں کی باتیں فرسودہ سی لگ رہی تھیں۔

''امپاسبل۔'' کبیر بولا۔

''روحیں تو خود دھوئیں کی مانند ہوتی ہیں۔ جنہیں نہ چھوا جاسکتا ہے نہ محسوس کیا جاسکتا ہے۔ تو وہ بھلا کسی کی جان کیسے لے سکتی ہیں؟''

''بھٹکی ہوئی روحیں بہت کچھ کرسکتی ہیں۔'' کبیر کی ماں نے پریقین لہجے میں کہا۔

''آپ میرا حوصلہ پست کررہی ہیں ماں۔'' کبیر بولا۔

''آپ کے کہنے کے مطابق اس کا اگلا نشانہ میں ہوں گیا؟''

کبیر نے پوچھا تو اس کی ماں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ کبیر حیران و ششدر رہ گیا کہ اس کی ماں ایسی باتیں کیوں کررہی ہے؟

''ہمیں آج اور ابھی پرانے برگد والے درخت کے نیچے بیٹھے اللہ والے کے پاس جانا چاہیے وہ ہی کچھ بتا سکتا ہے۔'' کبیر کی ماں نے مشورہ دیا۔

پہلے تو کبیر سوچ میں ڈوب گیا لیکن پھر وہ بولا۔ ''ماں شام کی پرچھائیاں پھیل رہی ہیں۔ اس وقت ان کے پاس جانا بہتر نہیں ہوگا۔''

''ٹھیک ہے پھر صبح ہی صبح جائیں گے۔'' کبیر کی ماں نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' کبیر نے کہا۔

☆.....☆.....☆

جبار کا ذہن سوچوں کے بھنور میں بری طرح سے پھنسا ہوا تھا۔ اسے کچھ بجھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے۔ نومبر کے اوائل دن تھے۔ موسم میں خنکی کی شدت بڑھتی جارہی تھی لیکن اس سب سے بے گانہ جبار گھر کی چھت پر پڑی چارپائی پر لیٹ کر پہم آسمان پر نکلے چاند کو گھور رہا تھا۔ دھندلی چادر آہستہ آہستہ ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع ہوگئی تھی لیکن ابھی تک چاند اسے واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔

تبھی اس نے ایک نہایت ہی عجیب منظر دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے چاند کے اندر سیرت کا چہرہ نمایاں ہوا ہو۔ اس نے اپنی آنکھیں مسلیں اور دوبارہ غور سے چاند کو تکنے لگا۔ اب کی بار اس کی حیرت واقعی دیدنی تھی۔ وہ بس اس کے ذہن کا ابھار نہیں بلکہ ایک حقیقت تھی۔ جو وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

''سیرت۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

''ہاں میں۔'' اس کے کان کے پاس سرگوشی ہوئی۔

وہ حیران رہ گیا کہ اس کا چہرہ دور بہت دور آسمان کی وسعتوں میں دکھائی دے رہا تھا لیکن اس کی آواز اس کے کانوں تک کیسے پہنچی؟

وہ سرعت سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کہیں سیرت اس کے آس پاس تو نہیں ہے۔

''تم کہاں ہو......؟'' جبار نے تڑپ کر پوچھا۔

''جہاں دیکھ رہے ہو۔'' جواب ملا۔

ایک بار پھر جبار نے چاند کی طرف دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے سیرت کا چہرہ اتنی دور ہونے کے باوجود اس کے بہت قریب ہو۔

''یہ سب کیا ہے سیرت......؟'' جبار اپنی کیفیت پر قابو نہ پاتے ہوئے بولا اور اس کی آنکھوں سے گوہر ہائے آبدار گر کر اس کی جھولی میں جا گرے۔

''وقت کی چال۔'' جواب ملا۔

''پلیز میرے پاس آؤ۔'' جبار بولا۔

''میں تمہاری جدائی میں پل پل مر رہا ہوں۔ تم جانتی ہو انکل بھی تمہاری جدائی میں کانٹوں پر زندگی گزار رہے ہیں۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟''

''میں نے کب کچھ کیا؟'' جواب ملا۔

''کرنے والوں نے سب کچھ کر دیا۔''

''مطلب......؟'' جبار حیرت سے بولا۔

اور پھر اس کی سماعت سے سیرت کے الفاظ ٹکرانے لگے۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے سامنے ایک فلم سی چلنے لگی ہو۔ جب ساری بات کا اسے علم ہوا تو وہ غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

''تم کچھ نہیں کرو گے۔ بس دیکھتے جاؤ انہیں اگر دنیا کے لیے عبرت کا نشان نہ بنا دوں تو پھر کہنا۔'' سیرت کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

''مجھے نفرت ہے ان سے۔ میں انہیں پلک جھپکتے میں ابدی نیند سلا دینا چاہتا ہوں۔'' جبار اپنی کیفیت پر قابو نہ پاتے ہوئے بولا اور پھر اس نے دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔

''میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا۔ پلیز لوٹ آؤ۔''

''ہم بہت جلد ملیں گے۔ صبر سے کام لو اور میرا انتقام دیکھتے رہو۔''

جبار خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں منہ کو چھپایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

☆......☆......☆

''کیوں آئے ہو یہاں......؟'' مجذوب نے غصے سے تقریباً دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

''ہم آپ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔'' کبیر کی ماں نے جواب دیا۔

''اب وقت ختم ہو گیا ہے۔'' مجذوب بولا۔

''اب اس کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ وہ تمہیں مارے گی نہیں لیکن دنیا کے لیے عبرت کا نشان بنا کر رکھ دے گی۔ تم لوگوں نے ظلم کیا ہے اور ظالم کو دنیا اور آخرت میں سزا ضرور ملتی ہے۔ کیا تم بھول گئے فرمان مصطفیٰ ﷺ کو ''کہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے۔''

اور تم نے قتل نہیں بلکہ ظلم کیا ہے۔ ایک ایسی معصوم اور عزت دار لڑکی کا جو بے پناہ بے بس تھی۔ اس کی بے بسی اور لاچاری کا تم لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ رشتے میں وہ تمہاری بیٹی (کبیر کی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے اور پھر کبیر کو مخاطب کرتے ہوئے) اور تمہاری بہن لگتی تھی لیکن تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے۔ رشتوں کی قدر تک نہ کر سکے اور مقدس رشتوں کی پامالی کر ڈالی۔ تمہارا انجام عبرت ناک ہوگا۔ لوگ تمہیں دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگائیں گے۔ جاؤ چلے جاؤ ابھی اور اسی وقت یہاں سے۔''

''ہماری مدد کیجئے بزرگ بابا۔'' اب کی بار کبیر نے کہا۔

''نہیں اب تم لوگ مدد کے قابل نہیں رہے۔ اب وہ وقت آ گیا ہے جب تم لوگوں نے اپنے کیے کا انجام بھگتنا ہے۔ اس لیے فوراً چلے جاؤ یہاں سے۔'' مجذوب نے پہلی بار غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔

دونوں ماں بیٹا وہاں سے منہ کی کھا کر واپس آ گئے۔ اب تو انہیں یقین ہو چکا تھا کہ یہ سب کچھ کیا دھرا اسی کی روح کا ہے۔ پہلے تو انہیں شک تھا لیکن اب ان کا شک یقین میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس لیے اب پہلی بار ان دونوں کو خوف نے بری طرح سے جکڑ لیا تھا۔ خوف کی سرد لہر ان کے جسموں میں کیا سرایت ہوئی انہیں یوں

کا جیسے اگلے ہر قدم پر موت ان کی راہ تک رہی ہو۔

☆......☆......☆

''باقی سب کا کام تمام ہو چکا ہے باباجان اب صرف باری ہے آپ کی بیوی اور بیٹے کی۔'' سیرت کی تصویر کے لب ہلے تو نواب سہراب خان یوں چونکے جیسے کسی گہری سوچ میں گم ہوں۔

''ہوں۔''

''کیا آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' دوبارہ سوال کیا گیا۔

''بالکل نہیں۔'' نواب سہراب خان نے دھیمے سے لہجے میں اجازت دیتے ہوئے کہا۔

''آج رات یہ دونوں بھی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔'' سیرت کی تصویر نے کہا۔

''صبح کا سورج جیسے ہی طلوع ہو انہیں ہسپتال میں داخل کروا دیجئے گا اور دوبارہ ان کی پرچھائی بھی اس گھر میں نہ پڑنے دیجئے گا۔''

''مجھے بھی ان سے اتنی ہی نفرت ہو چکی ہے جتنی کہ تمہیں۔ میں اب تو ان کی شکلیں تک دیکھنا نہیں چاہتا۔ ایسی سزا دینا کہ لوگ ان پر تھوک کر جائیں۔''

''انشاء اللہ'' تصویر کے لب آخری بار ہلے اور پھر ساکت ہو گئے۔

نواب سہراب خان نے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کیے اور ساتھ ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر جبار کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

☆......☆......☆

جبار کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ حقیقت سے نواب سہراب خان کو کیسے آگاہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا ذہنی فتور سمجھ کر یا انتقامی کارروائی سمجھ کر نواب سہراب خان اسے برا بھلا ہی کہہ ڈالیں۔ وہ ہر قیمت پر نواب سہراب خان کو بتانا چاہتا تھا کہ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ سیرت کے ساتھ کیا ہوا ہے لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے......؟

تبھی اس کے موبائل کی گھنٹی بجی تو اس نے جیب سے موبائل نکالا تو اتفاق سے نواب سہراب خان کی کال آ رہی تھی۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی اور موبائل کان سے لگایا۔

''السلام علیکم......!'' نواب سہراب خان نے سلام دیا۔

''وعلیکم السلام۔'' جبار نے جواب دیا۔

''کیسے ہیں انکل آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں میرے بچے تم کیسے ہو؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔ آپ کو ہی یاد کر رہا تھا۔'' بتایا گیا۔

''میں تمہاری طرف گاڑی لے کر آ رہا ہوں۔ کہیں جانا ہے گھر سے باہر آ جاؤ۔'' نواب سہراب خان نے بتایا تو جبار حیران رہ گیا کہ آج تک اس لہجے میں نواب سہراب خان نے بات نہیں کی تھی۔

اس کا دل دھک دھک دھڑکنے لگا۔ نجانے کیوں خوف کی گھنٹیاں اس کے من کے مندر میں بجنے لگیں۔

''خیریت تو ہے ناں انکل؟'' اس نے پوچھا۔

''بس کہاناں روڈ پہ آؤ۔'' تحکمانہ لہجے میں جواب ملا۔

''اٹس او کے انکل۔'' جبار نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔

تھوڑی دیر میں وہ روڈ پر تھا۔ اسے آئے تھوڑی ہی دیر بیتی تھی کہ نواب سہراب خان گاڑی لے کر آن پہنچے۔ گاڑی انہوں نے اس کے قریب روک کر ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تو جبار چاروناچار اندر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تو ان کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔ آخرکار اس خاموشی کو نواب سہراب خان نے ہی توڑا۔

''تمہارا شک صحیح نکلا۔'' نواب سہراب خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کہا۔

''میں سمجھا نہیں......؟'' جبار نے حیران ہو کر کہا۔

''ظالموں نے میری بچی کو......'' اس سے زیادہ نواب سہراب خان کچھ نہ بول پائے۔

"میں یہی آپ سے یہی بات کہنا چاہتا تھا۔" بار تڑپ کر بولا اور پھر اسے ساری بات سنائی۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" نواب سہراب خان نے اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

"آج رات دونوں ماں بیٹے کی سزا کی رات ہے اور ہمیں آج کی رات سیرت کی باڈی کو نکال کر اس کے کفن دفن کا انتظام کرنا ہے۔"

"مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوگا۔" جبار نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

نواب سہراب خان نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آئے گوہر ہائے آبدار نواب سہراب خان سے پنہاں نہ ہو سکے۔

"مجھے خوشی ہے کہ میری بیٹی نے تم جیسے عظیم انسان کا انتخاب کیا تھا۔" نواب سہراب خان نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی زندگی کی سب سے قیمتی شے گنوادی ہے۔" جبار نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"وہ مری نہیں۔" نواب سہراب خان بولے تو جبار نے حیرت سے انہیں گھورا۔

"وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔ ہمارے دلوں میں..... ہماری یادوں میں..... ہماری سانسوں میں۔"

"ظالموں کو موت ہی آجائے۔" جبار نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"موت سزا نہیں ہے۔" نواب سہراب خان نے یوٹرن لیتے ہوئے کہا۔

"ان کی سزا ساری زندگی تڑپنا ہے۔ جیسے دو خبیث انسان تڑپ رہے ہیں۔ ان کی طرح یہ بھی تا قیامت تڑپیں۔ لوگ انہیں دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگائیں اور دوبارہ کبھی بھی زندگی میں کوئی بھی ایسی حرکت کرنے کی ہمت نہ کرے۔"

جواباً جبار چپ رہا۔ اس سے بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ آنسو بند توڑنے کو بے تاب تھے۔ اور وہ تھا کہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی بمشکل سعی کر رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ اس قبرستان کے پاس پہنچ گئے جس کے بارے میں انہیں سیرت نے بتایا تھا۔ نواب سہراب خان اسے لیے سیدھا گورکن کے پاس پہنچا۔ گورکن چالیس پچاس سال کا آدمی تھا۔ وہ اپنی پوری فیملی کے ساتھ وہاں رہتا تھا۔ اس کی بیوی کے علاوہ دو بیٹے اور ایک بیٹی بھی تھی۔

"جی فرمایئے۔" گورکن نے نہایت ہی دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"زیادہ مصروف تو نہیں ہیں آپ؟" نواب سہراب خان نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے ناں.....؟" گورکن حیرت سے بولا۔

"ہمیں آپ سے بہت ہی اہم بات کرنی ہے لیکن تھوڑا سا یہاں سے ہٹ کر۔" نواب سہراب خان نے کہا تو گورکن نے گھر کا دروازہ ہٹ کر بند کیا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔

گھر سے تھوڑا سا ہٹ کر ایک طرف وہ بیٹھ گئے اور پھر نواب سہراب خان نے اسے الف تا ے تمام داستان کہہ سنائی۔ اس دوران نواب سہراب خان اور جبار دونوں روتے بھی رہے۔ کئی باتوں کے اندر جبار بھی مداخلت کرتا رہا۔ ان کی کہانی سن کر گورکن کی آنکھیں بھی اشک بار ہو گئی تھیں۔

"اس دنیا میں اچھے لوگوں کے ساتھ برے بھی بستے ہیں۔" گورکن نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اب آپ کیا چاہتے ہیں مجھ سے میں ہر لحاظ سے آپ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوں۔"

"ہم چاہتے ہیں کہ اپنی بیٹی کی باڈی نکال کر اسے اسلامی طریقے سے کفن دفن دے کر دوبارہ دفن کریں۔" نواب سہراب خان نے بتایا۔

"جہاں تک بات کفن کی ہے وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن نجانے باڈی کس حالت میں ہو۔" گورکن نے کہا۔

"اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔" جبار نے پر یقین لہجے

بولا۔

گورکن گھر سے کدال وغیرہ لے آیا اور تینوں اس جا پہنچ گئے جس کی نشاندہی سیرت نے تصویر میں کی تھی۔ تینوں نے مل کر اس جگہ کو کھودنا شروع کر دیا۔ جلد ہی انہوں نے سیرت کی باڈی تلاش کر لی۔ تینوں حیران و ششدر رہ گئے۔ سیرت کی باڈی بالکل ٹھیک پڑی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی تک وہ ہشاش بشاش ہو۔ کتنی ہی دیر تک نواب سہراب خان اپنی بیٹی کی باڈی کو سینے سے لگائے دھواں دھار روتے رہے۔ جبار بھی کافی دیر تک روتا رہا۔ پھر گورکن کے کہنے پر اس نے نواب سہراب خان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"انکل وقت کم ہے۔ ہمت سے کام لیں۔" جبار نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

نواب سہراب خان نے بیٹی کی باڈی کو ہاتھوں کی ڈولی بنا کر اٹھا لیا۔ اس کی باڈی کو سیدھا گورکن کے گھر لے جایا گیا۔ گورکن کے گھر والے یہ سب دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے لیکن گورکن نے جب ساری بات سے انہیں آگاہ کیا تو وہ چپ کر گئے۔ سیرت کی باڈی کو گورکن کی اہلیہ اور بیٹی نے مل کر نہلایا اور پھر انہوں نے کفن بھی پہنایا۔ کفن دفن کا سارا انتظام گورکن کے پاس بھی موجود تھا۔ کیونکہ بیشتر قریبی علاقوں کے لوگ اسی کے ہاں سے کفن لے جاتے تھے۔ لاوارث لاشوں کے لیے اس کے پاس کافی کفن تھے۔ انہی میں سے ایک میں سیرت کے پھول سے خوبصورت وجود کو لپیٹ دیا گیا۔

پھر گورکن، نواب سہراب خان، جبار اور گورکن کے بیٹے نے مل کر سیرت کی نماز جنازہ پڑھی۔ نماز جنازہ گورکن کے بیٹے نے پڑھائی۔ یوں اسلامی طریقے سے سیرت کی باڈی کو منوں مٹی تلے دفنا دیا گیا اور پھر نواب سہراب خان اور جبار دونوں گھر کی طرف چل پڑے وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کی عدم موجودگی میں کبیر اور اس کی ماں کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ وہ ان کا حال دیکھ کر اپنی روح کو تسکین بخشنا چاہتے تھے۔ جانے سے پہلے نواب سہراب خان نے نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی جب گورکن کے ہاتھ میں تھمائی تو وہ اتنے نوٹ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

کبیر اس وقت بیٹھا کھانا کھا رہا تھا جب اچانک اس کی نظر سالن پر پڑی تو اسے یوں لگا جیسے ابھی کے ابھی اسے ابکائی آجائے گی۔

"ماں یہ سب کیا ہے......؟" کبیر تقریباً دھاڑتے ہوئے بولا۔

"کیا ہوا......؟" اس کی ماں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ سالن میں کیا ملا ہوا ہے؟" کبیر نے پوچھا۔

"کیا مطلب......؟" کبیر کی ماں حیرت سے بولی۔

اس سے قبل کہ کبیر اس کی بات کا کوئی جواب دیتا اسے یوں لگا جیسے اس کے پورے وجود میں کسی نے زہریلی چیز ڈال دی ہو۔ اس نے فوراً اپنا گلہ تھام لیا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کی ماں کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔ کبیر کے ناک اور منہ سے خون نکلنا شروع ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس کی آنکھوں سے بھی خون بہنا شروع ہو گیا۔

"یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں میرے بچے؟"

کبیر کی ماں اس کی حالت دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھی لیکن جلد بازی میں وہ سیدھی سلنڈر پر جا گری۔ سلنڈر کا پائپ نکل گیا اور گیس چہار سو پھیلنا شروع ہو گئی اور یکدم ایک زوردار دھماکہ ہوا۔

محلے کے لوگوں نے جب دھماکے کی آواز سنی تو فوراً نواب سہراب خان کے گھر کی طرف بھاگے اور اگلا منظر دیکھ کر سب کے رونگٹے کھڑے ہوئے۔ جو منظر ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسے دیکھ کر انہیں یقین نہیں ہو رہا تھا۔

ایک طرف زمین پر کبیر پڑا ہوا تھا اور اس کے منہ، ناک اور آنکھوں سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ وہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا تو دوسری طرف اس کی ماں ایک طرف پڑی تڑپ رہی تھی۔ سلنڈر پھٹنے سے اس کا سارا جسم

جھلس گیا تھا۔

محلے والوں میں سے کسی نے فوراً ہسپتال کر کے ایمبولینس منگوالی تھی اور انہیں فوری طور پر ہسپتال ایمرجنسی میں پہنچادیا گیا۔

جب نواب سہراب خان اور جبار موقع پر پہنچے اور انہیں محلے والوں کی زبانی ساری بات کا علم ہوا تو ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔

''تو بڑا بے نیاز ہے میرے مالک.....تو نہ تو کسی کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے اور نہ ہی ناانصافی ہونے دیتا ہے۔'' نواب سہراب خان نے کہا اور جبار کو ساتھ لے کر سیدھا ہسپتال پہنچا۔

ایمرجنسی میں پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ اس کی بیوی کا سارا جسم بری طرح سے جھلس چکا ہے۔ وہ دیکھنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ جبکہ اس کے بیٹے کے ناک، منہ اور آنکھوں سے خون نکلنا کبھی بند ہوجاتا ہے تو کبھی شروع ہوجاتا ہے۔ وہ پاگلوں کی طرح چلانے لگتا ہے۔

نواب سہراب خان، جبار کے ساتھ مل کر سیدھا اس کمرے میں پہنچے جہاں دونوں ماں بیٹے بستر مرگ پر اپنی آخری سانسیں گن رہے تھے۔

''تم نے کہا تھا ناں کہ میری بچی کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے؟'' نواب سہراب خان نے بیوی کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''حقیقت کیا ہے ہم جان چکے ہیں۔ اب ساری زندگی تم چاروں ماہی بے آب کی طرح تڑپو گے۔ تم موت کی خواہش کروگے لیکن موت تمہیں نہیں آئے گی۔ ہم روزانہ آئیں گے اور تمہاری حالت دیکھیں گے۔ تمہاری حالت دیکھ کر ہماری روحوں کو تسکین ملے گی۔''

اتنا کہہ کر نواب سہراب خان اپنی جگہ سے اٹھے اور بیٹے کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔

''تو کتے کی طرح تڑپ تڑپ کر مرے گا لیکن اتنی جلدی تجھے موت نہیں آئے گی۔ میں تمہاری موت سے پہلے مرنے والا نہیں ہوں۔ میری بچی کے قاتل قیامت تک تڑپیں گے۔''

اتنا کہہ کر دونوں اٹھے اور باہر جانے لگے تو نواب سہراب خان کی بیوی نے اسے پکارا۔

''خدا کے لیے مجھے یہاں سے لے چلو۔ میں اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوں لیکن مجھے اکیلا مت چھوڑو۔''

''نہیں تم یہیں رہوگی۔ تمہیں خلق خدا دیکھے گی اور تم پر تھوکے گی۔'' اتنا کہہ کر نواب سہراب خان وہاں سے باہر نکل آئے پیچھے سے دونوں ماں بیٹے کے چیخنے چلانے کی آوازیں انہیں سنائی دے رہی تھیں۔

''آج میری روح کو تسکین ملی ہے۔'' نواب سہراب خان نے کہا۔

''آج سے تم میرے ساتھ میرے گھر میں رہوگے۔''

نواب سہراب خان نے چلتے چلتے تحکمانہ لہجے میں کہا تو جبار نے حیرت سے انہیں گھورا۔

''میں وہاں نہیں رہ سکتا۔ در و دیوار سے سیرت کی یادیں لپٹی ہیں اور وہ یادیں مجھے کاٹ کھانے کو دوڑیں گی۔'' جبار نے کہا۔

''یادوں کے سہارے جینا سیکھو۔'' نواب سہراب خان نے کہا۔

''ہم اس گھر کو غریبوں کے لیے وقف کریں گے۔ اسے یتیم خانہ بنائیں گے۔ وہاں یتیم بچوں اور بچیوں کی کفالت کریں گے۔''

جواباً جبار نے نہ چاہتے ہوئے بھی زیر لب مسکرا کر ان کی اس سوچ کی داد دی۔ دونوں ہسپتال سے باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی وہاں سے چل پڑی۔

اس دن کے بعد نواب سہراب خان اور جبار دونوں روزانہ ہسپتال میں آ کر ان دونوں کی حالت دیکھتے اور روح کو تسکین پہنچاتے ہیں۔ ایسا کرنے سے انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سیرت کی روح کو بھی تسکین مل رہی ہو۔

خوف نگر

فیصل ندیم۔شیخوپورہ

نوجوان نے قبرستان کا رخ کیا اور پھر اس نے قبریں کھودنی شروع کردیں۔ ایک قبر سے بالوں کا ایک گچھا ملا تو نوجوان نے فوراً اسے آگ لگادی، تو ایک ڈرائونی شکل بڑھیا ظاہر ہوئی، اور پھر.....

ایک چڑیل کی لرزہ براندام کرتی روداد، جب وہ سامنے آئی تو لوگ حیران ہوگئے

ڈائریکٹر نومی اپنے آفس میں بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ گہری گہرائی میں جا کر سوچ رہا تھا کہ اچانک آفس کے دروازے پر دستک ہوئی تو نومی نے اپنے خیالات کو دور کیا اور کہا ''کون ہے آجاؤ دروازہ کھلا ہے'' اس کے ساتھ ہی ایک شخص آفس میں داخل ہوا اور نومی کو سلام کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے کہنے لگا ''ڈائریکٹر صاحب مبارک ہو آپ کی تلاش ختم ہوگئی ہے۔''

یہ سن کر نومی نے سگریٹ ڈسٹ بن میں پھینکا اور اس شخص کی بات سننے کے بعد تجسس سے پوچھا ''میں سمجھا نہیں اشفاق حسین تم کہنا کیا چاہتے ہو کھل کر بات کرو''

''ارے ڈائریکٹر آپ ہی تو مجھے اپنی سیریل خوف نگر کے لئے لوکیشن ڈھونڈنے کا کہا تھا شاید آپ بھول گئے ہیں؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں بھولا نہیں تھا بلکہ میں ذرا اپنے اس سیریل کو لے کر کچھ سوچ رہا تھا تم بتاؤ ملی کوئی لوکیشن یا نہیں۔''

''ارے سر لوکیشن تو آپ کی سوچ سے بھی کہیں زیادہ

بہتر ملی ہے آپ دیکھیں گے تو دنگ رہ جائیں گے سچ کہہ رہا ہوں کہ ایک ایسی حویلی ڈھونڈی ہے میں نے جو صدیوں پرانی ہے اسے وجود میں آئے ہوئے کم از کم 400 سال سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا ہے لیکن اس حویلی کی ساخت آج بھی ایسی ہے جیسے بالکل نئی تعمیر کی گئی ہو مگر مقامی لوگوں سے اس حویلی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ صدیوں پہلے وہ حویلی کو راجا نے بنائی تھی اپنے لیے اسے شہر کے شور شرابے سے سخت نفرت تھی اس لیے اس نے ایک ویران جگہ کا انتخاب کیا اور جہاں سب سے زیادہ ویرانہ تھا یا لوگوں کا آنا جانا بہت کم تھا وہاں اس نے حویلی کی بنیاد رکھی۔

کافی سالوں تک وہ راجا اس حویلی میں رہائش پذیر رہا لیکن پھر نہ جانے ایسا کیا ہوا کہ ایک ایک کر کے راجا کی ساری فیملی اور اس حویلی میں رہنے والے سارے لوگ پراسرار طور پر مارے گئے تھے اس وقت کے مقامی لوگوں نے ان کی لاشیں حویلی کے ساتھ ہی دفنا دیں اور یوں جیسے وہاں ایک قبرستان بھی آباد ہو گیا میں نے دیکھا ہے وہاں پر قبروں کی تعداد 30 سے 40 کے لگ بھگ ہوگی۔ اور سب سے اچھی بات آپ کی سیریل والی کہانی کی ڈیمانڈ کے مطابق قبریں حویلی کے ساتھ ہی ہیں اور وہاں پر بہت سارے پیڑ اگے ہوئے ہیں۔"

"لیکن اشفاق وہاں پر شوٹنگ کرنے کے لئے ہمیں کسی کی اجازت لینا پڑے گی؟"

"کسی کی اجازت نہیں لینا پڑے گی کیونکہ وہ حویلی کسی کے زیر تسلط نہیں ہے کوئی اس کا مالک بھی نہیں اور نہ ہی کوئی حویلی میں آتا جاتا ہے اس کے برعکس جب بھی میں نے حویلی کے اندر جا کر دیکھا تو مجھے ایسا لگا کہ ضرور کوئی نہ کوئی تو یہاں رہتا ہوگا کیونکہ میں اتنے سالوں سے ویران پڑی اس حویلی میں کہیں کوڑا کرکٹ نہیں دیکھا مجھے تو وہ جگہ بہت اچھی لگی ہے آگے آپ کی مرضی ہے۔"

"ٹھیک ہے اشفاق حسین اگر تم ڈھونڈ آئے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہم کل ہی ٹیم کے ساتھ وہاں روانہ ہو جائیں گے تم ایسا کرو کہ ہمارے جانے سے قبل وہاں پر رہائش کی سیٹنگ کروا دو تا کہ کوئی پرابلم نہ آئے ایکٹرز کو اور باقی اسٹاف کو۔"

"ٹھیک ہے سر جیسے آپ کا حکم میں چلتا ہوں [اللہ] حافظ۔" یہ کہہ کر اشفاق وہاں سے چلا گیا تو ڈائریکٹر نومی [نے] سکھ کا سانس لیا اور سیریل کے ایکٹرز اور باقی اسٹاف کو فو[ن] کر کے کل کے بارے میں بتانے لگا، تمام لوگوں نے [جو] سیریل میں کام کرنے والے تھے۔ سب نے [ہا]ں کہا سوائے امجد اور صائم کے انہوں نے کہا۔ "ڈائریکٹ[ر] صاحب آپ لوگ چل کر باقی ایکٹرز کے شوٹ لے لیں ہم دونوں کچھ دن بعد آ جائیں گے۔" حالانکہ خوف نگ[ر] سیریل کے مرکزی کردار وہ دونوں تھے امجد اور صائم جو ا[پنی] دوسری مصروفیات کے باعث نہیں آ سکتے تھے۔

لہٰذا اگلے روز دو پہر ہونے تک نومی نے تمام اسٹاف کو اکٹھا کر لیا اور انہیں بتایا کہ "ہم اپنے سیریل خوف نگر کے لئے ایک ایسی حویلی میں شوٹنگ کرنے جا رہے ہیں جو صدیوں سے ویران پڑی ہے۔"

سب کو یہ سن کر حیرت ہوئی لیکن جہاں وہ سب چل رہے تھے وہاں کسی کے دل میں انکار کی کوئی گنجائش ہو نہیں سکتی تھی سو اس لیے سارا اسٹاف اپنا ضروری سامان باندھے گاڑیوں میں جا بیٹھا اور یوں ہوئی اس حویلی کی جانب روانگی۔

شام ہونے سے قبل سارے لوگ حویلی تک پہنچ گئے اشفاق حسین وہاں پر پہلے ہی تمام انتظامات مکمل کیے بیٹھا تھا، اشفاق نے اسٹاف کا حویلی کے مین گیٹ پر کھڑے ہو کر ویلکم کیا اور اسٹاف کی گاڑیاں حویلی کے اندر چلی گئیں سوائے ایک کار کے وہ باہر ہی کھڑی کرنا پڑی کیونکہ حویلی میں گاڑی کھڑی کرنے کی اور گنجائش نہ تھی۔

تمام اسٹاف ممبرز نے حویلی کا بغور مشاہدہ کیا اور ڈائریکٹر نومی سے طرح طرح کے سوالات کیے حویلی کے بارے میں۔ شام گہری ہوئی تو نومی نے سیریل کے لئے شوٹ کے لئے سیٹ لگوایا سب تیاری مکمل ہو گئی اور یوں اس ویرانے میں رات کا سناٹا بھی اپنے عروج پر پہنچنے کے لئے بے تاب ہو گیا۔ ڈائریکٹر نومی نے اپنے شوٹ کی ایکٹرا ایک لڑکی ہما کو شوٹ سمجھایا کہ "اس طرح اسے چھت پر جا کر ہاتھ

میں جلتی ہوئی موم بتی پکڑ کر خیالوں میں کھڑے ہونے کی ادا کرنی ہے اور اشارے سے بتایا کہ وہاں تک چل کر جانا ہے تمہیں اور سارے شوٹ میں چھت کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنا ہے تاکہ شوٹ لینے میں آسانی رہے۔"

تھوڑی دیر بعد نومی کا جو اسسٹنٹ تھا منیب اس نے ہما کو چھت پر چھوڑا اور اسے شوٹ دوبارہ سے سمجھا کر نیچے آ گیا۔ جب شوٹ ریڈی ہو گیا تو ہما موم بتی لیے دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی ابھی وہ چل کر تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ اسے چھت پر ایک نہایت بری شکل صورت والی عورت دکھائی دی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور دانت منہ سے باہر نکل رہے تھے وہ ہما کو اپنی طرف اشارہ کر کے بلانے لگی۔

"آؤ..... آؤ میری طرف آؤ....." وہ عورت ہما کے علاوہ کسی اور کو دکھائی نہیں دے رہی تھی وہ عورت ہما کو بلا رہی تھی اور ہما بے اختیار ہو کر اس کی جانب چلتی جا رہی تھی۔

شوٹ مکمل ہونے پر نومی نے کٹ کا اشارہ دے دیا تھا اور سارا اسٹاف اب اگلے شوٹ کی تیاری کرنے لگا مگر ہما اس انجانی عورت کے اشاروں پر چل رہی تھی تبھی وہ عورت چھت سے بانیچے میں ہوا کے زور پر کھڑے ہو کر اسے بلانے لگی اور ہما بے اختیار ہو کر دیوار پر چڑھ گئی۔ ابھی وہ دیوار پر چڑھی ہی تھی کہ کسی نے ڈائریکٹر نومی سے کہا "شوٹ تو ختم ہو گیا ہے پھر یہ ہما دیوار پر کیوں چڑھ رہی ہے"

نومی نے اور اس کے اسسٹنٹ منیب نے جب یہ دیکھا تو ہما کو آوازیں دینے لگے "ہما کیا کر رہی ہو پیچھے ہو جاؤ مت چڑھو دیوار پر" مگر ہما تو جیسے کسی کی بات سن ہی نہ رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ دیوار سے اس نہ دکھنے والی عورت کے کہنے پر چھلانگ لگاتی، منیب نے اسے آ کر پکڑ لیا اور دیوار سے نیچے اتار کر چلانے لگا۔ "تم پاگل ہو گئی ہو ہما یہ کیا کرنے جا رہی تھی تم، دیوار سے کیوں کود رہی تھیں تم بولو اگر گر کر مر جاتی تم تو کیا جواب دیتے تمہارے گھر والوں کو ہم؟"

ہما نے ہوش سنبھالا تو کہا۔ "منیب یہاں پر ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی وہ مجھے اپنے پاس آنے کے لئے کہہ رہی تھی اور میں بے اختیار ہو کر اس کی جانب چل پڑی تھی"

منیب نے آس پاس دیکھا اور کہا۔ "کہاں ہے وہ بوڑھی عورت یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے؟"

"منیب میرا یقین کرو وہ یہاں پر تھی"

"ہما یہ تمہارا وہم ہو گا اگر یہاں کوئی چیز ہوتی تو ضرور دکھائی دیتی ہمیں۔" اتنے میں باقی سب لوگ بھی ہما اور منیب کے پاس آ گئے ڈائریکٹر نومی نے دریافت کیا کہ "کیا ہوا ہما کو" تو منیب نے کہا "سر ہما کہہ رہی ہے کہ اس نے یہاں کسی بوڑھی عورت کو دیکھا ہے جو اسے اپنی طرف بلا رہی تھی"

"ارے ہما کیوں ایسی باتیں کر کے سب کو خوفزدہ کرنا چاہتی ہو اگر یہاں ایسا کچھ ہوتا تو سب کو دکھائی دیتا یہاں کوئی بوڑھی عورت نہیں ہے چلو اٹھو اور جاؤ سب نیچے اور اگلے شوٹ کی تیاری کرو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

باقی سارا اسٹاف چھت سے نیچے آ گیا سوائے ڈائریکٹر نومی کے وہ چھت پر ہی کھڑا رہا اور آس پاس کے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کے ادھر ادھر دیکھتا رہا اسے ایک کمزور سی آواز سنائی دی "میں یہاں ہوں"

نومی نے مڑ کر دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے کیونکہ وہی بوڑھی عورت اس کے سامنے کھڑی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "میں ہوں یہاں پر تمہیں اس لئے اپنا چہرہ دکھایا ہے تاکہ تم دوبارہ یہ نہ کہو کہ اس حویلی میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں رہتا میں بھی یہیں رہتی ہوں اب تو نہیں کہو گے ناں کہ کوئی نہیں یہاں پر۔"

پھر اچانک بوڑھی عورت نے اپنا ہاتھ نومی کی طرف کیا تو نومی کی روح جسم سے خارج ہوتی محسوس ہوئی اور وہ چلانے لگا اس کی آواز سن کر سارے لوگ چھت پر آ گئے تو اس بڑھیا کو دیکھ کر دنگ ہو گئے اور کچھ وہاں سے نیچے بھاگ آئے، منیب نے فوراً نومی کو اٹھایا اور نیچے لے آیا تو نومی نے کہا ہما تم نے ٹھیک کہا تھا وہ عورت نہیں ایک چڑیل ہے جو اس حویلی میں رہتی ہے اور یہاں آنے والوں کو مار دیتی ہے ہم نے یہاں آ کر غلطی کر دی ہے۔" اور دم توڑ دیا۔

نومی کی اس طرح موت نے سب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا کئی لوگ یہ کہنے لگے کہ "ہمیں اس وقت یہاں سے چلے

جانا چاہا۔ ابھی وہ دوقدم ہی بڑھے ہوں گے کہ باہر کی جانب زبردست طوفان اور آندھی آگئی درختوں کے پتے اڑ اڑ کر حویلی میں موت کا ساماں باندھ رہے تھے منیب نے کہا۔ ”سب کمروں میں چلے جاؤ کوئی بھی باہر نہ رہ جائے بہت تیز طوفان ہے۔“

وہ لوگ ڈائریکٹر نومی کی لاش بھی وہیں باہر چھوڑ کر اندر چلے گئے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کسی کی چیخ سنائی دی سب لوگ کمرے سے باہر آئے تو دیکھا کہ دو لوگ مرے پڑے تھے اور وہاں سے ڈائریکٹر نومی کی لاش غائب ہوچکی تھی، جیسے ہی یہ لوگ انہیں دیکھنے باہر آئے تو کمرے میں موجود خوف سے کانپتی ہما کی آواز سنائی دی پھر وہ اچانک خاموش ہوگئی اور جب منیب کمرے میں پہنچا تو ہما مرچکی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے وہ چڑیل جسے بھی مار رہی ہے اس کی آنکھوں سے خون بہہ نکلتا ہے۔

باقی لوگوں کو ساتھ لیے جب وہ کمرے میں ہما کی لاش کو اکیلا چھوڑ کر باہر والوں کی لاش اندر لانے کے لئے گئے تو یہ دیکھ کر پریشان ہوگئے کہ ان کی بھی لاشیں غائب ہوچکی ہیں منیب دوبارہ جب ہما کی لاش کے پاس آیا تو وہ بھی غائب ہوچکی تھی منیب نے سب کو اکٹھا کیا ایک کمرے میں اور کہا۔ ”وہ چڑیل بہت ظالم ہے ہم سب کو ایک ایک کرکے مار رہی ہے ہماری زندگی اسی میں ہے کہ ہم اکٹھے رہیں ایک کمرے میں۔“ سب نے منیب کی بات پر اتفاق کیا لیکن منیب سوچ رہا تھا کہ آخر لاشیں غائب کہاں ہوگئی ہیں۔

منیب نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ کمرے کی ہر چیز گرنے لگی مجبوراً سب کو کمرے سے باہر آنا پڑا اور باہر اتنا طوفان تھا کہ جیسے ہی یہ سب باہر نکلے ایک دوسرے سے جدا ہوگئے ایک ایک کرکے وہ چڑیل سب کو مارتی رہی۔ منیب نے جب یہ خوفناک منظر دیکھا تو چھت پر چلا گیا بھاگ کر اور بچ نکلنے کا راستہ ڈھونڈنے لگا تبھی منیب کی نظر باہر والے قبرستان پر پڑی اور طوفان بھی تھم گیا۔ منیب نے چھپ کر دیکھا وہ چڑیل مرنے والوں کی لاشیں قبرستان میں لے جاتی اور کسی نہ کسی قبر پر رکھ دیتی تو تھوڑی دیر بعد وہ لاش اپنے آپ ہی قبر میں سما جاتی، یہ خوف کا منظر دیکھ کر منیب کا دل دہل گیا مگر اس نے ہار نہ مانی۔

پوری رات میں سارا اسٹاف مارا جاچکا تھا سوائے منیب کے، منیب نے اپنے ساتھ ہونے والی ظلم کی کہانی ایک کاغذ پر لکھ دی اتنے میں صبح نمودار ہونے لگی، منیب کمرے سے نکلا اور باہر کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بھاگا، گاڑی میں بیٹھ کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی لیکن گاڑی اسٹارٹ نہ ہوسکی تبھی اس کی نظر سامنے کھڑی وحشت پھیلاتی چڑیل پر پڑی وہ پوری طرح منیب کو مارنے کے لئے تیار کھڑی تو منیب نے گاڑی سے نکل کر قبرستان کی طرف بھاگا مگر منیب ٹھوکر لگنے سے گر گیا اور وہ چڑیل اس کے اوپر جھپٹ پڑی اس نے اپنے تیز ناخنوں سے منیب کو چیر پھاڑ ڈالا، منیب کراہتا ہوا وہیں پر ریت کے زروں کی طرح قبر میں سما گیا اور یوں سارے اسٹاف کی موت ایک ہی رات میں ہوگئی اور کسی کو کچھ علم بھی نہ ہوا۔

دوسرے روز وعدے کے مطابق امجد اور صائم حویلی آن پہنچے انہوں نے جب حویلی میں کسی کو نہ پایا تو پریشان ہوگئے پھر صائم کی نظر منیب کے لکھے ہوئے کاغذ پر پڑی تو وہ کہنے لگا۔ ”اوہ میرے خدایا وہ تو سب مارے گئے۔“ لیکن اس لمحے صائم نے کچھ سوچتے ہوئے پیچھے والے قبرستان کا رخ کیا اور وہاں پر قبریں کھودنا شروع کردیں پہلے قبر سے اسے منیب کی لاش ملی پھر ڈائریکٹر نومی کی اور پھر ایک قبر سے بالوں کا گچھا ملا، صائم نے وہ بال جیسے ہی قبر کے اندر جلائے تو وہ چڑیل چلاتی ہوئی وہاں پر آگئی اور بالوں کے ساتھ ہی جل کر راکھ ہوگئی۔

امجد نے صائم سے پوچھا کہ ”کیا معاملہ تھا۔“

تو صائم نے کہا۔ ”ڈائریکٹر نومی کی کہانی جو کہ سیریل والی تھی سچ ثابت ہوئی ہے، منیب نے اپنے ساتھ ہونے والا واقعہ لکھا جب وہ پڑھا تو مجھے کہانی یاد آگئی اس کا اینڈ چڑیل کے بال جلانے سے ہونا تھا۔

مددگار روحیں

سکندر حبیب گجر۔ گجرات

میاں بیوی نے انکشاف کیا کہ چاند کی چودہ تاریخ کو ہم دونوں میاں بیوی کسی نہ کسی مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں اور یہ سلسلہ سالہا سال سے جاری ہے..... دراصل ہم روح ہیں.....

خودغرض اور مطلب پرستی کی ایک انمٹ کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو مبہوت کردے گی

جیک نے اچھی طرح مفلر کانوں کے گرد لپیٹا اور اوورکوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اپنے فلیٹ سے باہر آ گیا۔ اپنے گرم کمرے کو چھوڑ کر باہر آتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا باہر یخ بستہ ہوا کے آزاد جھونکے اس کے استقبال کو لپکے اسے اپنے وجود میں ٹھنڈ کی لہر سرایت کرتی محسوس ہوئی تو اس نے ٹھنڈ پر قابو پانے کی حتی الامکان کوشش کی اور تیز تیز قدم اٹھاتا قریبی ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔

جیک اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر عیش وعشرت کے دن گزار رہا تھا وہ اپنے مخصوص دوستوں کو بطور قرض خطیر رقم بھی دے دیا کرتا۔

ہنی پال اس کے اچھے اور قابل بھروسہ دوستوں میں سے تھا دو ماہ قبل اس نے جیک سے بھاری رقم بطور قرض دو ہفتے کے لئے لی تھی مگر جیک دو ہفتے کے بعد جب بھی رقم کی

واپسی کا مطالبہ کرتا تو پال یوں مسکرا کر ٹال دیتا جیسے وہ اسے جانتا ہی نہ ہو لیکن آج شام پال نے خود ہی جیک کو پیغام دیا کہ وہ آ کر اپنی رقم لے جاسکتا ہے۔

پال کا پیغام سن کر جیک گہری سوچ میں پڑ گیا تھا کہ آخر پال نے آج ہی کی رات کیوں منتخب کی ہے مگر بھاری رقم کی واپسی پر وہ تمام باتیں بالائے طاق رکھ کر چل پڑا ٹیکسی اسٹینڈ پر کھڑے اسے کافی ٹائم ہو چکا تھا مگر ابھی تک اس کے روٹ کی ٹیکسی نہیں آئی تھی آس پاس سے گزرتی لاتعداد گاڑیاں اس کی طرف ٹھنڈ کے اولے پھینک رہی تھیں گاڑیوں سے نکلتے سیاہ دھویں کے مرغولے اسے برف سے اٹھتی بھاپ کی مانند لگ رہے تھے جو وقفے وقفے سے اس کے دانتوں کا پیانو بجا کر گزر جاتے۔

دھند کی اجارہ داری بڑھتی چلی جارہی تھی جو یخ بستہ ہوا کے ہر جھونکے پر اس کے سیاہ اوور کوٹ سے گزر کر اس کی ہڈیوں کو چھونے لگتی اس نے اس ٹھنڈے موسم کا تصور بھی نہ کیا تھا۔

پھر ایک سیاہ ٹیکسی اس کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص نے سیاہ کیپ کے ساتھ گلوز بھی پہن رکھے تھے اس نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا گاڑی میں بیٹھ کر جیک نے اوور کوٹ کی جیبوں سے اپنے دونوں ہاتھ نکال کر آپس میں رگڑے پھر دوبارہ انہیں جیبوں میں ڈال لئے اور ڈرائیور کو ایڈریس بتا کر اس نے خود کو سیٹ سے ٹیک لگالیا جلد ہی ٹیکسی نے اسے دریا کے کنارے اس چار منزلہ عمارت کے آگے اتار دیا جہاں لوگوں کی آمدورفت برائے نام ہی تھی گاڑی سے اترتے ہی ٹھنڈاتی ہوا کے برفانی بھبکے اس کی جانب ایک بار پھر دوڑے جیب میں ہاتھ ڈالتے اس نے قریباً کانپتے ہوئے جھرجھری سی لی اور اب اسے احساس ہونے لگا تھا کہ ایسے موسم میں گرم کمرے کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہئے تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دے کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس اپارٹمنٹ میں داخل ہوگیا دریا کے کنارے بنی یہ چار منزلہ عمارت اسے برف خانہ لگ رہی تھی جیسے ہر چیز برفانی بھنور میں پھنس کر منجمد ہو چکی ہو۔

پال آخری منزل کے کشادہ فلیٹ میں رہائش پذیر تھا اس کے دروازے پر پہنچ کر جیک نے بیل دی چند لمحوں بعد پال نے دروازہ کھولا سامنے جیک کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح اس نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجالی ”خوش آمدید میرے دوست خوش آمدید میں تو امید ہی کھو بیٹھا تھا شاید تم آج نہ آؤ“ وہ دروازے سے ہٹ گیا۔

جیک اندر داخل ہوگیا پال نے کمرے کو کسی حد تک سجا رکھا تھا زیادہ مہنگا تو نہیں مگر بہترین فرنیچر سے کمرے کو ضرور آراستہ کیا تھا کمرے کی سجاوٹ کسی بڑی لاگت کی دلالت کررہی تھی سامنے انگیٹھی میں دہکتے کوئلوں نے کمرے کو کافی حد تک گرم کررکھا تھا۔

”تم یہاں پر خود کو مکمل پرسکون رکھ سکتے ہو، ٹھنڈ اس کمرے سے باہر ہی رہ گئی ہے میرے خیال میں تمہیں اپنا یہ وزنی اوور کوٹ اتار دینا چاہئے۔“ پال مسکرایا۔

جیک نے اوور کوٹ اتار کر پاس پڑی کرسی پر ڈال دیا اور خود دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

”مفلر اور کیپ تم پر جچ نہیں رہے اسے بھی اتار دو خواہ مخواہ تم نے بوجھ اٹھا رکھا ہے۔“ پال نے اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر مفلر اور کیپ اتار کر سامنے دیوار پر لٹکا دیئے۔

”اگر تم جیکٹ اتارنا چاہو تو اتار سکتے ہو۔“ پال نے اس کی جیکٹ پر ہاتھ ڈالا تو اس نے ہاتھ مار کر جھڑک دیا۔

”میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور میرا خیال ہے مسٹر پال اب تمہیں اپنا وعدہ پورا کردینا چاہئے میری رقم واپس کردینی چاہئے“ جیک نے اس کی طرف دیکھا۔

”میں اپنا وعدہ نبھانے کی پوری کوشش کروں گا دوست! یہاں سے جاتے ہوئے تمہاری جیب میں تمام رقم موجود ہوگی تمہاری پائی پائی تمہارے حوالے کردوں گا“

”کیا کوئی لاٹری نکل آئی ہے کہ میری پوری رقم یک مشت دینا چاہ رہے ہو“ جیک بولا۔

”تم ایسا ہی سمجھ سکتے ہو۔“ پال مسکرایا۔ ”میں یہ چاہتا ہوں کہ تم کچھ پل میرے ساتھ گزارو کچھ ایسے پل جو ہمیشہ مجھے یاد رہیں؟“

”میں تمہاری کوئی بھی بات سمجھ نہیں پارہا ہوں“

یک نے خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ بعد میں سمجھ لیں گے ہمیں پہلے تھوڑا سا شغل کر لینا چاہئے۔'' پال نے قریبی الماری کی طرف قدم بڑھا دیئے ایک وسکی کی بوتل اور دو گلاس نکال کر جیک کے سامنے میز پر رکھ دیئے۔ ''آج رات کا خاص پیک میں تمہارے نام کرتا ہوں'' اس نے دونوں گلاسوں میں برانڈی بھر دیئے۔

''میں بھی اس کی طلب نہیں سمجھتا بہتر یہی ہے تمہیں اب میری رقم لوٹا دینی چاہئے'' جیک بولا۔

''زندگی بہت چھوٹی اور بے معنی ہے میرے دوست! اسے جتنا انجوائے کر لو کم ہے کیا پتہ آج تم میرے سامنے بیٹھے ہو کل نہ ہو میں یہ پسند کروں گا کہ تم یہ پیک میرے ہاتھ سے پیو'' پال نے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

جیک نے ایک ہی سانس میں ختم کر کے گلاس میز پر واپس رکھ دیا جس کا ذائقہ اسے عجیب سا لگا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے ابھی تمہارے دانت بھی گیلے نہیں ہوئے تمہیں ایک اور پیگ لینا ہی پڑے گا'' پال نے دوسرا بنا کر اسے زبردستی پکڑا دیا۔

''اب تم تیسرا بنانے کی زحمت نہ کرنا میں تمہاری باتیں سننے کے بجائے اپنی رقم لوں اور یہاں سے چلتا بنوں۔'' جیک نے گلاس میز پر رکھ کر دوٹوک الفاظ میں کہا۔

''اب ایسی بھی کیا جلدی ہے مسٹر جیک، میں تمہیں کچھ دکھانا چاہوں گا'' اس نے بوتل اور گلاس اٹھا کر واپس الماری میں رکھ دیئے۔

''میں نے کہہ دیا ناں کہ میں تمہاری فالتو باتیں سننے نہیں آیا اب میری رقم مجھے چاہئے ورنہ میں اٹھ کر چلا جاتا ہوں'' جیک کے لہجے میں غصہ سا بھر گیا۔

''ایک تو تم غصے میں ہر وقت بہت گرم رہتے ہو لو میں ابھی ٹھنڈا کیے دیتا ہوں'' اتنا کہہ کر پال کھڑکی کی طرف بڑھا اور اس کا ایک پٹ کھول دیا سرد ہوا کا جھونکا برآمد ہو کر کمرے میں رقص کناں ہونے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہو مجھے تمہاری یہ حرکت قطعی پسند نہیں آئی'' جیک چیخا۔

''اتنا غصہ تمہارے لیے اچھا نہیں دوست، مگر میں تمہیں ایک چیز لا کر دکھانا چاہتا ہوں'' پال نے کھڑکی بند کی اور اس دروازے کی طرف بڑھ گیا جو بالکونی میں کھلتا تھا اگلے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر جیک کی طرف گھوما۔ ''میری دوست آؤ میں تمہیں وہ حسین نظارہ دکھاتا ہوں جو تم نے کبھی سپنوں میں بھی دیکھے نہ ہوں گے''

''تم اپنا اور میرا وقت اس طرح برباد نہیں کر سکتے میں یہاں حسین نظاروں کو دیکھنے کی خواہش نہیں رکھتا مجھے بس اپنی رقم سے سروکار ہے اور بند کرو اس دروازے کو..... میں سردی محسوس کر رہا ہوں۔''

''میں نے کہہ تو دیا ہے یہاں سے واپسی پر تمہاری جیب میں تمام رقم موجود ہوگی اور اس سے بڑھ کر بھی مل سکتی ہے'' پال دروازے سے ہٹ کر جیک کے پاس آ گیا ''تمہیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ایک بار تمہیں وہ حسین دلکش نظارے لازمی دیکھ لینے چاہئے میری خاطر یا پھر ہماری دوستی کی خاطر''

جیک نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر پہلے کی طرح مسکراہٹ جوں کی توں برقرار تھی۔

''پتہ نہیں تم کیا چاہتے ہو میں تمہاری کوئی بھی بات سمجھ نہیں پا رہا ہوں؟''

وہ دونوں بالکونی میں آ کر کھڑے ہو گئے رگوں میں لہو جماتی سرد ہوائیں کپکپی طاری کرتی ٹھنڈ ایک بار پھر ان کے اردگرد رقص کناں تھیں جیک کے دانت پھر زور سے بجنے لگے اور پورے وجود پر لرزہ طاری ہونے لگا مگر اس کے برعکس پال تو جیسے سردی سے بے نیاز مطمئن یوں کھڑا تھا جیسے اس کے وجود پر کھال نہیں لوہے کی گرم چادر ہو۔

جیک وہ دیکھو شہر کی چمکتی روشن ہزاروں بتیاں جیسے لاتعداد ستارے آسمان کی دہلیز پر منڈلا رہے ہوں یا پھر ٹمٹماتے وہ ان گنت جگنو ادھر ادھر اڑ رہے ہوں میں نے یونہی دریا کے کنارے یہ فلیٹ نہیں لیا نیچے سے گزرتی گاڑیوں کی قطاریں بڑی بھلی لگ رہی ہیں کیا تم نے پہلے ایسا دلفریب نظارہ دیکھ پائے ہو کیا ہرگز نہیں تم بہت اچھے

ٹائم پر آ گئے اور میں تمہیں یہاں لے آیا ورنہ ہوسکتا ہے کچھ دیر بعد دھند کی سیاہی پھیل جائے جیک دو قدم آگے چل کر کھڑا ہوگیا اس نے آج تک اس قدر اونچائی سے اتنا خوبصورت نظارہ نہیں دیکھا تھا جیسے ہزاروں تارے آسمان کی سطح پر منڈلا رہے ہوں یا پھر لاتعداد ٹمٹماتے جگنو ناچ رہے ہوں نظارہ دیکھتے وہ سردی سے بے نیاز ہو چکا تھا جیسے وقت تھم سا گیا اور موسم خوشگوار اور سہانا ہو چلا ہو وہ مبہوت کھڑا ان نظاروں کے اندر ہی اندر کھو چکا تھا پال نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا پھر دبے پاؤں واپس مڑ کر بالکونی کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

جیک نہ جانے کتنی دیر تک کھڑا ان نظاروں کو دیکھتا رہا وہ یہ بات بالکل فراموش کر چکا تھا کہ جس ٹھٹھراتی سردی کو وہ بہت دیر تک محسوس کر رہا تھا جس یخ بستہ ماحول میں اس کے رگ و پے میں سنسناتی بجلیاں دوڑ رہی تھیں اب وہ کچھ دیر کے لئے واقعی انہیں بھول چکا تھا۔

اچانک جیک کو اس بات کا احساس ہوا وہ ان سرد ہواؤں کے بیچ کھڑا ہے جو کھال سے اتر کر ہڈیوں کو چھو رہی ہیں اوور کوٹ کے ہوتے ہوئے بھی جو اس کی بتیسی کا پیانو بجا رہی تھیں اب ایک معمولی جیکٹ کے ساتھ ایستادہ ہے اس نے جلدی سے پلٹ کر اپنے پہلو میں دیکھا پال وہاں موجود نہیں تھا۔

"پال تم کہاں ہو؟" اس نے آواز لگائی اور دروازے کے پاس آ گیا اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو وہ اندر سے لاک تھا۔

"پال دروازے کو کھولو دیکھو میں زیادہ دیر اس سردی میں ٹھہر نہیں سکتا۔" اور آگے سے مکمل خاموشی پا کر وہ غصے سے دانت بھینچ کر رہ گیا۔ "پال میں ایسا مذاق ہرگز پسند نہیں کروں گا جس سے تم خوش اور میں بیمار ہو جاؤں۔" وہ زور سے چلایا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا وہ جلدی سے دروازے سے ہٹ کر کھڑکی کے پاس آ گیا ایک بار پھر پال کو آوازیں دینے لگا مگر پال کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا اس نے کھڑکی کے اس کھردرے شیشے سے اندر جھانکا پال کا اندر سے دھندلا سا چہرہ دکھائی دیا جس کے ہونٹوں پر پہلے کی طرح مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی جو جیک کو اس وقت زہر لگ رہی تھی۔ "پال یہ کیا حرکت ہے دروازہ کھولو۔" وہ ایک دفعہ پھر چلایا مگر کھڑکی کی دوسری طرف پال کا چہرہ غائب ہو چکا تھا وہ ایک دفعہ پھر بھاگ کر دروازے کے پاس آ گیا اب باقاعدہ اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔

چلاتے چلاتے اس کے گلے میں خراش پڑ گئی وہ کھانسنے لگا جب اس کا سانس کچھ بحال ہوا تو اس نے دروازے پر گھونسوں کی بارش کر دی فولادی دروازے پر گھونسوں کا کوئی اثر نہ ہوا گھونسے چلاتے چلاتے اس کے ہاتھوں کی کھال اتر گئی اور خون رسنے لگا اس کے بازو پوری طرح شل ہو چکے تھے بری طرح ہانپنے لگا کچھ لمحوں بعد اس کی سانس میں توازن برقرار ہوا تو وہ پھر سے دروازے پر گھونسے برسانے لگا۔

"پال مجھے خبر ہوتی کہ تم کمینگی کی اس حد تک جاؤ گے تو میں یہاں پر کبھی نہ آتا تم سے اپنی رقم وصول کرنے کے لئے دوسرا طریقہ اپناتا۔" وہ دیوانگی کی حالت میں چلا رہا تھا یہاں تک کہ اس کے بازو بری طرح تھک گئے اور سانس پھولنے کی وجہ سے ہانپنے کی شدت مزید بڑھ گئی تب اس نے اچانک بالکونی کی دیوار کی طرف رخ موڑ لیا چار فٹ کی یہ دیوار جو منڈیر کی حفاظت پر مامور تھی اسے دیوار چین لگ رہی تھی۔

"کوئی ہے جو مجھے یہاں بچا سکتا ہے دیکھو میں یہاں اس ٹھٹھراتی سردی سے اکڑ رہا ہوں۔" اپنا چہرہ نیچے جھکا کر وہ زور سے چلایا شاید نیچے سے گزرتی گاڑیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا مگر تیز ہوا کے جھکڑ اس کی آواز کو لے اڑے۔ "ارے کوئی میری آواز سن کیوں نہیں رہا میں یہاں مرجاؤں گا خدا کے لئے کوئی آ کر میری مدد کرے۔" اس دفعہ وہ پورے پھیپھڑوں کے زور سے چلایا مگر منہ سے الفاظ نکلنے کی دیر تھی سائیں سائیں کرتی تیز ہوا اپنے ساتھ لے اڑی کوئی نیچے سے گزر بھی رہا ہے یا اس شہر کے سب بہرے ہوگئے گرم کمروں میں آرام کرنے والو سردی میری ہڈیوں میں اترتی جا رہی ہے کوئی تو میری مدد کو آؤ جنون انتہا

کی کیفیت اس پر طاری تھی۔

مجھے کچھ نا کچھ تو کرنا ہوگا ورنہ صبح تک میری اکڑی ہوئی لاش ہی ملے گی وہ اچانک ایک فیصلے پر پہنچا اس نے جلدی جلدی اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کی جیب سے ایک براؤن رنگ کا بٹوہ برآمد ہوا وہ جلدی سے نیچے بیٹھ گیا اور دیوانہ وار بٹوے کو کھول کر الٹا کر دیا اس میں سے کچھ خاص کارڈ اور نقدی نیچے گری اس نے جلدی جلدی ان تینوں چیزوں کو ترتیب سے پکڑا اور دیوار کے ساتھ جا کھڑا ہوا ایک ایک نوٹ اس نے نیچے پھینکنا شروع کر دیئے لیکن تیز ہوا ان کو اڑے نوٹوں کو لے کر کہاں سے کہاں پہنچا دیتی یہاں تک ہاتھ میں موجود تمام پیسے اس نے نیچے پھینک دیئے اس کے بعد بٹوہ اور کارڈ بھی پھینک دیئے۔

''اف خدایا میری یہ ترکیب بھی ناکام چلی گئی'' اس نے زور سے دیوار پر ہاتھ مارا نیچے ایک دو آوازیں لگانے کے بعد اس نے اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ مارنا شروع کر دیئے ایک چھوٹی سی ماچس اس کی جیب سے نکلی۔ یہ ماچس مجھے کچھ دیر کے لئے گرم رکھ سکتی ہے وہ ایک کونے میں اکڑوں بیٹھ گیا ہاتھوں کی آڑ لے کر اس نے تیلیاں جلانا شروع کر دیں مگر یخ بستہ ہوا کی ہر پھونک تیلی کو بجھا کر چلی جاتی ایک ایک کر کے اس نے تمام تیلیاں جلا دیں اور خالی ماچس ایک طرف پھینک دی۔

آسمان کی دہلیز پر گہری دھند کی چادر تن چکی تھی ٹمٹماتے تارے اب اس کے پیچھے غائب ہو چکے تھے شہر کی جلتی بجھتی بتیاں اب مدہم ہوتی جا رہی تھیں ہوا کی شدت ٹھنڈی دھند کو آسمان سے کھینچ کر زمین کی طرف لا رہی تھی مجھے گرم رہنا ہوگا مجھے ہر قیمت پر خود کو گرم رکھنا ہوگا اس نے دونوں ہاتھوں کو آپس میں زور زور سے رگڑنا شروع کر دیا لیکن وہ زیادہ دیر تک ہاتھ نہیں چلا سکتا تھا غصے کی کیفیت میں وہ پھر دروازے کی طرف بڑھا اس بار لاتوں کی بارش دروازے پر شروع کر دی مگر خواہ مخواہ یہ کوشش بھی بیکار تھی۔ دروازے سے ہٹ کر وہ پھر دیوار کی طرف آ گیا۔

''شہر والو! کیا آج تم سب مر گئے ہو کیا میری آواز تم تک کیوں نہیں پہنچ پا رہی؟ یا پھر اس سرد موسم کے ڈر سے گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے تم سب بزدل ہو بزدل..... سنا تم نے تم سب ڈرپوک ہو'' وہ زور زور سے پاگل قیدی کی طرح چلانے لگا۔

پھر بیک وقت اسے احساس ہوا کہ یخ بستہ تیز ہوائیں تھم گئی ہیں اور سردی کی شدت کم ہوتی چلی جا رہی ہیں اس کا وجود دہکتے کوئلے کی طرح گرم ہے یا پھر وہ ایک بند کمرے میں موجود ہے مگر جلد ہی اسے اپنی سسکی کا احساس ہوگیا ہوا کی شدت اب پہلے سے مزید بڑھ چکی ہے ٹھٹھراتے دھند کے مرغولے اس اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہے ہیں وہ پھر دروازے کی طرف بڑھا شاید پال دروازے کے پاس کھڑا ہو اور وہ مسکرا کر کہے دوست اب اندر آ جاؤ بہت ہو گیا ہے مذاق.....

دروازے سے وہ کھڑکی کی طرف بڑھا کھڑکی کے دھندلے شیشے سے اس نے اندر کی طرف جھانکا پال اندر نہیں تھا کمرہ اندر سے بہت دھندلا نظر آ رہا تھا۔

''کیا میں یہاں یونہی بے بس کبوتر کی طرح مر جاؤں گا۔ یہ سردی تو مجھے آنے والے چند گھنٹوں میں مار دے گی یقیناً صبح تک میری اکڑی ہوئی لاش ہی سب کو دستیاب ہوگی۔'' اس نے اپنے بازوؤں کی طرف دیکھا جس کے رونگٹے کانٹوں کی شکل اختیار کر چکے تھے ناامیدی سے وہ پیچھے ہٹا۔

اچانک اس کے ہاتھ سے کوئی نہایت ہی ٹھنڈی سی چیز ٹکرائی جس کا ٹھنڈا لمس اس کے وجود میں اترتا چلا گیا اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ لوہے کی ایک قدرے موٹی سی تار تھی جو دروازے اور کھڑکی کے درمیان بنی جگہ پر لٹک رہی تھی یہ کیا بلا ہے ایک لمحہ سوچ کر اس نے تار کو چھوا ایک سردی رو اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی وہ تھرتھرا کر رہ گیا اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے تار کو اپنی طرف کھینچا لیکن شاید وہ اوپر کہیں پر بندھی ہوئی تھی اس نے ایک دو جھٹکا مار کر اسے نیچے کی طرف کھینچا مگر وہ تار اپنی جگہ مضبوطی سے برقرار تھی اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے وجود کو ٹٹولا تار نے اس کے وجود کو سنبھال لیا ایک خیال اس کے ذہن کے افق پر ابھرا اب اس نے چھت پر چڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔

''میرا خیال ہے یہ تار مجھے ٹیرس تک لے جاسکتی ہے اگر میں ہمت باندھے رکھوں تو۔'' وہ اپنے تئیں بولا پھر اس نے دونوں ہاتھوں کی مضبوط گرفت بنا کر تار کو پکڑا اور اوپر چڑھنے لگا وہ ابھی بمشکل تھوڑا ہی اوپر گیا تھا کہ دفعتاً اس کے ہاتھوں میں درد اجاگر ہونے لگا جیسے تار اس کی انگلیوں اور ہتھیلیوں میں گھستی چلی گئی ہو اس کے ہاتھ وہیں رک گئے وہ فرش سے دو فٹ ہی اوپر لٹک رہا تھا۔

مجھے ہر قیمت پر اوپر چڑھنا ہوگا چاہے میرے ہاتھ لہولہان کیوں نہ ہوجائیں خود سے عہد کر کے اس نے جواں مردی سے اوپر چڑھنا شروع کردیا اب اس نے دیوار سے گھٹنوں کی مدد سے ٹیک لگانا شروع کردی اب وہ درمیان میں آچکا تھا ہوا کی سائیں سائیں اور دھند کی شدت طویل ہوتی جارہی تھی شہر کی جلتی بتیاں اب دھند کی لپیٹ میں آچکی تھیں جیسے دھند کے بھنور میں شہر ہولے ہولے ڈوبتا چلا جارہا ہو اس نے ایک بار نیچے دیکھا تو تھرتھرا کر رہ گیا اس کے وجود نے ایک لمبی جھرجھری لی تیز ہوا کے تھپڑ اسے ادھر ادھر ہلا رہے تھے گھٹنوں کی وجہ سے پتلون پھٹ چکی تھی گھٹنوں سے اٹھتا درد اور ہاتھوں کی کیفیت نے اس کے وجود میں اذیت بھر دی تھی۔

مجھے اپنے درد کی طرف نہیں اپنی منزل کی طرف مبذول رہنا ہوگا اس نے خود کی ہمت کا تسلسل برقرار رکھا اور کسی نہ کسی طرح ٹیرس کے قریب پہنچ گیا بڑی مشکل سے اس نے منڈیر کی دیوار پر ہاتھ ڈالا اور دوسرا ہاتھ اٹھا کر چھت پر آ گیا چھت کے فرش پر وہ نڈھال ہوکر سانس کو بحال کرنے لگا اس کے روم روم سے اذیت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں فرش کی ٹھنڈک کی وجہ سے پورا وجود مفلوج ہوتا چلا جارہا تھا رگوں میں خون کی آمد و رفت دھیرے دھیرے مدھم ہونے لگی۔

''مجھے اپنے پیروں پر کھڑا رہنا ہوگا خود کو زندہ رکھنے کے لئے مجھے حرکت میں رہنا ہوگا۔'' وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھ کھڑا ہوا چھت پر بے شمار ٹی وی انٹینا ایستادہ تھے جو اسے سیاہ ہیولوں کی مانند لگ رہے تھے ہوائیں یہاں شدت سے اپنے عروج پر کارواں تھیں دھند کی اجارہ داری سے منڈیر کا دوسرا حصہ تک سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

''کوئی ہے؟'' وہ بلند آواز میں بولا مگر اس کی اپنی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکی اور ہوا لے کر چلتی بنی اس نے چلنے کی کوشش کی تو اس کے پاؤں لڑکھڑائے انٹینا کی تار کو سہارا جان کر اس نے پکڑا مگر وہ اس کا توازن سنبھال نہ سکی اور اکھڑ گئی اس نے وہ تار چھوڑی اور دوسرے انٹینا کی تاروں کو دیوانہ وار کھینچتا چلا گیا قدموں کی کچھ مسافت پر وہ گر پڑا اس سے پہلے کہ اس کے حواس گل ہوتے اس کے کانوں میں کسی مرد کی آواز پڑی۔

''ارے دیکھو چھت پر کوئی ہے جس نے سارے انٹینا کے تاروں کو توڑ ڈالا ہے مجھے تو کوئی پاگل لگتا ہے جو اس موسم میں یہاں گھس آیا ہے۔'' پھر اس کے کانوں میں مرد اور عورت کی ملی جلی آواز پڑی اور اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا تو وہ ایک نرم و گداز صوفے پر لیٹا ہوا تھا کمرہ گرم تھا اور اس کے منہ کا ذائقہ بھی بدلا ہوا تھا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا سامنے دوسرے صوفے پر ایک ادھیڑ جوڑا گلاسوں میں برانڈی ڈال کر شغل میں مصروف تھا اسے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ دونوں اس کی طرف لپکے۔

''ہیلو نوجوان اب کیا محسوس کررہے ہو میرا نام اسمتھ ہے اور یہ میری بیوی جولیا ہے۔ تم ہمیں چھت پر ملے تھے ادھ موئی حالت میں تمہارا وجود تو برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا بڑی مشکل سے تمہیں کمرے میں نیچے لائے ہیں کافی دیر تمہارے پاس ہیٹر جلایا اور بہتر جان کر تمہارے منہ میں برانڈی ڈال دی میرا خیال ہے اب تم پہلے سے بہتر ہو اور تمہارا وجود بھی گرم ہوچکا ہے۔'' اسمتھ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

مگر یہ کیا اسمتھ کے ہاتھ کا وزن جیک نے اپنے کندھے پر محسوس نہ کیا اور وہ اچنبھے میں پڑ گیا۔

''ہم لوگ ٹی وی پر اپنا من پسند پروگرام دیکھ رہے تھے اچانک اس کے سگنل آؤٹ ہوگئے پہلے ہم نے سمجھا موسم کی وجہ سے یہ خرابی ہے، میں نے اسمتھ کو اوپر بھیجا شاید انٹینا میں کوئی مسئلہ ہوسکتا ہے۔'' جولیا بولی۔ ''مگر تم وہاں پر کیا کررہے

تھا تننے بخ بستہ خراب موسم میں وہ بھی ایسے ڈریس میں۔

ارے ہاں تم کو یہ تو بتانا ہم بھول گئے دراصل ہم دونوں روحیں ہیں اور ایک مدت سے ہم یہاں مقیم ہیں ہر ماہ کی چودہ تاریخ کو ہم کسی نہ کسی ضرورت مند کی مدد کرتے ہیں ہم کسی کو نظر نہیں آتے اور جس کی مدد کرتے ہیں صرف اسے نظر آتے ہیں۔'' لیکن جیک کو اس ادھیڑ عمر جوڑے کی باتوں پر یقین نہ آیا اور وہ بولا۔ ''میں بس ویسے ہی گیا تھا اور پھنس گیا آپ کا شکریہ مجھے چلنا چاہئے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم تو جا رہے ہو مگر ہمارے اینٹینا کو مرمت کے لئے چھوڑ گئے خیر اس موسم میں کوئی مکینک تو نہیں ملے گا صبح ہی ان کی مرمت ہوسکتی ہے۔'' اسمتھ مسکرایا۔

اسمتھ کی بات سن کر جیک گویا ہوا۔ ''پلیز آپ فکر نہ کریں صبح کا سورج نکلتے ہی میں کسی نہ کسی مکینک کو اپنے ساتھ لاکر آپ کا اینٹینا ٹھیک کروادوں گا۔''

اور جب صبح جیک ایک مکینک کو لے کر وہاں پہنچا تو وہاں کوئی کمرہ نہ تھا مگر اینٹینا موجود تھا بغیر تاروں کا اور پھر جیک کو ان روحوں کی باتوں پر یقین کرنا پڑا جیک چھت پر کھڑے ہوکر بلند آواز میں بولا ''مسز جولیا اور مسٹر اسمتھ میں آپ دونوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری مدد کی۔'' اور جیک واپس آگیا اور اینٹینا ٹھیک کروادیا۔

☆......☆......☆

جیک ان سے ہاتھ ملا کر پال کے فلیٹ پر آگیا۔ دروازے پر جھک کر اس نے سوراخ سے اندر دیکھا کہ کمرہ خالی تھا پال اندر نظر نہیں آرہا تھا کمرے کی لائٹ جل رہی تھی اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھل گیا۔

پال نے ایک منصوبے کے تحت کمرہ لاک نہیں کیا تھا پولیس کی نظر میں جیک چور ہوتا جو بالکونی میں جاکر پھنس گیا اور اس کی موت ہوگئی وہ اندر داخل ہوگیا اس نے بالکونی کا دروازہ کھول دیا جس کی اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ دھند کے آزاد مرغولے جلدی سے اندر داخل ہوگئے۔ برانڈی کے ایک ہی پیک نے اس کا دماغ گرم کردیا تھا اس نے کمرے کی تمام لائٹیں بجھادیں اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ پال جلد ہی واپسی کے لئے فلیٹ میں پلٹے گا ایک ڈرامہ اس کے دماغ میں چل رہا تھا جس کو عملی جامہ پہنانے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور پال اندر داخل ہوا اس نے لائٹس جلادی اور حیرانی سے کمرہ دیکھنے لگا۔ اس کے خیال میں وہ تمام بتیاں جلتا چھوڑ کر گیا تھا۔ یہ آف کیسے ہوگئیں اس کا انداز بتا رہا تھا آج حد سے زیادہ پی کر آیا ہے یہی وجہ تھی اس نے معمولی سا لباس پہنا ہوا تھا پھر جیسے ہی اس کی نظر بالکونی کے کھلے دروازے پر پڑی تو ٹھٹھک کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ...... یہ کیسے ممکن ہے؟ جیک کہاں گیا؟'' شاید اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا وہ جلدی بالکونی کی طرف بڑھ گیا شاید وہ دیکھ کر تسلی کر لینا چاہتا تھا جیک کے لئے یہی موقع غنیمت تھا وہ جلدی سے اٹھا اور دروازہ بند کردیا۔

اب تصویر کا رخ پلٹ چکا تھا پال دوسری طرف چلا رہا تھا اسے پتہ چل گیا تھا دروازہ بند کیا جاچکا ہے جیک نے کھڑکی کے دھندلے شیشے سے باہر دیکھا پال کا متحرک وجود اندر آنے کے لئے ٹونکیاں مار رہا تھا۔ اس کی چلانے کی ہلکی ہلکی آواز کمرے میں سنائی دے رہی تھی کچھ دیر بعد وہ دروازے پر گھونسے برسانے لگا۔

جیک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''اس طرح فولادی دروازے پر گھونسے برسانا بے کار ہے میرے دوست اور ہاں تار کی مدد سے تم اوپر چھت پر تو جاسکتے ہو مگر اینٹینا کی تاروں کو مت چھونا وہ پہلے ہی میں نے اکھاڑ پھینکی ہیں کوئی چھت پر نہیں آئے گا وہ دروازہ بند کرکے آگیا۔''

اپنا اوورکوٹ، مفلر اور کیپ لینا نہیں بھولا تھا سب سے نیچے والے ایک فلیٹ کے کمرے میں رکھے ٹی وی کی خبر نے اس کے قدم روک دیئے۔ ''آج رات برفباری کے ساتھ شدت سے اولے بھی پڑسکتے ہیں لہٰذا گھروں سے نکلنے سے گریز کریں۔'' خبر سن کر جیک مسکراتا ہوا ایک پاس آتی ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

زولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر: 150

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

وادی فرات کی پھیلی ہوئی بستیوں کے لاتعداد باشندے اس سے واقف تھے اور جب بھی وہ کسی بستی کی طرف نکل آتی تو لوگ اس کو اس بستی سے دور بھگانے کے لئے مشترکہ کوشش کرتے اور پھر پتھراؤ شروع کردیتے اور پھر ام الاجل کے آنے کے بعد ہلاکت کا دور شروع ہوجاتا تھا اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا صرف تین دن میں دو درجن لوگ ہیضے کا شکار ہوکر ملک عدم سدھار گئے۔ اس علاقے کے قریب ہی ایک شہر تھا جو کہ اردبیلا کہلاتا تھا اور وہ شہراب کھنڈر بن چکا تھا۔ انہی دنوں ایک امریکن فلمی کمپنی آئی جو کہ اس جگہ فلم کی شوٹنگ کرنا چاہتی تھی۔ پروڈیوسر کا نام اسمتھ تھا اس کی معلومات کے مطابق وہاں ایک مندر کی عمارت تھی جس کا بیشتر حصہ تباہ ہوچکا تھا۔ اور پھر وہاں سے قریب ہی کسی دیوتا کا مندر تھا اور اس کے متعلق مشہور تھا کہ چاند کی چودہ تاریخ کو ایک قافلہ اس کھنڈر کے مندر میں پہنچتا ہے اور پھر آدھی رات کے بعد وہ مندر خود بخود روشن ہوجاتا ہے اور پھر قافلہ میں آئی ہوئی ایک لڑکی خوب بن سنور کر اس مندر میں موجود بت کے سامنے ناچنا شروع کردیتی ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ وہ لڑکی جنون کی حد تک ناچنے لگتی ہے۔ اور پھر ناچتے ناچتے وہ لڑکی غش کھا کر گر پڑتی ہے تو پتھر کے اس بت کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے ہیں۔ میں مسٹر اسمتھ کی باتوں کو غور سے سن رہا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے اقرار کرلیا کہ اسے اس مندر تک میں پہنچا دوں گا۔ تو اسمتھ نے جواب میں شکریہ کہا۔ یہ فروری کا مہینہ ہے اور میرا خیال ہے کہ ہم لوگ ٹھیک اس موقع پر پہنچیں تو اچھا ہے جب کہ وہ کارواں بھی وہاں پہنچا ہوا ہو۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔

(اب آگے پڑھیں)

''**بہت** مناسب خیال ہے...... آپ چند روز ان کھنڈروں کو فلمائیں میں اس کے بعد زید کے ہمراہ وہاں پہنچ جائیں گے مجھے یقین ہے کہ اس برباد شہر کے کھنڈروں میں آپ کو فلم کے لئے بہترین مناظر مل جائیں گے۔''

اسمتھ نے کہا۔ ''میری آرزو ہے کہ میں اس بت کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہوئے دیکھوں اور یہ بھی تحقیق کروں کہ اس میں کسی قسم کا فراڈ تو نہیں ہے۔''

''میں نے کہا ضرور...... آپ کو اپنے تحقیقی کام کے لئے کافی دن مل جائیں گے ہوسکتا ہے اس لڑکی سے بھی آپ کی ملاقات ہوجائے۔''

اس روز بڑی دیر تک مسٹر اسمتھ سے گفتگو ہوتی رہی...... چونکہ میں نے اقرار کرلیا تھا۔ اس نے اپنے بھتیجے کو اس مقام کی نسبت سب کچھ بتلا دیا تا کہ وہ اپنی خدمات کے عوض اسمتھ سے فائدہ اٹھا سکے۔

جس مندر کا اسمتھ نے ذکر کیا تھا اس کو میں خود بھی کئی مرتبہ دیکھ چکا ہوں اور اس جگہ بت بھی موجود ہے اس کے علاوہ نہ تو مجھے کسی ایسے تہہ خانے کا علم ہوسکا جو موجود ہو اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ اس بت کے سامنے ہر سال کوئی لڑکی چاندنی رات میں ناچتی ہے اور بت کی آنکھ سے آنسو گرتے ہیں...... یہ بڑی عجیب اور حیرت انگیز بات تھی میں نے طے کیا کہ اگر ممکن ہوا تو میں خود بھی اس موقع پر وہاں پہنچ جاؤں گا۔

چنانچہ دوسرے روز میں اپنی بستی کی طرف روانہ ہوگیا اور سرور کے پاس پہنچ گیا وہاں کا ماحول پہلے جیسے ہی تھا اور سرور کھویا کھویا سا تھا نسرین بھی کچھ اداس تھی...... میں نے سرور سے اداسی اور پریشانی کا سبب دریافت کیا اس نے کہا۔ ''دادا لبستی کے لوگوں نے بلاوجہ

عداوت قائم کرلی ہے..... اب تم ہی سوچو کہ وہ غریب ان کا کیا بگاڑتی ہے..... اول تو خود اسی نے آنا جانا بہت کم کردیا ہے لیکن یہ لوگ اس کے خلاف جھوٹی سچی باتیں بنا رہے ہیں۔''

میں نے سرور کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا ان سے عداوت قائم رکھنا ہمارے لئے اچھا نہیں ہے..... ان کو اگر سلمٰی پر اعتراض ہے اور وہ اس کی آمد کو پسند نہیں کرتے تو تم اسے اس بستی کے بجائے کسی دوسرے مقام پر مل لیا کرو۔''

''اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ پس وہی من مانی کریں گے اور وہ اپنے دل میں یہ سمجھیں گے کہ میں ان سے ڈر گیا ہوں۔''

''نہیں سرور یہ نہیں ہوگا..... بلکہ وہ تو خوش ہوں گے اور یہ سمجھیں گے کہ تم نے ان کی بات مان لی پھر تم دیکھنا کہ یہ ہی لوگ تمہاری خاطر جان دینے کے لئے تیار ہوجائیں گے۔''

اس وقت سرور کے چہرے سے یاس انگیزی ٹپک رہی تھی اس نے اپنی روندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دادا..... سلمٰی دکھیا لڑکی معلوم ہوتی ہے اس کی دونوں آنکھوں میں مظلومیت کے آثار پائے جاتے ہیں اس کی آواز میں درد اور سوز ہے..... یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانے کے ہاتھوں بری طرح ستائی گئی ہے..... وہ صرف مجھ سے محبت کرتی ہے اور اپنا ہمدرد خیال کرتی ہے اسی لئے وہ اس جگہ آجاتی ہے اور کافی کام کرجاتی ہے اب تم ہی خود بتلاؤ کہ میں کون سے منہ اس کو یہ کہہ دوں کہ آئندہ قصر احمر کا رخ نہ کرے اس طرح اس کا دل ٹوٹ جائے گا اس کی تمناؤں کا خون بہتے میں نہیں دیکھ سکتا جسے میں نے بڑے تپاک سے خوش آمدید کہا ہو..... اس کو دھتکارہ نہیں جاسکتا..... میں ایسا کس طرح کرسکتا ہوں دادا۔''

اتنا کہنے کے بعد سرور نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرہ کو ڈھانپ لیا اس وقت اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کو سمجھایا اور کہا۔ ''سرور تم مرد ہو جوان اور مضبوط ہو اس طرح رونا بزدلی کی نشانی ہے..... اس میں فیروز کا ہاتھ ہے اور وہی سلمٰی کے خلاف بستی کے لوگوں کو بھڑکا رہا ہے..... ورنہ میں خود بھی اس بڑھتے ہوئے طوفان کو روک سکتا تھا۔''

سرور نے کہا۔ ''ابھی کل کا ذکر ہے کہ فیروز میرے پاس آیا تھا اور وہ دھمکی دے گیا ہے کیونکہ میں نے اس کے کہنے پر عمل کرنے سے انکار کردیا تھا اس کا خیال ہے کہ سلمٰی ام الاجل کی بیٹی ہے اور وہ بستی کے لوگوں کے لئے ہلاکت کا سامان جمع کررہی ہے اس نے بیٹی کہا تھا اسے نہ آنے دیا جائے لیکن میں نے اس کو منظور نہیں کیا اور جہاں تک خوشامد کا تعلق ہے..... میں نے اسے بھی باقی نہیں چھوڑا۔''

☆.....☆.....☆

ایک رات میں نے نہایت ہی عجیب خواب دیکھا جو اس قدر بھیانک اور ہوش ربا تھا کہ میں چونک کر اٹھ بیٹھا..... میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا کس قدر حصہ..... باقی ہے۔

میں بے خبر سو رہا تھا یکا یک مجھے یوں محسوس ہوا کہ ہزاروں شہنائیاں بج رہی ہیں ان کی آوازیں نہایت سریلی اور دل لبھانے والی تھیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ بہت دور کہیں کسی کی شادی ہے میں کچھ دیر تک ان آوازوں کو سنتا رہا اس کے بعد غور کیا کہ آوازیں کس طرف سے آرہی ہیں..... لاعلمی کا پردہ جلدی ہٹ گیا اور یوں معلوم ہوا کہ آسمان پر شہنائیاں بج رہی ہیں میں بہت حیران ہوا۔

چنانچہ میں اسی وقت صحن میں پہنچ گیا اور بڑے اطمینان کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھا میں حیرت زدگی کے عالم میں تھرا اٹھا..... یوں معلوم ہوا کہ گویا قدرت نے اس رات نیلے آسمان کو نورانی قندیلوں سے سجادیا ہے..... نظارہ اس قدر دلکش اور دلفریب تھا کہ میں دیر تک اسی جگہ کھڑا ستاروں بھرے آسمان کو دیکھتا رہا۔

اس رات ستاروں کی روشنی کئی گنا بڑھی ہوئی تھی

اس سے قبل میں نے کبھی اتنی روشنی نہیں دیکھی تھی تاریکی خدا معلوم کون سے سوراخ میں سمٹ کر جا چھپی تھی ابھی میں آسمان کو دیکھ ہی رہا تھا کہ میں نے چھوٹے چھوٹے نہایت ہی لطیف سیماب دیکھے وہ روئی کے پھولے گالوں کی طرح ادھر ادھر منڈلا رہے تھے میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی روشن ہوگئے لیکن ستاروں اور چاند کی روشنی کے مقابلے میں ان کی چمک دسواں حصہ بھی نہ تھی روشن بادل ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

میں ابھی دیکھ ہی رہا تھا کہ ان بادلوں میں سے دو بادل جو قریب قریب تھے گلاب کے پھولوں کی شکل میں تبدیل ہوگئے اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ چمکنے والے ستاروں کے درمیان دو نورانی پھول بھی ہیں جو جلوہ دکھلا رہے ہیں۔ چاند ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا وہ بڑی سبک خرامی سے ان کی طرف بڑھ رہے تھے کچھ دیر بعد چاند ان کے پاس پہنچ گیا وہ ہلال نما تھا لیکن کافی روشن تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اسی حالت پر رہا اس کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ گویا اس میں تبدیلی ہونے لگی ہے وہ بدلتے بدلتے ایک چھوٹی سی نورانی کشتی کی شکل میں نظر آنے لگا۔

میں بہت حیران تھا اور استعجاب کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا رات نہایت ہی عجیب تھی..... میں خاموشی کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھتا رہا دونوں اس کشتی کے اوپر پہنچ گئے ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف۔

اس وقت تیزی سے شہنائیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ مشرق کی طرف سے بے شمار لمبوترے شرارے نمودار ہوئے اور وہ تیزی کے ساتھ کشتی نور کے قریب سے گزر گئے اب جو میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ آسمان پر ایک کشتی موجود ہے جس پر ایک خوب صورت جوڑا رونق افروز ہے مرد کی صورت بالکل سرور سے اور عورت کی شکل..... وہ بعینہ سلمیٰ تھی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

میں پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر بعد وہ دونوں دوبارہ دو گلاب کے پھولوں کی شکل میں تبدیل ہوگئے۔

آسمان پر نقارے سے بج رہے تھے شہنائیوں کی آواز دور دور تک گونج رہی تھی اور چمکنے والے ستارے چاند کے گرد جمع ہونے لگے اس وقت یوں معلوم ہو رہا تھا کہ گویا آسمان پر کسی کی بارات ہے..... اسی کی وجہ سے نقارے اور شہنائیاں بج رہی تھیں۔

اگرچہ کشتی پر اب صرف دو پھول تھے لیکن میں یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ ان میں سے ایک میرا آقا زادہ سرور اور دوسری سلمیٰ ہے۔

اس وقت ہر طرف مسرت ہی مسرت محسوس ہو رہی تھی یکا یک ایک نہایت ہی گرجدار اور بھیانک قہقہے کی آواز بلند ہوئی..... اس آواز کے ساتھ ہی چمکنے والے ستاروں کی روشنی میں فرق آ گیا۔ دونوں پھول کشتی میں اچھل پڑے..... وہی قہقہہ دوبارہ سنائی دیا۔

میں تحیر کے عالم میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ہنسنے والے کو دیکھنے لگا جس کی ہنسی اس قدر بھیانک اور دماغ پاش تھی اور وہ خود نہ جانے کس قدر خوف ناک ہوگا۔

جب میں نے بہت ہی غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کافی بلندی پر ایک دیو نما جسم پھیلا ہوا ہے..... وہ کسی عظیم ترین انسان کا سیاہ جسم معلوم ہوتا تھا اس کا سر مشرق کی طرف اور دونوں پاؤں مغرب کی طرف تھے اس کا ایک بازو شمال کی طرف اور دوسرا جنوب کی طرف پھیلا ہوا تھا وہ سایہ اس قدر عظیم تھا کہ ہر سمت میں نظر تک پھیلا ہوا تھا۔

تیسری بار پھر قہقہے کی آواز بلند ہوئی..... وہ آواز کسی طرح بھی بادل کی گرج سے کم نہ تھی میرا دل دہل گیا اور جسم کا خون منجمد ہونے لگا۔

وہ پھول جو کشتی سے علیحدہ ہو چکے تھے وہ بلند ہونے کے بجائے نیچے کی طرف آ رہے تھے ان میں اور چاند میں فاصلہ پیدا ہو گیا تھا۔

اچانک ایسا دکھائی دیا کہ گویا مخالف سمتوں سے اس سیاہ جسم پر انگارہ پھینکے جا رہے ہیں یا اس کو آتشی گولوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے یکا یک اس پھیلے ہوئے جسم کے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے اور وہ نیچے کی

طرف جھکے..... فوراً ہی بعد یہ معلوم ہوا کہ اس نے اپنی دونوں مٹھیوں میں سے پھول بکھیر دیئے ہوں۔

آسمان کی طرف سے گرنے والے پھول دو حصوں میں تقسیم تھے جو دائیں ہاتھ نے پھینکے تھے وہ علیحدہ تھے اور جو بائیں ہاتھ نے بکھیرے تھے وہ الگ تھے چنانچہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں قسم کے پھولوں نے ان دونوں پھولوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور پھر ایک پھول کے ساتھ ہو گئے اور باقی نصف پھول دوسرے پھول کے ساتھ شامل ہو گئے لیکن فرق نمایاں تھا۔

میں اسی جگہ خاموش کھڑا یہ ہیبت ناک تماشہ دیکھ رہا تھا اس وقت تمام پھول بڑی تیزی کے ساتھ زمین کی طرف چلے آ رہے تھے لمحہ لمحہ ان پھولوں کی بلندی کم ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ میں نے سمجھ لیا کہ پھولوں کے دونوں ڈھیر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر زمین پہ گر پڑیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا..... میں نے دیکھا کہ وہ پھول ایک میدان میں آ گرے ایک ڈھیر شمال کی طرف تھا اور دوسرا جنوب کی طرف۔

چوتھی مرتبہ اسی سایہ کے قہقہے کی گرج سنائی دی اس وقت فرط خوف سے میرا چہرہ آب ہو رہا تھا میں گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا اس پر انگاروں کی بارش چاروں طرف سے ہو رہی تھی اور یہ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی یکا یک اس سائے کی دائیں ٹانگ حرکت میں آ گئی اس نے اس کو زمین کی طرف دراز کیا میں اس کی طوالت دیکھ کر حیران رہ گیا وہ زمین تک پہنچ گئی اچانک ہی دیکھتے ایک حصہ تو جوں کا توں رہا لیکن اس کے ساتھ والا حصہ جہاں پھولوں کا ڈھیر موجود تھا پانی کا تالاب بن گیا ٹانگ اوپر اٹھ گئی.....!

چیخنے چلانے اور چنگھاڑنے کی آوازیں سنائی دیں وہ سایہ قطعی طور پر غائب ہو گیا زمین پر میرے سامنے گلاب کے دو پودے نظر آ رہے تھے ان میں سے ایک پودا خشکی پر تھا اور دوسرا تالاب میں..... ہوا کے جھونکے دونوں پودوں کی نازک اور لچکدار شاخوں سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے اس کے بعد میں نے ان پودوں کی شاخوں پر دو پھول دیکھے ان کے کھلتے ہی آسمان سے گلاب کے پھولوں کی بارش شروع ہو گئی میرے دیکھتے ہی گرنے والے پھول پودوں کی شاخوں سے پیوستہ ہو گئے..... ان کے درمیان ایک دیوار حائل سی ہو گئی.....

یہ آواز افق کے اس پار سے بلند ہوئی اور پھر تیزی سے ہر طرف پھیل گئی میں نے ان پودوں کے درمیان میں سے دھوئیں کی ایک دیوار کو بلند ہوتے دیکھا جو بتدریج بلند ہوتی گئی اور وہ اس قدر بلند ہوئی کہ ستاروں کی بلندی تک پہنچ گئی وہ کچھ دیر تک تو مجھے نظر آتی رہی بعد ازاں وہ بھی دوسری چیزوں کی طرح معدوم ہو گئی مجھے اس وقت تک کچھ بھی علم نہ تھا کہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔

دونوں پودوں کے تنے اور ان کی تمام شاخیں کانٹوں سے بھری ہوئی تھیں دونوں پودوں میں ایک ایک پھول کھل گیا جو پودہ خشکی پر تھا اس کا پھول شگفتہ ہوا تو اس میں محض لمحے بھر کے لئے سرور کا چہرہ دکھائی دیا اور جو پھول دوسرے پودے کی شاخ پر کھلا تھا اس میں سلمیٰ کا چہرہ دکھائی دیا۔

کسی نے بھیانک آواز میں کہا۔ ''خشکی..... خشکی ہے اور تری..... تری ہے..... خشکی اور تری ہمیشہ علیحدہ علیحدہ رہے گی۔''

میں نے آسمان کی طرف دیکھا وہ سایہ نظر آیا اور اس وقت یوں محسوس ہوا کہ گویا تمام آسمان پر آتشی چادر پھیلی ہوئی ہے۔

اسی طرح وقت گزرتا گیا رات ختم ہو گئی مشرق سے شہہ خاور نے خود کو نمودار کیا رنگا رنگ کے پرندے درختوں کی شاخوں پر بیٹھے وحدت کے نغمے الاپنے لگے۔

رات کے ختم ہوتے ہی سکوت کا طلسم پاش پاش ہو گیا یوں معلوم ہوا کہ گویا مردہ دنیا میں زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے شور و شر بلند ہوئے ہر قسم کے ہنگاموں کا چکر شروع ہو گیا۔

میں نے دونوں پھولوں پر منڈلانے والی دو

رنگین تتلیوں کو دیکھا دونوں علیحدہ علیحدہ گلاب کے شگفتہ پھولوں پر منڈلا رہی تھیں مگر ان دونوں کے درمیان ایک زاغ سیاہ بھی موجود تھا جو اپنے دونوں پنکھ پھیلائے کسی خاص موقع کا منتظر تھا۔

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی..... میں نے اس کھڑکی کی طرف دیکھا رات قریب اختتم تھی جو خواب میں نے اس رات دیکھا شاید میں اسے کبھی بھی فراموش نہیں کرسکوں گا اس طرح میرے دل میں سلمٰی کے خلاف جو برائی پیدا ہوگئی تھی اس خواب کے بعد وہ دور ہوگئی..... اور یوں معلوم ہوا کہ گویا ان دنوں کو علیحدہ علیحدہ نہ کیا جاسکے گا.....

اس کے بعد میں جاگتا رہا اور اسی خواب پر غور کرتا رہا..... اس عجیب خواب کی تعبیر کا پتہ نہ چل سکا۔

اگر میں کچھ دیر تک اور سویا رہتا تو مجھے یہ علم ہوجاتا کہ زاغ سیاہ نے ان میں سے کون سی تتلی کا شکار کیا..... میں نے خواب ضرور دیکھا نامکمل اور ادھورا..... اس لئے میں کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا۔

میں دونوں ہاتھوں سے سر تھامے خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کچھ دیر بعد میں نے چاہا کہ اٹھوں اور پاؤں پلنگ پر سے ابھی لٹکائے تھے..... کہ میں نے نیچے سے سیاہ رنگ کے ایک ناگ کو دیکھا جو اپنا پھن پوری طرح اٹھائے ہوئے تھا اس کی دونوں آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں میں نے دہشت زدہ ہو کر ٹانگوں کو اوپر اٹھایا اور ناگ دروازے کی طرف بڑھتا رہا اس دوران میں اس نے بار بار پلٹ کر میری طرف دیکھا اس کی چمکدار آنکھوں سے مجھے یوں معلوم ہو رہا تھا کہ گویا وہ گھور رہا ہے۔

ناگ دروازے کے پاس پہنچ چکا تھا اور دروازہ بھی بند تھا۔ اس کے چھوٹے شگافوں میں سے روشنی اندر آنے لگی تھی۔ ناگ نے میرے سامنے ایک سوراخ کے ساتھ اپنے سر کو لگایا اور وہ اسی میں سے باہر نکل گیا۔

اس وقت اس زہریلے ناگ کے خوف سے میرا دل دھڑک رہا تھا۔ اور میں سہما ہوا تھا..... اگر وہ خود ہی اس جگہ سے نہ چلا جاتا تو وہ میری غفلت کی وجہ سے مجھے ڈس بھی سکتا تھا۔ میں دس پندرہ منٹ تک اسی جگہ بیٹھا رہا۔ اس کے بعد دروازہ کو کھول کر صحن کو دیکھا۔ ناگ غائب ہوچکا تھا..... اس وقت ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تھی..... سرور کی خواب گاہ کا دروازہ بالکل سامنے ہی تھا۔ اچانک مجھے ایک دھندلا سا عکس اس میں سے نکلتا نظر آیا۔ میں دروازہ کی اوٹ میں ہوکر بغور اس غیر واضح عکس کو دیکھنے لگا اس میں اور نسرین میں بالکل فرق نہ تھا..... وہ رنجیدہ نظر آرہی تھی۔

اس نے پلٹ کر اس خواب گاہ کی طرف ایک نظر دیکھا اور اس کے بعد وہ باغ کی طرف بڑھنے لگی۔ اور دور ہوتی چلی گئی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ باغ میں داخل ہوگئی۔ اس وقت میرے دل پر بوجھ طاری ہوچکا تھا۔ میں نے درد بھری آواز میں اسے یہ کہتے سنا۔

ارمان تڑپتے ہیں سسکتی ہے تمنا
مظلوم کی دنیا ہے یہ مغموم کی دنیا
جل جائے نشیمن نہ کہیں صبر وسکون کا!!!

چرخ کہن سے گرنے کو ہے بجلی بھی چمن میں

وہی آواز..... وہی لہجہ..... اور وہی شکل و صورت..... اسے میں نے سرور کی خواب گاہ سے نکلتے دیکھا۔ وہ یقیناً نسرین کی ماں کی روح تھی..... فرط غم سے میرا سر جھک گیا۔ دونوں آنکھیں چمکتے آنسوؤں سے بھر گئیں..... چنانچہ میں اسی جگہ کھڑا عذر کرتا رہا۔ اس کے بعد درد بھری آواز سنائی دی۔ لیکن بہت دور..... یوں معلوم ہوا کہ کوئی غمناک لہجے میں گا رہا ہے.....

میری طبیعت بھاری ہوچکی تھی۔ اس لئے میں اس روز سرور کی خواب گاہ میں اس کو جگانے کے لئے بھی نہ جاسکا..... میں ان ہی خیالات میں منہمک تھا کہ روح کیوں آئی۔ وہ اس قدر اداس اور غمزدہ کیوں تھی..... کہیں کوئی اور آفت تو آنے والی نہیں۔ میرا دل ٹوٹ گیا..... دن کی روشنی میں حالانکہ اس وقت اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن میری آنکھوں میں دنیا تاریک ہوگئی..... دیر تک میرے کانوں میں اس روح کی درد بھری آواز گونجتی رہی۔

قدرت نے اس دکھیاری روح میں سوز کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔

''فیروز بہن کے غم میں پاگل ہو رہا تھا۔''

''نسرین ماں کی شفقت سے محروم ہو چکی تھی۔''

سرور بیوی کی موت کے بعد نیم پاگل ہو گیا تھا اور مجھے اس خاندان کی تباہی کا غم کھائے جا رہا تھا..... میں دیر تک اپنے کمرے میں بیٹھا رہا اور جب باہر نکلا۔ تو ہر طرف دھوپ پھیل چکی تھی سرور اور نسرین دالان میں تھے۔

مجھے دیکھتے ہی آقا زاد نے کہا۔ ''کیوں دادا..... آج کیا بات ہے..... بہت دیر سے اٹھے ہو..... دیکھو نا۔ دھوپ پھیل چکی ہے.....''

''معافی چاہتا ہوں بیٹا..... دیر ہو گئی.....''

اتنا کہنے کے بعد میں ان کے لئے ناشتہ تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

تیسرے روز دوپہر کے وقت جب کہ سورج انگارہ جہنم بنا ہوا کرہ ارض کو غصیلی نظروں سے گھور رہا تھا ..... میں باہر سے گھر کی طرف ایک کام کے بعد واپس آ رہا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ سلمٰی آئی ہوئی ہے۔ اس روز میں نے سرور کے خلاف لوگوں میں انتہا سے زیادہ غم وغصہ دیکھا..... وہ بڑے گروہ کی صورت میں جمع ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کے منصوبے نہایت ہی خطرناک تھے کچھ لوگوں کو میں نے یہاں تک کہتے سنا کہ سرور کو اس بستی سے نکال لیا جائے تو اچھا جائے۔ نہ یہ یہاں ہوگا اور نہ ام الاجل کی بیٹی اس سے ملنے قصر احمر میں آئے گی۔

میں اس قسم کی باتیں سن کر بدحواس ہو گیا اور یہ سمجھ لیا کہ یہ طوفان قصر احمر پر اب ٹوٹنے ہی والا ہے۔ ہم دونوں مل کر بھی اس بڑے طوفان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھے چنانچہ میں بہت تیزی سے وہاں پہنچ گیا۔ خوب صورت سلمٰی نسرین کو اپنی گود میں لئے بیٹھی تھی اور وہ اس کے بالوں کو ٹھیک کر رہی تھی۔ سرور بھی تھوڑے ہی فاصلے پر تھا..... میں نے اس جگہ پہنچنے کے بعد سرور کو ایک طرف بلا کر سمجھایا اور بتلایا کہ آج بستی کے لوگوں میں بہت اشتعال پایا جا رہا ہے..... اور وہ جمع ہو رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سب کے سب مل کر ہم پر حملہ کر دیں۔ اس وقت سلمٰی کو یہاں سے ہٹا دیا جائے تو اچھا ہے۔

سرور کو یہ بات ناگوار گزری۔ اس کے بشرے سے غصہ ظاہر ہونے لگا۔ اس نے کہا۔ ''دادا کیسی باتیں کرتے ہو..... حملہ کرنا کیا آسان کام ہے..... میرا گھر ہے۔ میں خواہ کسی کو یہاں بلاؤں ان کا واسطہ.....؟''

میں نے دوبارہ جرأت کی..... ''بیٹا وہ سلمٰی کو منحوس سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ ام الاجل کی بیٹی ہے اور نحوست میں اپنی ماں سے کم نہیں ہے۔''

''یہ بات غلط ہے دادا..... میں سلمٰی سے معلوم کر چکا ہوں۔ ام الاجل اس کی ماں نہیں ہے۔ ان لوگوں نے فیروز کی باتوں میں آ کر ناحق بغض کو اپنا لیا ہے۔''

میں نے مزید کچھ کہنا چاہا..... لیکن سرور نے یہ کہہ کر مجھے روک دیا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ میرے دل کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ اس وقت سلمٰی یہاں سے ٹل جائے تو اچھا ہے۔

پورے ایک گھنٹے کے بعد آوازیں آنے لگیں..... مختلف قسم کے جملے استعمال کئے جا رہے تھے۔ میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ ''آپ سن رہے ہیں..... معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ برے ارادے سے اس طرف آ رہے ہیں۔''

ان آوازوں کو سن کر پری چہرہ سلمٰی پر بھی بدحواسی پھیل گئی۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیوں دادا یہ کس کی آوازیں ہیں۔''

''کچھ شر پسند لوگ ہیں..... شرارت پر آمادہ ہیں۔ خدا خیر کرے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اسی طرف آ رہے ہوں۔''

''یقیناً اسی طرف آ رہے ہیں۔ اب وہ لوگ نزدیک آ چکے تھے۔''

"اس لال عمارت کو پھونک دو۔"

"سرور کو قتل کردو۔"

"سلمیٰ کی ہڈیوں کا چونا بن جانا چاہیئے۔"

"بیٹا......" میں نے سرور کی آنکھوں میں ...ہوئے کہا۔ "پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے...... ...ی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ فی الحال سلمیٰ کو اس جگہ ...بند کردیا جائے تو اچھا ہے۔"

سرور نے اسی وقت اس کو ساتھ لیا اور ایک کمرہ ...ں پہنچا دیا۔

طوفانی شور بتدریج ہمارے دروازے کی طرف ...ھ رہا تھا۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کو بند ...دیا تاکہ لوگ اندر داخل نہ ہوسکیں۔ اس وقت معصوم ...ین سہمی ہوئی تھی۔ وہ کبھی میری طرف دیکھتی اور کبھی ...پنے باپ کے منہ کو تکنے لگتی تھی اس کی حیرت کا یہ عالم تھا ...ہ وہ اپنی زبان سے اس وقت ایک لفظ تک نہ نکال سکی۔

ہم دونوں کی نظریں دروازے پر لگی ہوئی ...تھیں۔ یہاں تک کہ شور وغل کے ذریعے ان کے ...دروازے پر پہنچ جانے کا علم ہوگیا۔ یکایک کسی نے ...دروازے پر دستک دی۔ سرور کی دونوں آنکھیں غصہ ...یں چمکنے لگیں۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا لیکن میں نے ...سے روک لیا اور دبی ہوئی آواز میں کہا۔ "دشمن ہجوم ...ے منہ لگنا اچھی بات نہیں ہے۔ آپ اسی جگہ ٹھہریں۔ ...دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن وہ شور مچارہے ہیں دادا......" سرور نے کہا۔

"میں خود اس طرف جاتا ہوں...... جو مناسب ہوگا۔ جواب دے لوں گا۔"

"دروازہ کھولو......" باہر سے کوئی چیخا۔

"فوراً دروازہ کھول دو۔ ورنہ......" دوسری آواز بلند ہوئی۔

"توڑ ڈالو اس دروازے کو۔" کسی تیسرے شخص نے کہا۔

اس کے بعد دروازے کو زور زور سے پیٹنا شروع کردیا اب میں وہاں پہنچ چکا تھا چنانچہ میں نے ملائم لہجہ میں کہا۔

"کیا بات ہے محترم......"

"پہلے دروازہ کھولو۔ پھر بتایا جائے گا۔"

"آپ کچھ تو فرمائیں......" دوبارہ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہم پوچھتے ہیں کہ تم دروازہ کھولتے ہو یا نہیں۔ نہیں کھولتے تو پھر ہم اس کو توڑ ڈالیں گے۔"

میں نے ذرا بلند آواز میں کہا...... "لیکن کوئی مقصد تو ظاہر کرو۔ اس قدر تشدد مناسب نہیں ہے۔"

"اس ام الاجل کی منحوس لڑکی کو ہمارے حوالے کردو۔" یہ فیروز کی آواز تھی۔

"ابھی میں جواب دینے نہ پایا تھا کہ سرور نے چلا کر کہا۔ "دادا انکار کردو...... انکار...... صاف صاف کہہ دو کہ ہم ایسا نہیں کرسکتے۔"

میں سوچنے لگا کہ کیا جواب دوں۔ باہر سے دروازے کو توڑنے کی جدوجہد شروع ہوگئی...... اس وقت جب کہ باہر طوفان برپا تھا۔ میں سیدھا سلمیٰ کے کمرے میں پہنچ گیا اور اس کو وہاں سے نکال کر باغ کی طرف لے گیا۔

"لو...... تم اس طرف سے نکل جاؤ۔ خدا کے لئے سلمیٰ جلدی نکل جاؤ...... وہ لوگ داخل ہوا ہی چاہتے ہیں اگر وہ آگئے تو تم کو بچانا دشوار ہوجائے گا۔"

اس وقت خوب صورت سلمیٰ کے چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ اس کے دونوں ہونٹ آپس میں وابستہ تھے۔ اس کا لاغر جسم لرز رہا تھا۔ میں نے اس کو کپکپی کی حالت میں اس طرف بڑھتے دیکھا...... خیال تھا کہ وہ اس راہ سے باہر نکل جائے گی...... میں اسی جگہ کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ سلمیٰ میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اس کے بعد میں پلٹ کر سرور کے پاس پہنچ گیا۔

دروازے کو بری طرح سے پیٹا جارہا تھا۔ اس کو توڑ دینے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جارہی تھی۔

اس وقت سرور کی آنکھوں میں آنسو بھرے

ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ ''دادا اگر یہ لوگ اندر آنے میں کامیاب بھی ہوگئے۔ تو پہلے میں ختم ہوجاؤں گا۔ سلمٰی پر بعد میں آنچ آنے دوں گا..... وہ ہمارے پاس مہمان کی حیثیت سے ہے۔ یہ لوگ اس پر ظلم وستم ڈھانا چاہتے ہیں۔''

میں نے دوبارہ دروازے کے پاس پہنچ کر ان کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اب اس قدر مشتعل تھے کہ وہ میری کوئی بات بھی سننے کے لئے تیار نہ ہوسکے۔ دروازے کی حالت اس قدر ردی ہوچکی تھی کہ اب اس کے ٹوٹنے میں کچھ شک نہ رہا تھا۔

اچانک دروازے کا ایک حصہ اندر آ گرا اور چار آدمی بھی اپنے زور میں فرش پر اوندھے منہ گر پڑے۔ ان میں ایک فیروز بھی تھا۔ نسرین کا ماموں اس نے اٹھتے ہی کہا۔

''سرور..... اس منحوس لڑکی کو میرے حوالے کردو..... میری بہن کی جان اس کی وجہ سے گئی ہے۔''

اتنا کہنے کے بعد اس نے چمکدار خنجر نکال لیا۔ میں آگے بڑھا تاکہ فیروز کو سمجھاؤں۔ اس وقت اس کا غصہ بڑھا ہوا تھا۔ اس کے چہرہ سے جلال ٹپک رہا تھا۔ اس نے میری ضعیفی کا خیال کئے بغیر مجھے اتنی زور سے ایک طرف دھکیلا کہ میں اوندھے منہ جا گرا۔ سر سے خون بہنے لگا۔

سرور چیخا۔ ''فیروز کیا تم پاگل ہوگئے ہو..... ان کے بڑھاپے کا بھی خیال نہیں کیا۔''

''ہاں ہاں او خونی۔ میں واقعی پاگل ہوچکا ہوں۔ تم نے میری بہن کو مار ڈالا۔ اس کی موت کے بعد صرف میں پاگل نہیں ہوسکتا تھا۔ بتلاؤ وہ منحوس لڑکی کہاں ہے۔''

''لیکن تم کون ہوتے ہو ایسا سوال کرنے والے۔''

''ہم سب کچھ ہوتے ہیں۔ ہم تم کو بھی قصر احمر سے نکال دیں گے۔ اس منحوس لڑکی کو ہمارے سپرد کردو۔''

سب کے سب چیخنے لگے۔

''نہیں..... میں اسے نہیں دے سکتا۔'' سرور چلایا۔

میں اس وقت اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔

''میں تمہیں مار ڈالوں گا سرور.....'' فیروز چ

''خنجر سے کسی بزدل کو ڈرانا.....''

''تو لو تیار ہوجاؤ.....''

اس سے قبل کہ میں اس کو روکتا۔ وہ بڑی سے خنجر تان کر سرور کی طرف بھوکے شیر کی جھپٹا..... نسرین سہمی ہوئی اپنے باپ کے پاس تھی۔ اس نے فیروز کو جنون انگیزی کے عالم میں بکف حملہ آور دیکھا تو وہ چلا اٹھی۔

''ماموں.....''

وہ باپ کے سینے کے سامنے تھی۔ اس دونوں دبلے بازو باپ کی حفاظت کے لئے پھیل تھے۔ وحشی فیروز وار کرچکا تھا..... جو خنجر سرور کے شکم داخل ہونے والا تھا وہی خنجر معصوم نسرین کے سینے داخل ہوگیا۔

''ابا جان.....'' وہ روندھی ہوئی آواز میں چیخ اس کے سینے سے خون کی پھوار چھوٹی۔ میں نے دو ہاتھوں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔

اس وقت باپ کی نظروں میں دنیا تاریک تھی۔ اس نے رکھی ہوئی کرسی اٹھا کر فیروز کے سر پر طاقت سے دے ماری کہ وہ گر پڑا۔ لیکن اسی وقت ا سرور پر چاروں طرف سے حملہ ہوا اور وہ میرے د ہی دیکھتے زخمی ہوکر اس طرح فرش پر گرا کہ نسرین کے سینے پر پڑی تھی۔

فرش پر خون پھیل چکا تھا۔

میں نے تیزی سے خود کو سرور کے پاس پہنچ اور اس کی حفاظت کے لئے جو کچھ کرسکتا تھا کرنے فیروز بھی زخمی ہوچکا تھا۔ دو آدمی اس کو اس جگہ سے کرلے گئے اور دوسروں نے پورے مکان کی تلاشی شروع کردی..... یہ کام بڑی تیزی سے ساتھ پایہ کو پہنچ گیا..... ''وہ یہاں نہیں ہے۔

''اور یہ لڑکی مر رہی ہے..... بس آؤ لو چلیں۔''

دہشت و بربریت کا یہ ایک عظیم طوفان تھا۔
ان کا یہ سیلاب تھا جو قصر احمر میں داخل ہوا، اور اس کے
لی لو معصوم نسرین کے خون سے سرخ کر کے واپس
لوٹ گیا۔

"ابا جان...... آنکھیں کھولئے...... دیکھئے نا۔"

اس کی آنکھیں پتھرائی جارہی تھیں۔ میں نے جلدی سرور کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دے کر اس کو بیدار کیا۔ وہ اٹھا اور معصوم نسرین کی یہ حالت دیکھ کر چیخ

"میری بچی......

"دیکھئے نا...... وہ سامنے دروازے کی طرف کھڑی ہیں...... وہ مجھے لینے آئی ہیں۔"

"نہیں نہیں نسرین، میں تم کو ان کے ساتھ نہیں جانے دوں گا۔ بیٹی اپنے باپ کو تنہا نہ چھوڑو۔"

وہ اسے چومنے لگا۔ اس کے خون کو اپنے چہرہ پر مل لیا۔

"وہ دیکھئے...... امی بازو پھیلائے آگے آرہی ہیں۔"

"نسرین...... نسرین۔"

"امی...... لو مجھے گود میں لے لو...... کہاں چلی گئی تھیں آپ......"

"نسرین مجھے برباد مت کرو میں مرجاؤں گا...... میں مرجاؤں گا۔"

"ابا جان...... امی آئیں اور آپ رونے لگے...... ہنسیئے۔ دیکھئے نا۔ میں آج کس قدر خوش ہوں...... یہ دیکھو میں مسکرارہی ہوں۔"

اس کے نازک ترین معصوم ہونٹوں پر تبسم کی جھلک نمودار ہوئی اور اس کے فوراً ہی بعد اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ یوں معلوم ہوا کہ اس کی زندگی کا منکہ ٹوٹ گیا ہے۔

اب نسرین خاموش تھی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے...... اس کی دونوں آنکھیں بند تھیں...... لیکن مسکراہٹ بدستور موجود تھی۔

"میں لٹ گیا بابا......"

سرور پچھاڑ کھا کر گر پڑا۔ میں نے نسرین کی لاش کو سنبھالا۔ اس کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر پلنگ پر لٹادیا اور اس کے اوپر سفید چادر ڈال دی۔ اس وقت میری دونوں آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ سرور ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔ بستی کے لوگ ہلاکت انگیزی کا مظاہرہ کرنے کے بعد واپس جاچکے تھے۔

قصر احمر ویران تھا......

"نشانہ اجل نسرین۔" اپنی آنکھیں بند کئے خاموش پڑی تھی۔

اس بڑے خاندان کی تباہی میری آنکھوں کے سامنے عمل میں آچکی تھی۔

کچھ دیر بعد سرور بھی ہوش میں آگیا اور وہ دوبارہ نسرین کی لاش سے لپٹ لپٹ کر رونے لگا۔ میں نے اس کو بمشکل سنبھالا...... اس کے بعد نسرین کے لئے سامان تجہیز و تکفین مہیا کیا گیا۔ پڑوس کے چند نیک اور فرشتہ خصلت لوگوں نے ہمارا ساتھ دیا۔

غروب آفتاب کے ایک گھنٹے بعد...... ہم معصوم نسرین کو کنج لحد میں سلا کر منحوس عمارت میں واپس آگئے۔ اس روز مطلع غبار آلود تھا۔ ستارے بھی نہ جانے کہاں جاچھپے تھے۔ ہر طرف اندھیرا ہورہا تھا۔

سرور کی دونوں آنکھیں روتے روتے سرخ ہوچکی تھیں۔ اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔ اس نے خود کو کرسی پر گراتے ہوئے کہا۔

"دادا...... سلمٰی کو رات کے اندھیرے میں باہر نکال دو۔ قصر احمر واقعی منحوس ہے۔ کاش میں پہلے ہی آپ کی بات مان کر ترک سکونت اختیار کرلیتا تو اچھا تھا...... جس مکان میں...... میں نسرین کو ہنستے، کھلکھلاتے اور کھیلتے دیکھتا تھا...... اب اس کی غیر موجودگی میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اسے نکال دو تاکہ میں اپنے بزرگوں کی اس منحوس عمارت کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے پھونک دوں۔"

"اسے تو پہلے ہی حفاظت سے باہر پہنچادیا گیا ہے۔"

"واقعی؟......" اس نے حیرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''جی ہاں۔ باغ کے اس تنگ راستے سے..... اگر میں اسے باہر نہ نکال دیتا تو بستی کے لوگ یقیناً اس کو قتل کر دیتے..... انہوں نے اچھی طرح تلاشی لے لی تھی۔''

''خدا کا شکر ہے کہ ہم حق مہمان نوازی ادا کرنے میں کامیاب ہو گئے..... اگر سلمٰی بھی نسرین کی طرح قتل ہو جاتی تو ہمارا منہ کالا ہو جاتا..... محبت بدنام ہو جاتی..... وفا کی اہمیت ختم ہو جاتی..... اب اس جگہ نہ نسرین ہے اور نہ اس کی والدہ اور نہ وہ خوب صورت سلمٰی موجود ہے۔ جس نے میری خشک زندگی میں شامل ہونے کے بعد میرے لئے ایک نئی راہ کھول دی تھی۔''

میں خاموشی کے ساتھ سرور کا منہ دیکھ رہا تھا۔

''دادا..... میں تو اس منحوس عمارت میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ میرا دم گھٹا جا رہا ہے..... آج بزرگوں کی اس منحوس عمارت کا نشان تک ختم ہو جانا چاہئے۔ اگر یہ عمارت باقی رہی..... تو نہ جانے اپنی موجودگی کے باعث کب تک ہلاکت برپا کرتی رہے.....''

اس نے اسی وقت کسی پاگل کی طرح قصر احمر کے در و دیوار پر تیل اور پیٹرول چھڑکنا شروع کر دیا۔ اس وقت سرور پر جنون انگیز کیفیت طاری تھی اور میں جانتا تھا کہ وہ روکنے سے نہ رکے گا۔

''دادا۔ اس منحوس عمارت میں سے کوئی چیز نہ نکالو..... کیونکہ وہ بھی یقیناً نحوست لئے ہوئے ہوگی آؤ اب ہم باہر چلیں۔''

اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچ لیا..... اچانک قصر احمر سے شرارے بلند ہونے لگے۔ ہم دس بارہ گز کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ شعلے بڑی تیزی سے بڑھے اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے پوری عمارت کو گھیر لیا۔ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

بستی کے تمام لوگوں کو اسی وقت علم ہو گیا کہ قصر احمر جل رہا تھا۔

مکان جل رہا تھا اور سرور کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی جیسے میرا دل بھی جل رہا تھا۔

ہم نے رات وہیں گزاری۔

اس کے بعد سرور نے مجھے کہا کہ وہ اس بستی بھی چھوڑ دینا چاہتا ہے..... لہٰذا..... سرور کا مقصد یہ کہ میں آئندہ کے لئے اس سے جدائی اختیار کر لوں اس مصیبت کے وقت میں اس سے علیحدہ ہو جاؤں۔

میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو باندھتے ہو کہا بیٹا..... ''تم میرے بڑے آقا کی نشانی ہو..... تمہیں اس حالت میں کس طرح دھوکا دے سکتا ہوں میں مرنے سے قبل ان مبارک قدموں سے دور ہونے ارادہ نہیں رکھتا۔'' میں نے سرور کی دونوں ٹانگوں پکڑ لیا۔ اس وقت میری آنکھوں سے بہنے وا آنسوؤں نے سرور کے پاؤں کو دھونا شروع کر د غرض یہ کہ سرور مجھے علیحدگی پر مجبور نہ کر سکا۔

اس وقت میں یہ معلوم نہ کر سکا کہ آئندہ کے لئے سرور کس طرح اپنی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہے... میں نے موقع محل پا کر سرور سے معلوم بھی کیا لیکن ا نے جواب میں یہی کہہ دیا۔ ''دادا۔ ابھی تک میں خود یہ نہیں جانتا تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے اور ہماری منز مقصود کون سی ہے..... فی الحال ہم میں اور بے خان بربادلوگوں میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔''

☆.....☆.....☆

قصر احمر کو جلے پورے نو ماہ گزر چکے تھے اور ا دنوں ہم خوب صورت شہر بیروت کے ایک عالیشا ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ سرور کی پریشانیو دیکھتے ہوئے میں نے اس کو سیاحت کا مشورہ دیا تھا جسے اس نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد سے ہم خان بدوشوں کی طرح ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے رہے۔ می مقصد صرف یہ تھا کہ سرور اس قدر مصروف ہو جائے ک اس کے دماغ سے ماضی کے غمناک نقوش دھندلے پڑ جائیں اور یہ اپنی باقی زندگی پرسکون گزار سکے۔

میں شروع سے اس کوشش میں تھا کہ میرا آقا زادہ پوری طرح سیاحت سے دلچسپی لینے لگے۔ مجھے اپنی کوششوں میں کسی حد تک کامیابی ہو چکی تھی کیونکہ سرو آثار قدیمہ سے دلچسپی لینے لگا تھا۔ ہم ان دنوں بیروت

میں اسی مقصد کے پیش نظر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس دوران میں بھی سلمیٰ اس کے دماغ پر چھائی رہی لیکن اس سے اس وقت تک ملاقات نہ ہوسکی۔

ایک روز دوپہر کے وقت جبکہ شدید حبس طاری تھا اور آسمان سے سورج ریگ زار شام پر انگارے برسا رہا تھا۔ ہم اپنے کمرے میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ طے یہ کیا جارہا تھا کہ ہمیں اس پرانے شہر کی کون کون سی تاریخی عمارتوں کو دیکھنا چاہئے۔

سیلنگ فین فل اسپیڈ پر چل رہا تھا لیکن اس سے بھی جو ہوا نکل رہی تھی وہ بھی گرم تھی۔

اچانک ہوٹل بوائے نے اندر آنے کے بعد سرور سے کہا۔

''آپ سے ایک صاحب ملنا چاہتے ہیں؟''

میں چونک پڑا۔ سرور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ بھول ہے۔ اس جگہ میرا ملنے والا کوئی بھی نہیں ہے..... کیا اس نے میرا نام لیا ہے؟.....''

اس نے انکاری میں سر کو ہلاتے ہوئے کہا جی نام تو نہیں لیا۔

میں نے کہا۔ ''تو پھر تم ہمارے پاس کیوں آگئے؟''

لڑکے نے جواب دیا..... ''وہ صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں اس مسافر سے ملنا ہے جو کمرہ نمبر 19 میں ٹھہرا ہوا ہے اور یہ نمبر آپ ہی کے کمرے کا ہے۔''

سرور نے تھوڑی دیر کے تساہل کے بعد کہا۔

''اچھا اس کو یہاں بھیج دو۔''

لڑکا اسی وقت واپس لوٹ گیا۔ سرور نے کہا۔

''..... یہ کون ہوسکتا ہے۔''

''میں خود بھی رائے قائم نہیں کرسکا.....'' میں نے جواب دیا۔

''خیر کوئی بات نہیں..... مل لینے سے کیا نقصان ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی جاننے والا نکل آئے..... لیکن تعجب ضرور ہے۔''

ابھی یہ ہی تذکرہ ہورہا تھا کہ ایک شخص جو کہ سفید رنگ کے لباس میں ملبوس تھا۔ پروقار طریق پر اس جگہ داخل ہوا۔ اس کے چہرہ کا رنگ زرد، داڑھی بالکل سفید..... قد لمبا..... ہاتھ پاؤں دبلے لیکن صحت کے لحاظ سے بہت موزوں تھا۔

اس نے کمرہ میں پہنچ کر بڑی بے تکلفی سے ایک کرسی سنبھال لی۔ میں اسے بغور دیکھ رہا تھا اور یہ ہی سرور کا بھی حال تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میری طرح وہ بھی نو وارد سے لاعلم تھا..... سرور نے اس کے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

''کیا جناب کو کچھ مجھ سے کام ہے؟''

''جی ہاں.....'' بوڑھے نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ ''میں آپ ہی سے ملنے آیا ہوں۔ غنیمت ہے جو ملاقات ہوگئی۔ ورنہ شاید دوبارہ اور سہ بارہ بھی حاضری دینی پڑتی۔''

''میرے خیال میں تو اس میں کچھ غلط فہمی کارفرما نظر آتی ہے.....'' سرور نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''کس قسم کی غلط فہمی؟''

میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ ہم دونوں کے لئے قطعی اجنبی ہیں..... اسی لئے ہوسکتا ہے کہ آپ.....''

اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''ارے نہیں صاحب یہ بھی ایک ہی رہی۔ اگرچہ ایسا نہیں ہے..... لیکن آپ یہی سمجھ لیں کہ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے ورنہ یہ حقیقت ہے کہ میں کبھی غلطی نہیں کھاتا۔ جسے ایک بار دیکھ لوں اس کو ہمیشہ یاد رکھتا ہوں.....اور ان کو تو.....''

وہ طنز کرنے لگا..... ''خوب اچھی طرح جانتا ہوں..... آپ اگرچہ لیکن پھر بھی۔''

جلوے میری نگاہ کون ومکاں کے ہیں۔
مجھ سے وہ چھپ کے جائیں گے ایسے کہاں کے ہیں۔

میں ٹکٹکی باندھے اس طرف دیکھے جارہا تھا۔

اچانک اس کی آنکھوں پر میری نظریں جم کر رہ گئیں......

اف...... میرا دل ڈوبنے لگا اور اس وقت یوں محسوس ہوا کہ گویا ہمارے درمیان بدلی ہوئی صورت میں وہی ناگ چشم پراسرار بوڑھا ہے جو پہلے بھی حیرت ناک طور پر دیکھا جاچکا ہے۔

اس کی آنکھوں کی وہی کیفیت تھی۔ وہ باتیں کئے جارہا تھا۔ مگر اس کی پلکیں بالکل ساکت تھیں۔ آنکھوں میں سانپ کی آنکھوں کی سی چمک موجود تھی اگرچہ بظاہر وہ ایک ناتواں بوڑھا تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا اس کی ہیبت ہم پر طاری ہوتی جارہی تھی۔

سرور نے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس سے پوچھا۔ ''اچھا فرمائیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں اور کون سا مقصد لے کر اس جگہ تشریف لائے ہیں۔''

سفید پوش بوڑھے نے کہا۔ ''میرا مقصد محض آپ کے مفاد کے لئے ہے...... میں اس وقت جو کچھ کہنے لگا ہوں اس پر برہم ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس پر ناراض ہونا چاہئے پہلے تمام بات سن لو۔ اس کے بعد غور کرو...... فیصلہ تمہارے اختیار میں ہے...... سمجھے۔''

میں نے اپنی کرسی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''سنئے صاحب۔''

''اس قسم کی پہیلیوں کو سمجھنے کے لئے ہمارے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ جو کچھ بھی کہنا ہے وہ صاف اور واضح لفظوں میں کہہ دیجئے۔''

نوارد بوڑھے نے اپنی خطرناک آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''جناب تھوڑی دیر کے لئے آپ کو خاموش رہنا چاہئے۔ میں ان سے بات کرنے آیا ہوں...... اور ان ہی سے جواب چاہتا ہوں۔ آپ ناحق درمیان میں ٹپک پڑتے ہیں۔ اس طرح گفتگو میں بدمزگی اور طوالت پیدا ہو جاتی ہے میں صرف دو باتوں میں معاملہ ختم کر دینا چاہتا ہوں۔''

سرور نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا دادا درا آپ صرف سنتے ہی جایئے۔'' چنانچہ اس ترکیب سے اس ناگ چشم بوڑھے نے سرور کو میری امداد سے عارضی طور پر محروم کر دیا۔ مجھے خاموش ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے بڑا ہی عجیب اور منحوس معاملہ پیش کر دیا

''تمہیں خودکشی کر کے اس چکر کو ختم کر لینا چاہئے۔''

''خودکشی...... اور پھر...... میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔''

اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا

دوست تمہاری روح ایک بھیانک اور خطرناک چکر میں پھنس گئی ہے۔ جب تک آپ زندہ ہیں نہ یہ چکر ختم ہوگا اور نہ سکون حاصل ہوگا...... اگر تم یہ کہو کہ چکر کون سا ہے تو خود اپنے ماضی پر غور کرو...... تمہاری منکوحہ بیوی کی موت...... بستی کے لوگوں کی مخالفت...... تمہاری بیٹی کی ہلاکت اور اس لال مکان کی آتش زدگی جسے تمہارے بزرگوں نے معقول رقم خرچ کر کے تیار کیا تھا اور پھر صحرا نوردی یہ چکر نہیں تو اور کیا ہے......''

میں نے جو اس کی بات کو سنا تو میرا دل دھڑکنے لگا میں نے جرأت کر کے کہا۔

''اگر ناگوار نہ ہو تو میں کچھ عرض کروں۔''

اس نے میری طرف گھورا...... آپ ذرا اپنی چونچ بند ہی رکھیں تو اچھا ہے...... میں ابھی چلا جاؤں گا۔''

اس کے بعد بوڑھا دوبارہ سرور کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''اور وہ لڑکی...... شاید سلمٰی...... جو آپ سے...... خیر...... ایک منحوس بڑھیا بھی اس گھناؤنی سازش میں شریک ہے۔ جوان لڑکی بار بار نوجوانوں کی انمول زندگی سے ہلاکت آفرین کھیل کھیلتی ہے۔ وہ اپنی پرفریب محبت کا سودا کرتی رہتی ہے...... پرفریب سودا...... بظاہر وہ محبت کے معاملے میں نرم اور معصوم نظر آتی ہے...... لیکن یقین کرو اس کا دوسرا رخ نہایت ہی خطرناک ہے۔ وہ کوا ہے؟ شاید تم یہ نہیں جانتے اور نہ اسے جان سکتے ہو... اس نے اپنی محبت کا مکر و فریب سے بھرا ہوا جال تم پر پھیلا دیا ہے۔ وہ تمہارے دل و دماغ پر چھا چکی ہے... اب اس جال سے نکلنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم ان کی محبت کے بعد خودکشی کر لو۔ اس طرح وہ اپنے مقصد میں ناکام رہ جائے گی اور تمہاری روح اذیت سے محفوظ ہو جائے گی اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو کہ پھر تمہارا

خواتین قلمکاروں کی پراسرار کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

خوفناک کہانیاں

کراچی

خواتین کا پہلا منفرد رسالہ

☆ خواتین لکھاریوں کی لرزہ براندام اور انگشت بدنداں کر دینے والی تخلیقات

☆ خوفناک، وحشت ناک، پُراسرار اور دہشت ناک کہانیوں کا عجائب خانہ

☆ اسرار و تجسس کے حیرت کدہ سے رُونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات

☆ ایسے ماورائی قصے اور داستانیں، جسے عقل انسانی تسلیم نہیں کرتی

☆ انہونے، انوکھے اور ماورائی واقعات جن کی عقلی دلیل اور توجیہہ پیش نہیں کی جاسکتی

☆ خواتین کی عجوبہ روزگار کہانیوں، قصوں اور فروگذاشت پر مبنی پہلا رسالہ

☆ اس کے علاوہ رسالے کے چند مستقل اور معیاری سلسلے، خواتین کے قلم سے

ناقابل فراموش: ۔زندگی میں پیش آنے والے ایسے واقعات جنہیں بھلایا نہیں جاسکتا

روحانیت: ۔عمل نورانی کے کرشمے، ارواح خبیثہ اور شیطانی قوتوں کا سدباب

رنگ دھنک: آپ کی اپنی پسندیدہ بیاض سے دل فگار اور منفرد اشعار کی ضوفشاں

خواتین اپنی کاوشیں اور نگارشات فوری ارسال فرمائیں تاکہ آنے والے شمارے میں جگہ پاسکیں۔

بہت جلد آپ کے قریبی بک اسٹال پر دستیاب ہوگا

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ خوفناک کہانیاں نورانی آرکیڈ، میزنائن فلور،

رتن تلاؤ نمبر 3 اردو بازار کراچی، فون نمبر 32711915

روح بھی اس چکر سے نجات حاصل نہ کر سکے گی.....

اس کی محبت ایک پوشیدہ فریب ہے۔ اس کی باتیں جادو ہیں..... اس کے وعدے..... وہ محض وعدے ہیں.....''

اس کے بعد وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔

''خود غور کرو کہ تمہیں اس کے طفیل اب تک کس قدر حوادث کا شکار بننا پڑا ہے۔''

خودکشی کرو.....اور نجات حاصل کرلو.....

میں جوش کی حالت میں کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ ''زندگی کو موت سے بدلنا حماقت ہے تم اس جگہ سے فوراً نکل جاؤ.....ابھی چلے جاؤ.....''

میں نے گھنٹی بجا کر ہوٹل کے ملازم کو طلب کیا۔

''ان کو کمرہ سے باہر کردو.....''

اس وقت اس بوڑھے کا چہرہ غصہ میں تمتما اٹھا لیکن اس نے کرسی چھوڑ دی اور کسی زہریلے ناگ کی طرح تاؤ کھا کر اس جگہ سے باہر چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد ہم دونوں پانچ منٹ تک بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ اس وقت یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہمارے کمرہ میں شیطان گھس آیا تھا۔

ملازم دوبارہ واپس آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''جناب آپ نے اس کو ناراض کر کے اچھا نہیں کیا یہ بڑا خطرناک انسان ہے۔ شام کے لوگ تو اس کی شکل دیکھ کر ڈر جاتے ہیں.....خدا خیر کرے.....''

سرور نے کہا۔ ''بوڑھا ہے، ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔''

ملازم نے کہا۔ ''جناب یہ بوڑھا تو ضرور ہے.....لیکن یہ کچھ ایسی قوتوں کا مالک ہے کہ جن کو آج تک سمجھا نہیں جا سکا۔''

میں نے۔ ''تم کیا بکتے ہو.....وہ تو کہتا تھا کہ خود کو ہلاک کرلو اور ابھی مر جاؤ.....کیا کوئی اس کے اس مشورے کو قبول کر سکتا ہے۔''

''وہ یہ کہتا تھا.....'' ملازم نے پوچھا۔

''ہاں ہاں۔ وہ یہی مطالبہ کر رہا تھا کہ فوراً خودکشی کرلو۔ بلاوجہ کوئی کس طرح جان دے سکتا ہے۔ موت کا مطالبہ اپنی جگہ نہایت ہی عجیب تھا۔''

بوڑھا پورے اطمینان اور بڑے وقار کے سا اس جگہ سے باہر جا چکا تھا۔ اس کی آمد نے سنس پھیلا دی تھی وہ اگرچہ جا چکا تھا مگر پھر بھی ہم بے اطمینا کے عالم میں تھے۔

میں نے سرور سے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھا ہمارا دشمن ہے اس وقت تک جو کچھ بھی ہوا مجھے تو اسی کی شرارت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا ہم کو ا کے شر سے بچائے۔''

سرور نے کہا۔ ''دادا۔ اس کا بس ایک ہی علا ہے وہ یہ کہ میں خود اس کو مار ڈالوں۔ اس طرح تمام قص پاک ہو جائے گا۔''

''نہیں نہیں سرور..... ابھی یہاں تک مس سوچو..... ہو سکتا ہے کہ ہم اسے ہلاک کرنے میں ب ناکام رہ جائیں.....اگر اسے اس کا ڈر ہوتا تو وہ اس جگ آنے کی کس طرح جرأت کر سکتا تھا وہ یقیناً خود پر کا بھروسہ رکھتا ہے۔''

شام کے چار بجے کے بعد ہم ہوٹل سے باہر آ حبس کم ہو چکا تھا اور سورج کی وہ حدت بھی باقی نہ تھی بیروت کی سڑکوں پر آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ لحہ بہ رونق میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جو لوگ دھوپ سے محفوظ رہ کے لئے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے تھے۔ انہوں خرید و فروخت کے سلسلے میں باہر نکلنا شروع کر دیا تھا۔ ش سے تھوڑے فاصلے پر جنوب کی طرف مسمار شدہ شہر آثار پھیلے ہوئے تھے۔ ہم نے بھی اسی سمت کا رخ کر لیا اس تباہ شدہ بستی کے متعلق عام روایت یہ تھی کہ وہ آ عذاب آسمانی کے باعث تباہ ہو چکی ہے۔

ایک فرلانگ راستہ طے کرنے کے بعد ایک اونچا سا پرانا گنبد نظر آنے لگا۔ کھنڈرات اس گنبد اپنے درمیان میں لئے ہوئے تھوڑے سے حصے میں پھیلے ہوئے تھے۔ راستہ میں ہم کو دو اور آدمی بھی مل گئے۔ وہ بھی اسی طرف جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے بتلایا کہ شہر بیروت اگرچہ قدیم ہے لیکن اس

... کے سینکڑوں برس کے بعد یہ آباد ہوا تھا۔ ... لوگ ہر روز وہاں پہنچ جاتے اور انسانی ... اس قدیم ترین آثار کو دیکھ کر درس عبرت ... کرتے اور کانپ جاتے تھے۔ وہاں دو چار ... بھی تھے جو حال ہی میں بنائے گئے تھے۔ ان ... صرف وہ لوگ رہتے تھے جو غیر ملکی سیاحوں اور ... لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ ان کو اس شہر کی ... بہت کچھ معلوم تھا...... اور شاید انہوں نے بہت ... باتیں اس کی داستان کو عجیب بنانے کے لئے اپنی ... سے بھی شامل کرلی تھیں۔

چنانچہ کچھ دیر کے بعد ہم وہاں پہنچ گئے۔ بڑے ... بھاری ترشائی کے پتھر ہر طرف پڑے تھے۔ کہیں ... دیوار سی کھڑی تھی اور کسی جگہ کوئی پتھر کا بنا ہوا شکستہ سا ... ستون نظر آرہا تھا۔ میں نے اس میدان پر نظر ڈالتے ... دیکھا۔

”اللہ اللہ یہ کتنا خوب صورت شہر ہوگا...... تہذیب کے اولین دور میں اس جگہ کی رونق پورے شباب پر ہوگی۔ ... انقلاب زمانہ ہے کہ آج ہم ایک بارونق شہر کی جگہ اینٹ پتھروں کے ڈھیر دیکھ رہے ہیں“ وہاں پہنچنے کے بعد ہمیں اور لوگ بھی مل گئے جو چھوٹی چھوٹی ٹکریوں کی صورت میں وہاں گھوم رہے تھے۔ ہم پتھر کے بنے ہوئے ایک بڑے چبوترے پر بیٹھ گئے۔ اس میدان میں صرف گنبد کے علاوہ ایک بھی عمارت ثبت نہ تھی۔ پتھروں پر پانی کے آثار نظر آرہے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ شہر طوفان نوح سے پہلے آباد کیا گیا تھا۔

اس جگہ ایک بہت پرانا درخت بھی موجود تھا جسے مقدس خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے متعلق عام یہ مشہور ہے کہ اس کے سایہ میں کئی بزرگ عبادت کرچکے ہیں...... پھیلے ہوئے پتھر اور سنگریزوں کا رنگ سیاہ پڑگیا تھا کیونکہ وہ ہزاروں برس سے کھلی فضا میں بکھرے پڑے تھے۔ ہم کافی دیر ویران کھنڈروں کو دیکھتے رہے...... ایک صاحب اور بھی ہمارے ساتھ مل گئے تھے۔ ان کو تاریخ پر کافی عبور حاصل تھا اسی لئے وہ اس جگہ کی ہر شے پر روشنی ڈال رہے تھے۔ ہماری واپسی تقریباً آٹھ بجے ہوئی...... کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سرور کو کچھ ٹھیک حالت میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”سرور ہمیں اب بیروت چھوڑ دینا چاہئے...... وہ ناگ چشم بوڑھا خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم پر کسی قسم کا دبال آجائے۔“

سرور نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ”دادا ہم لوگ پوری طرح ظلم کے شکار ہوکر در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں اب وہ ہمیں کیا برباد کرے گا۔“

”بلاوجہ اس جگہ قیام کرنا اور خطرے میں رہنا دانشمندی نہیں ہے ہم سب کچھ تو دیکھ چکے ہیں...... اس جگہ پڑے پڑے کیا لیں گے۔“

چنانچہ اس وقت میں نے اس طرح سرور کو سمجھایا کہ وہ سفر کے لئے تیار ہوگیا اور اس نے مجھے صبح ہوٹل چھوڑ دینے کا وعدہ کرلیا۔ کافی رات گئے تک ہم جاگتے رہے...... اس کے بعد سرور اپنے پلنگ پر دراز ہوگیا۔ میری آنکھوں سے نیند غائب تھی اور رہ رہ کر یہی خیال پیدا ہوتا تھا کہ کہیں ناگ چشم بوڑھا اس جگہ نہ آجائے اس کی باتوں سے اس کی نیت کا پتہ چل چکا تھا۔

دوسرے روز ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا اور بیروت سے رخصت ہوکر ملک شام کے ایک دوسرے شہر میں پہنچ گئے۔ اور ایک ماہ بعد ہم یافہ میں پہنچ گئے۔ سرور نے اس جگہ ڈیڑھ ہفتہ قیام کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ ہم اس جگہ بھی ہوٹل میں ٹھہرے۔ ہمارے قریب کے کمرہ میں ایک مختصر سا خاندان مقیم تھا۔ وہ لوگ نہایت ہی خلتیں واقع ہوئے تھے۔ ان میں ایک آٹھ سالہ بچی تھی۔ جو اپنی توتلی زبان سے اس طرح باتیں کرتی کہ سرور کی بے اختیار ہنسی نکل جاتی کمروں کے قریب کی وجہ سے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس طرح سرور کی طبیعت کسی قدر بہل گئی۔

ہمیں اس جگہ آئے ابھی چار روز ہوئے تھے کہ ایک شام ساتھ والے کمرہ میں رہنے والے نے ہم کو ایک عورت کی کہانی سنائی۔

اس وقت وہ لوگ بھی ہمارے کمرہ میں بیٹھے تھے..... اس نے بتلایا کہ آج اس نے ایک نہایت ہی عجیب عورت دیکھی ہے۔ جو بہت بوڑھی ہے اور اس کے تمام جسم پر آبلے سے پڑے ہوئے ہیں اس کے جسم کی کھال لٹکی ہوئی ہے..... اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس نے اپنے لئے ایک ٹوٹی قبر کو ٹھکانہ بنالیا ہے۔

اس نے کہا۔ جب مجھے چند لوگوں سے ہوش ربا بوڑھی عورت کی نسبت معلوم ہوا تو میں اکیلا اس کو دیکھنے کے لئے روانہ ہوگیا۔ قبرستان زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کے جنوبی حصے میں ایک مقام پر قریب قریب تین پرانے درخت ہیں۔ جن کے موٹے موٹے تنے کسی محل کے ستون کی طرح سیدھے چلے گئے ہیں۔ ان کے درمیان ایک شکستہ قبر ہے وہ نہ جانے کس کی ہے..... جب میں وہاں پہنچا تو اس جگہ کافی آدمیوں کو موجود پایا۔ وہ بھی میری طرح اس کو دیکھنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے بھی کوشش کر کے خود کو آگے بڑھایا اور پھر دیکھنا شروع کیا۔

ایک بوڑھی عورت جس کے نحیف و لاغر جسم کی سیاہ کھلا اس طرح لٹکی ہوئی تھی۔ گویا کہ اس نے ہڈیوں کو پھوڑ دیا ہے۔ عورت سر جھکائے بیٹھی تھی اس کی پشت کی ہڈی اونٹ کے کوہان کی طرح ابھری ہوئی تھی۔ لباس پھٹا پرانا تھا جسم کا کافی حصہ کھلا ہوا تھا اس پر آبلے نظر آرہے تھے لوگ خاموشی کے عالم میں اس جگہ کھڑے اس کو دیکھ رہے تھے میں بھی دیکھتا رہا۔ یکا یک اس نے میری توقع کے خلاف آنکھیں کھول دیں اور ہماری طرف دیکھا۔

عورت اگرچہ بوڑھی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں بلا کی سی چمک موجود تھی۔ اچانک اس نے قبر میں سے پتھر اٹھائے اور ان سے ہم کو مارنا شروع کردیا۔ شاید اس نے اس جگہ پہلے ہی سے جمع کر لئے تھے وہ پاگلوں کی طرح پتھر برسا رہی تھی اور تماشائی بدحواسی میں بھاگ رہے تھے۔ بڑھیا کے بڑھتے ہوئے اشتعال کو دیکھ کر مجھے بھی وہاں سے ہٹنا پڑا۔

کچھ دیر تک اسی قسم کا ہنگامہ برپا رہا لوگ بھاگ اور جمع ہوتے رہے۔

اس وقت میرے دماغ میں یہ خیال چکر لگا تھا کہ وہ ٹوٹی ہوئی قبر میں کیوں رہتی ہے اور پتھروں سے لوگوں کو کس لئے مارتی ہے..... غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ یقیناً پاگل ہے۔

اس شخص نے کہنا شروع کیا۔ میرا خیال تھا کہ کوئی مجذوب عورت ہے۔ لیکن جو لوگ اس کو بار بار دیکھ چکے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے اور بعض اوقات بڑی عقل کی بات بتلا جاتی ہے..... جو مزید معلوم ہوا وہ صرف یہ ہے کہ اسی قبرستان میں کوئی بوڑھا بھی ہے۔ جو محض رات کو بلکہ اندھیری رات کو گھومتا نظر آجاتا ہے..... آج تک کسی نے بھی اس کو روشنی میں نہیں دیکھا۔ ان دونوں میں لڑائی شروع ہوجاتی تھی اور اس وقت قبرستان جیسے خاموش مقام پر ہنگامہ پر شور سنا جاتا ہے۔

سرور نے کہا۔ ''تو آپ نے اس بوڑھے کے متعلق کچھ معلوم نہیں کیا۔'' سرور نے پوچھا۔

''کوشش کی تھی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کے متعلق ابھی تک کوئی کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور میرا رات کے وقت اس طرف جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

کافی دیر تک اس بڑھیا اور نہ نظر آنے والے بوڑھے کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس وقت میں یہ سمجھ لیا کہ سرور کے دل میں اس کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا ہے..... کیونکہ وہ کرید کرید کر بہت کچھ دریافت کر تھا۔

☆.....☆.....☆

دوسرے روز سرور مجھے اپنے ہمراہ لے کر علی قبرستان میں پہنچ گیا صبح کا وقت تھا۔ سورج کو طلوع ہوئے تھوڑا ہی وقت ہوا تھا۔ سبزے کی نوکوں پر شبنم قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ درختوں شاخوں پر پرندے چہک رہے تھے۔ بے شمار قبرو

اند دیوار نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ ہر طرف اداسی، گہری خاموشی...... اور دل ہلا دینے والی ویرانی نظر آ رہی تھی۔ قبریں قطار در قطار چلی گئی تھیں جگہ جگہ پتھر کے بنے ہوئے خوب صورت مزار بھی تھے۔ ٹوٹی پھوٹی قبروں کی بھی کمی نہ تھی۔

نہ جانے ان میں کون کون بے خبر سو رہے تھے۔

اس جگہ پہنچ کر انسانی زندگی کا انجام میری آنکھوں میں گھوم گیا۔ ہم خواہ سو برس زندہ رہیں لیکن فنا اور آخر فنا...... جس طرح آج یہ لوگ دنیا و مافیا سے بے خبر اس جگہ پڑے سو رہے ہیں۔ ہمیں بھی ان کے ساتھ شریک ہونا پڑے گا۔

سرور بھی خاموش تھا...... وہ بھی اس جگہ پہنچ کر میری طرح متاثر ہو چکا تھا۔ ہم دونوں بڑی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھتے جا رہے تھے...... ایک گڑھے میں مردوں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔

قبروں کی حرمت کے پیش نظر ہم بھی بچتے بچاتے آگے بڑھتے رہے۔

سرور نے اپنے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔

''دادا...... صبح کا وقت میں نے محض اس لئے پسند کیا ہے تاکہ ہم اطمینان کے ساتھ اس بڑھیا کو دیکھ سکیں...... کیونکہ ابھی لوگ نہیں آئے ہوں گے۔''

میں نے کہا۔ ''سرور یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس بڑھیا کو تو پاگل تصور کیا جاتا ہے۔ اور وہ ضرور ایسی ہے ورنہ ایک زندہ ہستی کو قبر کے اندر رہنا نہ چاہئے تھا اس کے علاوہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ حسب عادت ہم پر بھی پتھروں کی بارش شروع کردے۔''

اب ہم اس جگہ سے زیادہ دور نہ تھے۔ تینوں اونچے درخت نظر آ رہے تھے۔ سرور نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دادا میرا خیال درست نکلا۔''

''دیکھئے نا۔ اس طرف تو ایک آدمی بھی نظر نہیں آتا......''

''جی ہاں......''

چنانچہ ہم وہاں پہنچ گئے اب ٹوٹی ہوئی قبر ہماری آنکھوں کے سامنے تھی۔ ایک سیاہ جسم کی ابھری ہوئی پشت ہم دیکھ رہے تھے۔ سرور نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموشی کے لئے کہا اور ہم دبے پاؤں اس طرف بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ اس ٹوٹی ہوئی قبر کے پاس پہنچ کر ٹھہر گئے...... ہم کو اس جگہ پہنچے بہ مشکل پانچ منٹ ہوئے تھے کہ اس پراسرار بڑھیا نے اپنے سر کو اٹھا کر ہماری طرف دیکھا میں جھجک کر ذرا پیچھے ہٹ گیا خیال تھا کہ کہیں وہ اپنی عادت کے مطابق پتھراؤ شروع نہ کردے۔

سرور جس جگہ کھڑا تھا وہ اسی جگہ کھڑا رہا...... ہم دونوں کی نظریں اسی طرف لگی ہوء تھیں۔

''ام الاجل......'' حیرت بھرے لہجے میں سرور نے کہا۔

واقعی وہی عورت جو ہماری بستی میں ام الاجل کے نام سے مشہور تھی اسی وقت قبر میں بیٹھی سرور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔ وہ تیزی سے دور ہوتی معلوم ہوئی۔ سرور کے دل سے خوف دور ہو چکا تھا وہ جرأت کر کے آگے بڑھا اور آہستہ سے کہا۔

''آپ؟''

''ہاں میں...... تم یہاں آ گئے؟''...... اس کے بعد وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی...... ''اچھی طرح سمجھ گئی...... بوڑھا شیطان...... وہ ابھی تک دشمنی پر تلا ہوا ہے۔''

میں نے جو اس کی زبانی یہ فقرے سنے تو حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ پاگل نہیں تھی بلکہ جو لوگ اسے پاگل سمجھتے ہیں وہ خود ہی پال ہیں۔ سرور نے اس وقت معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''بیٹھ جاؤ......''

''سرور لب گور بیٹھ گیا۔ اب میرے دل سے بھی خوف دور ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں بھی اس کے پاس بیٹھ گیا...... سرور نے اپنا ایک بازو قبر کی طرف دراز کر دیا۔''

''یہ آپ کی انگوٹھی......''

بے شک ملکہ سیمی رامیس کی انگوٹھی......

''لیکن ابھی تک اس سے ملاقات نہیں ہو سکی۔''

ہو ہو ہو...... قہ قہ قہ...... ہو ہو ہو......

وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑے ہنس رہی تھی۔

''نہیں ملی؟ اس نے بغور سرور کی طرف دیکھا اور سرور نے جواب میں سر کو نفی میں ہلا دیا۔

''جی نہیں۔''

''ملے گی..... اور ضرور ملے گی۔'' ام الاجل نے کہا۔ ملکہ سیمی رامیس ایک باوفا اور باوقار عورت ہے۔ اس دور میں ملکہ نہ ہوتے ہوئے بھی وہ ملکہ ہے ملے گی اور یقیناً ملے گی۔ انتظار کرو..... ابھی اور انتظار کرو.....''

''قہ قہ قہ..... کیوں تھک گئے.....''

''نہیں نہیں۔ میں تھکا تو نہیں اور نہ مرنے سے پہلے ہمت ہارنا چاہتا ہوں۔''

''مرنے سے پہلے'' ام الاجل نے کہا۔ ''موت..... جس کا دوسرا نام ہلاکت بھی ہے..... فنا بھی..... فنا..... اس کا نام مت لو..... ورنہ بازی ہار جاؤ.....'' اس نے زندہ رہنے کی کوشش کی..... اور تم بھی زندہ رہنے کی کوشش کرو..... سیمی رامیس ملے گی اور ضرور ملے گی ہزاروں برس تک انتظار کرنے والی پرجلال ملکہ..... یقین کرو اسے بے وفا نہیں کہا جاسکتا۔''

اس وقت میرا دل دھڑکنے لگا..... خدا خدا کر کے اس ملکہ کے خبط کو اس کے دل و دماغ سے دور کیا تھا۔ اس چڑیل بڑھیا نے اس کی یاد کو دوبارہ تازہ کر دیا..... ابھی سلمیٰ کا غم تازہ تھا۔

میں نے اس بات کو ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

''یہ آبلے کیسے ہیں؟''

بڑھیا کی دونوں آنکھوں میں غصہ بھر آیا۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''بس ہیں..... یوں ہی سمجھ لو..... لوگ اگرچہ مجھے ام الاجل کہتے ہیں..... لیکن میں خود ہلاکت کے پنجہ فنا میں پھنسی ہوئی ہوں۔''

اس کی آنکھوں کی چمک دفعتاً غائب ہونے لگی۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا..... ''کسی مظلوم پر انسانیت سوز ستم ڈھائے جا رہے ہیں۔''

میں نے پوچھنا چاہا کہ مظلوم کون ہے اور ظالم کون!

اس نے میری بات کو سنا لیکن جواب نہ دیا بلکہ اس کے بعد وہ قبر سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے دونوں بازو دائیں بائیں پھیل گئے..... وہ چلانے لگی..... ''شیطانی دشمن یقیناً تباہ ہوگا۔ وہ دو محبت بھرے دلوں کے درمیان فولاد کا پہاڑ بن کر حائل ہو چکا ہے لیکن کب تک..... آتش محبت کی حرارت۔ آہ سوزوں کی خلش ایک نہ ایک دن اس پہاڑ کو بھی ریزہ ریزہ کر دے گی۔

محبت و نفرت کی جنگ جاری ہے..... مجھے امید ہے کہ فتح صرف محبت کی ہوگی کیونکہ پاک محبت ایک عظیم ترین وقت کو جنم دیتی ہے اور نفرت..... نفرت محض اس جذبے کا ناپاک نام ہے جو کمزوری اور ہلاکت کو پیدا کرتا ہے جو فنا کی نحوست کو وسعت دیتا اور ہمدردی کو تباہ کر دیتا ہے.....

میں محبت کرنے والوں کی طرف دار ہوں.....

میرا میرا بدترین دشمن..... وہ نفرت و افتراق پسند کرتا ہے ایسی حالت کے باعث ہم دونوں میں نہ ختم ہونے والی عداوت قائم ہے۔

اس کے بعد ام الاجل کا جوش و خروش اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ سچ مچ پاگل ہوگئی۔ اس نے ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے جھک کر اس قبر سے پتھر نکال لئے۔

ہم وہاں سے ہٹ گئے۔

میں نے سرور سے کہا۔ ''بیٹا اس بڑھیا کا موڈ بگڑ گیا ہے۔ آؤ اب واپس چلیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان پتھروں سے زخمی ہو کر اس جگہ گر پڑیں۔''

''ٹھیک ہے دادا.....''

اس کے بعد ہم تیزی سے قدم بڑھا رہے تھے۔

سورج کافی بلندی پر پہنچ چکا تھا۔ اس وقت جب کہ ہم قبرستان کی حدود میں سے باہر نکل رہے تھے کچھ آدمی سامنے سے اس طرف آتے ہوئے نظر آئے میں نے ان کو دیکھتے ہی سرور سے کہا شاید یہ لوگ بھی ام الاجل سے ملنے آرہے ہیں۔

''ہاں دادا..... میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن
یا اس وقت بے حد برہم ہے ہوسکتا ہے وہ ان میں
چھ لوگوں کو زخمی کردے۔''

پس ہم نے آگے بڑھ کر چند آدمیوں کو روکنا
ہا اور ان کو منع کیا کہ وہ اس وقت اس طرف نہ
ئیں..... لیکن وہ رکے نہیں.....

میں نے کہا چلو سرور واپس چلیں۔ یہ نہیں مانتے
نہ مانیں وہ خود ان کا مزاج درست کردے گی۔

ہم نے راستے میں اور بھی ایسے لوگوں کو دیکھا
ن کو محض ام الاجل کی دید کا اشتیاق قبرستان کی
ف کھینچے لئے جارہا تھا واپسی پر ہم کو یہ پتہ چلا کہ
اس ہوٹل میں ایک امریکی گروہ آج ہی آیا ہے جن
لئے عمارت کے پانچ بڑے کمرے ریزرو ہوچکے
یں۔

اسی روز شام کے وقت پڑوس والے کمرے
یں دوست نے اپنی پہلی ہی ملاقات میں ہم کو یہ بتلایا
لہ جو لوگ آج اس جگہ آئے ہیں وہ ایک فلم کمپنی سے
وابستہ ہیں شوٹنگ کے لئے چھ ماہ کے واسطے اس طرف
ئے ہیں لیکن اتفاق سے ان کے مالک کی موت
واقع ہوگئی ہے اسی لئے ان کی تصویر بھی ادھوری رہ گئی
ہے۔

اس بات کو سنتے ہی میرے دل میں یہ خیال پیدا
ہوا کہ کہیں یہ وہی لوگ تو نہیں کہ جن سے میں پہلے مل چکا
ہوں۔ جن کی میرا بھتیجا زید رہنمائی کررہا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا۔ ''جو امریکن مرا ہے
اس کا نام مسٹر اسمتھ تو نہیں تھا۔''

''جی ہاں..... آپ کو خوب یاد آیا..... مسٹر
اسمتھ ..... یہ لوگ اس کی موت کے باعث سخت پریشان
ہیں اور اب وہ اسکندریہ جانے والے ہیں جہاں سے
جہاز کے ذریعے اپنے ملک واپس لوٹ جائیں گے۔''

☆.....☆.....☆

دو روز کی کوششوں کے بعد میں نے امریکیوں
تک رسائی حاصل کرلی۔ ان میں دو ایسے آدمی بھی تھے
جو مجھے دیکھ چکے تھے۔ میں نے اپنی ملاقات کے دوران
میں ان کو بتلایا کہ ''میں اس سے قبل تم لوگ فلاں
کھنڈروں میں میں دیکھ بھال کررہے تھے۔ مسٹر اسمتھ
سے مل چکا ہوں..... تمہارا گائیڈ زید میرا بھتیجا تھا۔''

تھوڑی دیر کی گفتگو بخیریت ختم ہوگئی۔

تیسرے روز سرور کی موجودگی میں اس گروہ کے
کیمرہ مین نے جو داستان بیان کی وہ بڑے حیرت انگیز
اور نہایت ہی ہوش ربا تھی۔

ہم دونوں بت بنے ہوئے خاموشی سے اس
سرگزشت کو سننے میں محو ہوگئے۔ ہم نے کیمرہ مین سے
مسٹر اسمتھ کی موت کے حالات معلوم کئے تھے۔

مسٹر اسمتھ ابھی جوان اور اچھی صحت کے مالک
تھے۔ ان کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ مرجائیں گے.....
سوچنا بھی حماقت تھا۔

چنانچہ کیمرہ مین نے اپنی دکھ بھری آواز میں
بیان کرنا شروع کیا۔

''ہم لوگ ایک کارواں کی تلاش میں تھے.....
محض اس لئے کہ ہم اس لڑکی کا رقص دیکھنا چاہتے تھے جو
ہر سال ایک بت کے سامنے ناچتی ہے اور جب وہ ناچتی
ہے تو اس کے اثر سے پتھر کے بت کی آنکھوں سے آنسو
گرنے لگتے ہیں۔

مسٹر اسمتھ نے وہ تاریخ معلوم کرلی تھی اور ہم
لوگ ایک ہفتہ قبل اس مقام پر پہنچ چکے تھے۔ مسٹر زید
بھی ہمارے ساتھ تھا اس نے وہاں پہنچ کر آپ کو تلاش
کرنے کی کوشش لیکن ناکام رہا..... اس کے بعد ہم
نے اس کو رنجور اور آرزدہ پایا۔ وہ صرف آپ کے
لئے پریشان تھا ہم کو اس کی زبانی یہ معلوم ہوچکا تھا کہ
جس مکان میں تم لگ رہتے تھے وہ جل کر راکھ ہوچکا
ہے۔ زید کی خواہش یہ تھی کہ کسی ذریعے بھی آپ کی
خیریت معلوم ہوجائے لیکن وہ اس معاملے میں ناکام
رہا۔

اس کے بعد ایک رات جب کہ ہر طرف چاندنی
چھائی ہوئی تھی، موسم نکھرا ہوا تھا، آسمان پر بدر کامل قرص

نور بنا ہوا نظر آرہا تھا، نیلی چادر کی آغوش میں ٹمٹمانے والے ستارے حیرت سے زندگی کو تک رہے تھے۔ فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک نور پھیلا ہوا تھا۔ بادِ نسیم کے عطر بیز جھونکے بار بار ان کھنڈروں پر سے گزر رہے تھے۔ جہاں کبھی ایک عظیم الشان سلطنت قائم تھی جس سرزمین پر کبھی حمورابی اعظم نے دنیا کو پہلی مرتبہ قانون عطا کیا تھا۔ جہاں نمرود نے خدائی کے ڈنکے بجائے تھے۔

ہم لوگ ایک مندر کے سامنے خیمہ زن تھے۔ ہم اس پتھر کے عظیم بت کو دیکھ چکے تھے۔ یہ مندر کے شکستہ دروازے کے پاس تھا اور ہم نے یہ بھی معلوم کرلیا تھا کہ اس مندر میں زمین دوز تہہ خانہ بھی ہے لیکن ہم میں سے کوئی بھی اس میں داخل ہونے کی محض اس لئے جرأت نہیں کرسکا کیونکہ اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ اس تہہ خانے میں ہزاروں برس سے زہریلی گیس جمع ہے اگر کوئی نیچے اترنے کی جرأت کرتا تو وہ زہریلی گیس کی وجہ سے یقیناً ہلاک ہوجاتا۔ اس رات نوجوان اسمتھ بہت خوش تھا اس کو یقین تھا کہ اس رات اس شکستہ مندر کے پاس سے ایک کارواں ضرور گزرے گا..... اور لڑکی بت کے سامنے رقص کرے گی..... ہمارا پروگرام یہ تھا کہ اس سین کو فلمائیں۔ اس پراسرار لڑکی کے رقص کو کیمرہ کی آنکھ کے ذریعے سلولائیڈ کے سینے پر اتارلیں۔

اسی لئے میں بھی کیمرہ لئے وہاں موجود تھا۔ فلم کی دو ریلیں کام کے لئے میرے پاس موجود تھیں۔ میرا ایک اسسٹنٹ بھی اس وقت میرے ساتھ تھا۔ جو کام مسٹر اسمتھ نے ہمارے سپرد کیا تھا۔ وہ بظاہر دشوار معلوم ہوتا تھا کیونکہ قافلے والے اس پر ناراضگی کا اظہار کریں یا ناچنے والی لڑکی ہی ہم سے بگڑ جائے..... انہوں نے سالار کارواں سے اجازت حاصل کرنا ضروری نہ سمجھا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ خانہ بدوش سردار شاید اس سین کی شوٹنگ کے لئے کسی قیمت پر بھی اجازت نہ دے۔

مسٹر اسمتھ نے تخلیہ میں مجھے سمجھا دیا تھا کہ تھوڑی دیر کا یہ سین ہے اور فلم کے بہت کم حصے پر آسکتا ہے..... کوشش کی جائے تو کام ٹھیک ہوسکتا ہے ہم نے اس قافلے کی آمد سے قبل کیمرہ کو ایک خاص مقام پر فٹ کردیا اس کی آنکھ مجسمہ کی طرف تھی۔

آدھی رات کے بعد ہم نے اس کارواں کو آتے دیکھا وہ لوگ سیدھے اس مندر کی طرف آئے اور اس جگہ پہنچ کر ٹھہر گئے۔

وہ خانہ بدوش سردار ایک بوڑھا آدمی جس کی ریش سفید اس کے سینے پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ اگرچہ بوڑھا ہو چکا تھا لیکن جسمانی صحت کے لحاظ سے وہ قابل قدر انسان تھا۔

میں اپنے اسسٹنٹ کے ہمراہ تیار کھڑا تھا اور محض ڈانس کا انتظار کررہا تھا۔ اچانک ہم نے اس عجیب اور ہوش ربا لڑکی کو بھی دیکھ لیا جس نے اس بت کے سامنے ناچنا تھا وہ اس وقت پھولوں اور درختوں کے بڑے سبز پتوں کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ بے حد خوبصورت اور حسین و جمیل نظر آرہی تھی۔ اس کا چہرہ نہایت ہی دلکش تھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی سحر انگیزی موجود تھی۔ اس لڑکی کا قد نہایت ہی موزوں اور جسم فلم میں کام کرنے والے کسی اسٹار کی طرح بالکل موزوں تھا۔

میں کیمرے کے پاس کھڑا اس طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک مسٹر اسمتھ تیزی سے میرے پاس آکر ٹھہر گئے..... ''دیکھتے ہو..... وہ ہے وہ لڑکی کس قدر خوبصورت لڑکی ہے..... کاش وہ ہمارے ساتھ ہالی وڈ چلنے پر تیار ہوجائے تو میں اس کو اپنی پہلی ہی پکچر میں ہیروئن بنادوں..... ہاں تیار رہو۔''

''میں بالکل تیار ہوں۔''

''کس قدر خوب صورت لڑکی ہے..... ایک جنگلی حور معلوم ہوتی ہے۔''

اچانک لے کی دلکش آواز پیدا ہوئی اور اس کے بعد چار لڑکیاں گروہ سے علیحدہ ہوکر اس بت کے سامنے پہنچ گئیں ان چاروں کے ہاتھوں میں دف تھے۔ ان کے سیاہ بالوں پر سنہری تتلیاں چمک رہی تھیں۔ چناں

ا واز کے ساتھ دف بھی بجنے لگے۔ ایک کیف بھرے ساز کی آواز فضا کی خاموشیوں کو چیرتی ہوئی دور دور تک پھیل گئی..... کچھ دیر تک ساز بجتا رہا نہایت ہی دلکش..... سحر انگیز..... اور اس کے بعد ہم نے اس خوب صورت لڑکی کو بت کی طرف بڑھتے دیکھا اس کے ایک ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر تھا۔

''تیار ہو نا.....'' مسٹر اسمتھ نے پوچھا۔

''جی بالکل ریڈی.....''

لڑکی نے خنجر لے کر ناچنا شروع کیا اور میں نے کیمرہ کی آنکھ اس طرف گھما دی..... شوٹنگ شروع ہو گئی اچانک زوردار دھماکہ ہوا۔ کیمرہ اتنے زور سے پھٹا کہ جہاں میں کھڑا تھا وہاں کی زمین بھی لرز گئی اور اس کے ساتھ ہی مسٹر اسمتھ کی چیخ کی آواز سنائی دی۔

کیمرہ تباہ ہو گیا تھا عکس لینے والا شیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا اسی شیشے کے دو نوکدار ٹکڑے مسٹر اسمتھ کے سینے میں دل کے پاس داخل ہو چکے تھے۔ خون کے فوارے نکل رہے تھے۔ اس سے قبل کہ میں اپنی جگہ سے ہٹ کر مسٹر اسمتھ کو سنبھالتا وہ زمین پر گر پڑے۔ خون اتنی تیزی سے نکل رہا تھا کہ گویا فوارہ چھوٹ رہا ہو۔

ناچ جاری تھا ساز بج رہا تھا۔

میں نے اسی وقت اسمتھ کے پاس خود کو پہنچا دیا۔ اس کا جسم بالکل مردہ سا ہو چکا تھا..... میں نے اس کا سر اٹھا کر اپنی ران پر رکھا اسمتھ کو پکارا..... ان کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان میں خوف بھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ چہرہ سبزی مائل ہو گیا تھا۔ منہ سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ میں نے شیشے کے دونوں ٹکڑوں کو باہر نکالا۔

مسٹر اسمتھ کی اس قدر بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ اس کا بچنا دشوار ہے..... نبض کی رفتار بہت ہی مدھم پڑ گئی تھی۔ اچانک کسی نے میری پشت کے پاس پہنچ کر اپنی غصبناک آواز میں کہا۔ ''یہ تم لوگوں نے کیا کیا؟''

میں نے گھبرا کر پشت کی طرف دیکھا.....

کارواں کا بوڑھا سردار قریب کھڑا غصے میں کانپ رہا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں پوچھتا ہوں کہ تم اس ٹوٹنے والے سیاہ رنگ کے چھوٹے سے صندوق کے ذریعے کیا کرنے لگے تھے؟''

''تصویر لینے کا ارادہ تھا.....'' میں نے دبی ہوئی آواز میں سچ بول دیا۔

''تصویر..... اوہ..... وہ بھی اس لڑکی کی..... یہ مر گیا۔ بہت اچھا ہوا..... تم کو ایسی ہی سزا ملنی چاہئے تھی..... تصویر اتارنا..... اور وہ بھی اجازت کے بغیر..... جاؤ اس جگہ سے بھاگ جاؤ، خیر ہوئی جو ایک ہی مرا، ورنہ تم سب بھی اگر ہلاک ہو جاتے تو میں اپنی طرف سے اس پر اظہار حیرت نہیں کرتا..... تم اس لڑکی کی تصویر لینا چاہتے تھے کہ جس کے راز کو آج تک میں خود بھی نہیں سمجھ سکا..... جاؤ۔ بھاگ جاؤ..... اور اپنے ساتھی کی لاش بھی اٹھا کر لے جاؤ۔''

میں نے اس طرف دیکھا۔ ناچ ختم ہو رہا تھا۔ لڑکی جوش میں ناچ رہی تھی۔ اچانک میں نے اسے بت کے قدموں میں گرتے ہوئے دیکھا۔

بلاشک و شبہ اس وقت پتھر کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے گر رہے تھے جونہی رقص ختم ہوا بادل کی گرج سنائی دی..... میں نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا بادلوں کے چوٹے چھوٹے ٹکڑے آپس میں مل کر گھٹا کی صورت اختیار کر کے چمکنے والے نور پاش چاند کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آناً فاناً میں موسم بدل گیا۔ چاند کو بادلوں نے گھیر لیا۔ روشنی تاریکی میں تبدیل ہو گئی۔ موسم نہایت ہی ہیبت ناک ہو گیا۔ بادل کی ہولناک گرج نے منظر کو نہایت ہی بھیانک بنا دیا تھا۔ اس کے بعد بارش شروع ہو گئی آسمان پر تیز روشنی کی لکیر بار بار نمودار ہونے لگی..... بجلی کی چمک نے ہم لوگوں کی نگاہوں میں خیرگی پیدا کر دی۔

بارش کا ری تیز ہو گئی۔ مسٹر اسمتھ کا جسم سرد ہو چکا تھا۔

ہم نے اسے اٹھایا اور اس جگہ سے دور لے گئے..... وہ یقین مر چکا تھا۔ رات بھر موسلا دھار بارش ہوتی رہی..... اس رات وہ طوفان آیا کہ الامان الحفیظ۔

صبح بارش ختم ہوگئی۔ بادل چھٹنے لگے..... روشنی پھیلنے لگی۔ مسٹر اسمتھ کی لاش کو دیکھا گیا اس کا تمام جسم بالکل نیلا پڑ گیا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی تیز زہر سے اس کی موت واقع ہوگئی ہے بارہ بجے سے قبل ہم نے ان کو دفن کر دیا اور صلیب کا نشان ان کی قبر کے پاس لگا دیا اور نام بھی لکھ دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر اس مندر کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں بالکل ویرانی اور سکوت تھا۔ وہاں نہ کارواں تھا..... اور نہ وہ ناچنے والی لڑکی البتہ پتھر کا مجسمہ ضرور موجود تھا جس کی کھلی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ ابھی تک ناچنے والی لڑکی کے انتظار میں کھلی ہوئی تھیں اور شاید انتظار کے بعد پتھرا گئی ہیں۔

ہم نے وہاں پہنچ کر اپنا سامان سنبھالا البتہ کیمرہ کی کوئی شے سلامت نہ تھی۔ وہ اس طرح چور چور ہو چکا تھا کہ گویا اس کو کسی نے اچھی طرح کچل ڈالا ہے۔

کیمرہ مین نے ایک سرد آہ بھری۔ اس کے بعد ہم نے اپنی تصویر کو نامکمل چھوڑ دیا۔ اسی روز فلم کا کافی حصہ خود بخود جل گیا۔

کثیر نقصان کے پیش نظر ہم نے واپسی کا ارادہ کر لیا.....''

سرور نے اس کہانی کو سننے کے بعد میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

☆.....☆.....☆

کیمرہ مین کی سرگزشت سننے کے بعد سلمٰی کی یاد سرور کے دل میں پھر تازہ ہوگئی۔ اس نے مجھے کہا کہ اس شخص نے جس ناچنے والی لڑکی کی داستان سنائی ہے وہ یقیناً سلمٰی تھی..... ایک مرتبہ اس نے خود مجھے بتلایا تھا کہ وہ کسی خانہ بدوش کارواں میں شامل ہے اور میر کارواں کا اس پر بہت احسان ہے..... اسی لئے وہ قصر احمر میں رہنے کے لئے تیار نہ ہوئی۔

میں نے اس کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی صرف اسی لئے کی کہ میں اس پراسرار لڑکی کا سایہ بھی سرور کے لئے منحوس ثابت ہونے والا تھا۔

میں نے کہا بیٹا..... نسرین کا خیال کرو اس غریب نے محض تمہارے اور سلمٰی کے لئے اپنی جان قربان کر دی ہے..... اگر تم نے دوبارہ قرب حاصل کر لیا تو نسرین کی قربانی ضائع جائے گی۔'' سرور ان دنوں مغلوب الغضب ہو چکا تھا۔ میری اس بات کو سنتے ہی وہ جلال میں آ گیا۔

''دادا۔ آپ ایسی دل جلانے والی باتیں نہ کیا کریں۔ میں جانتا ہوں کہ نسرین کو سلمٰی سے کس قدر محبت تھی اور وہ اس کو کس حد تک پسند کرتی تھی۔

نسرین ہمارے سامنے اپنے ماموں کے ہاتھوں محض اس لئے قتل ہوگئی کہ وہ مجھے بچانا چاہتی تھی۔''

''ٹھیک ہے..... اور تم شاید یہ بھول گئے کہ محض سلمٰی کی وجہ سے فیروز اور بستی کے دوسرے لوگ آپ کے دشمن بن گئے تھے۔ اب آپ پھر اس کو تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ نے اس کو تلاش کر بھی لیا تو اس کی بدولت پھر آپ کے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔''

''میں بزدل دشمنوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ دشمر ہمیشہ دشمنی ہی کرتا ہے کیونکہ اس کا یہی فعل ہے..... میر سلمٰی کی غیر فانی محبت کی قدر کرتا ہوں اور نسرین کی موت کے بعد بھی اس کو احترام کی نظروں سے تصور میں دیکھا کرتا ہوں۔ لہٰذا اب میرا یہی فرض ہے کہ میں اسے تلاش کروں۔ خواہ اس کے لئے تمام دنیا نہ چھاننی پڑے۔''

میں نے سرور کی اس قسم کی باتیں سن کر سمجھ لیا تھا کہ اب سرور پر ضد کا بھوت سوار ہو چکا ہے اور وہ باز نہ آئے گا چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔

(جاری ہے)

اوتار

پیا سحر - گجرات

اچانک ایک روز بے شمار زہریلے سانپ کمرے میں بھر گئے اور پھر ان کی پھنکار سے پورا کمرہ گونج رہا تھا اور خوفناک منظر سے گھر والوں کی سٹی گم ہوگئی تھی کہ پھر اچانک ایسا ہوا کہ......

حقیقت پر مبنی بہت ہی دل گرفتہ، دل شکستہ اور دل فریفتہ دل و دماغ کو مبہوت کرتی کہانی

وہ چھوٹی سی بستی میں رہتی تھیں بستی والے انہیں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ انہوں نے جوانی سے لے کر اب تک جس شرافت اور عاجزی سے دن کاٹے تھے ان کی بستی میں مثال نہ ملتی تھی وہ نہ صرف غیر قبیلے سے تھیں بلکہ ان کا دین دھرم بھی بستی والوں سے بہت مختلف تھا ان کے رہن سہن اور چال چلن سے بستی کی دوسری عورتوں کی نسبت وقار اور شرافت ٹپکتی تھی جب جوگندر ان کو بیاہ کر بستی میں لایا تو سپیروں نے بہت مخالفت کی اور جوگندر کو بستی سے نکال دینے کی دھمکی دی ان کے قبیلے کا اصول تھا کہ غیر مذہب کے عورتوں یا مردوں سے شادی نہیں کی جاسکتی تھی جبکہ جوگی نے قبیلے کے اصول کھلم کھلا توڑتے ہوئے سخت نافرمانی کی تھی اوپر سے سینہ زوری بھی کر رہا تھا وہ کسی بھی حال میں مہرو بیگم کو چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔

قبیلہ بدر کرنے کی دھمکی بھی جوگندر پر کارگر ثابت نہ ہوئی تو نہ جانے کیوں قبیلے کے سردار نے اپنے اصول وضوابط کے برخلاف نہ صرف اس کو معاف کردیا بلکہ بستی میں رہنے کی اجازت بھی دیدی جوگی چونکہ فطرتاً بہت اچھا انسان تھا اس نے کبھی کسی کے ساتھ کسی قسم کی برائی یا بداخلاقی نہیں کی تھی بلکہ کبھی کسی کے ساتھ درشتی کے ساتھ پیش نہ آیا تھا اس کی اچھائی کے پیش نظر اس کو معاف کردیا گیا۔

مہرو بیگم سنجیدہ سی خاتون تھیں وہ بستی کے لوگوں سے یہاں تک کہ لڑکیوں بالیوں سے بھی بہت کم ملتی تھیں وہ گھر کے کام کاج سے فارغ ہوکر مالا پر کوئی جاپ کرتی رہتیں یا پھر دن کے مختلف اوقات میں کچھ عجیب عبادت میں مصروف رہتی تھیں جو بستی والوں کو حیرت میں ڈال دیتی۔ لوگوں کے پوچھنے پر جوگی نے لوگوں کو بتایا کہ ''یہ عجیب عبادت نماز ہے اور مہرو کے دھرم کا نام اسلام ہے۔'' لیکن اس نے بستی والوں سے یہ سچ چھپالیا کہ وہ بھی مہرو بیگم کا دھرم اپنا کر اس روشنی سے منور ہو چکا ہے اور چھپ چھپ کر یہ عبادت بجالاتا ہے۔

☆.....☆.....☆

وہ جب بھی اس محلے میں سانپ کا تماشہ دکھانے جاتا تو وہاں کے لوگ اس کو بہت متاثر کرتے وہ کن انکھیوں سے ان کے حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہتا رفتہ رفتہ ان لوگوں کے اطوار وکردار اس کے دل میں گھر کرنے لگے، وہ اپنے لوگوں کا موازنہ ان لوگوں سے کرتا تو ان ہی لوگوں کو ہر لحاظ سے بہتر پاتا اب اس کے دل میں تجسس رہنے لگا جب اس تجسس نے بے چینی کا روپ دھارلیا تو وہ ان لوگوں سے جن سے وہ بے تکلف تھا ان کے دھرم کے بارے میں کرید کرید کر باتیں پوچھنے لگا اس کو یہ سب بہت دلچسپ لگتا مگر نہ جانے کب اس کی یہ معلوماتی کرید اس کے دل کا روگ بن گئی۔

وہ مسلسل بے چین رہنے لگا اس نے سن رکھا تھا کہ کچھ مخصوص قسم کے کلمات اگر پورے دل سے خدا پر ایمان لاکر ادا کئے جائیں تو اس دھرم میں داخل ہوا جاسکتا ہے۔

وہ اکثر مسجد کے سامنے سے گزرتا تو اس کے دل میں خواہش ابھرتی کہ وہ بھی اس گھر میں داخل ہو پھر ایک دن اس کی بے چینی عروج پر پہنچ گئی وہ مسجد کی دہلیز پار کرگیا صاف ستھری مسجد میں صفیں بچھی تھیں سب سے آگے والی صف پر بیٹھے ایک باریش بزرگ ہاتھ میں مالا پکڑے آنکھیں بند کیے زیر لب کچھ بڑبڑا رہے تھے۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر ان کو دیکھنے لگا اور اس کا ذہن دور کہیں خلاؤں میں بھٹکنے لگا کافی دیر گزر جانے کے بعد اس کا پاؤں تھک گیا تو وہ لڑکھڑا گیا جس کی وجہ سے کسی چیز کو ٹھوکر لگی اور آواز پیدا ہوئی۔ وہ دل میں سوچنے لگا جانے اب کیا سلوک کیا جائے میرے ساتھ مجھے اس طرح منہ اٹھا کر نہیں آنا چاہئے تھا۔

اتنے میں بزرگ نے آنکھیں کھولیں تو اپنے سامنے ایک اجنبی کو کھڑے پایا جو بہت گھبرایا ہوا لگ رہا تھا انہوں نے اس کو بیٹھنے کے لئے کہا تو بنا کچھ بولے چپ چاپ ان کے برابر بیٹھ گیا بزرگ اٹھے ایک طرف پڑے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر لائے اور اس کو پیش کیا جسے اس نے کانپتے ہاتھوں سے تھاما اور غٹاغٹ پی گیا جیسے برسوں کا پیاسا ہو۔

جب بزرگ نے اس سے مدعا پوچھا تو وہ یوں گویا ہوا ''آپ کے دھرم کا نہیں ہوں میں مگر دل کھینچ لایا ہے'' یہ کہہ کر اس نے سر جھکالیا۔ بزرگ اس کی بات سن کر مسکرائے اور کہا میں ساری بات سمجھ گیا۔

بزرگ نے اس کو ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اس کو وہاں لے گئے جہاں ایک قطار میں بہت ساری ٹونٹیاں لگی تھیں انہوں نے اس کو وضوع کروایا وضو کرتے ہی اس کے دل کی حالت بدل گئی اس کے جسم وجان میں حسین وسکون کی لہر دوڑ گئی اب اس کا یہ معمول بن گیا تھا جب مسجد خالی ہوتی وہ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوجاتا وہ اس کو قرآن پاک پڑھ کر سناتے لیکن کبھی اس کو باقاعدہ اسلام کی دعوت نہیں دی۔

پھر ایک دن اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ امام صاحب نے بڑے خلوص کے ساتھ

اس کو تمام مراحل طے کروائے اسلام لانے کے بعد اس نے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا وہ اب اپنے قبیلے کی کسی غیر مسلم عورت سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ امام صاحب کے لئے یہ ایک مشکل مرحلہ تھا۔ پیش امام صاحب نے کئی مسلمان گھرانوں میں شادی کا پیغام بھیجا لیکن کوئی ایک نومسلم سپیرے کو اپنی بیٹی دینے کو تیار نہ ہوا تو بالآخر امام صاحب نے ایثار کرتے ہوئے اپنی صوم وصلوٰۃ کی پابند بیٹی سے اس کی شادی کردی۔ اب وہ مہرو بیگم کو لے کر جوگیوں کی پرانی بستی میں گیا جہاں کافی بحث ومباحثے کے بعد وہ مہرو بیگم کو اپنی بیوی کے طور پر منوا پایا۔

☆.....☆.....☆

ایک بے ہنگم سا شور ان کی سماعتوں سے ٹکرا رہا تھا یعنی ان کی پرسکون نیند میں خلل ڈال رہا تھا وہ طبیعت کی کسلمندی کی وجہ سے دیر تک سونا چاہتی تھیں مگر یہ ناگوار شور مخل ہو رہا تھا انہوں نے جمائی لیتے ہوئے کروٹ بدلی اور آہستگی سے آنکھیں کھولیں تو خوف ودہشت نے ان کو مبہوت کرکے رکھ دیا وہ جہاں تھیں وہیں بت بن گئیں کچے کمرے کی بیرونی کھڑکی سے بہت سے لوگ کمرے میں جھانک رہے تھے اور آپس میں باتیں کررہے تھے پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھیں مگر جب انہوں نے لوگوں کی آنکھوں کے تعاقب میں دیکھا تو دھک سے رہ گئیں۔

کمرے میں ہر طرف سانپ ہی سانپ بھرے پڑے تھے تل دھرنے کو خالی جگہ نہ تھی۔ خوف سے ان کی گھگھی بندھ گئی وہ جوگندر کو آواز دینا چاہتی تھیں مگر آواز ان کے حلق میں ہی دم توڑ گئی دل جیسے دھونکنی کی رفتار سے چلنے لگا انہیں اور کچھ نہ سوجھا تو انہوں نے آنکھیں بند کرکے خدا کو یاد کرنا شروع کردیا اس دوران لوگوں کی آوازیں بدستور آرہی تھیں انہی آوازوں میں سے ایک آواز بہت واضح تھی جس کے کچھ جملوں نے مہرو بیگم کو ٹھٹکا دیا۔ کہنے والا کہہ رہا تھا۔

''ناگ دیوتا کا اوتار آنے والا ہے جوگندر کے گھر، جوگندر بہت بھاگیہ شالی ہے جو دیوتا نے اپنے پنے جنم کے لئے اس کو چنا، ہم تو پہلے ہی اس کی اور اس کی پتنی کی بہت عزت کرتے تھے مگر ناگ دیوتا نے تو ان کے مان سمان کو اور بڑھا دیا ہے جئے ناگ دیوتا دھنے ہو تم'' یہ قبیلے کے سردار کی آواز تھی جو اپنی نوعیت کی بہت انوکھی پیشن گوئی کررہا تھا۔

''مگر یہ اتنے سارے سانپ کیوں جمع ہیں یہاں'' ہجوم میں سے کسی نے پوچھا۔ سردار بولا۔

''مورکھ یہ سب دیوتا کے اوتار کو سلامی دینے آئے ہیں وہ جو دیوی مہرو کی کوکھ میں ہے۔''

مہرو بیگم آنکھیں بند کیے ان کی آوازیں سنتی رہیں اور دل ہی دل میں دعا کرتی رہیں۔

اللہ بخش (جوگندر) کا اسلامی نام، ادھر نہ آئے مبادا سانپ اس کو نقصان نہ پہنچادیں رفتہ رفتہ سانپوں کا سمندر چھٹنے لگا سانپ رینگتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگے مہرو بیگم کی جان میں جان آئی حالانکہ سانپوں کا بحر بکراں جاچکا تھا پھر بھی وہ اتنی خوفزدہ ہوگئی تھیں کہ جوگندر کے آنے تک بستر سے نیچے نہ اتریں۔

پھر تو روزانہ یہ ہونے لگا منہ اندھیرے ہی ان کے گھر سانپوں کی بھیڑ لگ جاتی یہاں تک کہ دونوں میاں بیوی نے سانپوں کا خوف دل سے نکال پھینکا مگر مہرو بیگم کے دل میں ایک خلش مسلسل رہی ایمان کی مضبوطی کے باوجود وہ یہ سوچ کر لرز اٹھتی کہ ایک مسلمان کا بیٹا ناگ دیوتا کا اوتار کیسے ہوسکتا ہے وہ ان باتوں کو توہمات سمجھتی تھیں مگر روزانہ گھر میں اُمڈ آنے والے سانپوں کو دیکھتیں تو ششدر رہ جاتیں دل میں خوف کے ساتھ شک بھی پرورش پانے لگتا ایسے میں ان کے سجدے طویل ہوجاتے۔

''اے اللہ اس سے پہلے کہ میرا ایمان ڈگمگا جائے تو مجھے اس اذیت سے نجات عطا فرما'' وہ دعائیں مانگتیں۔

ایک دن آنے والا انوکھا مہمان بھی دنیا میں آگیا جہاں جوگی جوگندر جو کہ مسلم ہونے کے بعد اپنا نام اللہ بخش رکھ چکا تھا خوشی سے نہ سمارہا تھا وہیں مہرو بیگم کے دل میں وسوسے گھر کرنے لگے۔

سانپوں کا تانتا ویسے ہی مستقل بندھا رہتا یہاں تک کہ ننھا مہمان لڑکپن کی حدود میں داخل ہوگیا مہرو نے بیٹے کا نام بہت چاؤ سے الٰہی بخش رکھا مگر جوگندر کسی

مصلحت کے پیش نظر اسے چھوٹا جوگی کہتا تھا۔ مہرو بیگم نے الٰہی بخش کی پرورش اس طرح کی کہ اسے گھر کی دہلیز سے باہر کی ہوا نہ لگنے دی وہ اسے گھر میں ہی دینی تعلیم دینے لگیں رفتہ رفتہ انہوں نے الٰہی بخش عرف چھوٹے جوگی کو دینی و روحانی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کردیا۔

چھوٹے جوگی اور سانپوں کا گٹھ جوڑ بچپن سے ہی چلا آرہا تھا وہ سانپوں سے ان کی زبان میں باتیں کرتا جو نجانے اس نے کیسے سیکھ لی تھی لوگ بھی اس کے کمرے کی کھڑکی میں آکر ناگ دیوتا کے اوتار کے درشن کرتے اور جئے ناگ دیوتا کے نعرے لگاتے چلے جاتے۔

قبیلے کا سردار بھی جوگندر کے ہاتھ چھوٹے جوگی کے لئے کچھ نہ کچھ سوغات بھیج دیتا، یوں یہ سلسلہ الٰہی بخش کے جوان ہونے تک چلتا رہا۔ الٰہی بخش نے ایک عجیب عادت اپنالی تھی وہ رات کے وقت سانپوں کو رسیوں کی مانند چارپائی میں بنتا اور ان پر سوجاتا، صبح اٹھ کر انہی سانپوں کو دراتی سے کاٹ ڈالتا اور باپ سے کہتا کہ ان سانپوں کو بیچ چوراہے پر پھینک دے۔

لوگ کٹے پھٹے سانپوں کو دیکھتے تو حیرت و استعجاب کا شکار ہوجاتے۔ لوگ کہتے کہ ناگ دیوتا کا اوتار ان سانپوں سے راضی نہیں جو اس طرح ان کو کاٹ کر مار ڈالتا ہے وہ اس کو ناگ دیوتا کی مرضی سمجھ کر خاموش ہوتے۔

اڑتے اڑتے یہ خبر قبیلے کے سردار کے کانوں تک جا پہنچی وہ سردار ہونے کے ساتھ منجھا ہوا جادوگر بھی تھا جب یہ بات اس تک پہنچی تو وہ نہ مانا کہ دیوتا اپنے پجاری سانپوں کے ساتھ یہ سلوک کرسکتا ہے اس نے اس خبر کی تصدیق و تحقیق کرنے کی ٹھان لی اور یہ سوچ کر جوگی کے گھر کی طرف چل پڑا تاکہ معاملے کی تہہ تک پہنچے۔

سردار جوگندر کی کھڑکی میں آن وارد ہوا اور ایک نعرہ بلند کیا "جئے بھولے ناتھ جائے ناگ دیوتا" یہ نعرہ سن کر الٰہی بخش کمرے میں آیا کھڑکی ایسے رخ پر تھی کہ کمرے میں داخل ہونے پر کھڑکی کی طرف منہ کے بجائے پیٹھ ہوتی الٰہی بخش بھی سردار کی طرف مڑا نہیں تھا وہ جھک کر اپنا لباس درست کررہا تھا کہ سردار بولا "مہاراج کی جئے ہو سیوک درشن کے لئے حاضر ہوا ہے" وہ آج پہلی بار الٰہی بخش کو دیکھنے کے لئے آیا تھا اس سے پہلے وہ اتفاقاً الٰہی بخش کو دیکھ نہیں آسکا سو اس کے دل میں نہایت اشتیاق تھا اس نے دونوں ہاتھ معافی مانگنے کے انداز میں جوڑ رکھے تھے۔

الٰہی بخش سیدھا ہوکر اس کی طرف مڑا جیسے ہی مڑا اس سے پہلے کہ الٰہی بخش کو سردار دھیان سے دیکھ پاتا اچانک الٰہی بخش کے وجود سے ایک دودھیا رنگ کی لہر سی نکل کر سردار سے ٹکرائی تو وہ چیختا ہوا کھڑکی سے ہٹ گیا اور کراہنے لگا الٰہی بخش بھاگ کر کھڑکی میں آیا اس نے کسی کو چیخ کر کھڑکی سے ہٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟"

سردار نے الٰہی بخش کو جواب دینے کے بجائے زہر پاش نظروں سے اسے دیکھا وہ اپنے جسم کو سہلاتا اور کراہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ الٰہی بخش نے تعجب سے کندھا اچکائے اور کھڑکی سے ہٹ گیا۔

واپس جاکر سردار نے قبیلے کے تمام معزز افراد کو جمع کیا اور پھر سوائے جوگندر کے ان سب کو یہ ماجرا سنایا بہت سے لوگ اس کی جلی ہوئی جلد دیکھ کر بھی اس کی بات ماننے پر تیار نہ تھے مگر وہ بدستور اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

"وہ ناگ دیوتا کا اوتار نہیں وہ کوئی اور شکتی ہے ایسی شکتی دیوی دیوتاؤں میں بھی نہیں ہوتی شیطان کے پجاریوں میں ہوتی ہے وہ ہمارا اور ناگ دیوتا کا دشمن ہے یقین مانو وہ پجاری سانپوں کو بھی اسی لیے مار ڈالتا ہے اگر ہم نے اس کا کوئی اپائے نہ کیا تو وہ ایک دن ناگ دیوتا کے پجاریوں اور ہم سب کو ختم کرڈالے گا۔"

اسی پل لوگوں میں چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں کچھ حق میں تھے کچھ مخالف، سردار نے فیصلہ بوڑھے اور معزز افراد پر چھوڑ دیا کافی دیر اس محفل میں صلاح و مشورہ ہوتا رہا بالآخر ایک بوڑھے نے کھڑے ہوکر فیصلہ سنایا باہم رائے یہ طے ہوئی کہ "اگر چھوٹا جوگی ان کے حق میں خطرناک ہے تو اس سے پہلے کہ وہ ان پر قہر ڈھائے اسے ختم کردینا چاہئے۔"

"ہاں..... ہاں ٹھیک ہے ختم کردو، مار دو اسے" مختلف لوگوں کی آوازیں گونجیں تو سردار کے ہونٹوں پر

مسکراہٹ رینگ گئی آخرکار اس نے سب کو اپنے ساتھ ملا ہی لیا تھا اس نے مسکراتے ہوئے مکارانہ انداز میں اپنی لمبی لمبی مونچھوں کو تاؤ دیا اور گہری سوچوں میں ڈوب گیا۔

☆.....☆.....☆

جوگندر ناتھ کو سردار کی بیٹھک میں بلایا گیا تھا یہ کہہ کر کہ کوئی ضروری مشورہ کرنا ہے جوگندر ناتھ جلدی سے چارپائی سے اٹھا اپنے جوتے پہن کر مہرو بیگم سے بولا ''بیگم حضور جلد لوٹ آؤں گا''

مہرو بیگم بولیں ''آپ نہ جاتے تو اچھا ہوتا مگر جانا بھی ضروری ہے'' انہوں نے خود ہی بات کا جواب خود کلامی میں دے دیا۔ یہ سن کر جوگندر چلا گیا۔

الٰہی بخش پاس ہی بیٹھا تھا اس نے ماں کو کچھ نا سمجھنے والے انداز میں دیکھا وہ یہ نہ جان سکا کہ وہ یکدم اداس کیوں ہوگئی ہیں انہوں نے الٰہی بخش کو یہ کہہ کر اطمینان دلانا چاہا ''پتر بس آج کے لئے اتنا ہی کافی ہے، کتاب بند کردو'' وہ الجھتا ہوا کتاب کو احترام سے تھام کر سینے سے لگائے ہوئے کمرے میں چلا آیا۔ اس نے دروازے کے پیچھے بنے ہوئے لکڑی کے چھوٹے سے طاق میں کتاب رکھی اور خود چارپائی پر ڈھے گیا اس پر ایک عجیب اداس روح فرسا سی کیفیت طاری ہوگئی۔

آج تو صبح سے کوئی مجھے ملنے بھی نہیں آیا اس نے اداس نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی یہی سوچ پایا تھا کہ اس کو کسی سانپ کی تیز پھنکار سنائی دی وہ جلدی سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

ایک بہت خوبصورت سرخ و سفید دھاریوں والا کوبرا سانپ اپنی دم پر کھڑا ہوا الٰہی بخش سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ فوراً متوجہ ہوا اور اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

سانپ کہہ رہا تھا۔ ''خدا کے بندے تمہارے لیے خطرہ ہے کچھ ہی دیر میں تمہارے باپ کو مار دیا جائے گا اس کے بعد تمہاری باری ہے۔''

اتنا سننا تھا کہ الٰہی بخش لرز اٹھا اور قہر زدہ آواز میں بولا۔

''نہیں میرے ابا کو میں کچھ نہیں ہونے دوں گا''

سانپ اپنی زبان میں پھنکارتے ہوئے بولا ''تو پھر تمہیں جلدی کرنی چاہئے، جلدی جاؤ..... جلدی.....'' یہ کہہ کر سانپ نے اپنا پھن زمین پر ڈالا اور رینگتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

الٰہی بخش غصے اور جذبات میں دہکتا ہوا لال بھبھوکا چہرہ لیے آنگن میں نکل آیا مہرو بیگم نے جب الٰہی بخش کو اس حالت میں دیکھا تو آہ بھر کر بولیں۔

''میرے پاس آؤ بیٹا''

''نہیں ماں میرے پاس وقت بہت کم ہے'' وہ داخلی دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

''میں جانتی ہوں بیٹا'' ماں کے افسردہ سے لہجے میں یہ کہنے پر الٰہی بخش حیران رہ گیا۔

''آپ کیسے جانتی ہو ماں؟'' اس نے ساری جہان کی معصومیت اپنے لہجے میں سمیٹ کر استفسار کیا وہ تھا بھی جہاں بھر سے معصوم۔ اب کہ مہرو بیگم بیٹے کی بات سن کر رنجیدگی سے مسکرائیں۔

''بہت عرصہ ہوا تمہارے نانا جان کو یہ بشارت ملی تھی کہ تمہارے ابا جان کو قتل کر دیا جائے گا اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مجھے اس بستی میں آنے اور تمہارے اس دنیا میں آنے کا مقصد پورا کیا جائے۔'' مہرو بیگم کھوئے کھوئے لہجے میں بول رہی تھیں۔ شیطانی قوتوں نے اس بستی پر یلغار کر دی تھی ہر طرف شیطانیت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا بستی کے سردار نے جادو کے زور سے لوگوں کو گمراہ کیا اور شیطان کا غلام بنا دیا اصلاً یہ لوگ ناگ دیوتا یا شیطان کے پجاری نہیں بلکہ ایک خدا کے ماننے والے ہیں جادوگر سردار نے نسل در نسل لوگوں کو غلام بنا لیا اور ان پر حکومت کرنے لگا یہ جادوگر دو سو سال سے زندہ ہے اسے ابھی تک کوئی نہیں مار سکا۔

قدرت کی طرف سے جادوگر کے خاتمے کے لئے تمہارا انتخاب کیا گیا ہے اور تمہاری حفاظت کا انتظام بھی قدرت کی طرف سے کیا گیا ہے اس لیے جادوگر تمہاری اصلیت سے آگاہ نہیں تھا مگر اب وہ تمہارے ابا اور تمہاری جان کے درپے ہے اب تمہیں جانا ہوگا کیونکہ وقت بہت کم ہے میرے ساتھ آؤ۔'' مہرو بیگم اسے لیے ہوئے ایک

کمرے میں آئیں اور ایک زنگ آلود ٹرنک کھولا اور اس میں کچھ الٹ پلٹ کرنے لگیں۔

الٰہی بخش بولا ''ماں دیر ہورہی ہے ایسا نہ ہو کہ مزید دیر ہوجائے'' اس کے انگ انگ سے بے چینی جھلک رہی تھی۔

مہرو بیگم نے ایک پرانی سے ڈوری میں لپٹا تعویذ نکالا اور اسے بیٹے کے بازو پر باندھ دیا پھر اسے کان نزدیک لانے کے لئے کہا الٰہی بخش اپنا سیدھا کان ماں کے منہ کے قریب لے گیا مہرو بیگم اس کے کان میں کچھ باتیں کیں پھر کچھ پڑھ کر اس پر پھونک دیا اور اس کا ماتھا چوم کر کہا ''اللہ نگہبان'' تو الٰہی بخش تیز تیز قدم اٹھاتا گھر سے نکل گیا اور پھر مہرو بیگم نے مصلیٰ بچھالیا۔

وہ ابھی گھر سے چند قدم کی دوری پر ہی تھا کہ اچانک تیز آندھی چلنا شروع ہوگئی جس کی بدولت اس کا چلنا دوبھر ہونے لگا مگر پھر بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا تقریباً بھاگنے لگا وہ گھر کی چار دیواری سے پہلی دفعہ باہر آیا تھا راستوں کا تعین کرنا اس کے لئے بڑا مشکل ہورہا تھا وہ بس اتنا جانتا تھا کہ اسے بڑے مندر کی طرف جانا ہے جس کی عمارت کے مختلف حصوں میں کالی دیوی، ناگ دیوتا اور مختلف جانوروں کی صورتیں تھیں جن کی پوجا کی جاتی تھی۔

ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ بالآخر بڑے مندر کی چار دیواری کے باہر پہنچ گیا مندر کے باہر الٰہی بخش نے دیکھا کچھ سائے سے دائرے کی صورت میں منڈلا رہے ہیں اس نے ان ہیولوں کی پرواہ کیے بغیر مندر کے اندر قدم رکھ دیا آسمان پر منڈلاتے ہوئے سائے تیزی سے الٰہی بخش کی طرف بڑھے اور جیسے ہی اس کے وجود سے ٹکرائے تو گاڑی کے شیشوں کی طرح چکنا چور پاش پاش ہوگئے وہ بے خوف وخطر قدم بڑھاتا رہا بڑے مندر کی عمارت بہت بڑی ہونے کے ساتھ بہت خوفناک بھی تھی۔

الٰہی بخش نے ایک جگہ رک کر چاروں طرف نظر دوڑائی ایک لحظہ کو متذبذب ہوگیا کیونکہ جو راستہ تھا یہاں سے چار راستے چاروں سمت جارہے تھے اس نے چاروں طرف دیکھا اتنے میں اس کو شور سا سنائی دیا اسے جس سمت سے شور سنائی دیا وہ اس طرف بڑھنے لگا۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس کمرے میں قبیلے کا سردار پجاری اور بہت سے لوگ جمع ہیں ان لوگوں نے جیسے ہی اسے آتے ہوئے دیکھا تو ہجوم چھٹنے لگا اور اس کے لئے ایک راستہ سا بنادیا ہجوم میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔

اللہ بخش کو ایک بڑے ستون کے ساتھ باندھا گیا تھا اور اس کے جسم پر بے شمار تشدد کے نشانات تھے پجاری اور سردار جادوگر اللہ بخش سے کچھ پوچھنے کی کوشش بھی کررہے تھے سردار کے ہاتھ میں ایک ہنٹر بھی تھا جسے وہ بار بار اللہ بخش کے ننگے جسم پر برسا رہا تھا۔

الٰہی بخش نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کا خون طیش سے جوش مارنے لگا وہ چیخ مار کر سیدھا جادوگر پر جھپٹا اب اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کرتا جادوگر کا جسم دھڑ ادھڑ جلنے لگا، لوگ دم بخود کھڑے رہے اور کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ الٰہی بخش کے مقابلے پر آتا، الٰہی بخش نے اللہ بخش کو کھول کر زمین پر لٹادیا وہ اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

''بابا میں آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گا''

''بیٹا میں اب بچنے والا نہیں ہوں تمہیں قسم ہے میرے سر کی تم جس کام کے لئے چنے گئے ہو، تم آخری سانس تک وہ مقدس فریضہ نبھاؤں گے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں بابا میں یہ فریضہ نبھاؤں گا۔''

الٰہی بخش نے روندھے ہوئے گلے کے ساتھ وعدہ کیا۔

اور پھر اللہ بخش نے کلمہ حق پڑھ کے آخری ہچکی لی اور آنکھیں بند کرلیں۔ کفر وظلمات میں جیسے ہی کلمہ حق گونجا ہر طرف چھائے کفر وظلمت کے بادل چھٹنے لگے۔

اللہ بخش کی قربانی رائیگاں نہیں گئی الٰہی بخش نے مندر کی جگہ پر بہت بڑا اسلامی مدرسہ قائم کیا اور اس کے ایک حصے میں مسجد بنائی اور درس وتدریس کا کام شروع کردیا۔

مہرو بیگم مدرسے کے ایک مخصوص حصے میں بچوں اور عورتوں کو تعلیم دینے لگیں، یوں یہ غیر مذہب اور کافر جوگیوں کی یہ بستی مشرف بہ اسلام ہوئی اور حق کا بول بالا ہوگیا۔

شیطان کی آنکھیں

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

رات کا اندھیرا پھیلتے ہی نوجوان اپنے دوست سے بولا، دوست اٹھو اور آگے اپنے قدم بڑھائو، آج رات کا کام یا تو ہمیں کامیاب کردے یا پھر بالکل تباہ کردے گا۔ "ہمت مرداں مدد خدا۔"

حقیقت سے چشم پوشی انسان کو ناکام ہی نہیں بلکہ پریشان بھی کرتی ہے، ایک عجیب کہانی

کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ "ٹام ڈونا" کو "خوش قسمت ٹام" کیوں کہا جاتا ہے۔ یہ صرف میں ہی بتا سکتا ہوں کیونکہ میں اس کے ساتھ ان حالات کا چشم دید گواہ ہوں۔ ہر دس میں سے ایک شخص اس کو اسی نام سے پکارتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی سیر و تفریح اور کھیل تماشے میں گزاری ہے اور بے تحاشہ حیران کن اور حیرت انگیز مناظر دیکھے ہیں مگر ایسا نہیں دیکھا جس میں نام نے اپنا یہ نام کمایا ہو۔ اس وقت میں اس کے ہمراہ تھا ۔۔۔ کیا آپ اس کی اس خوش قسمتی کی کہانی سننا پسند کریں گے؟۔ مگر یہ ایک لمبی کہانی ہے اور بہت زیادہ عجیب بھی لہٰذا آپ سب لوگ آرام سے اپنی اپنی نشست پر ٹیک لگالیں اور پرسکون ہوکر بیٹھ جائیں۔ اتنی دیر تک میں اس کو اپنے ذہن میں مجتمع کرتا ہوں۔ یہ بہت عجیب کہانی ہے، پریوں کی داستان سے بھی زیادہ

عجیب جو آپ اور میں سب نے اپنے بچپن میں سن رکھی ہیں مگر ان کے مقابلے میں یہ سچی ہے۔ اس کا ایک ایک حرف سچا ہے۔ ابھی وہ لوگ کیپ ٹاؤن میں زندہ ہوں گے جو اس کے گواہ ہیں اور میری ہر بات کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ یہ کہانی آگ کے الاؤ کے گرد جنگلوں میں اور ہیروں کی کانوں میں بھی سنائی گئی ہے۔

مجھے یاد آرہا ہے میں نیا نیا کالج میں داخل ہوا تھا اور ٹام میرا ساتھی طالب علم تھا۔ وہ وقت معاشی لحاظ سے بڑا ہنگامہ خیز تھا۔ ہمارے پاس موجود رقم ختم ہوگئی تھی اور ہم اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنے پر مجبور ہوگئے تھے اور دنیا کے کسی ایسے کونے کی تلاش میں تھے جہاں دو نوجوان اپنے مضبوط بازوؤں کے بل پر اور مضبوط ارادوں کے ساتھ اپنی منزل حاصل کر سکیں۔ ان دنوں لندن سے تارکین وطن کی ایک لہر افریقہ میں رہائش پذیر ہونے کو چل پڑی تھی۔ یہ بہترین موقع تھا کہ ہم بھی کیپ ٹاؤن پہنچ جائیں اور وہاں اپنی قسمت آزمائیں۔

قصہ مختصر۔۔۔۔ ہم بحری جہاز کے مسافر بن گئے اور جب کیپ ٹاؤن کی بندرگاہ پر اترے تو ہماری جیبوں میں پانچ پونڈ بھی پورے نہ تھے۔ یہاں ہم ایک دوسرے سے جدا ہوگئے اور علیحدہ علیحدہ سمتوں میں روزی تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ہم نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، اونچ نیچ کا سامنا کیا مگر جب تین سال کے بعد قدرت ہمیں افریقہ کے بالائی علاقوں میں پھر ایک دوسرے کے سامنے لے آئی تو مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ہم جن حالات میں جدا ہوئے تھے اب دوبارہ ملاقات کے وقت وہ حالات زیادہ دگرگوں ہو چکے تھے۔

ہم دونوں پہلے سے زیادہ دل گرفتہ تھے اور اتنے زیادہ پریشان کہ ٹام نے واپس انگلستان جانے کا ارادہ ظاہر کیا اس کا خیال تھا کہ وہ وہاں جا کر کسی دفتر میں کلرکی کرلے گا مگر ہم نہیں جانتے تھے کہ اپنی دانست میں تو ہم اپنے سارے کارڈ کھیل چکے تھے مگر قدرت کی ترپ چال ابھی باقی تھی۔

ہم اس وقت جس علاقے میں رہائش پذیر تھے وہ کافی دور دراز اور ویران تھا۔ کہیں کہیں چند ایک زرعی فارم تھے جن سیاہ فام جنگلی باشندوں کے حملے کے پیش نظر پوری طرح سے مورچہ بند اور محفوظ بنایا گیا تھا۔ ٹام اور مجھے رہائش کے لیے جنگل کے کنارے ایک بوسیدہ کیبن مل گیا تھا مگر ہمارے پاس سامان کے نام پر کچھ نہ تھا اور نہ ہی حفاظت کے لیے سوائے ایک پرانے بوسیدہ ریوالور کے کوئی ہتھیار تھا مگر اس کی موجودگی نے تنہائی اور سیاہ فاموں کے خوف کو کم کر دیا تھا۔

یہاں ہم کوئی روزگار ڈھونڈ رہے تھے اور امید تھی کہ جلد ہی کوئی کامیابی ہوگی مگر اسی آس میں یہاں ایک ماہ بیت گیا اور جو کچھ اثاثہ پاس تھا وہ خرچ ہوتا جا رہا تھا۔

جس رات کا واقعہ میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں وہ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے۔ تیز آندھی چل رہی تھی اور موسلا دھار بارش کی بوچھاڑ کھڑکی کے بوسیدہ شیشوں سے خوف ناک انداز میں ٹکرا رہی تھی۔ ہم نے آتش دان میں آگ جلا رکھی تھی جو سردی کی شدت کو کم کر رہی تھی۔ میں آتش دان کے قریب بیٹھا تھا جب کہ ٹام فرش پر مایوس انداز میں لیٹا ہوا تھا۔

''خوش رہا کرو ٹام۔۔۔۔۔ خوش رہا کرو۔ کوئی نہیں جانتا کہ آگے اس کی قسمت میں کیا ہے۔'' میں نے ٹام کو تسلی دینے کے لیے کہا۔

میری بات سن کر وہ ہلکے سے مسکرایا اور کہنے لگا۔

''جیک!۔۔۔۔ میں ہمیشہ بدقسمت رہا ہوں۔ میں نے اس نفرت انگیز ملک میں تین سال گزارے ہیں۔ میں نے اس ملک میں آکر فقیروں کو بھی دولت مند بنتے دیکھا ہے مگر میں اسی طرح غریب ہوں جیسے میں نے پہلے دن یہاں اس سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ جیک اگر تم اپنی قسمت آزمانا چاہتے ہو تو تمہیں میرے جیسے بدقسمت شخص سے دور رہنا چاہیے۔''

''بے وقوف مت بنو ٹام! بے شک اس وقت قسمت تم پر مہربان نہیں ہے مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کل صبح بھی ایسی ہی ہوگی۔ ہوسکتا ہے خوش قسمتی اس دروازے کے باہر تمہاری منتظر ہو۔''

ابھی میں نے یہ الفاظ ادا کیے ہی تھے کہ ایک دھماکے سے کیبن کا دروازہ کھلا اور بارش کے پانی میں شرابور ''ڈک'' اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنے کپڑے جھاڑے اور ہمیں سلام کرنے کے بعد آگ کے قریب بیٹھ کر اپنا جسم اور کپڑے سکھانے لگا۔ ڈک ایک قریبی فارم ہاؤس پر ملازمت کرتا تھا اور کبھی کبھار ہمیں ملنے یہاں چلا آتا تھا۔

''اس طوفانی رات میں ڈک تم کہاں مارے مارے پھر رہے ہو۔ تمہیں ٹھنڈ بھی لگ سکتی ہے۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

ڈک معمول سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا بلکہ تقریباً خوف زدہ۔ وہ آتش دان میں بھڑکتی آگ پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ میری طرف دیکھتے بغیر کہنے لگا۔

''ہمارے فارم کی ایک گائے چرتی ہوئی نیچے وادی میں چلی گئی تھی اور کوئی بھی شخص رات کے وقت نیچے وادی میں جانے کی ہمت نہیں کر پاتا اور اگر ہم صبح کا انتظار کرتے تو وہ جانور آگے سیاہ فام جنگلی حبشیوں کے علاقے میں چلا جاتا۔''

''رات کے وقت وادی میں کیوں نہیں جا سکتے؟'' ٹام نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''میرا خیال ہے سیاہ فام لوگوں کا ڈر ہے۔'' میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''سیاہ فام نہیں بلکہ بھوت۔۔۔۔'' ڈک خوف زدہ لہجے میں بولا۔

اس کی بات سن کر ٹام اور میں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

''میرا خیال ہے بارش نے تمہارے دماغ پر اثر کیا ہے ڈک۔'' ٹام نے ہنستے ہوئے کہا۔

ڈک سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''تم میری بات کو بے شک مذاق سمجھو مگر میں نے اسے دیکھا ہے۔ مقامی فریقی لوگ بھی اس کے متعلق بات کرتے ہیں اور یقیناً میں اسے دوبارہ دیکھنا پسند نہیں کروں گا۔''

ٹام اٹھ کر سیدھا بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ ''ڈک! ۔۔۔۔ تم یقیناً مذاق کر رہے ہو۔ ہمیں پوری بات بتاؤ۔ پہلے سنی سنائی پھر آنکھوں دیکھی۔''

''تو پھر سنو۔۔۔۔ روایات کے مطابق یہ وادی بھوتوں اور شیطانوں کے قبضے میں ہے۔ جو شکاری اور سیاح اس گھاٹی سے گزرے انہوں نے چٹانوں کے سائے میں چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھیں اور یہ کہانیاں مشہور ہوگئی ہیں کہ جس کسی کا سامنا ان چمکتی آنکھوں سے ہو وہ مرنے کے بعد بھی نجات نہیں پاتا۔ پتہ نہیں یہ سچ ہے یا جھوٹ۔'' ڈک کی آواز میں لرزش تھی۔ جب وہ خاموش ہوا تو ٹام چیخ کر بولا۔

''بولتے رہو ڈک ہمیں بتاؤ۔۔۔۔ تم نے کیا دیکھا؟''

''میں گائے کی تلاش میں نیچے وادی میں گیا تھا۔ ابھی آدھا راستہ نیچے اترا تھا جہاں ایک ڈھلوان چٹان میرے دائیں طرف تھی تو میں پانی پینے کے لیے رکا اور اپنی پانی کی بوتل نکالی ابھی ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا کہ میری نگاہ ایک چٹان کی طرف پڑی۔ اس وقت وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہ تھا۔ میں نے پانی کے ایک دو گھونٹ بھرنے کے بعد بوتل بند کی اور اسے کمر سے لٹکا کر ایک دو قدم آگے بڑھا تو پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ اس چٹان پر جس پر کچھ دیر پہلے کچھ بھی نہ تھا۔ اب وہاں زمین سے تقریباً چار فٹ اوپر ایک بھیانک چمک نظر آئی جو دھیرے دھیرے مدھم ہوگئی مگر جونہی میں نے ایک دو قدم آگے بڑھائے وہ پھر تیز ہوگئی۔ میں نے بہت سے جگنو اور ستارے چمکتے دیکھے ہیں مگر اس قسم کا کوئی نہیں دیکھا۔ وہ چمک نہیں بلکہ جل رہے تھے۔ میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ میں تقریباً دس منٹ تک وہیں کھڑا رہا پھر ڈرتے ڈرتے چند قدم آگے بڑھا تو وہ شعلے فوراً ہی غائب ہوگئے یوں جیسے کسی نے موم بتی کو پھونک مار کر بجا دیا ہو۔ میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تاکہ ٹھیک اس مقام کا تعین کر سکوں جہاں سے یہ جگنو چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

آخر کار میں کامیاب ہوگیا۔ وہ خوف ناک سرخ

ڈک پہلے ہی طرح چہک رہی تھی۔ میں نے اپنی ہمت جمع کی اور اس چٹان کی طرف چلنا شروع کیا جہاں یہ شعلے نظر آرہے تھے۔ زمین بہت ناہموار تھی اس لیے ناک کی سیدھ میں چلنا مشکل امر تھا۔ مجھے ایک چکر کاٹ کر اس طرف جانا پڑا جس کی وجہ سے میں بھٹک گیا اور عین اس مقام کا تعین نہ کر پایا۔ آخر تھک ہار کر میں نے گاڑی کی تلاش بھی چھوڑ دی اور گھر کی طرف مڑ گیا۔ وادی سے باہر نکلتے ہی مجھے تم لوگوں کا خیال آیا تو میں نے سوچا یہ ساری صورت حال تمہیں بتا دوں مگر مجھے علم نہ تھا کہ یہ شدید بارش آجائے گی۔''

ٹام اکڑوں بیٹھا ہوا بغور اس کی بات سن رہا تھا۔ اس کا چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔ وہ کچھ لمحے سوچتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

''کیا تم نے وہاں صرف دو آنکھیں دیکھیں یا وہاں کئی روشنیاں تھیں۔''

''صرف ایک۔۔۔۔۔۔'' ڈک پر یقین لہجے میں بولا۔

''ارے واہ۔۔۔۔۔'' ٹام چیختے ہوئے اٹھا اور اس نے لات مار کر کمبل اچھال کر کمرے کے وسط میں پھینک دیا اور بری طرح ناچنا کودنا شروع کر دیا۔ میں اور ڈک حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے پھر وہ ڈک کے سامنے جا کر رک گیا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر بولا۔

''ڈک!۔۔۔۔ کیا ہم سورج طلوع ہونے سے پہلے وادی میں جاسکتے ہیں؟''

''شاید۔۔۔۔۔ یہ تمہاری اپنی ہمت کی بات ہے۔'' ڈک نے جواب دیا۔

''ہم پرانے دوست ہیں ڈک۔۔۔۔۔۔ اور تم نے جو بات ہمیں بتائی ہے اس کا ذکر تم کسی اور سے نہیں کرو گے۔ کم از کم ایک ہفتے تک نہیں کرو گے۔ تمہیں مجھ سے یہ وعدہ کرنا پڑے گا۔'' ٹام نے اس کا کندھا دباتے ہوئے کہا۔

ڈک کے چہرے پر ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے وہ ٹام کو بے وقوف سمجھ رہا ہو۔ مجھے بھی ٹام کے اس رویے پر حیرت تھی۔ میں اس کو پاگل سمجھ رہا تھا۔ آخر کسی سے اس بات کو چھپانے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔ میں تو ڈک کی اس بات کو گپ ہی سمجھ رہا تھا۔

ڈک کے جانے کے بعد ساری رات ٹام پر جوش رہا۔ اس کے جانے تک ٹام اس سے درخواست کرتا رہا کہ وہ اپنا وعدہ یاد رکھے اور اس سے اس مقام کی تفصیلات جانتا رہا جہاں اس نے سلگتے شرارے دیکھے تھے۔ ڈک جب گیا تو صبح کے چار بج چکے تھے۔ میں اپنے کمبل میں گھس گیا۔ اس وقت ٹام آگ کے پاس بیٹھا دو چھڑیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر میری آنکھ لگ گئی۔ میرا خیال ہے میں تقریباً دو گھنٹے سویا ہوں گا جب میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت بھی ٹام اسی حالت میں بیٹھا اسی کام میں مصروف تھا۔ اس نے ایک چھڑی کو دوسری چھڑی کے سرے پر یوں باندھا تھا کہ انگریزی زبان کے حرف T کی شکل بن گئی تھی اور اب ایک چھوٹی لکڑی ان کے ساتھ ایک خاص زاویے پر باندھنے کی کوشش میں تھا۔ وہ چاپک دستی سے کام کر رہا تھا۔ سیدھی کھڑی لکڑی پر اس نے دندانے بنا دیے تھے اس طرح ایک عصا کی مدد سے اس کراس کو کسی بھی زاویے پر رکھا جاسکتا تھا۔

''یہ دیکھو جیک۔۔۔۔۔'' وہ چلایا اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں جاگ چکا ہوں۔ ''مجھے کوئی مشورہ دو۔ فرض کرو اگر میں کراس اس جلتی چیز کی سیدھ میں رکھتا ہوں اور اس جگہ اس کو جما دیتا ہوں تو جب دوبارہ مجھے اس جگہ کی نشاندہی کرنا ہو تو یہ میری مدد کرے گی یا نہیں۔'' وہ قدرے پریشان اور نروس تھا۔

''اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ وہ چیز کتنی دور ہے۔ اگر تم اسے رسی کے سرے پر باندھ دو آگے کی طرف تو تم اپنا مقصد زیادہ اچھی طرح حاصل کرسکو گے مگر ٹام مجھے حیرت ہے تم اس چیز سے کسی بھوت کا مقابلہ کیسے کرو گے؟'' میں نے جواب دیا۔

''میرے دوست یہ تم آج رات دیکھ لینا جب میں اس کے ساتھ وادی میں اتروں گا۔ تم میرے ساتھ آنا مگر خیال رہے اس کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتانا۔''

تمام دن ٹام کمرے میں اپنے اوزاروں کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ گال سرخ ہو رہے تھے۔ اب شام اتر رہی تھی اور مجھے بھی عجیب قسم کا جوش محسوس ہو رہا تھا۔

شام کو تقریباً چھ بجے ٹام اچھل کر بیٹھ گیا اور اپنی بنائی ہوئی چھڑی تھام لی اور چیخا۔ ''چلو جیک!۔۔۔۔۔ کونے میں پڑا لوہے کا پھاوڑا اٹھالو اور چلو اب ہم وادی میں چلیں گے۔ آج رات کا کام یا تو ہمیں کامیاب کر دے گا یا بالکل تباہ۔ اپنا ریوالور بھی ساتھ لے لو اگر سیاہ فاموں سے ٹکراؤ ہو گیا تو یہی ہمیں بچائے گا۔'' اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔

ہم نے اپنی جیبیں ضروری چیزوں سے بھر لیں اور وادی کی طرف چل پڑے۔ میں نے ٹام سے اس کا منصوبہ پوچھنے کی کئی دفعہ کوشش کی مگر اس کا ایک ہی جواب تھا۔ ''جلدی کرو جیک یہ وقت سوالات کا نہیں ہے۔ کون جانے ڈک اب تک کتنے لوگوں کو اپنے تجربے کے متعلق بتا چکا ہو۔ جلدی کرو ورنہ ہو سکتا ہے کوئی ہم سے پہلے ہی وہاں پہنچ جائے۔''

تقریباً دس میل تک چلنے کے بعد ہم نے اپنے سامنے چٹان سے نیچے ایک گہری اندھیری گھاٹی دیکھی اتنی گہری جیسے وہ جہنم کا دروازہ ہو۔ چٹانیں کئی سو فٹ بلند تھیں۔ ایک گھومتا ہوا راستہ نیچے گھاٹی کی طرف اترتا تھا۔ چاند چٹانوں کے اوپر چمک رہا تھا اس کی وجہ سے کچھ اطمینان تھا۔ چٹانوں کی چوٹیوں کے سرے اونچے نیچے تھے اور ان کے نیچے گھور اندھیرا۔

''کیا ۔۔۔۔۔ یہی وادی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔۔۔۔۔'' ٹام نے مختصر جواب دیا۔

میں نے ٹام کی طرف دیکھا وہ پرسکون نظر آ رہا تھا مگر اس کی حرکات سست تھیں۔ اس کے چہرے پر گھمبیر سنجیدگی تھی۔ آنکھیں یوں چمک رہی تھیں جیسے وہ کسی انجانے خطرے کی منتظر تھیں۔

ہم وادی کے درّے کے اندر داخل ہو گئے اور چکر دار راستے کے ساتھ ساتھ نیچے اترنے لگے۔ اچانک میں نے ٹام کی تحیر آمیز آواز سنی۔ وہ جوشیلے انداز میں ایک چٹان کی طرف اشارہ کر رہا تھا جہاں اندھیرے سائے تھے۔ اس کا چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔ مجھے کچھ نظر نہ آیا تو میں نے سوالیہ نظروں سے ٹام کی طرف دیکھا۔

''جیک اپنی آنکھیں استعمال کرو۔ ہم اس چٹان سے تقریباً سو گز دور ہیں۔ تم آہستہ آہستہ ایک طرف اتر جاؤ میں دوسری طرف جاتا ہوں۔ جب تم کوئی حرکت دیکھو تو رک جاؤ اور مجھے بتاؤ۔ خیال رہے ایک قدم ایک فٹ سے زیادہ نہ ہو۔ اپنی نظر اس چٹان پر جمائے رکھو۔ کیا تم تیار ہو؟'' ٹام نے فوجی جنرل کی طرح احکامات صادر کرنا شروع کر دیے۔

اس وقت میرا تجسس بھی ٹام سے کچھ کم نہ تھا۔ آخر وہ کیا چیز تھی جسے ہم تلاش کر رہے تھے۔''

ٹام دن کی روشنی میں چٹان کے اس حصے کا معائنہ کرنا چاہتا تھا جہاں سے روشنی پھوٹتی تھی۔ صورت حال دل چسپ تھی اور ہم پرجوش ہو رہے تھے۔ خون کی گردش جسم میں تیز ہو رہی تھی۔

''چلو۔۔۔'' ٹام ایک دم بولا اور ہم نے چلنا شروع کر دیا۔ وہ دائیں طرف اور میں بائیں طرف تھا۔ ہم دونوں کی نظریں ایک مخصوص چٹان پر جمی تھیں جس کی طرف ٹام نے اشارہ کیا تھا۔ میں تقریباً پندرہ قدم چلا ہوں گا جب اچانک ایک جھماکا ہوا اور پھیلتے ہوئے اندھیرے میں مجھے وہاں ایک چھوٹا چمکتا ہوا آتشی نقطہ نظر آیا جو بتدریج بڑھ رہا تھا۔ وہ اس گہرے اندھیرے بہت زیادہ خوف ناک نظر آ رہا تھا۔ قدیم افریقی روایات میرے ذہن میں جاگنے لگیں۔ خوف کی ایک سرد لہر میرے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ میں نے جوش میں تیزی سے ایک قدم پیچھے ہٹایا تو وہ روشنی فوراً غائب ہو گئی۔ اب وہاں گہرا اندھیرا تھا پھر میں نے دوبارہ قدم آگے بڑھایا

تو ایک دفعہ پھر چٹان کی بنیاد میں وہ جادو کا شعلہ لپکا۔

''ٹام ۔۔۔۔۔ٹام ۔۔۔۔۔۔۔'' میں ایک دم چیخا ''کیا ہوا۔۔۔۔۔؟'' میں نے ٹام کی آواز سنی۔

''وہ دیکھو۔۔۔۔ وہ دیکھو۔۔۔ چٹان کے اوپر کچھ ہے۔'' میں نے جوش بھرے انداز میں کہا۔ ''مجھے تو کچھ نظر نہیں آرہا۔'' اس نے کہا۔

''وہ دیکھو تمہارے سامنے تھوڑا سا دائیں طرف۔۔۔۔۔'' میں نے نشان دہی کی۔

''ہاں ۔۔۔۔۔۔ مجھے نظر آ گیا ہے۔'' ٹام کی خوشی بھری آواز سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے بھی اس شعلے کو دیکھ لیا ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں ٹام میرے پاس پہنچ گیا اور میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ ''ہم دونوں خوش قسمت ہیں جیک!۔۔۔۔ چند پتھر اٹھا لو اب ہمیں پوزیشن لے لینی چاہیے۔ تیز ہوا چل رہی ہے ہمیں یہاں صبح تک رکنا ہوگا۔ ذرا سوچو۔۔۔۔ کل تک ہم کلرک بننے کے لیے مرے جا رہے تھے اور تم کہہ رہے تھے کہ انسان کو علم نہیں ہوتا کہ اس کی قسمت میں کیا ہے اب مجھے تمہاری بات کا یقین آ گیا ہے۔''

اس وقت ہم نے وہ عمودی چھڑی جو جیک کمرے میں بنا رہا تھا، دو بڑے پتھروں کے بیچ نصب کر دی۔ ٹام جھکا اور اس کی مدد سے نشانہ لینے لگا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک وہ جھکا رہا پھر وہ اٹھا اور اسے دوبارہ درست کرنے لگا حتیٰ کہ اس نے اپنی تسلی کر لی اور وہ چھڑی ایک زاویے پر ٹکا دی۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ ''جیک ۔۔۔۔اب دیکھو اس کی سیدھ میں دیکھو۔''

میں بھی جھک کر دور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ ٹام نے اس کو بہت اچھی طرح نصب کیا تھا۔

اس کے بعد ٹام بولا۔ ''آؤ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کر لیں۔ لگتا ہے آج رات ہمیں کچھ نہیں ملنے والا۔ کل ہم اپنا سارا زور اور دماغ لگائیں گے۔ کچھ لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلاتے ہیں پھر ہم اس قابل ہوں گے کہ اپنے مطلوبہ مقام پر نظر رکھ سکیں۔ آج رات مجھے نہیں لگتا کہ کچھ ہونے والا ہے۔''

ہم نے آگ جلائی اور کھانا کھایا۔ وادی کے شیطان کی وہ آنکھ ساری رات ہمارے سامنے اِدھر سے اُدھر جاتی اور جگمگاتی رہی۔ وہ کسی بھی لمحے ایک مقام پر ٹکی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد جب میں نے اس پر ایک اور دفعہ نگاہ ڈالی تو وہ مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ ٹام بہت مضطرب ہو گیا وہ کہنے لگا۔ ''ایسا شاید چاند کی روشنی کی وجہ سے ہے اور کوئی وجہ نہیں۔'' پھر وہ کروٹ بدل کر سو گیا۔

صبح سویرے پو پھٹنے کے ساتھ ہی ہماری آنکھ کھل گئی اور ہم اس عمودی چھڑی سے اپنے مطلوبہ مقام کی طرف نشانہ لینے لگے مگر ہمیں سوائے مٹی، دھول اور پتھریلی چٹانوں کے کچھ نظر نہ آیا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد ٹام نے اپنے سامان سے ایک لمبی رسی نکالی اور بولا۔ ''جیک اس رسی کا ایک سرا تم اپنی کمر کے ساتھ باندھ لو، میں دوسرا سرا تھام لیتا ہوں اور آگے چلتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ نیچے وادی میں چٹان کی طرف چل پڑا۔ اس کے ہاتھ میں رسی کا ایک سرا تھا جب کہ میں دوسرا سرا مضبوطی سے اپنی کمر کے گرد باندھ چکا تھا۔ میں اس عمودی لکڑی کے پاس کھڑا تھا جو رات شیطانی شعلے کی سیدھ میں ٹام نے نصب کی تھی۔ تھوڑی دیر میں ٹام میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں اس عمودی چھڑی کو دیکھ کر ٹام کو اس کا راستہ بتا رہا تھا کہ دائیں جانا ہے یا بائیں۔ رسی تنی ہوئی تھی نیچے چٹان کے پاس پہنچ کر ٹام نے ایک جگہ چاک سے نشان لگا لیا۔ پھر اس نے مجھے نیچے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی میں بھی اس کے پاس پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کہنے لگا۔

''جیک ۔۔۔۔۔۔ مجھے کچھ تلاش کرنا ہے اور وہ ہم دونوں مل کر تلاش کریں گے۔'' جس جگہ اس نے نشان لگایا تھا وہ جگہ دوسری جگہوں اور چٹانوں سے کچھ مختلف نظر آ رہی تھی اور بڑی ہموار تھی۔ اس پر چند نشان

تھے ان میں سے ایک کی نشان دہی کرتے ہوئے ٹام چلایا۔ ''یہ دیکھو۔۔۔۔۔۔ یہ نشان جو انسان کی بند مٹھی جیسا ہے اور یہ نشان جو گلاس جیسا نظر آتا ہے۔۔۔۔ یہی ہے۔۔۔۔۔ یہی ہے۔۔۔۔ جس کی مجھے تلاش تھی۔'' وہ پورے جوش سے چلا رہا تھا۔

''کیا۔۔۔۔ یہی ہے؟۔۔۔۔۔۔ کیا ہے یہ۔'' میں نے حیران ہوکر پوچھا۔

''ہیرا۔۔۔۔ اب دنیا رشک کرے گی ٹام ڈین بائر پر۔'' ٹام کا لہجہ پرجوش تھا۔

میں ہکا بکا اور گنگ وہاں کھڑا رہا اس کو گھورتا رہا۔ مگر میر پرواہ کیے بغیر وہ کہنے لگا۔

''لوہے کا پھاوڑا مجھے دو اب میں اس کو استعمال کرکے اس ہیرے کو یہاں سے اکھاڑ لوں گا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ سب اس قدر آسان ہوگا۔ اب ہم فوراً اپنے کیبن واپس جائیں گے اور پھر وہاں سے کیپ ٹاؤن۔''

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ہم نے اپنا خزانہ سمیٹا اور چٹانوں کے ساتھ ساتھ واپس گھر کو روانہ ہوئے۔ راستے میں ٹام نے مجھے بتایا کہ ایک روز جب ٹام ابھی لندن کے کالج میں زیر تعلیم تھا تو اس کی ملاقات کالج لائبریری میں قانون کے ایک طالب علم سے ہوئی تھی جس کے پاس ایک پرانا اشتہار تھا جو کسی ڈچ شہری کی طرف سے چھپا تھا جس نے جنوبی افریقہ میں ہیروں کی کان دریافت کی تھی اور اب اسے اس کان میں کام کرنے کے لیے مزدور درکار تھے۔ یہ کہانی ٹام کے دماغ میں تھی اور جب اس نے ڈک کی بھوتوں والی کہانی سنی تو اس کے دماغ نے فوراً کام کیا اور اس نے اس کا تانا بانا اسی کہانی سے جوڑ دیا۔

یہ ساری کہانی سنانے کے بعد ٹام بولا۔ ''اب ہم کیپ ٹاؤن جائیں گے اور اس ہیرے کو وہاں فروخت کرنے کی کوشش کریں گے اگر وہاں اس کی اچھی قیمت نہ ملی تو پھر اس کو لندن لے جائیں گے وہاں تو ضرور اس کی اچھی قیمت مل جائے گی۔''

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

دل کی بیماریاں

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں، دل کی دھڑکن، خون کے دباؤ کی زیادتی، شریانوں کی سختی و ہائی بلڈ پریشر، غذائی 5 تبدیلیاں جو آپ کی زندگی بدل دیں گی، دل کی جڑیں دماغ میں ہیں، بچپن کی تلخیاں اور ہارٹ اٹیک، مرض دل کا سن کر اوسان خطا نہ کریں، دل کا دورہ زندگی بچائے، خواتین میں ہارٹ اٹیک کی علامات، غصے سے بچیں دل کے دورے سے بچیں، بچوں میں دل کی بیماریاں، بائی پاس سرجری اور فرائیڈ چکن، ایمرجنسی تدابیر، صحت مند دل کے لئے دس قیمتی مشورے، امراض قلب کا نباتاتی علاج، پیدل چلنے کے فوائد، دل کی دھڑکن بڑھنے کا غذا سے علاج، دل کی جلن کا غذا سے علاج، دل کے غلاف کی سوجن، ورم غلاف القلب پیری کارڈائیس، دل کی سوجن، ورم قلب، دل کی عضلہ کی سوجن کارڈائیس۔ اور بہت سی دل کی بیماریوں کے بارے میں جانئے اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفیٰ

دعا بک کارنر نئی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا ٹام کچھ سوچتے ہوئے دوبارہ بولا۔ ''ہمارے کیبن سے قریب ترین جو فارم ہے اس کا مالک میڈی سن ہے میرا خیال ہے ہم اس کے پاس جائیں وہ ان چیزوں کا تجربہ رکھتا ہے اور ہمیں مشورہ سے سکتا ہے کہ ہمیں اس کی کتنی مناسب قیمت مل سکتی ہے۔''

مجھے اس کی اس بات پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نظر نہ آئی اس لیے خاموش ہی رہا۔ ہم پہلے اپنے کیبن پہنچے ساز وسامان وہاں رکھا اور پھر میڈی سن کے فارم کا رخ کیا۔ جب ہم وہاں پہنچے اس وقت وہ دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا۔ ہمارے آنے کی اطلاع ملتے ہی اس نے ہمیں اندر بلا لیا اور اپنے سامنے بیٹھا لیا۔ ہم افریقی مہمان داری کے مزے لینے لگے۔

کھانا کھانے کے بعد جب اس کے ملازم برتن سمیٹ کر لے گئے تو وہ رومال سے منہ صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''ہاں اب بولو۔ تم لوگ شاید کوئی مسئلہ لے کر میرے پاس آئے ہو۔'' اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے ٹام نے رومال میں لپٹا ہوا ہیرا جیب سے نکالا اور اس کے سامنے کھولتے ہوئے بولا۔ ''کیا تم بتا سکتے ہو اس کی کیا قیمت ہوگی؟''

میڈی سن نے اسے احتیاط سے اٹھا لیا اور تنقیدی نظر سے دیکھنے لگا تھوڑی دیر بعد اس کو دوبارہ نیچے رکھ دیا اور بولا۔ ''اس خام حالت میں اس کی قیمت بارہ شلنگ فی ٹن سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔''

''صرف بارہ شلنگ ـــــ اور وہ بھی فی ٹن ـــ'' ٹام چلاتے ہوئے اپنی جگہ سے بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ہیرے کو فوراً اوپر اٹھایا اور کہنے لگا۔ ''کیا تم نے دیکھا نہیں یہ کیا ہے۔''

''یہ چٹانی نمک ہے۔'' میڈی سن اطمینان سے بولا۔

''چٹانی نمک یا ہیرا ـــ؟'' ٹام کا چہرہ لال ہو رہا تھا۔

''چکھ کر دیکھ لو ـــ'' میڈی سن اسی اطمینان سے بولا۔

ٹام نے اپنی زبان کی نوک ہیرے کے ساتھ لگائی پھر واپس میز پر رکھ دیا اور تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

میں خود بھی بہت افسردہ اور دل شکستہ تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے گھر کی طرف چل پڑا۔ میڈی سن حیرت سے منہ کھولے ہمیں دیکھتا رہا۔ جب میں گھر پہنچا تو دیکھا کہ ٹام اپنے بستر پر چت لیٹا تھا۔ میرے کئی بار بلانے پر بھی اس نے کوئی جواب نہ دیا تو میں باہر نکل آیا اور کھلی ہوا میں کچھ دیر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے میں گھر سے کچھ دور نکل آیا تھا مگر مجھے کیبن کے اندر سے ٹام کی سسکیوں اور ہچکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں یقیناً وہ بہت زیادہ دل گرفتہ تھا۔ تھوڑی دور جا کر میں رک گیا اور واپس پلٹنے کا ارادہ کیا۔ ابھی پلٹا ہی تھا کہ اچانک ایک زوردار قہقہہ سنائی دیا۔ میں یہ آواز سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ کچھ سمجھتا اگلے ہی لمحے ٹام کیبن کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کہنے لگا۔

''میرے دوست اب ہمیں ایک دفعہ پھر دس میل چلنا پڑے گا۔''

''کیا ـــ؟ ـــ ایک دفعہ پھر ایک اور چٹانی نمک کے ٹکڑے کے لیے جس کی قیمت بارہ شلنگ فی ٹن ہے۔'' میں نے کراہتے ہوئے پوچھا۔

''اب ایسا نہیں ہوگا۔ اب تم مایوس نہیں ہوگے۔'' ٹام خوشی سے چہکا اور پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کہنے لگا۔ ''دیکھو جیک! ـــــ ہم کتنے بے وقوف ہیں۔ صرف پانچ منٹ بیٹھ کر سوچو تو ہر بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔ تم اور میں ہم دونوں زندگی میں کتنی ہی دفعہ چٹانی نمک کے ٹکڑے دیکھ چکے ہیں مگر کیا تم نے کبھی نمک سے کسی ٹکڑے کو رات کے اندھیرے میں یوں جگنو کی طرح چمکتے دیکھا ہے۔''

''نہیں ـــ میرا نہیں خیال ـــ'' میں نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں رات تک انتظار کرنا

چاہیے تھا جو ہم نہیں کر سکے۔ ہمیں وہاں جا کر دیکھنا چاہیے کہ کیا وہ روشنی ابھی تک وہاں چٹان پر چمک رہی ہے۔ ہم نے یہ بے قیمت نمک غلطی سے وہاں سے اٹھالیا۔ ان پہاڑیوں میں یہ عجیب بات نہیں ہے کہ چٹانی نمک کے ٹکڑے یوں ہیروں کے ساتھ پڑے ہوں۔ ہماری اس پر نظر پڑی اور ہم پر جوش ہو گئے اور بے وقوفی کر بیٹھے۔ اصل چھوڑ کر غلط اٹھا لائے۔ جیک!۔۔۔ وادی کے یہ ہیرے جواہرات اس عجیب چٹان پر موجود ہیں۔ آؤ میرے دوست اس سے پہلے کہ میڈی سن وہاں پہنچنے کی کوشش کرے ہمیں چل دینا چاہیے۔'' ٹام نے ایک لمبی تقریر جھاڑ دی۔

میں نہیں جانتا کہ اس وقت میں کتنا پر اعتماد تھا مگر ٹام کا جوش اور اعتماد دیکھ کر میں چلنے کو تیار ہو گیا۔ ٹام ایک اچھا کوہ پیما تھا مگر اب تو اس کو امید نے پر لگا دیے تھے۔ میں اپنی حتی المقدور کوشش کر کے اس کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب ہم ایک میل کا فاصلہ طے کر چکے تو اس کی رفتار دوگنی ہو گئی اور پھر وہ رکا نہیں یہاں تک کہ وہ چٹان پر بنے اپنے سفید رنگ کے دائرے تک پہنچ گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا جب میں اس تک پہنچا تو وہ اپنے ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے کھڑا تھا اور چٹان کو گھور رہا تھا۔ میرے قریب پہنچتے ہی وہ میری طرف دیکھے بغیر بولا۔

''دیکھو ہیرا یہاں تھا۔ اس دائرے میں سوائے سادہ سطح کے کچھ نہیں بس ایک بڑا سوراخ ہے جہاں سے ہم نے چٹانی نمک نکالا تھا۔ میں ہر جگہ دیکھ چکا ہوں وہ یہاں نہیں ہے۔ آؤ گھر واپس چلیں میں تھک گیا ہوں۔ میری طرح کا بدقسمت کم ہی کوئی ہو گا۔''

میں واپس جانے کے لیے مڑا اور ایک آخری نگاہ چٹان پر ڈالی۔ ٹام مجھ سے دس قدم آگے جا چکا تھا۔

''رکو۔۔۔۔۔۔ یہاں دیکھو۔'' میں ایک دم چیخا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔۔'' ٹام رک کر حیرت سے بولا۔

''میرا خیال ہے تم کوئی چیز بھول رہے ہو جو کل یہاں تھی۔''

''وہ چٹانی نمک۔۔۔۔؟'' ٹام نے پوچھا۔

''نہیں وہ آہنی پھاوڑا جو ہم نے پتھر اکھاڑنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ جب ہم نے اسے اس چٹان پر مارا تھا تو کئی پتھر ٹوٹ کر گرے تھے۔''

پھر ہم دونوں مل کر چٹان کے دامن میں گرے پتھروں کے درمیان اسے تلاش کرنے لگے۔

''جیک۔۔۔۔۔ تم ٹھیک کہتے ہو ہم نے آخر کار کر دکھایا، ہم کامیاب ہو ہی گئے۔'' ٹام کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں کالی چٹان کا ایک ٹکڑا تھا۔ بادی النظر میں وہ چٹان کا کوئی ٹکڑا معلوم ہو رہا تھا مگر میں نے دیکھا کہ ٹام چٹان کے قریب ایک جگہ اشارہ کر رہا تھا۔ پہلی نظر میں وہ کوئی شیشہ نظر آیا مگر غور سے دیکھنے پر وہ شیشے کے ٹکڑے سے مختلف تھا اب کوئی غلطی نہیں ہو رہی تھی ہم یقیناً ایک شان دار ہیرا دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ دھڑکتے دل کے ساتھ ہم واپس مڑے اب یقیناً ہمارے پاس ایک خزانہ تھا۔

تو یہ ہے میری کہانی جو کافی لمبی ہو گئی ہے جس نے آپ کو تھکا دیا ہو گا۔ جب میں یہ آپ کو سنا رہا ہوں تو مجھے اپنا وہ پرانا کیبن یاد آ رہا ہے اس کے ساتھ بہتی ندی اور اس کے گرد جھاڑیاں اور ٹام کی آواز۔ ہم اس ہیرے کی مدد سے امیر ہو گئے۔ ٹام نے یہاں جنوبی افریقہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی وہ اس ہیرے کی تلاش کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں میں کافی مشہور بھی ہو گیا تھا اور لوگ اسے خوش قسمت ٹام کے نام سے یاد کرتے تھے۔ میں نے بھی ہیرے کی فروخت سے حاصل ہونے والے اپنے حصے کی رقم سے افریقہ میں شتر مرغوں کا ایک فارم بنا لیا۔ ڈک جس نے ہمیں اس ہیرے کی اطلاع دی تھی اس کو بھی ٹام نے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنا لیا۔ آپ کبھی اس طرف آئیں تو میرے فارم پر آنا مت بھولنا۔ میں انتظار کروں گا۔

خونی جزیرہ

ایم الیاس

آخری قسط

خوفناک حیرت ناک اور دھشت ناک وادی میں جنم لینے والی عجیب و غریب خوف کی وجہ سے دل کو سھماتی اور رگوں میں خون کو منجمد کرتی، قدم قدم پر لرزاتی اور پورے جسم میں ارتعاش پیدا کرتی نادیدہ قوتوں کی ناقابل فراموش اور ناقابل یقین، ڈرائونی کھانیوں کی فھرست میں سب سے آگے حقیقت پر مبنی خونی کھانی۔

مشہور و معروف رائٹر کے زور قلم کی شاہکار کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کر دے گی

میں اس سے قبل اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر کرتا اور سوچتا کتے نے غرا کر مجھ پر جست لگائی اور سیدھا میرے سینے پر چڑھ آیا تو لگا کہ میرے سامنے فرشتہ اجل جیسے مجھے موت سے ہمکنار کرنے والا ہے۔

میں بدحواسی کے عالم میں چیختا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا اور زندگی کی کوئی امید نہ رہی لیکن عین اس وقت میرے عقاب نے ایک زوردار چیخ ماری اور کتے کے منہ پر حملہ کر دیا۔ لمحہ بھر کی بھی تاخیر ہو جاتی تو کتا مجھے لہولہان کر چکا ہوتا۔ یہ مصیبت کتے کے لئے اچانک اور غیر متوقع تھی۔ وہ پل بھر کے لئے مجھے چھوڑ کر غصے سے بھونکتا ہوا پیچھے ہٹا تو میں پھرتی کے ساتھ زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس دوران میں وہ خونی عقاب فضا میں ایک چکر کاٹ کر دوبارہ اس کتے پر ٹوٹ پڑا اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اپنی چونچ اور پنجوں سے کتے کی ایک آنکھ نوچ ڈالی اور فضا کتے کی تیز غراہٹوں سے گونج گئی۔

میں ایک طرف کھڑا ہوا اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ادھر وہ عقاب پہلو بدل بدل کر اس خوف ناک کتے کا بدن اور چہرہ ادھیڑتا رہا۔ معاً کسی سمت سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور کتے کا جسم چیرتا ہوا آر پار نکل گیا۔ کتے کے حلق سے ایک آخری کرب ناک چیخ نکلی اور وہ بے جان ہو کر نیچے گر گیا۔

سردار جیون کے دیئے ہوئے عقاب نے فضا میں ایک لمبا چکر لگایا اور دوبارہ میرے شانے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس وقت پہلی بار میرے دل میں عقاب کے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوئے۔ یقین نہ آیا کہ عقاب بھی اس قدر وفادار اور جانثار ہوتا ہے۔ بہترین محافظ بھی..... اور میں اس کی ہمراہی میں تقویت کے ساتھ دوبارہ بستی کی طرف بڑھنے لگا۔ مجھ پر پہلا قاتلانہ حملہ ناکام ہو چکا تھا اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وفادار عقاب کے علاوہ سردار جیون کا کوئی شخص میری نظروں سے پوشیدہ رہ کر میری حفاظت کر رہا ہے مگر ان جانے خطرات تو اپنی جگہ جوں کے توں موجود تھے۔ میں غفلت برتنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے یہ بہت ضروری تھا کہ میں جتنا محتاط اور ہوشیار رہ سکتا ہوں رہوں۔

جب دن ڈوب کر شام کا اندھیرا پھیلنے لگا اور وہ گہرا ہونے لگا تو مجھے شب بسری کی فکر ہوئی۔ مجھے مقدس سرونا نے بلا لیا تھا۔ لیکن میرا اس کے ہاں جانا اس لئے مشکل تھا کہ ایک تو عقاب ساتھ تھا اور کوئی دوسرا نادیدہ محافظ بھی تھا۔ اس لئے میں بستی سے ملحق ایک کھلے میدان میں وہاں

جا بیٹھا۔ جہاں نرم نرم گھاس تھی جہاں سے میں ہر سمت نظر رکھ سکتا تھا۔

مجھے مقدس سرونا کے الفاظ یاد تھے کہ بستی والے خود تو مجھے نہیں ماریں گے مگر میری جان ہر سے خطرے میں رہے گی۔ اس کا مطلب یہی نکلتا تھا کہ بستی کے لوگ رانی کے امیدوار سے براہ راست تو نہیں الجھیں گے مگر وہ کسی اور ذریعے، حیلے اور بہانے سے مجھے ختم کرنے کی کوشش ضرور کریں گے اور اس کا مجھے تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

مقدس سرونا کے ہاں کیسے جاؤں؟

میں ایک عجیب مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ نہ جاؤں تو مقدس سرونا ناراض ہو جاتی۔ وہ سولہویں بچے کی ماں بننے کے لئے مجھ پر مہربان ہونا چاہتی تھی۔ کوئی ضروری نہیں تھا کہ میرے بچوں کی ماں بن جائے۔ اس کے حسن کی حشر سامانیاں مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ اس نے جو حسن اور جوانی پائی تھی وہ بے مثال تھی جس نے مجھ پر قیامت ڈھا دی تھی۔

دوسری طرف اس نے مجھے راز داری کے لئے بھی کہا تھا جو میرے لئے مشکل تھا۔

وہ بے زبان پرندہ صبح ہی سے بھوکا تھا۔ پیاسا بھی تھا۔ میرے ساتھ تھا اور رات کے اندھیرے میں بار بار چونک کر اطراف میں دیکھتا تھا کہ کوئی نادیدہ دشمن کسی سمت سے حملہ کرنے تو نہیں آ رہا ہے؟ وہ ایک مستعد سپاہی کی طرح جائزہ لے رہا تھا جیسے محاذ پر لیا جاتا ہے اور پھر ایک نادیدہ محافظ بھی میری نگرانی اور حفاظت کے لئے سردار جیون نے مقرر کر رکھا تھا۔ شاید اس خیال سے بھی کہ کہیں میں فرار نہ ہو جاؤں۔ وہ کسی پوشیدہ جگہ سے میری نگرانی کر رہا تھا۔ ایسی صورت حال میں..... میں مقدس سرونا کے پاس کیسے جا سکتا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ان باتوں کا مقدس سرونا نے یقیناً سوچا تو ہوگا۔ اسے میری مجبوری اور افشاء راز کا احساس ہوگا تو پھر وہ میرا انتظار نہیں کرے گی۔ میں نے دل پر جبر کا پتھر رکھ لیا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

مجھے یک لخت خیال آیا کہ میں نے مقدس سرونا کے ہاں پھل اور گوشت کھاتے وقت وافر مقدار دیکھ خاصا گوشت اور رس بھرے پھل دونوں جیبوں میں ٹھونس سکتا تھا ٹھونس لیا تھا۔ اس خیال سے کہ رات وقت کھاؤں گا۔ میں یہ بات بالکل ہی بھول گیا تھا میری جیبوں میں پھل اور گوشت ہے۔ میں نے آ جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے گوشت نکل آیا تقریباً آدھا کلو سے زیادہ ہوگا۔ وہ میں نے عقاب طرف بڑھا دیا۔ وہ گوشت لے کر مجھے دیکھتا رہا پوچھ رہا ہو کہ تم کیا کھاؤ گے؟ جب میں نے جیب پھل نکالا اور کھانے لگا تو اس نے بھی گوشت کھانا شر کیا۔ میں نے اسے اور گوشت بھی دے دیئے چوں وہ بھوکا پیاسا تھا اس لئے اس پر ٹوٹ پڑا اور پھر وہ ایک طرح سے میرا محسن بھی تھا۔ میں نے پھل جی بھر کے کھ اور سیر ہو گیا۔

میں نے سمجھ لیا اور اندازہ کر لیا تھا کہ مجھے پہلی رات سخت بے چینی اور بے آرامی سے گزارنی ہوگی۔ گو کہ سردار جیون کے عقاب کی وجہ سے میرا حوصلہ خاصا بلند تھا۔ مجھے رات جاگ کر کاٹنی ہوگی اور میں کسی لمحے پلک جھپکا نہیں سکتا۔ میں نے ہر سمت اس خیال سے دیکھا کہ کوئی لڑ عورت شاید کسی کام سے نکل کر شاید گزر سکتی ہے۔ وہ نظ آئی تو اسے دبوچ کر لے آؤں گا لیکن اس کی ضرورت بھ نہ ہوگی بلکہ وہ خود ہی خوشی خوشی چلی آئے گی لیکن یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

تھوڑی دیر بعد اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ مجھے اس کمینے سردار پر غصہ اور طیش بھی آ رہا تھا جس نے اپنے منتر سے لڑکیوں، عورتوں کو اپنے گھروں میں محصور کر دیا تھا۔ یہ بات یہاں تک محدود ہوتی تو فرق نہ پڑتا۔ اس نے میری نگرانی کے لئے ایک اپنا آدمی تعاقب میں لگا رکھا تھا کہ کہیں میں کسی گھر میں گھس نہ جاؤں۔ اگر وہ میری نگرانی پر مامور نہ ہوتا تو شاید میں مقدس سرونا یا پھر کسی بھی حسین دوشیزہ کے گھر میں گھس جاتا اور رات گزار دیتا۔ میں نے چوں کہ خوب سیر ہو کر شکم سیری کر لی تھی اس لئے مجھ پر غنودگی طاری

نے لگی۔ میں نے بڑی کوشش اور جدوجہد کی کہ نیند کی
وش میں نہ جاؤں تاکہ کوئی تدبیر کرکے مقدس سرونا
ہاں پہنچ جاؤں لیکن نیند کا غلبہ شراب کے نشے میں بھی
را تھا لہٰذا میری ہر کوشش بے سود ہوگئی۔ میں نیند کی
وش میں چلا گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں
لمبی چوڑی اور شان دار قسم کی مسہری کے بستر پر دراز
ں۔ اس پر بیک وقت چار پانچ جوڑے وقت گزاری
سکتے تھے۔ کمرے میں بہت ساری اور بڑی بڑی
ی شمعیں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ
ں کے اجالے کا گمان ہوتا تھا۔ ہر چیز اور ذرہ ذرہ نہارہا
اور واضح تھا۔

پھر میں نے مقدس سرونا کو جو دل آویز انداز سے
ڑی تھی اور مجھے خود سپردگی اور پیاسی نظروں سے دیکھتی
ب کررہی تھی۔ سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک تھی کہ مجھے
طر کیے دے رہی تھی۔ وہ کسی رانی کی طرح لگ رہی
ی۔ وہ دوآتشہ ہورہی تھی۔

وہ میز کے پاس کھڑی تھی اور بے نیام تلوار کی
ات میں تھی۔ اس میز پر طرح طرح کے پھل اور کھانا چنا
ا تھا۔ کھانے میں ہرن اور پرندوں کا بھونا ہوا گوشت تھا
ں کی خوشبو نے میری اشتہا تیز کردی تھی۔

میں ایک دم سے ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ میں حیران تھا
میں یہاں کیسے اور کیوں کر آیا؟ مقدس سرونا کی طرف
یلنے لگا۔ ''خوش آمدید.....!''

اس نے اپنی مترنم آواز کے زیر و بم اور اپنی نظروں
ں جذب کرتے ہوئے کہا۔

میری سوالیہ نظروں اور چہرے پر حیرت کو
اپ کر بولی۔

''تم حیران نہ ہو۔ تمہارا دل و دماغ چکرا رہا ہوگا یہ
وچ سوچ کر کہ میں یہاں آپ ہی آپ کیسے؟ تمہیں
ہری تابع قوت لے کر آئی ہے تاکہ میں تم سے پیار بھری
تیں کروں..... تم پہلے پیٹ کی بھوک مٹالو..... پھر ہم
ش منائیں گے۔''

میں رات میں شکم سیر ہو چکا تھا۔ بھوک بالکل بھی
نہ تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میرے سامنے دسترخوان بچھا
ہوا ہے اور اس پر انواع و اقسام کے لذیذ، مزے دار
اور ایک سے ایک کھانے چنے ہوئے ہیں۔ لیکن میں
سرونا پر ٹوٹ پڑا۔

☆.....☆.....☆

جب میں بیدار ہوا تو پو پھٹ رہی تھی۔ میں بستر پر
نہیں بلکہ گھاس پر لیٹا ہوا تھا۔ عقاب جو گہری نیند سو رہا
تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد بیدار ہوگیا۔ میرے ذہن پر جذبات
کا خمار چھایا ہوا تھا۔ رات کے واقعات میری نظروں کے
سامنے کسی فلم کے سنسنی خیز اور ہیجان انگیز کی طرح گھومنے
لگے۔ کیا میں نے رات کوئی حسین اور رنگین سپنا دیکھا
تھا.....؟ کیا وہ واقعی سپنا تھا.....؟ کیا سپنے ایسے ہوتے ہیں
کہ ان پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے.....؟ اگر سیاہ ریشمی
بالوں کی سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک میرے دماغ میں
بسی نہ ہوتی تو میں اسے سپنا سمجھتا۔

لیکن میرے پاس پھل اور گوشت کے پارچے
پڑے ہوئے تھے۔ یعنی کسی صورت بھی وہ سپنا نہیں تھا۔

خیر جب سورج طلوع ہوکر اجالا ہوا تو میں نے اور
عقاب نے پھل اور گوشت کھایا۔ عقاب حیران تھا کہ یہ
کہاں سے اور کیسے آئے؟ اگر وہ بے زبان نہ ہوتا تو یہ
سوال کرتا لیکن اس کی آنکھوں میں جو حیرت اور سوال تھے
وہ صاف محسوس ہوتے تھے۔ میں نے بھانپ کر اسے
مخاطب کرکے کہا۔

''دوست.....! میرے محسن.....! یہ کہاں سے
آئے اور کون لایا؟ یہ سوچنے کی ضرورت نہیں..... بس آم
کھانے اور پیٹ بھرنے سے مطلب ہونا چاہئے.....''

میں اور عقاب اس کھانے سے سیر ہوگئے تھے۔
جب دن چڑھ آیا تو میں صورت حال کا جائزہ لینے کے
لئے بستی میں داخل ہوگیا۔ وہ عقاب بدستور میرے
کندھے پر سوار تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ بستی کے
لوگوں میں میرے لئے کیا جذبات ہیں۔ بستی کے مردوں
میں سخت اشتعال پھیلا ہوا تھا اور جوش و خروش بھی تھا۔ وہ

سب مجھے نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھور رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان کا بس چلے تو وہ مجھے نیزوں سے چھلنی کردیں اور میرا خون پی جائیں۔ پھر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کتوں کو کھلادیں۔

لیکن لڑکیوں عورتوں کا رویہ اور جذبات برعکس تھے۔ سردار جیون نے اپنے منتر سے انہیں آزاد کردیا تھا۔ وہ مجھے پیاسی اور خود سپردگی کی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ عقاب جب کچھ دیر کے لئے جانے کس لئے نظروں سے اوجھل ہوا تو کئی عورتیں اور لڑکیاں میرا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ چلنے کے لئے اصرار کررہی تھیں۔ مگر جب عقاب آیا تو میری ان سے جان چھوٹی۔

میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ مرد اور لڑکے مجھے اس قدر نفرت سے کیوں گھور رہے ہیں؟ لیکن میں ان میں سے کسی سے بات کرنے کی ہمت نہ کرسکا تھا۔ لیکن جب میں نے ایک سے پوچھنا چاہا تو وہ نفرت سے منہ پھیر کر چل دیا۔ میں حیران تھا کہ آخر ان لوگوں کو ہو کیا گیا ہے.....؟ کل تک تو میں نے ان میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی تھی۔ وہ مجھ سے ہمدردی کے جذبات رکھتے تھے ان کے خیال میں میرے ساتھ دھوکا ہوا تھا۔

پھر میں نے ایک سولہ برس کے معلوم اور بھولے لڑکے سے بات کی اور اس سے دریافت کیا تو اس اشتعال کا سبب واضح ہوگیا تھا۔ پچھلی رات ایک اور نوجوان اجنبی بستی میں داخل ہوا ہے۔ اس نے بھی سردار جیون کی بیٹی رانی پر اپنا حق جتایا ہے۔'' وہ بتانے لگا۔ ''اس نے ساری بستی کے لوگوں کو چیلنج کیا ہے کہ کوئی سورما ہے تو وہ اس سے مقابلہ کرے؟''

یہ سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ کشن سوامی ہی آنے والا شخص ہے۔ اب اس کا اور میرا مقابلہ ناگزیر ہوچکا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ فکر لاحق ہوگئی تھی کہ میں پہاڑی غار سے اسے کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ کر فرار ہونے کا کیا جواز پیش کروں گا؟ کافی دیر تک سوچ بچار کرنے کے بعد میں نے کشن سے ملنے کا فیصلہ ہی کرلیا تھا۔ وحشی قبائلیوں کی اس بستی میں ہم دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لئے بڑا سہارا تھا اور مجھے اس بات کی امید تھی کہ کشن میرے فرار کی کوئی بھی معقول تاویل کرلے گا۔ اب اسے تلاش کرنا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہاں ہوگا؟ تلاش کرنے پر وہ مجھے ایک لڑکی کے ندی کنارے نظر آ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ میری طرف بڑھ

میری توقع کے برعکس اس نے مجھے بڑی محبت گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔

''یارونود.....! کیسے ہو؟'' اس کا لہجہ مٹھاس سے تھا۔ ''مجھے پہلے ہی مشتبہ تھا میرے دوست!'' اس میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''شولو بہت مکار اور ذلیل کا شخص ہے۔ اس کی نظروں سے بچ نکلنا اور اسے تو پہنچانا بڑا مشکل کام ہے۔ دیکھا جائے تو تم نے وا بڑے زبردست کارنامہ انجام دیا۔''

میں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا۔ اس لئے کہ نے مجھ سے نفرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

شولو نے مجھے خود ہی بتایا تھا کہ..... اس شخ نے تمہیں فرار ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر اس تمہیں بے بس کرکے ایک خچر پر سوار کرادیا اور تمہیں بستی کی طرف روانہ کردیا۔ اس نے یہ با بڑے دعوے سے کہی تھی کہ ان کے خچر سدھا ہوئے ہیں۔ وہ تمہیں بستی پہنچائیں گے۔ تم بستی علاوہ کہیں اور جا بھی نہیں سکتے۔ اس نے یہ بات نہیں کہی اور میں یہ کہتا ہوں کہ ان درندوں کو جا سدھانے میں بڑا ملکہ حاصل ہے۔ اس لئے خون خو شکاری کتے ان کے تابع اور محافظ بھی ہیں۔ ان عقابوں کو دیکھو جو وہ ان کے لئے دور دراز سے شک لاتے ہیں اور وہ خچر بھگوان کی سوگند ونود.....! وہ شا بدروحیں ہیں۔ میں نے دو تین مرتبہ راستہ بدلنا چاہا میں کامیاب نہ ہوسکا۔ میں نے ان پر تشدد کیا۔ چمکا بھی تو اس نے وہ اچھل کود شروع کی کہ خوف ناک ا پرخطر راستوں پر جان کے لالے پڑ گئے۔ اور کھا میں گرتے گرتے بال بال بچا۔ پھر میں نے دہشت زدہ ہوکر اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس لئے

ں کوئی اور کوشش کرتا تو شاید وہ مجھے کسی کھائی میں
رانے سے باز نہیں آتا۔‘‘
’’تمہارا پتھر کیسے کھلا......؟‘‘ میں نے سانس لیتے
ئے موضوع بدلا۔’’میرے جانے کے کتنی دیر بعد تم نے
ر کھول لیا تھا؟‘‘
’’پتھر میں نے نہیں بلکہ شولو نے کھولا اور اس نے
دہی مجھے خچر پر سوار بھی کرایا۔‘‘ وہ بے خیالی میں اپنی کمر
ولنے لگا۔
’’شاید اب ہمیں ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھانے ہی
یں گے؟‘‘ میں نے رازدارانہ لہجے میں اس کے قریب
و کر سوال کیا......
’’تمہیں معاہدہ یاد ہے نا جو سردار نے کہا تھا......
ں پر عمل کرنا اشد ضروری بھی ہے۔‘‘
’’ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ مقابلہ فیصلہ کن نہ
و؟‘‘ اس نے بڑی فکرمندی سے کہا۔
’’آخر وہ ہمیں کتنے دنوں تک آپس میں لڑائے گا؟
خر ایک نہ ایک دن تو ہمیں سچ مچ کا مقابلہ کرنا ہوگا......
ردار یا شولو ہرگز بے وقوف نہیں ہیں۔ یہ مت کہو کہ وہ
جنگلی ہیں اور ان کی کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے۔ وہ
مہذب دنیا کے لوگوں سے کہیں ذہین ہیں؟‘‘
’’ہاں...... یہ بات تو ہے؟‘‘ میں نے تائیدی لہجے
یں کہا۔’’ہمیں کوئی نہ کوئی ایسی تدبیر سوچنا ہوگا کہ سانپ
بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ہم دونوں ہی بہت
بڑی مصیبت میں گرفتار ہوگئے ہیں۔ اس سے نجات
پانے کی کوئی صورت اور تدبیر نظر نہیں آرہی ہے۔‘‘
ان وحشیوں کی روایات بھی بڑی عجیب و غریب اور
ناقابل فہم ہیں۔‘‘ کشن سوامی کہنے لگا۔’’ایک تو یہاں مرد
اور عورت کو چاہے وہ شادی شدہ ہی کیوں نہ ہو۔ انہیں یہ
آزادی اور اجازت ہے کہ جس سے دل چاہے تعلقات
رکھیں۔ میں بستی میں آیا تو مجھ سے سردار نے کہا کہ تمہارا
دل جس لڑکی یا عورت پر آجائے تم وقت گزار سکتے ہو۔
ایک اور بات جو کسی کو یاد نہیں کہ کوئی امیدوار بازی
ہار کر زندہ رہا ہو۔ ویسے ان کا دستور یہ بھی ہے کہ مقابلہ ہار

کر زندہ رہنے ......
ان لڑکیوں میں سے کسی کی ......
جس کا کوئی امیدوار نہیں ہوتا ہے۔ وہ لڑکی ......
بدصورت اور بے کشش ہوتی ہے جیسے کوئی لڑکا مرد بھونا اور
وقت گزاری کرنا تو درکنار اس کی صورت تک دیکھنا گوارا
نہیں کرتا ہے۔ اس طرح اس لڑکی کی قسمت کھل جاتی
ہے۔ اسے یہ لڑکی عورت ہر قیمت پر قبول کرنی پڑتی ہے۔
انکار کی صورت میں اسے موت کی نیند سلادیا جاتا ہے۔
’’تم نے یہاں پہنچتے ہی صرف چند گھنٹوں میں
بہت ساری معلومات حاصل کرلی ہیں؟‘‘ میں نے تعریفی
لہجے میں کہا۔’’حالاں کہ میں یہاں کل صبح سے موجود
ہوں۔ لیکن یہ باتیں مجھے معلوم نہ ہوسکیں۔ شاید اس لئے
کہ میں نے معلوم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔
’’مجھے یہ تمام باتیں اس لئے معلوم ہوئیں کہ
تمہارے فرار کی ناکام کوشش کے بعد شولو ساری وقت غار
میں مجھ سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے ہر پہلو اور ہر
موضوع پر بات کی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ یہاں کی
لڑکیوں عورتوں کی خوب صورتی بے مثال ہے۔ وہاں ستر
پوشی کوئی لڑکی عورت کرتی ہے۔ تم ان کی خوب صورتی دیکھ
کر مبہوت ہوجاؤ گے۔‘‘
’’مجھے تو حیرت ہے کہ ان کی نسل کیسے جاری ہے۔
مرد تو اس طرح آپس میں مقابلہ کرکے مارے جاتے
ہیں۔ عورتیں بوڑھی ہو کر مرجانے کے لئے زندہ رہتی
ہیں۔ اس لئے تو یہاں عورتوں کا تناسب بہت زیادہ
ہے۔‘‘
’’نہیں......‘‘ کشن سوامی نے پرزور لہجے میں تکرار
کی۔’’اصل بات کیا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں۔ یہ بات تو
درست ہے کہ عورتوں کا تناسب مردوں کے مقابلے میں
کئی گنا زیادہ ہے۔ مرد اقلیت میں شمار کئے جاتے ہیں۔
لیکن یہاں عورت کے معاملات بہت زیادہ مختلف ہیں۔
جب تک لڑکی کی عمر پندرہ برس تک نہیں پہنچتی اس وقت
تک اس پر کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا۔ نہ ہی اس کی جوانی سے
کھیل سکتا ہے۔ یہاں لڑکی پندرہ برس کی عمر کے آغاز میں

سیانی ہوجاتی ہے۔ لڑکی کے سیانی ہوتے ہی اس کے دعوے دار پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جب لڑکی سیانی کی دہلیز پر جیسے ہی قدم رکھتی ہے اس کے گھر والے اپنے گھر کی چھت پر ایک سبز پرچم لہرادیتے ہیں جو دس دنوں تک لہراتا رہتا ہے۔

یہاں رقیب صرف تین دن تک اپنے کسی رقیب کا انتظار کرتا ہے۔ اگر وہ بلا مقابلہ کامیاب ہوجاتا ہے تو تیسری شام تک گندم کی خشک بالیں لے کر گھر پہنچتا ہے اور ایک خاص رسم کے بعد لڑکی کو لبادوں میں چھپا کر اپنے گھر لے آتا ہے۔ اگر کوئی رقیب پیدا ہوجائے تو پوری بستی کے مرد عورتوں لڑکیوں کے سامنے مقابلہ ہوتا ہے اور یہ مقابلہ لڑکی کے گھر کے سامنے ہی ہوتا ہے۔ جو ہار جاتا ہے وہ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو زخمی ہوجاتے ہیں اور اپنی ہار مان لیتے ہیں لیکن اس کی غیرت گوارا نہیں کرتی ہے کہ وہ ہار جائے۔ یہ اس کے لئے تذلیل اور تضحیک ہوتی ہے۔ وہ موت کی پروا کئے بغیر آخری دم تک لڑتا رہتا ہے.....

جب وہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے تو خون خوار شکاری کتے اسے چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں اور لڑکی کے ماں باپ اسے سخت پردے میں لاکر فاتح کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔

جس لڑکی کا اٹھارہ برس تک کوئی امیدوار نہ ہو وہ بدنصیب اور منحوس قرار دے دی جاتی ہے۔

وہ مزید دو برس تک کسی ہارے ہوئے امیدوار کے انتظار میں زندہ رکھی جاتی ہے۔ پھر وہ لڑکیاں اس بات کی کوشش کرتی ہیں کہ کسی ایسے لڑکے سے جو بلوغت کو پہنچ گیا ہو یا شادی شدہ مردوں سے تعلقات استوار کرلے تاکہ کسی لڑکے کو جنم دے سکیں۔ پھر بیس برس کی عمر پوری ہونے پر ان کی پوجا کے تہوار پر ایسی تمام منحوس لڑکیاں بھوکے کتوں اور شکاری عقابوں کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہیں۔ اگر وہ کسی نہ کسی طرح ان کے ہاتھوں سے بچ گئیں تو یہ ان کی قسمت اور خوش قسمتی ہوتی ہے۔ انہیں کوئی ہم درد بوڑھی عورت یا مقدس سرونا ایسا روغن دے دیتی ہے کہ جس کے بدن پر مالش سے کتے اور عقاب انہیں چیر پھاڑ کر کھانے سے باز رہتے ہیں۔ اس میں ایسی کوئی بو ہوتی ہے جس سے وہ ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتے ہیں۔ جب کوئی اجنبی بستی میں آتا ہے تو لڑکیوں اور عورتوں کو سخت پردے میں رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ یا پھر سردار جو ایک طرح سے جادوگر، وہ تمام لڑکیوں اور عورتوں کو منتر سے میں بند کردیتا ہے۔ اس نے یہ سلسلہ رانی کی شادی ہو۔ کے لئے شروع کیا ہوا ہے۔ ورنہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ مرد اور عورتیں لڑکیاں حیوانوں کی طرح آزاد ہوتی تھیں اور ا بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

کشن سوامی نے مجھے جس تفصیل سے جو کچھ بتا اسے سن کر میں سر سے لرز گیا۔ مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا تھا یقین نہیں آیا تھا کہ بدنصیب لڑکیوں کو خونی پرندوں ا درندوں کا نوالہ بنادیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر شقی القلب کیا ہوسکتی تھی۔ شاید میرا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور اس بات کشن سوامی نے محسوس کرلیا تھا۔ خاصی دیر تک میرا زبان کھل نہ سکی۔ اور میں گنگ سا ہوکر رہ گیا تھا۔

کشن نے جو مجھے استہزائیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سفاکانہ انداز سے ہنس پڑا۔ اس میں تمسخر بھی تھا

"جاؤ کل شام تک اس بستی میں اچھی طرح گھوم پھر لو..... تم نے مجھے جس لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا وہ سولہ برس کی لگ رہی تھی۔ وہ سولہ برس کی لڑکی نہیں تھی تیس برس کی تھی۔ متناسب اور چھریرا بدن تھا اس لئے سولہ برس کی دکھائی دی تھی۔ وہ دو جوان لڑکیوں کی ماں ہے۔ اس نے مجھ سے خوش ہوکر کہا اس کی لڑکیاں شادی شدہ ہیں اور ان کے پتی اس بستی سے باہر کسی شہر کو گئے ہوئے ہیں۔ چول کہ ایک برس ہوگیا ہے..... تم کسی وقت میرے گھر آجا جولال پیلے رنگ کا ندی کنارے ہے۔ میں دونوں لڑکیوں کو تمہاری سیوا کے لئے پیش کروں گی..... اور ہاں..... مجھے شولو نے بتایا کہ سردار جیون دنیا کا ذہین ترین شخص ہے۔ کہیں اسے ہم پر کسی سازش کا شبہ نہ ہوجائے اور کوئی نادیدہ تیر ہمارے سینے نہ چھیدے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم جدا ہوکر عیش کرتے پھریں۔"

میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ ساکت سا
ا تک کھڑا رہا۔ کشن سوامی بے پرواہی سے کندھے اچکاتا
نی خیز انداز سے مسکراتا آگے بڑھ گیا۔

"سنو......" اچانک مجھے ایک خیال آیا تو میں نے
آواز دی۔ وہ فوراً ہی رک کر سرعت سے میری طرف
ما اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کیا سردار جیون نے تمہیں رانی کی امیدواری کی
وئی نشانی وغیرہ نہیں دی؟" میرے چہرے پر استعجاب سا
آیا تھا۔

"وہ اپنا سب سے بہترین تربیت یافتہ عقاب
ے چکا تھا اس لئے اس نے مجھے پتھریلی مالا دی
ہے۔" کشن نے اپنے گلے میں پڑے ہوئے ہار کی طرف
ارہ کرتے ہوئے کہا جو ابھی تک میری نظروں میں نہیں
یا تھا۔

پھر وہ مخالف سمت بڑھ گیا شکار کی تلاش میں......
ر میں نے اپنی راہ لینے سے پہلے اسے اس وقت تک
یکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ وہ کسی
چھی عورت کو تلاش کر کے ٹھکانہ بنانا چاہتا تھا۔ اس نے
مجھے نہیں بتایا تھا کہ وہ اپنا ٹھکانہ کہاں بنا رہا ہے۔ شاید وہ
نہیں چاہتا ہوگا کہ میں بھی کسی عورت کے ساتھ وقت
گزاری کروں۔ وہ حسد و جلن محسوس کر رہا ہوگا۔

مجھے یقین تھا کہ سردار نے اپنے کسی نہ کسی آدمی کو
یقیناً کشن کی حفاظت کے لئے مامور کیا ہوگا۔

اس لئے سردار نے اسے اپنے گلے کی پتھریلی مالا
اتاردی تھی وہ اس کی حفاظت کے لئے ہی دی تھی۔ شاید بستی
کے تمام خون خوار کتے سردار کی بو سے مانوس ہوں گے۔
یسی صورت میں کشن پر حملے کے لئے بھیجا جانے والا ہر کتا
اس مالا میں بسی سردار کی بو پا کر بشن کے قدموں میں لوٹنے
گا جیسے وہ اس کا پالتو ہو۔

سردار نے مجھے اپنی حفاظت کے لئے عقاب دیا ہوا
تھا۔ مگر تربیت یافتہ عقاب نہ ہوتا تو وہ کتا مجھے چیر پھاڑ کے
کھا چکا ہوتا۔ یہ بستی کے کسی دشمن کی حرکت تھی جس نے
جھ پر کتا چھوڑا تھا۔ عقاب کا ہر وقت میرے ساتھ ہونا
میرے لئے بہتر ہی تھا اور میں نے اس طرح خود کو ہلکا
پھلکا محسوس کیا۔

جن عورتوں کو منتر سے آزاد کیا ہوا تھا گو کہ وہ نہایت
حسین اور پرکشش تھیں۔ لیکن میں ان سے متاثر اور مائل
اس لئے نہ ہو سکا کہ میں کسی غیر معمولی جوان لڑکی عورت
کی تلاش میں تھا یا پھر ایک انجانی سی قوت مجھے ان سے باز
رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان میں سے کچھ میرے پاس
آئی تھیں لیکن میں نے پیش قدمی نہیں کی۔ جن پر مجھے
حیرت ہوئی تھی۔ میں ایک درخت کے نیچے گھاس پر دراز
ہوا تو آنکھ لگ گئی اور گہری نیند میں ڈوب گیا۔

رات آئی تو میں بیدار ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ
کسی نادیدہ قوت نے مجھے اس طرح اٹھالیا۔ جیسے میں کوئی
نوزائیدہ بچہ ہوں۔ اس کی گود کے لمس میں بڑا گداز تھا۔
اچھوتا اور انوکھا پن...... وہ مہک رہی تھی اور مجھے جیسے بے
تحاشا جذباتی انداز سے چوم رہی تھی۔ مجھ پر ایسا نشہ طاری
ہونے لگا کہ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں اور پلکیں منوں
بھاری...... میں اس کی آغوش میں ایک عجیب سرور و کیف
محسوس کر رہا تھا۔ پھر میں نے مہکتے بھرے بھرے ہونٹوں
کی مٹھاس اپنے ہونٹوں میں جذب ہوتی محسوس کی۔ پھر
مجھے بڑی نرمی اور آہستگی سے بستر پر لٹا دیا گیا۔ پھر میں اس
قابل ہو گیا کہ آنکھیں کھول کر دیکھ سکوں۔

میری نظروں کے سامنے سرونا کھڑی مسکرا رہی
تھی۔ بلاشبہ وہ دنیا کی حسین ترین عورت تھی۔ اس میں جو
حسن، دل کشی اور رعنائیاں تھیں۔ وہ میں نے دنیا کی کسی
عورت اور عالمی مقابلہ حسن میں حصہ لینے والی لڑکیوں میں
بھی نہیں دیکھی تھی۔ کشش کے خزانے ابل رہے تھے۔
اس کے بال، رخسار اور ہونٹ بہت خوب صورت اور
تراشیدہ تھے۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں شراب کی سی مستی
تھی۔ آج اس کا روپ نیا اور انوکھا اور بالکل اچھوتا سا
محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے سراپا پر کوئی پردہ اور حجاب نہ تھا۔

آج کی رات اس نے کل کی رات کی طرح جو میری
سیوا کی تھی جیسے وہ میری ...... داسی ہو...... وہ اس وقت
صرف مقدس سرونا نہیں صرف ایک عام سی عورت تھی......

نشاط انگیز لمحات کے دوران مقدس سرونا نے مجھ سے کہا تھا کہ رانی تمہاری زندگی میں آنے کے بعد اس صورت میں تمہیں کسی رات اپنا مہمان بنا کر اسی فیاضی اور وارفتگی سے مرمٹوں گی کہ میں امید سے نہ ہونے کی صورت میں اور تم اس وقت مجھ سے محبت اور اتنی گرم جوشی سے پیش آتے رہو گے.....

میں خود بھی چاہتا تھا کہ میری راتیں اس کے ساتھ بستر ہوتی رہیں تاوقتیکہ وہ امید سے نہیں ہوجاتی..... میں کسی دن اسے اعتماد میں لے کر التجا کردوں کہ وہ جو پراسرار قوتوں کی مالک ہے یا وہ طاقتیں جو اس کی تابع ہیں ان کی مدد سے مجھے اس بستی سے نکال کر مجھے میرے گھر پہنچا دے۔ میں نے اس وقت جب ہم دونوں جذباتی حالت سے سرشار ہورہے تھے تب میں نے لوہا گرم دیکھ کر ایک زوردار پیار بھری ضرب لگا کر پوچھا۔

''میری جان.....! میری پیاری مقدس سرونا.....! یہ بتاؤ کہ آخر مجھے کب تک تمہارے ساتھ وقت گزارتے ہوئے حاضر ہونا پڑے گا..... یہ سلسلہ کب ختم ہوگا؟''

''تم مجھے میری جان..... پیاری تو کہہ سکتے ہو اور کچھ بھی کہو..... مقدس سرونا نہیں..... صرف جان دل سرونا کہہ کر اس تنہائی اور محبت کے عالم میں مخاطب کرو..... دنیا والوں اور بستی والوں کے سامنے مجھے مقدس سرونا ادب واحترام سے مخاطب کرنا.....''

''وہ کس لئے.....؟'' میں نے اس کے ریشمی بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا اور بڑے پیار سے اس کے گالوں کا بوسہ لیا۔ اس لئے کہ اسے اپنی محبت اور فریب کے جال میں پھانستا تھا۔

''اس لئے کہ میں ایک عورت ہوں۔'' اس نے میرے چہرے کو اپنے گورے گورے، سڈول اور گداز ہاتھوں کے پیالے میں بھر کے میری آنکھوں میں ساکت پلکوں سے جھانکتی رہی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے میرے ہاتھ تھام لئے اور کہنے لگی۔ ''عورت، محبت کی بھوکی اور محبت بھرے الفاظ کی بھوکی ہوتی ہے۔ میری زندگی میں اتنے سارے مرد آئے کہ جن کی تعداد مجھے یاد نہیں..... ان میں سے کسی ایک نے مجھے عورت نہیں کھلونا سمجھا..... مجھ میں سے کسی نے جان من نہیں کہا..... بس انہیں میرا سراپا کی دل کشی سے دلچسپی رہی۔ وہ بھوکے بھیڑیوں کہیں وحشی تھے..... میرا جسم ایک لاش سمجھ کر اس پر پڑتے تھے اور میں ایک سرد لاش کی طرح اپنے آپ کو کے حوالے کردیتی تھی۔ وہ چونچ اور پنجوں سے میرا نوچتے تھے۔ تم پہلے مرد ہو جس نے کل کی رات اور آج رات مجھے صرف عورت سمجھا اور..... مجھ سے محبت کی باتیں کیں اور میرے کانوں میں محبت کا رس انڈ رہے۔ میں نے کبھی بھی کسی بھی وقت ایسے محبت بھر الفاظ نہیں سنے۔ ان سے نا آشنا رہی۔ محبت کے الفاظ لئے میں بے قرار اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتی ر تھی۔ کل رات میں نے محسوس کیا کہ میرا خلا پر ہوگیا۔ می کمی دور ہوگئی ہے۔ اس لئے کہ میں محبت کی بھوکی تھی۔ بھرے الفاظ کی..... تم نے میرا ادھورا پن دور کردیا.....

کاش! میں ایسا کرسکتی کہ تمہیں سدا کے لئے ا ساتھ رکھ لوں۔ جسمانی تعلق کے لئے نہیں بلکہ محبت جذبے سے سرشار ہونے کے لئے لیکن میں یہاں کی ر رواج کی وجہ سے مجبور ہوں..... ایک اجنبی سے میں محبت کرسکتی ہوں اور نہ ہی ساتھ رکھ سکتی ہوں اور نہ جیسے تعلقات..... بس اب تم سے خفیہ ملاقاتیں رہیں اس وقت تک جب تک میں تمہارے تین بچوں کی ما نہیں بن جاتی۔ میں بستی والوں کو بتانے کے لئے ا بچوں کی ماں بنوں گی۔''

میں اس کی جذباتی اور فلسفیانہ باتیں سن کر ح حیران ہوا۔ وہ کسی پڑھی لکھی عورت کے انداز میں بولی۔

''تم نے جو یہ باتیں کی وہ بڑی فلسفیانہ ہیں اور ا کے علاوہ تم نے کبھی تمہیں کسی نے تم سے بھی مخاطب کیا ا تو سے بھی.....؟'' میں نے کہا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟'' وہ دلکش انداز سے مسکرائی۔ ''تو سے مخاطب کرنے میں خلوص اور محبت جھلکتی ہے۔ ایک اپنائیت سی محسوس ہوتی ہے۔ یہ جو میر نے اسے مخاطب کیا یہ میری محبت کا ثبوت ہے۔ بستی کے

ان لوگوں کی جو مجھے بستر کی زینت بنانے اور میرے
ن سے کھلونے کی طرح کھیلنے آتے ہیں انہیں تو سے
لب کرتی ہوں اس میں عزت اور محبت نہیں تحقیر ہوتی
ے.....تو.....میری جان ہے پیار ہے.....''

''اس میں حیرت کی بات اس لئے ہے کہ ایسی
یں اور لب ولہجہ شہر کی پڑھی لکھی عورتوں کا ہوتا ہے جب
یم.....؟''

میں نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ مسکرائی
ر اس نے اپنا گلاس بھرا جو خالی ہوگیا۔ پھر اس کا گھونٹ
لے کر کہنے لگی۔

''میری جان.....! میں تمہیں راز کی بات بتا ہی
وں اور اپنی آپ بیتی سنا دوں۔.....''

وہ محبت بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

''میرا باپ جادوگر تھا۔ وہ میسور شہر میں رہتا تھا۔
یں ایک اسکول میں پڑھتی تھی۔ میرا باپ چاہتا تھا کہ میں
بھی لکھ پڑھ جاؤں۔ اس زمانے میں لڑکیاں کہاں پڑھتی
تھیں۔ وہ انگریزوں کا دور تھا۔ میں انگریز لڑکیوں سے
نہیں حسین، اجلی رنگت کی اور پرکشش تھی۔ انگریز
لڑکیاں ہندوستان مردوں، لڑکیوں عورتوں سے سخت
نفرت کرتی تھیں۔ انہیں کالا کہتی تھیں۔ نفرت اور حقارت
ی نظروں سے دیکھتی تھیں.....لیکن ایک عجیب سی بات
تھی کہ ہم جماعت انگریز لڑکیاں کالے لڑکوں سے اسکول
ے پارک، کمروں اور گوشوں میں دل بہلاتی تھیں۔
انگریز استانیاں بھی.....میں چوں کہ سفید چمڑی کی تھی اور
یر سے آگے ان کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ اس لئے میں ان کی
دوست سمجھی جاتی تھی۔ وہ مجھے بیوٹی پرنس کہتی تھیں.....
انڈین کوئین.....مس ورلڈ.....مجھے اپنی سہیلی بنانے میں
فخر محسوس کرتیں۔ اس اسکول میں لڑکے بھی لڑکیوں کے
ساتھ پڑھتے تھے۔ وہ میرے آگے پیچھے پالتو کتوں کی
طرح گھومتے تھے۔ میں انہیں گھاس نہیں ڈالتی تھی۔ جس
انہیں بڑا تاؤ آتا تھا۔ انہیں ذلت کا احساس ہوتا تھا۔
ان دنوں میسور اور ہندوستان میں بھی انگریزوں کے
خلاف ہندوستان تو میں آزادی اور ان کی غلامی سے نجات
پانے کی کوشش اور جدوجہد کررہی تھی۔ ان سے صرف
نفرت کی نہیں بلکہ اسلحے کی جنگ بھی جاری تھی۔ نفرت تھی
کہ روز بروز پروان چڑھ رہی تھی۔

میں جس کانونٹ اسکول میں زیر تعلیم تھی اس میں
وہ ہندوستانی لڑکے اور لڑکیاں بھی پڑھتی تھیں جو بے حد
دولت مند، انگریزوں کے غلام اور پٹھو تھے انگریز کی
پالیسی یہ تھی کہ ہندوستانی قوم کو لڑکیوں عورتوں کا ایسا اسیر
بنایا جائے کہ وہ اپنی شرم وحیا، تہذیب اور پاک بازی کو
بھول کر غلاظت کے دلدل میں گر جائیں اور دوسرے
مردوں کو بھی میلا کرکے ان کے اندر جو انگریز قوم کے
خلاف نفرت اور حقارت ہے اسے محبت میں بدل دیں۔
اس اسکول کی فیس صرف دولت مند ہی ادا کرسکتے تھے۔
میرے پتاجی کو ایسا منتر آتا تھا کہ جس نے اسے دوست
بنا دیا تھا۔ وہ اپنے منتر کے کمال سے انگریزوں کی رقمیں
اڑا لیتا تھا۔ اس طرح سے کہ انہیں محسوس نہیں ہوتا تھا کہ
ان کی رقم کہاں گئی؟ تھوڑی تھوڑی رقم..... وہ جو بڑی
ہوجاتی تھی جن کی رقم ان کی جیبوں سے غائب ہوجاتی
تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید انہوں نے کہیں رقم خرچ کر
ڈالی ہے۔ جو یاد نہیں ہے.....

اسکول اور کالج میں ہی انگریز لڑکیوں میں بڑی بے
راہ روی دیکھتی تھی۔

ایک روز ایک انگریز لڑکی جو میری ہم جماعت تھی
اس نے مجھے اپنی سالگرہ پر مدعو کیا۔ وہ تیرہ برس کی عمر کی
تھی۔ اس پارٹی میں جو لڑکیاں تھیں وہ بارہ سے چودہ
برس کی عمر کی تھیں۔ لڑکے بھی بارہ سے سولہ برس کی عمر
کے تھے۔ میں نے صرف دو ایک ہندوستانی لڑکوں کو دو
ایک مرتبہ من مانیاں کرنے دیا تھا۔ کیوں کہ نوجوانی کی
دہلیز پر قدم رکھنے اور اسکول میں جب وقفہ ہوتا تھا۔
انگریز لڑکے لڑکیاں اس سے خوب فائدہ اٹھاتے اور من
مانیاں بھی کرتے تھے۔ جب کوئی ہم جماعت ہندوستانی
لڑکا مجھے تنہائی میں دبوچ لیتا تو تعرض نہ کرتی۔ کیوں کہ
یہ جوانی کا تقاضا اور ماحول کا اثر ہوتا تھا۔ میں بہک تو
جاتی تھی لیکن اس بات کا ضرور خیال رکھتی تھی۔ کہ لڑکے

حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

اس پارٹی میں صرف ہم جماعت اور اس لڑکی ایسٹھر کے دوست لڑکے لڑکیاں تھیں۔ انگریزوں میں کوئی پارٹی شراب کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ اس روز اس کے والدین کسی کام سے دہلی گئے ہوئے تھے اور کوٹھی میں جشن کا سا سماں تھا۔ شراب کا بھی اہتمام خصوصی طور پر کیا گیا تھا۔ کیک کاٹنے اور ڈنر کے بعد رقص اور شراب کا دور چلا۔ پھر کچھ لڑکے، لڑکیوں کو گودوں اور بازوؤں میں لے کر باغ اور کمروں میں چلے گئے۔ میرے ایک ہم جماعت لڑکے ڈیوڈ نے شراب کا پیگ لا کر مجھے دیا کہ میں پیوں۔ میں نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے شراب پی رکھی تھی۔ اس پارٹی میں جتنی ہندوستانی اور انگریز لڑکیاں شریک تھیں ان سب میں سب سے زیادہ حسین اور پرکشش لڑکی میں تھی۔ ہر کوئی میری طرف متوجہ تھا۔ کچھ لڑکوں نے میرے ساتھ رقص کیا اور بوسہ بازی کرنی چاہی تو میں نے اس کا موقع نہیں دیا تھا۔ میرا انکار کرنا تھا کہ اسے غصہ آ گیا۔ اس نے پیگ ایک لڑکے کو تھما کر مجھے دبوچ لیا اور میرے چہرے پر جھک گیا تاکہ میرے ہونٹوں میں اپنے ہونٹ پیوست کر دیئے۔ تو میرے سارے بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اس کے بازوؤں کے حصار سے نکل کر نہ صرف اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا بلکہ نفرت و حقارت سے تھوک بھی دیا..... وہ کمینہ بری طرح مشتعل ہو گیا اور نفرت بھرے لہجے میں بولا کہ تو نہیں جانتی کہ میں کون ہوں؟ میرا باپ جرنیل ہے۔ تو نے مجھ پر نہیں بلکہ فوج اور پوری انگریز قوم کے منہ پر تھوک دیا ہے۔ میں تجھے اس کی ایسی سزا دوں گا کہ تو زندگی بھر نہیں بھولے گی۔

یہ سارا تماشا انگریز لڑکے بھی دیکھ رہے تھے۔ اس کے اشارے پر وہ مجھے ایک بیڈروم میں لے گئے جس میں کئی لڑکے درندوں کی طرح نظر آنے لگے۔ پھر انہوں نے مجھے لباس سے آزاد کر دیا۔ رات بڑی اذیت ناک اور ذلت آمیز گزری۔ وہ خون آشام بھیڑیے بن گئے تھے۔ کسی نے میری حالت اور التجاؤں پر ترس نہیں کھایا۔ جب میں گھر پہنچی تو میرا باپ موجود تھا۔ میری ماں کا اس وقت دیہانت ہو چکا تھا۔ جب میں سات برس کی عمر کی تھی۔ میں نے اپنے پتا جی کو آہوں اور سسکیوں میں سارا دردناک واقعہ سنایا۔ دوسرے دن وہ سارے لڑکے اپنے اپنے گھروں میں مردہ حالت میں پائے گئے جنہوں نے مجھے درندگی کا نشانہ بنایا تھا۔ انہیں ایک زہریلی ناگن نے ڈسا تھا۔ میرے باپ نے اپنے ایک تابع چڑیل کو زہریلی ناگن بنا کر ڈسوایا تھا۔

ان کی عبرتناک موت نے انگریز فوجیوں کو دہلا کر رکھ دیا تھا اور نہ صرف شہر میں بلکہ سارے ہندوستان میں ایک کہرام مچ گیا تھا۔ پھر میرا باپ مجھے اس بستی میں لے آیا تھا۔ اس نے مجھے پراسرار قوتوں کے زیر اثر کر دیا۔ اور پھر مجھ سے کہا کہ یہ قوتیں صرف اور صرف تمہاری رہیں گی اور تمہاری حفاظت بھی کرتی رہیں گی۔ میں ان سے جو بھی مخصوص کام چاہوں لے سکوں گی اور پھر اس نے مجھ پر ایک منتر پڑھ کر پھونکا اور کہا کہ تو سدا بہار رہے گی۔ تیری عمر ایک سو بیس برس کی ہوگی تو تیس مرد بچے تک جن سکتی ہے۔ لیکن شاید لڑکی نہ جن سکے گی۔ بچہ جننے کے بعد تو پھر سے کنواری ہو جائے گی۔ وہ مرد جو بھی تیرے ساتھ وقت گزارے گا تو اسے کنواری ہی محسوس ہوگی۔

میرے باپ کو تین مہینے کے بعد ایک انتہائی خوفناک اور زہریلے ناگ نے ڈس لیا۔ دراصل اس ناگ نے میرے باپ سے انتقام لیا تھا۔ میرا باپ ایک خوب صورت ناگن کو حسین عورت کا روپ دے کر اپنا اسیر بنا کر دل بہلاتا رہا۔ اس ناگن کا ساتھی مرد نے اپنی ناگنی کو میرے باپ کا اسیر دیکھا تو اسے سوتے میں ڈس لیا تھا۔

میں نے نو ماہ کے بعد ایک لڑکے کو جنم دیا۔ میں نے اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا اور یہ مشہور کر دیا کہ وہ طبعی موت مرا ہے۔ میں نے اس لئے اس لڑکے کو ختم کیا تھا کہ وہ اس اذیت ناک رات کی نشانی تھا۔ انگریز کا خون تھا۔ پھر اس بستی کے ایک موجودہ سردار سے میرے تین لڑکے ہوئے کوئی دس برس بعد بستی میں ایک زبردست جشن منایا گیا۔ مجھے مقدس کا خطاب دیا گیا۔ سردار نے مجھ سے کہا تھا کہ اس بستی کو لڑکوں کی ضرورت ہے۔ ان کا باپ کوئی بھی ہو

اں سے کوئی غرض نہیں۔ کیوں کہ اس بستی میں لڑکیوں، عورتوں کی بہتات تھی۔ مرد آٹے میں نمک کے برابر..... اتنی حسین لڑکیاں میں نے ہندوستان کی کسی قوم اور انگریزوں میں نہیں دیکھی تھیں۔ سردار چاہتا تھا کہ مرد بہت زیادہ ہوں۔ کیوں کہ جو کام مرد کرسکتے ہیں وہ عورت نہیں..... اس لئے اس نے عورتوں لڑکیوں، لڑکوں اور مردوں کو ہر قسم کے میل جول کی آزادی دے دی۔ بہت مارے مرو اس لئے مارے گئے اور یہ سلسلہ اس لئے جاری ہے کہ یہاں عجیب وغریب قسم کا رواج ہے۔ اس کا علم تمہیں ہوگیا ہوگا۔''

گورات مقدس سرونا کی معیت میں بڑی حسین گزاری تھی۔ میں نے اس کی محبت کے جذبے سے اپنی آتما کو بڑا کیف پایا تھا۔ وہ ایک پتنی کی طرح بڑی محبت، خود سپردگی اور والہانہ پن سے پیش آتی رہی تھی۔ اس نے مجھے ہر طرح سے خوش اور سرفراز کرکے میرا دل موہ لیا تھا..... لیکن صبح ہوتے ہی میں نے سخت تناؤ کی حالت میں گزارا۔ کیوں کہ آئندہ کے حالات غیر یقینی تھے۔ مقدس سرونا نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ رانی کے معاملات میں کوئی بھی مدد کرنے سے قاصر ہے۔ کیوں کہ سردار جیون شاید اپنے کسی جادو منتر سے پتا چلالے۔ وہ بہت سارے منتر جانتا ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ اسے بستی سے نکال دیا جائے۔ کیوں کہ اسے یہ عزت واحترام اور عیش کسی اور بستی میں نہیں مل سکتی.....

مجھے اندیشہ تھا کہ میری اور کشن سوامی کی منصوبہ بندی کے باوجود مقابلہ فیصلہ کن بنادیا جائے گا۔ پھر سردار کو شبہ ہوتے ہی اس کے کسی آدمی کی طرف سے چلائے گئے تیر میرے اور کشن کو موت کی بھینٹ چڑھادیں گے۔ تیسرے روز ڈھلتی دوپہر میں کئی سمتوں سے خچر سوار قبائلی دھول اڑاتے ہوئے آگئے۔ آتے ہی انہوں نے مجھے اپنے نرغے میں لے لیا۔ ان کے رنگے ہوئے مضحکہ خیز چہروں پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی اور ان کی خون خوار آنکھوں سے سفاکی جھانک رہی تھی۔ جس سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ مجھے ختم کرنے آئے ہوں۔ شاید انہیں مقدس سرونا کے ہاں میری آمد ورفت کا پتا چلا تھا۔ سردار نے اپنے جادو منتر سے معلوم کرلیا۔

''سردار جیون کے جھونپڑے کے سامنے ایک نیزہ تیرا منتظر ہے۔'' ان میں سے ایک شخص نے بڑے نفرت بھرے لہجے میں تحکمانہ انداز سے مجھ سے کہا۔ ''تو چل ہمارے ساتھ..... یہ ہمارے سردار جیون کا حکم ہے۔ جو تجھے سنایا گیا ہے۔''

میں اس وقت ایک خچر کی پشت پر سوار ہوکر ان کے ساتھ ہولیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ میں اس حکم کی سرتابی کی جرأت نہیں کرسکتا۔ میں جو قیدی تھا۔

سردار جیون کے جھونپڑے کے سامنے ایک بہت بڑے کھلے میدان میں وحشی قبائلیوں کا ایک پرجوش بلکہ بری طرح بپھرا ہوا ہجوم نقاروں سمیت موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر اس ہجوم میں سنسنی دوڑ گئی۔

انہوں نے دائرے کی شکل میں ایک مسند کو گھیرا ہوا تھا۔ ہجوم نقاروں سمیت موجود تھا۔ ان میں ایک عجیب سی بے چینی موجود تھی۔

اس مسند پر بشن سوامی کھڑا ہوا تھا۔ میں جوں ہی ان کے درمیان مسند پر چڑھا نقاروں پر بیک وقت بڑے زور کی چوٹ پڑی اور ہجوم کے وحشیانہ نعروں سے فضا لرز اٹھی۔

شاید وہ لوگ اپنی روایات سے مجبور ہوکر نقارے بری طرح پیٹ رہے تھے اور نعرے بھی لگا رہے تھے۔ ورنہ ان کے بشروں پر نفرت کی کھلی علامت جو تھی وہ نمایاں تھی اور ان کی آنکھوں سے حقارت جھانک رہی تھی۔ ان کے چہروں پر نفرت اور درندگی تھی۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ موقع پاتے ہی ہم دونوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کتوں کو کھلا دیں۔

اس ہجوم کے پاس لڑکیوں، عورتوں کا بھی ہجوم تھا۔ بستی کی ساری لڑکیاں، بچیاں اور عورتیں جیسے یہ خونی تماشا دیکھنے نکل آئی تھیں۔ ان میں سے شاید دو ایک ہی ستر پوشی کی حالت میں تھیں۔ وہ حیوانوں کی حالت میں تھیں اور بے نیام تلواروں خنجروں کی طرح تھیں لیکن یہ وقت ان کی

اس فطری حالت سے محظوظ ہونے کا نہیں تھا۔ ان کے چہروں اور آنکھوں میں نفرت اور حقارت نہ تھی۔ ایک تجسس سا تھا اور ہمدردی کا جذبہ بھی موجزن تھا۔

وہ ایک طرف اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی اجنبی ان کی بستی کی کسی لڑکی کو ملکیت بنالے اور دوسری طرف وہ خود بھی ملکیت بنانے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ بڑی عجیب سی بات تھی وہ اس لئے رانی کو ملکیت بنانا نہیں چاہتے تھے کہ وہ اس بستی کی سب سے بدصورت تھی یہ ان کے لئے اور اس بدنصیب رانی کے لئے حسرت انگیز تھا۔ انہیں اس کی خوشی عزیز تھی۔ وہ اس لئے خاموش تھے کہ رانی سردار کی بیٹی ہے اور پھر سردار دو دعوے داروں کی حفاظت بھی کررہا تھا۔ انہوں نے مجھے اور کشن کو نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

وہ ناکامی کا ردعمل تھا جو ان کے چہروں اور آنکھوں سے عیاں تھا۔ رانی جیسی بھی تھی اس کے حصول کے لئے مجھے اور کشن کو مقابلہ کرنا تھا۔ ہم دونوں میں سے صرف ایک زندہ رہ سکتا تھا۔

اس مسند کے عقب میں سردار جیون، شولو کے ساتھ کھڑا ہوا تھا اور مسند پر چمکیلی نوکوں والے بھالے رکھے تھے انہیں بڑے اہتمام سے سجا کر رکھا ہوا تھا۔ جیسے یہ کوئی انمول ہوں۔

چوں کہ میں رانی کا پہلا دعوے دار تھا اس لئے مجھ سے کہا گیا کہ میں ان میں سے کوئی نیزہ اٹھالوں۔ میں نے ان دونوں نیزوں کا جائزہ لیا۔ دونوں ایک ہی جیسے تھے۔ ان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں تھا۔

میں نے ایک نیزہ اٹھالیا اور اس کی انی فضا میں اٹھا کر پورے مجمع کا جائزہ لیا اور وہاں یک بیک گہرا سکوت چھا گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس میدان میں ایک شخص بھی موجود نہیں ہے۔ وہ بالکل پڑا ہوا ہے۔ اگر ایک پتا بھی کھڑکتا تو اس کی آواز صاف سنائی دے جاتی۔ مجمع میں کوئی سانس بھی نہیں لے رہا تھا۔ البتہ نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کے سینے دھڑک رہے تھے اور سانسوں کا زیروبم بڑا ہیجان خیز بنا رہا تھا اور چہرے تمازت سے سرخ ہورہے تھے۔ اس کی ایک وجہ میری خوب صورتی اور وجاہت تھی۔ اس قوم میں لڑکیاں عورتیں جتنی خوب صورت پرکشش تھیں مرد لڑکے اس کے برعکس بدصورت اور غیر کشش تھے۔ میں نے شاید ہی کسی قوم میں اتنے بدصورت مرد دیکھے ہوں گے۔

مجھے غار میں ہی سردار جیون نے بتادیا تھا کہ مقابلے کے وقت مجھے مجمع کے سامنے کیا کہنا ہے اور کشن سوامی کو اور مجھے بھی وہ الفاظ یاد تھے۔ ان کا یاد رکھنا ضروری امر بھی تھا۔

''تو نے ایک عورت کو اپنی بانہوں میں بھرا اور اس نے تیسرے نطفے سے ایک ریچھ والی کو جنم دیا۔'' میں سردار جیون سے مخاطب ہو کر اس بستی کی روایت کے مطابق اپنے حق کا کھلم کھلا اعلان کیا۔ ''میں ہر قیمت پر اس ریچھ والی کو اپنی آغوش میں لوں اور اس کے ساتھ راتیں رنگین اور نشاط انگیز کرتا رہوں گا..... تو دیکھے گا کہ وہ زندہ سلامت مرد بچہ جنے گی۔ کیا یہاں ایسا کوئی ہے جو رانی کے حصول کے لئے میرے مقابل آنے کی جرأت کرسکے.....؟''

اب کشن سوامی کی باری تھی اس کی آنکھوں میں ایک چمک کوندگئی اور چہرہ سرخ ہوگیا۔

اس نے جھک کر پھرتی کے ساتھ دوسرا نیزہ اٹھایا اور اس کی انی کو اس طرح اور انداز سے چوما۔ پھر اس نے میرے مقابل کھڑے ہو کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے تحقیر آمیز لہجے میں مخاطب کیا۔

''اجنبی راستوں نے تجھے یہ موقع دیا ہے کہ تو میرے بجائے پہلے دعویٰ کیا ہے..... مگر تو کان کھول کر لے کہ رانی میری ہے..... صرف اور صرف میری ہے..... تو ہوشیار ہوجا کہ میں تیرے بدن کو اپنے لہو سے..... میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کرکے بستی کے خون خوار شکاری کتوں کو لذیذ غذا فراہم کروں گا..... انسان کا گوشت لذیذ ہوتا ہے جسے جانور بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔''

کشن سوامی کے وحشیانہ فقرے شاید بستی والوں کو بہت پسند آئے تھے۔ کشن نے فلمی ہیرو کے انداز

...لمے کہے تھے۔ انہوں نے یہ انداز اور مکالمے کب سنے ...وں گے۔ اس لئے وہ سنتے ہی رہ گئے۔

جب کشن نے اپنی بات ختم کی تو انہوں نے نقاروں کی چوٹ پر کھل کر بندروں کی طرح اچھل اچھل کر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔

میرے لئے کشن کا یہ انداز غیر متوقع تھا۔ اس نے بستی والوں کے جذبات اور ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کا دل خوش کر دیا تھا اور اس نے فضا اور مجمع کو گرما دیا تھا وہ اسے ستائشی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے مجمع کی ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں۔ شاید اس لئے کہ مجمع مقابلے کے دوران اس کا حوصلہ بڑھاتا رہے۔

میری چھٹی حس مجھے ایک ان جانے خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ کشن سردار سے مل کر میرے خلاف ساز باز کر چکا ہے اور شاید مجھے غفلت میں ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنالیا گیا ہے..... اور پھر جب میں نے ان دونوں کے چہرے باری باری دیکھے تو میرے شک کو تقویت سی ہوئی۔ میری چھٹی حس نے مجھے جو خبر دی تھی وہ غلط نہ تھی۔

اس وقت سردار جو تخت پر تھا۔ ہم دونوں کے درمیان آ گیا تو نقاروں کا شور موقوف ہو گیا۔

”تم رانی کے دعوے دار ہو.....؟“ سردار جیون نے کرخت اور اونچی آواز میں پوچھا۔

”ہاں.....“ ہم دونوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بیک وقت جواب دیا۔

”مگر اجنبی.....!“ سردار جیون کا انداز غرانے کا سا تھا۔

”یہ بات اچھی طرح سن لو۔“ اس نے لمحاتی توقف کے بعد کہا۔ ”رانی تم میں سے جیتنے والے کی ملکیت ضرور ہو گی لیکن یہ بات یاد رکھو کہ تم اسے بستی سے نہ لے جا سکو گے۔ جیتنے والے کو رانی کے ساتھ اس بستی والوں کے ساتھ رہنا ہوگا۔ جینا مرنا ہوگا اور یہاں سے فرار کی سزا موت ہو گی..... آنے کو تو آ گئے ہو..... لیکن اب واپس جانا ناممکن ہے.....“

میں نے قدرے جھکتے اور تذبذب سے مگر کشن نے بڑی خوشی سر ہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کی۔

پھر سردار نے کشن سے اپنی دی ہوئی پتھریلی مالا واپس لے کر اسے خود پہن لی۔

ہم دونوں تخت سے اتر کے میدان کے وسط میں آ گئے تاکہ مقابلہ شروع کیا جا سکے۔ یہ جگہ مقابلے کے لئے مخصوص تھی۔

میں نے ایک بار غور سے کشن سوامی کی طرف دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی۔ یقین نہ آیا۔ کیوں کہ اس کے چہرے پر خود غرضی اور لاتعلقی چھائی تھی۔ ہم دونوں نے اپنے اپنے نیزے ٹکرائے اور اس کے ساتھ اس نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ میرے سینے پر وار کیا۔

اس کا یہ حملہ بڑا اسفاکانہ اور جارحانہ انداز لیا ہوا تھا۔ اگر میں نے بجلی کی سی سرعت سے جھکائی دے کر خود کو بچا نہ لیا ہوتا تو اس کا نیزہ میرے سینے میں ٹھیک دل کی جگہ اتر گیا ہوتا۔ میں بال بال بچ گیا ہوتا۔

میرے سنبھلتے سنبھلتے کشن نے ایک اور مہلک وار کیا تھا۔ اس نے مجھے پوری طرح سنبھلنے کی مہلت بھی نہیں دی تھی۔ لیکن میں یہ وار بھی بچا گیا تھا۔ فضا نقاروں اور انسانوں کے شور سے گونج اٹھی۔ مجمع نے اس کے حملے کو سراہا تھا۔

شاید یہ مقابلہ ان کی توقع سے کہیں بڑھ کر سنسنی خیز طریقے سے شروع ہوا تھا۔ جس کی انہیں توقع نہیں تھی..... یہ درندہ صفت قبائل انسانیت پر یقین نہیں رکھتے تھے اس قسم کے خونی مقابلے بہت پسند ہوتے ہیں۔

کشن سوامی کی حالت اس وقت ایک پیشہ ور قاتل کی سی ہو رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور اس کے چہرے پر درندگی ابھر آئی تھی۔ میں دل میں حیران تھا کہ کشن پر یہ شیطانیت کیوں سوار ہو گئی ہے۔ میں اس کا دوست ہوں۔ ہم دونوں میں کبھی بھی دشمنی نہیں رہی جس کا بدلہ وہ مجھ سے لینے پر تل گیا ہو اور میری جان لینے کے درپے ہو رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھ پر فتح یاب ہونے کے بعد رانی کو پالینے کے بعد اس بدصورت لڑکی سے دل کم بہلائے گا بلکہ اسے بستی کی ہر عمر کی لڑکی اور

عورت سے دل بہلانے کی آزادی ہوگی۔

مجھ پر خوف اور سراسیمگی طاری تھی۔ اس لئے میں اس پر ایک بار بھی حملہ نہ کرسکا اور اپنا دفاع کررہا تھا۔ وہ بڑھ بڑھ کر مجھ پر دلیرانہ انداز سے حملے کررہا تھا..... بشن کا دباؤ مجھ پر مسلسل بڑھ رہا تھا اور مجھ پر وہ حاوی ہوتا جارہا تھا۔ اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ اس کے تابڑ توڑ حملوں سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹتا جاؤں۔ میرے دل کے کسی کونے میں یہ خیال آیا کہ اسے یک بیک جو جنون سوار ہوگیا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ سردار جیون کو اس سے ہمدردی اور انس پیدا ہوگیا ہے۔

میرے جسم پر اب تک کئی لمبی لمبی خراشیں پڑ چکی تھیں۔ میرا لباس ہی نہیں بلکہ کشن کا نیزہ بھی خون آلود ہوچکا تھا لیکن میرے نیزے کی انی ابھی تک کسی برہنہ عورت کے بدن کی طرح چمک رہی تھی۔ اس پر لہو کی ایک بوند بھی نہ تھی۔ میں ایک دم سے پھسل کر اس سے دور عورتوں لڑکیوں کے مجمع کے پاس چلا گیا تھا۔ چشم زدن میں ایک سولہ برس کی دوشیزہ اس میں سے نکل کر میرے پاس آئی اور مجھے سہارا دے کر کھڑا کیا اور میرے گلے میں اپنی مرمریں سڈول گوری عریاں بانہیں حمائل کرکے میرے چہرے کی خراشوں کو جذباتی انداز سے چوما۔ گویا اس نے میرا رستا خون اپنے ہونٹوں میں جذب کیا تھا جس نے میرے اندر فرحت اور جوش پیدا کردیا۔

پھر میں نے اس لڑکی کو اپنے سے جدا کرکے اسے چوما اور پھر کشن کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔ پھر اچانک یہ ہوا کہ کشن نے مجھ پر حملہ کیا تو وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا تھا۔ ایک دم سے اس کا پیر پھسلا تو وہ زمین پر گر گیا۔ پھر مجھے اسے قابو کرنے اور نرغے میں لینے کا موقع مل گیا۔ میں نے اس کا قصہ ختم کرنے کی نیت سے اس کے بائیں پہلو پر نیزہ پیوست کرنا چاہا لیکن وہ لڑھکتا ہوا میرے نیزے کی زد سے نکل گیا۔ جب وہ سنبھل کر دوبارہ میرے مقابل آیا تو اس کے بائیں بازو سے تازہ خون رس رہا تھا۔ نیزہ پیوست تو نہ ہوسکا تھا البتہ اس نے زخم ضرور لگا دیا تھا۔

اس دوران میں بستی کے پرشوق اور تجسس سے بھرے تماشائی روشن مشعلیں لے آئے جب کہ دن تھا ان مشعلوں کا کوئی کام نہ تھا۔ وہ چیخ چیخ کر ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے پر اکسانے لگے تھے لیکن ایسا کرنا آسان نہ تھا۔

کشن کے زخمی ہونے کے بعد اس کا انداز جارحانہ نہیں رہا تھا۔ اب اس کی شیطانیت اور جنون ختم ہوچکا تھا۔ وہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر ناکام وار آزماتے تقریباً وسط میں آچکے تھے کہ اچانک کشن نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

"ونود.....! کیا تم معاہدے کو بھول تو نہیں رہے ہو.....؟ پلیز یار! اسے یاد تو کرو....."

اس کی آواز میں ایسا درد اور ایسی تاثیر تھی کہ مجھے اپنے حملوں کا زور کم کرنا پڑتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر اوٹ پٹانگ انداز میں حملے کرکے یہ ظاہر کررہے تھے کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہورہے ہیں۔

بستی کے لوگ اتنے سیدھے سادے اور بے وقوف تو نہ تھے کہ وہ ہمارے اس ڈرامے کو نہ سمجھتے..... حیوانوں کی سی حالت میں تو تھے لیکن آخر آدمی تھے..... مقابلہ کا زور ٹوٹتا دیکھ کر بستی والوں نے ہم پر لعن طعن شروع کردیا اور شور وغل مچانے لگے جیسے ٹکٹ خرید کر تماشا دیکھنے آئے ہوں۔ پھر نقارے پیٹ کر جوش دلانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن ہم محتاط رہے۔ کچھ جوش وخروش دکھایا تو تھا لیکن وہ اسی کا انداز کا تھا۔

چوں کہ ایک بار غلط فہمی دور ہوچکی تھی اس لئے کشن کا خون اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ ہاں اگر اس کی نیت پر اب بھی شبہ ہوجاتا تو میں جان توڑ کر مقابلہ کرتا اور پھر اسے ٹھکانے لگانے سے دریغ نہ کرتا۔ اس مقابلے میں خاصا وقت لگ گیا۔ ہم دونوں نے غیر محسوس انداز سے سہ پہر کردی اور پھر شام..... اس دوران لڑکیوں اور عورتوں نے روایتی رقص پیش کیا۔ یہ رقص کیا تھا سراپا اور نشیب وفراز کی نمائش تھی۔ ان کا بل کھا کر تھرکنا، ناچنا اور فحش قسم کی حرکات اس لئے تھیں کہ ہم میں سے کوئی ان کی طرف متوجہ ہو تو پھر کوئی حریف فائدہ اٹھالے اور یہ تماشا جلد ختم ہو۔ لیکن ہم

یاں کہ مرد تھے اور ہمارے لئے ان کے توبہ شکن اور ہوشربا
نظارے جذبات کو بے قابو کرنے والے تھے۔ نگاہیں کسی
ضدی بچے کی طرح ان سے محظوظ ہونے کے لئے مچل
جاتی تھیں۔ زندگی عزیز نہ ہوتی تو پھر ان میں
کھو جاتے..... انہوں نے سردار کے اشارے پر رقص
پیش کیا تھا۔

پھر لوگ مشعلیں زمین میں گاڑ کر آہستہ مرد اور
لڑکیاں عورتیں بھی سرکنے لگیں۔ آخر کار وہاں شولورہ گیا
تھا۔ سردار جیون بھی بیزار ہو کر چلا گیا تھا۔ اس کے جانے
کی خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔ ہم یہ سمجھے تھے کہ وہ موجود ہے۔

''یہ مکاری اور چالاکی زیادہ دیر تک نہیں چلے گی۔''
میدان صاف دیکھ کر شولو برہمی انداز میں غرایا۔ ''جانتے
ہو اس کی سزا کیا ہے؟ فیصلہ ہونے تک بھوکا پیاسا رکھا
جائے گا۔ اگر تم نے فیصلہ نہیں کیا تو بھوک اور نقاہت تمہارا
فیصلہ کردے گی۔ تم دونوں حقیر کیڑوں کی طرح زمین پر
رینگ سکتے رہو گے اور پھر زندہ بچ جانے والا فاتح قرار
پائے گا..... ایک ایسی حسین لڑکی جس کا ثانی دنیا میں کوئی
نہیں جو ساری زندگی حسین رہے گی اور خوش بھی کرتی
رہے گی جو ہر لحاظ سے انمول اور نایاب ہیرے کی مانند
ہے زندگی اور جوانی کو پر کیف بنانا ہے تو اسے ہر قیمت پر
حاصل کرلو.....''

میرے دل میں آیا کہ اس کمینے، جھوٹے اور فریبی
کے منہ پر تھوک دوں اور اس سے کہوں کہ تم ہم دونوں کو
بے وقوف کیوں بنا رہے ہو اور رانی کی قیمت ہی کیا ہے۔
میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر وہ واقعی حسین ہوتی تو
گاؤں کا کوئی بھی نوجوان اسے اپنا چکا ہوتا۔ بستی میں ابھی
بھی نوجوان مرد موجود ہیں اور حسین لڑکیاں عورتیں
انہیں چھوڑ کر بدصورت لڑکیوں عورتوں کے علاوہ رانی
سب سے بدصورت ہے۔ مجھے رانی کے بارے میں معلوم
ہو چکا..... تم اور تمہارے کمینے اور حرام زادے سردار نے
اس لئے ہمیں پھانسا ہے کہ اس سے کوئی شادی نہ کرنے کی
صورت میں اسے روند دوں، کتوں اور عقابوں کے سامنے
نہ ڈال دیا جائے۔ لمحے کے لئے دل میں آیا کہ نیزہ اس
کے سینے میں تراز و کردوں لیکن میں جانتا تھا کہ ایسا کرنے
کی صورت میں میرا کیا حشر ہوگا۔ میں ابھی یہاں زندہ
رہنا چاہتا تھا۔ تاوقتیکہ فرار نہ ہو جاؤں۔ اس لئے میں نے
اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا۔

''اب تمہیں ہمدردی جتانے کا کوئی حق نہیں۔'' میں
نے بدستور کشن سے مقابلہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''میرے نزدیک تم دونوں ذلیل اور کمینے ہو۔'' اس
نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''مگر میں نہیں چاہتا کہ حسین و
جمیل رانی کا نرم و نازک ہاتھ کسی دم توڑتے فاخ کے ہاتھ
میں بھی دم توڑ دیں گی۔''

پھر اس نے اپنا نیزہ فضا میں لہرا کے کہا۔ ''اب تم
دونوں رک جاؤ تاکہ میں رانی کا دیدار کرادوں۔ تاکہ
تمہارا شک دور ہو جائے کہ میں نے رانی کی جھوٹی
تعریف کی ہے۔''

کچھ دیر کے بعد سیاہ کپڑے میں چھپا ہوا ایک ہیولہ
سا تھا۔ شولو نے لبادہ اتار دیا اور بولا۔

تم دونوں کو میری بات کا یقین نہ آیا نا.....؟ دیکھ
لو.....''

مجھے یوں محسوس ہوا کہ آسمان کے سیاہ بادلوں کی
اوٹ سے چودھویں کا چاند زمین پر اتر آیا ہے۔

ایک سولہ برس کی نہایت حسین و جمیل نازک اندام
لڑکی ساکت پلکوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ بے نیام تلوار کی حالت میں تھی۔ ان جنگلوں کے
ہاں شرم و حیا اور ستر پوشی کا کوئی تصور نہ تھا۔ نہ راج..... شولو
نے اسی لئے اسے اس عالم میں پیش کیا تھا ہمیں اس بات
کا اندازہ ہو جائے صرف اس کا چہرہ چاند جیسا نہیں ہے
اس کا بدن غیر معمولی جاذبیت لئے ہوئے کشش کے
خزانوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حربہ تھا۔ میں
اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

دوسرے لمحے میں چونکا اور اس دوشیزہ کے سحر
سے نکل کر کشن کی طرف دیکھا۔ اس پل یہ خیال آیا کہ
اس کے حسن اور توبہ شکن جسم نے اس ریچھ کو سحر زدہ کیا
تھا۔ اس لئے وہ اسے اٹھا کر لے گیا تھا۔ میری اور کشن

لی نگاہیں چار ہوئیں۔

''ونود.....!'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''رانی صرف میری ہوگی..... تمہیں یہ مقابلہ ہر صورت میں کرنا ہوگا۔''

دوسرے لمحے اس کے تیور بدل گئے۔ نفرت اور حقارت سے مجھے دیکھنے لگا جیسے میں اس کا ازلی دشمن ہوں۔ رانی واقعی اتنی حسین تھی کہ اس کے حصول کے لئے دس خون بھی کئے جاسکتے ہیں۔

پھر ہم دونوں کے درمیان مقابلہ شروع ہوا تو قسمت نے میرا ساتھ دیا۔ وہ مجھ پر حملہ آور ہوا تو میں نے جھکائی دی وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور نیزہ اس کے سینے میں اتر گیا۔ وہ چند لمحے تک بے آب ماہی کی طرح تڑپ کر ٹھنڈا ہوگیا۔

مجھے ساری زندگی اس بات کا دکھ اور ملال رہے گا کہ میں ایک دیرینہ دوست سے محروم ہوگیا۔ لیکن اس بات سے سکون اور اطمینان رہا کہ وہ اپنی موت آپ مرا۔

اس وقت سردار جیون بھی آچکا تھا اور جب نقارے بجے تو گاؤں کی لڑکیاں عورتیں، مرد اور لڑکے بھی آگئے، مشعلیں روشن ہوگئیں۔ سردار جیون نے بھرائی ہوئی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

''تیری امانت ان سب گواہوں کے سامنے تیرے قدموں میں ڈالتا ہوں۔ میں تم سب کے سامنے اپنا فرض اور ذمے داری پوری کرچکا ہوں۔ آج سے رانی سے میرا کوئی تعلق نہیں..... یہ سدا کے لئے تیری ملکیت ہے۔''

پھر اس نے رانی کو گود میں اٹھا کر میرے قدموں میں ڈال دیا۔ پھر رانی نے وہاں کے رسم و رواج کے مطابق میرے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں حمائل کرکے ایک طویل بوسہ لیا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اب وہ میری ملکیت ہے۔

☆.....☆.....☆

میری زندگی میں رانی کی سہاگ رات یادگار بن گئی۔ جب وہ جذبات اور کیف ونشاط سے نکلی تو تھک کر سوگئی۔ میں اسے دیکھتا دیکھتا سوگیا۔ جانے کتنی دیر تک سوتا رہا۔ بیدار ہوا تو میں اپنے کمرے میں نہیں بلکہ مقدس سرونا کے کمرے میں اس کے بستر پر دراز تھا۔ پھر مجھے یہ رات مقدس سرونا کی نذر کرنی پڑی۔ آج کی رات تو وہ اور حسین ہوگئی تھی۔

کوئی تیسرے دن اس خونی جزیرے پر ہیضہ پھوٹ پڑا تھا۔ بستی کے لوگ فرار ہونے لگے۔ پھر بہت ساری اموات ہونے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا جزیرہ خالی ہوگیا۔ میں، سردار، مقدس سرونا اور شولورہ گئے۔ پھر ہم ایک کشتی میں سوار ہوگئے۔ رات کو ایسا زبردست طوفان آیا کہ کشتی ڈوب گئی۔ لیکن میں معجزانہ طور پر بچ گیا۔ ان میں سے کوئی بچ نہ سکا۔ پھر میں کسی نہ کسی طرح اپنے شہر پہنچ گیا۔ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ سردار کے گھر کے ایک کمرے میں ہیرے جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ میں نے ان ہیرے جواہرات کو دیکھا۔ وہ سب پتھر بن گئے تھے۔ اصل میں سردار دنیا کو دھوکا دینے کے لئے منتر سے پتھروں کو ہیرے جواہرات بنا دیتا تھا۔ میں نے واپس جانے کے بعد کشن سوامی کی بیوی کو اعتماد میں لیا۔ لیکن میں رانی اور مقدس سرونا کو بھولا ہوں اور نہ بھول سکتا ہوں..... یہ کہانی چار برس پہلے کی ہے۔ یہ خونی جزیرہ اس دن کے بعد سے آباد نہ ہوسکا۔

پھر دوسرے دن میں اور نیتا..... ونود کی لانچ میں روانہ ہوگئے۔ پھر ہم دونوں نے شادی کرلی۔ آج کل ہم کناڈا میں ہیں۔ نیتا مجھ سے بہت پیار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ تم کتنے اچھے ہو۔ اس خونی جزیرے پر تم نے مجھے تنہا پاکر کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ کوئی اور مرد ہوتا تو میں کب کی آلودہ ہوچکی ہوتی۔

نریندرا کو اس کے ایک ماتحت نے قتل کردیا۔ کیوں کہ اس نے اس کی پتنی کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کے مرتے ہی اس کا گروہ کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اگر آپ کبھی ٹورنٹو آئیں تو نیتا ولا ضرور آئیں۔ ہمارے سات برس میں چار بچے ہیں۔ وہ سب آپ کی سواگت کریں گے۔ بھولنا نہیں.....

(ختم شد)

نیک روح

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

تمام لوگ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھے ان کے ذہن میں سائیں سائیں کرتا غبار اٹھ رہا تھا، کسی کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا تھا کہ اصلی اور نقلی بھوت کون تھا۔

دل و دماغ پر خوف کا سکہ بیٹھاتی..... عجیب و غریب..... پر تجسس کہانی.....

آبادی سے دور ایک دلدلی جنگلی علاقے میں ٹی وی کے ایک ہارر فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔ اس میں، مجھے ممی یعنی حنوط شدہ لاش کا کردار ادا کرنا تھا۔ ایسی ممی جو حیرت انگیز طور پر زندہ ہو کر بھوت بن جاتی ہے اور خوفناک تباہی مچانے کے بعد ہیرو کے ساتھ لڑتے لڑتے دلدل میں دھنس کر مر جاتی ہے۔ فلم کی ساری شوٹنگ مکمل ہو چکی تھی بس آخری شارٹ باقی رہ گیا تھا اور عین اس وقت ہدایتکار نے کھانے کے وقفے کا اعلان کر دیا۔

مجھے سخت تاؤ آیا۔ میرا پورا جسم عجیب قسم کے کپڑوں میں لپٹا ہوا تھا۔ ڈھنگ سے چل سکتا نہ بول سکتا تھا، منہ پر اس قدر بھیانک میک اپ تھا کہ عام آدمی دیکھے تو بے ہوش ہو جائے۔ میری خواہش تھی کہ لنچ کا وقفہ آخری سین کے بعد کر لیا جاتا اور میں اس تکلیف دہ میک اپ سے نجات پا کر سہولت سے کھانا کھا لیتا، لیکن ہمارے پروڈیوسر صاحب تو وقت کی پابندی میں مبتلا تھے۔ میرا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر وہ مجھے اپنے خیمے میں لے گیا اور ہاتھ سے کوکا کولا کا ٹن کھول کر دیا اور میں بڑی مشکل سے پائپ کے ذریعے اسے حلق میں انڈیلنے لگا۔ وہ برگر کھاتے ہوئے اچانک بولا۔ ”مسٹر بروک! میں نہیں چاہتا کہ تم اس میک اپ میں مزید رہو۔ اس لیے ایک کام کرو۔“

”وہ کیا؟“ میں نے بڑی مشکل سے گھٹے گھٹے الفاظ میں پوچھا۔ ”وہ یہ کہ ہماری اس گاڑی میں پیٹرول کم ہے۔

اچھا ہو کہ تم اس میں پیٹرول ڈلوالاؤ۔ پیٹرول پمپ یہاں سے دس منٹ کی ڈرائیو پر ہے اور ڈرائیور لنچ کے بعد آئے گا تم اتنی دیر تکلیف میں رہو گے۔"

پروڈیوسر کی بات صحیح تھی اور اس کا لہجہ اس قدر یقینیوں کا ساتھ کہ مجھے اس کی بات مان لینا پڑی۔ میں نے اس سے چابی لی اور گاڑی کی طرف چل پڑا۔

جونہی میں نے گاڑی اسٹارٹ کی، پھر بارش ہونے لگی، مجھے بھلا اس کی کیا پرواہ تھی، میرا میک اپ خراب ہونے والا نہیں تھا بلکہ بھیگنے سے میری شکل مزید خوفناک ہو جائے گی، جس سے ہدایتکار اور خوش ہوگا۔

میں نے گاڑی پوری رفتار سے پیٹرول پمپ کی طرف دوڑا دی۔ بارش کی شدت میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ اور اب تو ہوا بھی زور کی چلنے لگی تھی، مگر میں نے رفتار آہستہ نہیں کی۔ پانچ منٹ کے بعد سڑک دوشاخہ ہوگئی۔ ایک قریبی قصبے کی طرف اور دوسری پیٹرول پمپ سے گزرتی ہوئی کسی دوسرے شہر کی جانب۔ میں نے پیٹرول پمپ والی سڑک کا تعین کرنے کے لئے جب بورڈ کی طرف دیکھا تو اوسان خطا ہوگئے۔ وہ کسی لٹو کی طرح گھوم رہا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ اگر غلط سمت مڑ گیا تو معلوم نہیں مجھے کتنی دیر بھٹکنا پڑے گا۔ چنانچہ میں نے یہیں ٹھہر کر کسی گاڑی کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔

بارش کی شدت میں کمی آ گئی تھی۔ مگر ہوا بڑی تیز چل رہی تھی اور اس کا شور بھی غیر معمولی تھا۔ چند منٹ انتظار کے بعد دور اندھیرے میں کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ غالباً کوئی کسان اپنے فارم سے واپس آ رہا تھا۔ اس کی پھٹیچر گاڑی کے بے ہنگم شور اور لہک لہک کر اونچی آواز میں انتہائی بے سرے راگ سے یوں لگتا تھا جیسے بھوتوں کا مشاعرہ ہو رہا ہو۔ مجھے دیکھ کر اس نے گاڑی آہستہ کی اور قریب آ کر ٹھہر گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ میری شکل غور سے دیکھتا، میں نے سوال داغ دیا۔

"جناب! پیٹرول پمپ کی طرف کون سا راستہ جاتا ہے؟" اس نے بدستور گاتے ہوئے میری طرف پہلی مرتبہ دیکھا۔ اگلے ہی لمحے وہ دلدوز چیخ مارتا ہوا گاڑی کو اندھا دھند بھگا لے گیا۔

اس کے بھاگنے کے انداز میں اس قدر بدحواسی تھی کہ میری ہنسی چھوٹ گئی، مگر برا ہو میرے تکلیف دہ میک اپ کا، میں تو کھل کر ہنس بھی نہیں سکتا تھا۔ میں ابھی اپنے میک اپ کو برا بھلا ہی کہہ رہا تھا کہ ایک اور گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ قریب آنے پر میں نے اسے بھی روکا۔ یہ ایک لوڈر گاڑی تھی۔ اس میں دو تین آدمی بیٹھے تھے۔ میں نے دور ہی سے بلند آواز میں پیٹرول پمپ جانے والی سڑک کے بارے میں پوچھا۔

"دائیں طرف والی سڑک!" ایک موٹے سے شخص نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی گاڑی کی طرف لپکا۔ گاڑی ابھی اسٹارت کی تھی کہ ان کی لوڈر میرے قریب آ کر ٹھہری۔ ایک شخص نے کھڑکی سے سر نکال کر میری طرف غور سے دیکھا۔ شاید وہ کوئی بات کہنا چاہتا تھا، مگر میری صورت دیکھتے ہی زور سے چیخا "یہ وہی لگتا ہے..... پکڑ لو..... جانے نہ پائے"

اس اچانک مصیبت کے لئے میں قطعی تیار نہ تھا اگلے ہی لمحے گاڑی سے دو آدمی اترے۔ ایک کے ہاتھ میں ریوالور اور دوسرے نے شاٹ گن پکڑ رکھی تھی۔ میں نے بھاگنے کا ارادہ کیا کہ ٹھائیں کی آواز آئی۔ گولی میرے سر میں کنگھی کرتے ہوئے گزر گئی۔ میں رک گیا، بڑے غصے سے ان کی طرف مڑا اور چیخ کر کہا۔

"بے قوفو! اگر میں بھوت ہوتا تو تم سے کبھی نہ ڈرتا، مگر میں انسان ہوں، صرف میک اپ....."

مگر شاٹ گن والے نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "ہمیں سب کچھ معلوم ہے..... تم ہی وہ مردے ہو جو بھوت بن کر فرار ہو گئے ہو، ہمیں تمہارا حلیہ بتا دیا گیا ہے..... پادری نے کہا تھا کہ اسے صلیب دینا ہوگی، تبھی اس کی روح قید ہوگی، ورنہ یہ پھر زندہ ہو جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی وہ چاروں، قدم پھونک پھونک کر میری طرف بڑھنے لگے۔ میں بہت ہی خوفناک اتفاق کا شکار ہو چکا تھا۔ میں چیخ چیخ کر انہیں اپنی اصلیت بتانے لگا، لیکن خوف اور میک اپ کی وجہ سے میرے منہ سے الفاظ بھی

ٹھیک طرح سے نکل نہیں رہے تھے۔ انہوں نے مجھے [illegible] رسیوں سے باندھا، بڑی بے رحمی سے گاڑی میں ڈالا اور کسی انجانی منزل کی طرف چل پڑے۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد وہ کہیں رکے اور مجھے کھینچ کر گاڑی سے باہر لے آئے۔ شاٹ گن اور ریوالور بدستور میری طرف اٹھے ہوئے تھے۔ یہ ایک خستہ حال چرچ تھا۔ وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے ایک چبوترے پر لے گئے جس میں نصب شدہ صلیب کو دیکھ کر میرے رہے سہے اوسان جاتے رہے۔ چبوترے پر پہنچتے ہی ایک الجھے بالوں والا پاگل سا پادری معلوم نہیں کہاں سے آٹپکا اور مجھے دیکھتے ہی بولا ”بالکل...... یہی ہے وہ مردود جو بھاگ نکلا تھا۔ کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اسے صلیب پر لٹکا دو۔“

میں نے ایک بار پھر انہیں خبردار کیا کہ وہ کسی بھوت کو نہیں بلکہ اپنے ایک جیتے جاگتے انسان کو قتل کرنے لگے ہیں، مگر ان کے سر پر خون سوار تھا اور وہ مجھے جلد از جلد پھانسی دینا چاہتے تھے۔ دو آدمیوں نے مجھے بازوؤں سے اور دو نے ٹانگوں سے پکڑ کر چبوترے پر چڑھایا۔ میں اپنی جان بچانے کے لئے خوب ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، لیکن وہ مجھ سے زیادہ طاقتور تھے۔ مجھے اپنا انجام بہت قریب نظر آنے لگا تھا۔

وہ مجھے صلیب کی لکڑی پر لٹکانے میں مصروف تھے کہ گولی چلنے کی آواز آئی۔ مجھے چھوڑ کر وہ آواز کی سمت دیکھنے لگے۔ اندھیرے میں ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑتا ہوا آیا۔ گولی اسی نے چلائی تھی۔ اس نے پے درپے مزید فائر کیے۔ وہ مجھے باندھنے والوں کو نشانہ بنا رہا تھا۔ ”لو بھوت کا ساتھی آ گیا۔“ کہتے ہوئے بھاگ نکلے۔

آنے والے اجنبی نے چبوترے سے ذرا ہٹ کر اپنا گھوڑا باندھا اور پھر محتاط انداز سے قدم اٹھاتا ہوا میرے قریب آیا۔ مجھے غور سے دیکھنے کے بعد اس نے چبوترے کے تین چکر لگائے اور منہ ہی منہ میں کچھ منتر پڑھے۔ پھر وہ چبوترے پر چڑھا اور مجھ پر تین بار پھونک ماری۔ میں خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس کی اب تک کی حرکتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ بھی مجھے کوئی بھوت ہی سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی واضح تھا کہ میں اگر اسے اپنی اصل حقیقت بتانا چاہوں بھی تو وہ کبھی نہیں مانے گا۔ وہ اب اپنے گھوڑے کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے تھوڑی سی جدوجہد سے اپنے آپ کو رسیوں سے آزاد کرالیا، لیکن ہاتھ اسی طرح ستون ٹکائے رکھے جیسے کہ وہ بندھے ہوں۔ وہ آدمی اب اپنے گھوڑے تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے اپنے سامان سے ایک بھاری تلوار ہوا میں لہرائی اور مجھ سے مخاطب ہوا۔

”اگر تم نے مجھے ڈالی کا گی کا راز نہ بتایا تو میں تمہیں مقدس باپ کی اس تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔“

وہ خوفناک طریقے سے میری طرف بڑھا۔ قریب آ کر اس نے تلوار دونوں ہاتھوں میں بلند کی اور پھنکارتے ہوئے کہا۔ ”بتاؤ ڈالی کا گی کا خزانہ کہاں ہے؟“

ابھی اس نے الفاظ منہ سے پوری طرح ادا نہیں کیے تھے کہ میں نے پوری قوت سے اسے دھکا دیا۔ ساتھ ہی اس زور سے چیخ ماری کہ مجھے خود بھی یقین نہ آیا کہ میں اس قدر خوفناک چیخ بھی مار سکتا ہوں۔ اجنبی تلوار سمیت چبوترے سے لڑھک کر نیچے گر پڑا اور میں گھوڑے کی طرف لپکا، اچھل کر اس پر بیٹھا اور ایڑ لگائی۔ میرا رخ اپنی گاڑی کی طرف تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ شخص ابھی بھی وہیں پڑا تھا۔ شاید خوف سے بے ہوش ہو گیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد میں اپنی گاڑی کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے چابی گھمائی، گاڑی اسٹارٹ کی اور اگلے دس منٹ میں پیٹرول پمپ میرے سامنے تھا۔ میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ کوئی پیٹرول پمپ پر موجود تو نہیں۔

دراصل میں کوئی نئی مصیبت مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی تھی۔ فلم یونٹ مجھے غائب پا کر سخت پریشان ہو رہا ہو گا اور یقیناً کچھ لوگ میری تلاش میں نکل چکے ہوں گے۔ فیول اسٹیشن پر جب مجھے کوئی بھی نظر نہ آیا تو میں نے جلدی سے پمپ میں پیسے ڈالے اور پیٹرول گاڑی میں بھر لیا۔ لیکن گاڑی سیدھی کرکے جیسے ہی پہلا گیئر ڈالا، تیز روشنی نے میری آنکھیں چندھیا دیں۔

”ہاہاہا...... پکڑ لیا...... ہاہاہا......“

ایک دفعہ پھر وہی لوگ میرے سامنے کھڑے تھے جو مجھے کوئی بدروح سمجھ کر صلیب پر لٹکانے کے لئے ادھار

کھائے بیٹھے تھے۔ وہی لوڈر گاڑی، وہی بندوق، وہی کرخت چہرے، مگر اس بار ایک بوڑھی عورت بھی ان کے ہمراہ تھی اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کر اپنے ساتھیوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ بڑے غور سے میری طرف دیکھنے لگی۔ اتنے میں ایک آدمی نے مجھے للکارا۔

"اے بدبخت روح..... باہر آجا..... ورنہ تجھے یہیں گولی ماردیں گے۔"

بندوق والے نے اپنی بندوق میری طرف سیدھی کی اور گرجدار آواز میں کہا۔ "جانتے ہو، یہاں کیسے مروگے؟..... جل کر! میری بندوق سے نکلنے والی ایک ہی گولی سے تمہاری گاڑی کی پیٹرول سے بھری ٹینکی بھک سے اڑ جائے گی اور تم اسی دنیا میں جہنم کی آگ میں جل مروگے..... ہاہاہا....."

میں دیکھ رہا تھا کہ واقعی بندوق کی لبلبی پر اس کی انگلی کا بوجھ بڑھ رہا تھا۔ "ٹھہرو....." میں حلق کے بل چیخا۔ بوڑھی عورت نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بندوق چلانے سے روک دیا۔ میں جلدی سے گاڑی سے باہر آیا، ہاتھ اوپر اٹھائے بے پروائی سے بولا۔ "تم لوگ کسی شدید قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو۔ میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو..... لیکن اگر تم مجھے مارنا ہی چاہتے ہو تو یہاں نہ مارو..... یہ پیٹرول پمپ ہے..... آگ پھیل گئی تو بہت برا ہوگا....."

میری بات بندوق والے کے بے رحم قہقہے میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس نے اپنی بندوق دوبارہ میری طرف سیدھی کرتے ہوئے کہا "مجھے معلوم تھا کہ تمہاری جیسی بدروح آگ میں مرنے سے ڈرتی ہے..... کیونکہ اس طرح تمہیں پھر زندہ ہونے کا موقع نہ مل سکے گا..... تیار ہو جاؤ....." اس نے مزید کوئی وقت ضائع کیے بغیر فائر کردیا۔

بوڑھی عورت نے عین وقت پر ہاتھ سے بندوق کا رُخ آسمان کی طرف کردیا تھا۔ گولی ہوا کو چیرتی ہوئی اوپر نکل گئی۔ چند لمحوں بعد جب دہشت ناک آواز کی گونج ختم ہوئی تو وہ بڑھیا ٹھہری ہوئی آواز میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"تم یقیناً کوئی اچھی روح ہو..... مجھے معلوم ہے کہ تم نے ان لوگوں سے سب سے پہلے پیٹرول پمپ کے متعلق پوچھا تھا..... اور تم واقعی پیٹرول پمپ کی طرف آئے..... ہم تمہارا پیچھا کررہے تھے..... پھر تم نے آگ پھیلنے کی بات کرکے میرا خیال درست ثابت کردیا کہ تم کوئی خبیث روح نہیں بلکہ نیک روح ہو..... سچ بولتے ہو اور انسانوں کو تباہی سے بچانے کا جذبہ رکھتے ہو، جاؤ، ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں، لیکن اپنا حلیہ ضرور درست کرو..... یہ حلیہ کسی اچھی اور نیک روح کا نہیں ہوسکتا۔"

جونہی اس کی لمبی تقریر ختم ہوئی، میں نے شکریہ کہہ کر اپنا سر احترام سے جھکایا اور فوراً گاڑی میں بیٹھ کر اسے پوری رفتار سے دوڑا دیا۔

شکر خدا کا کہ راستے میں کوئی اور گڑبڑ نہیں ہوئی۔ جب میں شوٹنگ والی جگہ پہنچا تو مجھے وہاں سے نکلے ہوئے پورا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اس وقت جو منظر میرے سامنے تھا وہ دیکھ کر تو میرا خون ہی کھول اٹھا..... جس مقصد کی خاطر میں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا تھا، وہ بالکل ختم ہو چکا تھا..... کرین کے ذریعے ایک بھوت نما انسان کو اس دلدل سے باہر نکالا جارہا تھا جہاں آخری سین میں اسے ڈوب کر ہلاک ہونا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے آخری سین میرے بغیر ہی مکمل کرلیا اور میں نے جو بھاگ دوڑ کی..... اپنی زندگی خطرے میں ڈالی..... یہاں تک کہ موت کے منہ میں کئی بار گیا اور کئی بار بچ نکلا..... سب بے معنی تھا.....

اچانک میرے ذہن میں ایک خوفناک سوال پیدا ہوا۔

سوال یہ تھا کہ بھوت کا کردار کرنے والا یہ شخص کون تھا.....؟ میرے ذہن میں ایک ہی جواب تھا..... دراصل یہی وہ اصل بھوت ہے جس کو وہ لوگ تلاش کرتے پھر رہے تھے اور جنہوں نے غلطی سے مجھے پکڑ لیا تھا میں حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی شکل ہو بہو مجھ سے ملتی تھی۔ واقعی ان لوگوں کی غلط فہمی بجا تھی، مگر اگلا منظر اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھا۔ وہ بھوت جونہی دلدل سے نکل کر محفوظ مقام پر آیا، فلم یونٹ کے تمام لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں اور اس نانہجار بھوت نے اپنا میک اپ اتارنا شروع کردیا تھا۔

بلا کا خاتمہ

شکیل نیازی-میانوالی

وہ کوئی عام بلا نہیں وہ بہت پیاسی بلا ہے دس سالوں بعد اسے پیاس لگتی ہے اور اس وقت اس کا کسی انسان میں سمانا ضروری ہوتا ہے اور پھر اس انسان کا وجود ختم ہوجاتا ہے۔

ہارر کہانیوں میں سرتاج کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردے گی

کیٹ جب بھی بوریت کا شکار ہوتی تو وہ اس عالیشان بنگلے کے پیچھے بنے باغیچے میں چہل قدمی کے لئے نکل آتی کیونکہ اتنے بڑے بنگلے میں وہ واحد گوشہ ہی اسے پرسکون جگہ محسوس ہوتی تھی ویسے تو اس بنگلے میں رہنے والے سبھی افراد اس کے اپنے تھے اور وہ سب اسے جی جان سے چاہتے تھے مگر اس دنیا میں والدین سے بڑھ کے قریبی اور مخلص رشتہ کوئی اور نہیں ہوتا اس لیے اسے جب بھی اپنے مرحوم والدین کی یاد ستاتی تو وہ اس باغیچے میں نکل آتی اور اس باغیچے میں موجود تمام درخت اور پودے اسے اپنے غمگسار اور ہمدرد نظر آتے۔

اتنے عرصے بعد آج پھر اسے اپنے والدین کی شدت سے کمی محسوس ہورہی تھی انسان بھی کتنی عجیب چیز ہے پوری زندگی خوشیوں کی خواہش میں گزار دیتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ خوشیاں اپنوں کے ہی وجہ سے ہوتی ہیں جب اپنے قریبی ہی اپنے پاس نہ ہوں تو بڑی خوشی بھی بے معنی ہوجاتی ہے اور یہ بات اس سے بہتر کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

دو دن بعد اس کی زندگی کا نیا خوشیوں بھرا باب شروع ہونے جارہا تھا مائیکل جسے وہ آٹھ برس سے شدت سے چاہتی آرہی تھی وہ اس کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنے جارہی تھی اور یہ احساس کسی بھی محبت کرنے والے انسان کے لئے بے پناہ خوشی کا ہوتا ہے مگر اس کے باوجود بھی اسے یہ خوشی ادھوری محسوس ہورہی تھی۔

رات کے بارہ بجے تو دور سے گھنٹہ گھر میں گھنٹہ بجنے کی آواز سنائی دی سردیوں کے دن تھے اس لیے کیٹ نے شدت سے لونگ بوٹ اور لیدر کی جیکٹ پہن رکھی تھی پورا بنگلہ پراسرار سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا صرف چند ایک لائٹس ہی جل رہی تھیں وہ چند لائٹس اتنے بڑے بنگلے کی تاریکی دور کرنے سے قاصر تھیں اور بنگلے کے پیچھے جانب باغ کے کونے میں ایک بلب جل رہا تھا جو دس کنال کے باغیچے کے حساب سے نہ ہونے کے برابر تھا چاند کی شروع کی تاریخیں تھیں اس لئے اندھیرا معمول سے کچھ زیادہ ہی تھا اور پھر اوپر سے ہونے والی دھند نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی تھی۔

کیٹ کو جب نیند آنے لگی تو وہ باغیچے کے درمیان میں موجود بینچ پر سے اٹھ کھڑی ہوئی اس نے واپس جانے کے بارے میں جیسے ہی سوچا۔

اچانک باغیچے کے کونے میں لگے بلب کی روشنی کم ہونے لگی اور ساتھ ہی اسے آواز آنے لگی جیسے بلب

اسپارکنگ کررہا ہو کیٹ حیرت سے اچانک خراب ہونے والے بلب کو دیکھنے لگی جس کی روشنی کبھی کم اور کبھی زیادہ ہورہی تھی کیٹ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بلب کے پاس آکے اسے حیرت سے دیکھنے لگی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کی خرابی کی وجہ جان پاتی بلب کی روشنی یکدم اتنی تیز ہوگئی کہ کیٹ کو اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھنا پڑا اور اس کے ساتھ ہی بلب دھماکے سے پھٹ گیا اور باغیچے میں یکدم گھپ اندھیرا چھا گیا۔

''اف کیا مصیبت ہے اسے بھی ابھی خراب ہونا تھا'' کیٹ بڑبڑائی اور جیکٹ کی جیب سے اپنا سیل فون نکالا اس کی ٹارچ آن کی اور واپسی کے لئے مڑی۔

وہ ابھی بمشکل چند قدم ہی چلی تھی کہ اسے اپنے پیچھے آہٹ محسوس ہوئی تو وہ یکدم مڑی۔ ''کون ہے؟'' اس نے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا مگر اسے بکھرے ہوئے خشک پتوں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اس نے اسے اپنا وہم جانا اور پھر چل پڑی مگر اس بار وہ دو قدم ہی چلی تھی کہ اسے پھر آہٹ محسوس ہوئی اور اس بار تو اس نے باقاعدہ پتوں کی آواز سنی جیسے کوئی اس کے پیچھے دھیمی چال چل کر آرہا ہو وہ مڑی اور موبائل کی ٹارچ کی مدد سے اردگرد دیکھنے لگی۔

''ک.....کک.....کون ہے؟'' اس بار اس کے لہجے میں لرزش تھی مگر اس کی بات کا کسی نے جواب نہ دیا وہاں تھا تو صرف پرہول سناٹا وہ مڑی اور اس بار اس قدر تیز قدموں سے چلنے لگی کیونکہ اب اسے خوف کا احساس ہونے لگا تھا تیز چلنے کی وجہ سے اس کا پاؤں کسی چیز سے الجھا اور وہ بری طرح سے گری۔

موبائل اس کے ہاتھ سے نکل کے دور جا گرا مگر اس کی روشنی کا رخ اس کی طرف تھا اسے محسوس ہوا کہ کسی نے اس کا پاؤں پکڑ لیا، برگد کے درخت کی ایک جڑ لپٹی تھی۔ اس کے پھر غور کرنے پر معلوم ہوا کہ برگد کے درخت کی ایک جڑ خود بخود اس کے پاؤں کے گرد کسی سانپ کی طرح بل کھا کے اس کا پاؤں جکڑنے لگی تو کیٹ کی آنکھیں یہ منظر دیکھ کر خوف سے پھیل گئیں اس نے فوراً گھبرا کر اپنے لونگ بوٹ کا تسمہ کھولا اور اپنا پیر بوٹ سے باہر نکال لیا۔

اس کا پیر آزاد ہوگیا اور وہ بنگلے کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی اسے اپنے پیچھے بے پناہ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اور ٹہنیوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دی تو اس نے بھاگتے بھاگتے مڑ کے دیکھا تو مارے خوف کے اس کی جان نکل گئی کیونکہ اب تو برگد کا درخت تیزی سے اس کے پیچھے آرہا تھا یہ دیکھ کر وہ اور تیزی سے بھاگنے لگی اور دوڑتے دوڑتے گیلری میں گھسی تو گیلری کی دیواروں پر لگی پینٹنگ کی تصویریں درخت کی شاخیں لگنے کی وجہ سے گر گئیں۔

کیٹ دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور اندر داخل ہوتے ہی اس نے تیزی سے دروازہ لاک کردیا اور جلدی سے بیڈ پر چڑھ کے کمبل اوڑھ لیا دروازہ مضبوط لکڑی سے بنا تھا اس لئے اسے توڑنا آسان نہ تھا تھوڑی دیر بعد یکدم دروازہ ہلنا بند ہوگیا۔

کیٹ کمبل ہٹا کے دروازے کو غور سے دیکھنے لگی اس کا انگ انگ پسینے میں ڈوبا ہوا کانپ رہا تھا شاید وہ چلا گیا۔ کیٹ نے ٹھوک نگلتے ہوئے سوچا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور سوچتی اس کی پشت پر موجود کھڑکی جو باغیچے کی جانب کھلتی تھی ایک دھماکے سے ٹوٹ کے اندر گری تو کیٹ نے پلٹ کے دیکھا اور اس کے ساتھ ہی پورا بنگلہ اس کی دل دوز چیخ سے گونج اٹھا۔

☆.....☆.....☆

ریلوے اسٹیشن پر جیسے ہی ٹرین رکی تو ٹرین کا خود کار دروازہ کھلا اور ایک نوجوان سوٹ کیس لیے اترا اس کے اترتے ہی ٹرین کا دروازہ بند ہوا اور ٹرین ایک بار پھر چل پڑی اس اسٹیشن کا وہ اکلوتا مسافر تھا اسٹیشن سنسان تھا اور وہاں کا عملہ بھی غائب تھا شاید انہیں بھی یہاں پر کسی کے آنے کی توقع نہیں تھی اس لئے وہ کہیں دبک کے سو رہے تھے ویسے بھی شدید سردیوں کا موسم تھا اوپر سے رات کا پہر، رہی سہی کسر طوفانی بارش نے پوری کردی تھی۔

نوجوان سیاہ رنگ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا، بال بکھرے ہوئے تھے، شیو ہلکی بڑھی ہوئی تھی، سوٹ میں زرہ بھی شکن نہیں تھی لیکن اس نے اسے بے ترتیبی سے پہن رکھا تھا شرٹ کے اگلے دو بٹن کھلے تھے ٹائی ڈھیلی ہوکر گلے میں جھول جھول رہی تھی چہرے کا رنگ سفید تھا مگر اس میں پیلاہٹ کا شبہ ہوتا تھا آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے تھے اور آنکھیں ایسے سرخ تھیں جیسے وہ کافی دنوں سے نہ سویا ہو مجموعی طور پر وہ کافی ہینڈسم نوجوان تھا اس نے جیب سے سگریٹ کی ڈبی نکال کے اس میں سے سگریٹ نکالی اور لائٹر کی مدد سے سگریٹ سلگائی اور سوٹ کیس اٹھا کے بارش کی پرواہ کئے بغیر چل پڑا سڑک پر ہو کا عالم طاری تھا اور سڑک کنارے سرچ لائٹس نہ ہونے کی وجہ سے رستہ دیکھنا کسی عام آدمی کے لئے کافی مشکل تھا لیکن وہ اس طرح کے حالات کا عادی معلوم ہوتا تھا اس لیے بے فکری سے سگریٹ پھونکتے چلا آرہا تھا۔

بادلوں کی چمک سے کبھی کبھی ماحول روشن ہوجاتا پھر گھپ اندھیرا چھا جاتا تھا وہ تیز بارش اور سردی کی شدت کو یوں نظر انداز کیے چلا آرہا تھا جیسے یہ سب چیزیں اس کے لئے معنی نہ رکھتی ہوں تین کلومیٹریوں ہی پیدل چلنے کے بعد وہ ایک بہت بڑے بنگلے کے گیٹ پر پہنچا ''براؤن ولا'' اس نے گیٹ پر لگی تختی کو زیر لب پڑھا اور سگریٹ کا آخری کش لگا کے اسے پھینک دیا اور گیٹ پر لگی بیل بجائی تو چند لمحوں بعد ایک گارڈ نے باہر جھانکا۔

''کون ہو تم؟'' گارڈ نے سختی سے پوچھا مگر نوجوان نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ وہ نئی سگریٹ سلگانے میں مصروف تھا۔

''میں نے پوچھا کون ہو تم'' گارڈ نے اور سختی سے پوچھا۔

''جان ویک......'' نوجوان نے بے فکری سے دھواں اڑاتے ہوئے کہا۔

''جو بھی ہو جاؤ یہاں سے نہ جانے کہاں کہاں سے آجاتے ہیں۔'' گارڈ نے کہا اور گیٹ بند کرنا چاہا مگر گیٹ بند نہ ہوا تو گارڈ نے حیرت سے نوجوان کو دیکھا جس نے گیٹ کے درمیان پاؤں رکھ دیا تھا۔

''اتنی بھی کیا جلدی ہے میرے دوست'' نوجوان نے مسکرا کے کہا اس سے پہلے کہ گارڈ اسے کوئی جواب دیتا اندر سے ایک خوش شکل نوجوان باہر نکلا ''کہیں آپ ہی جان ویک تو نہیں۔'' نوجوان سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''تو کیا مجھ سے پہلے بھی اس نام کا کوئی آدمی یہاں آیا تھا'' جان نے سگریٹ کا گہرا کش لگاتے ہوئے کہا۔

''اوہ سوری میں آپ کو پہچان نہیں پایا آپ پلیز اندر آجائیں'' باہر آنے والے نوجوان نے شرمندگی سے کہا اور جان کو لئے ہوئے اندر داخل ہوا۔'' آپ نے اپنے آنے کی اگر پہلے اطلاع کردی ہوتی تو میں خود آپ کو لینے اسٹیشن پہنچ جاتا آپ کا کوئی فون نمبر بھی نہیں تھا ساتھ والے گرجا گھر کے فادر کے کہنے پر ہم نے شہر کے چرچ کو آپ کے نام خط لکھا ویسے حیرت ہے آپ ٹیکنالوجی کے اس دور میں بھی موبائل فون نہیں رکھتے۔'' نوجوان نے حیرانگی سے کہا۔

''ہاں مجھے ہر اس چیز سے نفرت ہے جو انسان کا سکون برباد کرے'' جان نے سگریٹ پھینکتے ہوئے کہا تو نوجوان نے سر ہلا دیا اور اسے لیے ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوا۔

''یہ رہا آپ کا کمرہ ساتھ میں اٹیچ باتھ ہے آپ ایسا کریں نہالیں آپ کے کپڑے گیلے ہوچکے ہیں میں یہ سوکھنے کے لئے دیتا ہوں آپ کے پاس کوئی اور سوٹ ہو تو پہن لیں اگر نہیں ہے تو میں ابھی بھجوادیتا ہوں'' نوجوان نے کہا۔

''نہیں میرے خیال میں میں پہلے ہی کافی نہاچکا ہوں'' جان نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''اوکے تو پھر میں کھانا لگوادیتا ہوں'' نوجوان نے کہا۔

''پہلے تو تم ذرا اپنا نام بتادو مسٹر''

''مائیکل...... مائیکل نام ہے میرا اور میں سر

براؤن کا پوتا ہوں'' نوجوان نے کہا۔

''او کے مائیکل ہم کھانا بعد میں کھائیں گے پہلے مجھے ذرا اس کی طرف لے جاؤ'' جان نے کہا۔

''کیا ابھی.....؟ میرے خیال میں آپ کو پہلے کچھ کھالینا چاہئے'' مائیکل نے کہا۔

''دیکھو مائیکل اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ اسے دیکھ کر میری بھوک اڑ جائے گی تو تم غلط ہو یہ میرا روز کا کام ہے اور میں ہر روز وہ کچھ دیکھتا ہوں جس کے بارے میں تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا'' جان نے کہا۔

''او کے جیسے آپ کی مرضی'' مائیکل نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور جان کو ساتھ لیے ایک جانب بڑھ گیا مختلف راہداریوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک کمرے کے دروازے پر رک کر دروازہ کھولا اور ایک ادھیڑ عمر شخص کے ساتھ ایک ڈاکٹر باہر نکلا۔

''آپ بے فکر رہیں ڈینس صاحب میں نے اسے بے ہوشی کی ہائی ڈوز دے دی ہے اور مجھے امید ہے وہ صبح سے پہلے نہیں اٹھے گی'' ڈاکٹر نے ادھیڑ عمر آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔

''بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب''

''او کے اب میں چلتا ہوں'' ڈاکٹر نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

''ان سے ملیے ڈیڈ یہ مسٹر جان ویک ہیں وہی جن کو ہم نے فادر کے کہنے پر خط لکھا تھا''

''تم مجھے صرف جان بلا سکتے ہو'' جان نے مائیکل کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''او کے اور یہ ہیں میرے ڈیڈ ڈینس'' مائیکل نے ادھیڑ عمر شخص کا تعارف کرایا۔

''آپ سے مل کے خوشی ہوئی'' جان نے ڈینس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی خوشی ہوئی آپ سے مل کے مگر.....'' ڈینس نے کہا تو جان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

''مگر سے تو آپ یہ سوچ رہے تھے کہ میں کسی پادری کی طرح نظر آتا ہوں گا لیکن ایسا نہیں ہے ڈینس صاحب مجھے ایسے حلیہ اور پہناوے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے'' جان نے مسکرا کے کہا۔

''او ہو ایسا نہیں ہے'' ڈینس نے شرمندگی سے کہا۔

''تو کیا اندر چلیں'' جان نے کہا۔

''کیوں نہیں'' مائیکل نے کہا اور دروازے پر دباؤ بڑھایا تو دروازہ بے آواز انداز میں کھلتا چلا گیا اور وہ تینوں اندر داخل ہو گئے کمرہ خاصا بڑا تھا اور اس کے اکلوتے بیڈ پر ایک انتہائی خوبصورت لڑکی بے خود ہو کے لیٹی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں کی مدد سے بیڈ کے کونوں سے بندھے ہوئے تھے۔

''آپ تو جانتے ہی ہیں ان حالات میں ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا'' ڈینس نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں میں آپ کی مجبوری سمجھ سکتا ہوں۔'' آپ نے اسے باندھ کے اچھا کیا ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنا کام شروع کروں امید ہے اب تو آپ عادی ہو گئے ہوں گے ان حالات کے لیکن پھر آپ باہر جانا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں'' جان نے کہا۔

''ہاں میں باہر جانا چاہوں گا کیونکہ میں ہارٹ پیشنٹ ہوں میرے خیال میں میرا یہاں رکنا ٹھیک نہیں کیوں بیٹا تم بھی باہر آنا چاہو گے'' ڈینس نے مائیکل کو مخاطب کیا۔

''نہیں ڈیڈ میں یہیں رکوں گا'' مائیکل نے اداس لہجے میں کہا تو ڈینس سر جھکا کے باہر نکل گیا۔

''دروازہ اندر سے لاک کر دو'' جان نے مائیکل کو کہا تو اس نے دروازہ لاک کر دیا۔

''ویسے تم ابھی بھی جا سکتے ہو ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہو'' جان نے کہا۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا آپ نے جو کرنا ہے کریں'' مائیکل نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''او کے.....'' جان نے کہا اور بیڈ کے بائیں جانب کھڑے ہو کے لمبے لمبے سانس لینے لگا مائیکل دھڑکتے دل سے اسے اور کبھی بیڈ پر لیٹی لڑکی کو دیکھ رہا تھا

جوابھی بھی بے سدھ پڑی تھی۔

پھر اچانک لڑکی کے جسم میں حرکت ہوئی اور وہ یوں گہری گہری ناک کی مدد سے سانس لینے لگی جیسے کچھ سونگھ رہی ہو اس کے سونگھنے کا انداز کسی درندے جیسا تھا لیکن اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں پھر یکا یک اس نے آنکھیں کھولیں تو مائیکل یہ دیکھ کر کانپ گیا کیونکہ اس کی آنکھیں کسی انگارے کی مانند دہک رہی تھیں اس نے پہلے سامنے کھڑے مائیکل کو دیکھا پھر تیزی سے گردن گھما کے بائیں جانب کھڑے جان کو دیکھا جو اسے عام سی نظروں سے دیکھے جارہا تھا۔

''جان..... ویک..... ایک ہنجارا ہاہاہا.....'' لڑکی کے منہ سے ایسی بھیانک آواز نکلی کہ مائیکل دہل گیا اور جب اس نے قہقہہ لگایا تو یوں محسوس ہوا کہ بہت سے لوگ مل کے ہنس رہے ہوں۔

''اچھی بات ہے پھر تو تمہیں یہ بھی علم ہوگا کہ میں کیا کرتا ہوں؟'' جان بولا۔

''ہاں مجھے اس کا اچھی طرح اندازہ ہے جان ویک لیکن آج تم نہیں جیت پاؤ گے'' لڑکی نے بھیانک انداز میں کہا۔

''میں یہاں کوئی کھیل کھیلنے نہیں آیا سیدھی سی بات ہے اس لڑکی کو چھوڑ دو ورنہ اپنے انجام کے لئے تیار ہوجاؤ'' جان نے کہا۔

''انجام تو تمہارا برا ہوگا بلکہ تم تو پہلے ہی اپنے انجام کو پہنچ گئے ہو بے چارہ جان ویک سب کچھ ہی تو ہار گیا یہاں تک کہ خود کو بھی..... ہاہاہا.....'' لڑکی نے پھر بھیانک انداز میں قہقہہ لگا کے کہا تو جان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''بس بہت ہوا اب میری باری'' یہ کہتے ہی جان نے اپنی پینٹ کی جیب سے سفید رومال نکال کے اپنے بائیں ہاتھ پر باندھا اور جیب سے سگریٹ نکال کے سلگانے لگا۔

''یہ کیا کررہے ہو؟'' لڑکی نے سخت لہجے میں کہا۔

''وہی جو میں کبھی بھی نہیں کرتا اگر تم سیدھی طرح بات مان لیتے تو'' جان نے کہا۔

''مائیکل لائٹ آف کردو فوراً'' جان نے یکدم تیز لہجے میں کہا تو مائیکل نے فوراً لائٹ آف کردی اور کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا مگر یہ اندھیرا ایک پل کے لئے تھا جان نے لائٹر کی مدد سے اپنے ہاتھ پر لپٹے رومال کو شعلہ دیکھایا تو وہ دھڑا دھڑ جلنے لگا اور کمرے میں عجیب سی بدبو پھیل گئی اور اس کے ساتھ ہی لڑکی کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔

''لائٹ آن کردو'' جان نے کہا تو مائیکل نے لائٹ آن کردی لڑکی بے ہوش ہوچکی تھی اور جان نے ہاتھ جھٹک کے آگ بجھادی کمرے میں دھواں بھرا ہوا تھا۔

''یہ سب کیا تھا؟'' مائیکل نے حیرانگی سے کھانستے ہوئے کہا کیونکہ دھوئیں کی وجہ سے اسے کھانسی آنے لگی تھی۔

''یہ سلفر میں ڈوبا رومال تھا جو کہ ان جیسوں کو راس نہیں آتا'' جان نے لڑکی کی جانب اشارہ کیا اور جلتے ہوئے رومال کو اپنے ہاتھ سے الگ کیا۔

مائیکل نے دیکھا جان کا ہاتھ بری طرح جلا ہوا تھا۔

''آپ کا ہاتھ تو جل گیا ہے میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتا ہوں'' مائیکل نے گھبرا کے کہا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے اس کی دوا میرے پاس ہے تم بس کھانے کا بندوبست کرو، ہاں اس کی فکر مت کرو یہ اب کل شام تک ہوش میں نہیں آئے گی'' جان نے کہا۔

''کیا یہ ٹھیک ہوگئی ہے؟'' مائیکل نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''ہاں مگر کچھ گھنٹوں کے لئے اس کا مستقل حل نکالنے کے لئے ایک دو دن لگیں گے۔''

''اوکے آئیں میں آپ کے لئے کھانے کا بندوبست کرتا ہوں'' مائیکل نے کہا تو جان گہرے کش لگا کے بیڈ پر لیٹی لڑکی کو دیکھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن جان دس بجے اٹھا، ملازم نے ناشتہ اسے کمرے میں ہی لا دیا تھا جان نے ناشتہ کیا اور سگریٹ پینے لگا ہی تھا کہ مائیکل کمرے میں داخل ہوا۔

''گڈ مارننگ'' مائیکل نے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''گڈ مارننگ مگر تمہیں دیکھ کے لگتا ہے تمہاری صبح کچھ اچھی نہیں ہے'' جان نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

''ہاں دراصل میں پوری رات سو نہیں سکا شاید اس لیے پریشان نظر آرہا ہوں'' مائیکل نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

''ہاں یوں حالات میں عام آدمی کو نیند آنی بھی نہیں چاہئے بہرحال سب سے پہلے تو تم اپنا اور اپنے تمام گھر والوں کا تفصیل سے تعارف کروا کیونکہ میرے خیال میں خط میں کچھ زیادہ تفصیل نہیں تھیں اور اس مسئلہ کے حل کے لئے پھر اس لڑکی سے منسلک ہر رشتے سے آگاہ ہونا لازمی ہے'' جان نے دھواں ہوا میں اڑاتے ہوئے کہا۔

''او کے تو جیسا میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں میں ڈینس کا بیٹا اور سر براؤن کا پوتا ہوں وہ لڑکی کیٹ ہے اور میری اکلوتی کزن ہونے کے ساتھ ساتھ میری منگیتر بھی ہے۔ کیٹ کے والدین میرے انکل آنٹی پانچ سال پہلے ایک کار حادثے میں گزر گئے یہ بات ہمارے اور خصوصاً کیٹ کے لئے ناقابل برداشت تھی لیکن میرے والدین نے اسے اپنی اولاد ہی کی طرح حوصلہ اور سہارا دیا ویسے بھی ہم سب پہلے بھی ایک ہی گھر یعنی یہاں رہتے تھے اس لیے کیٹ کو شفٹنگ کا کوئی مسئلہ پیش نہ تھا اس لیے سر براؤن یعنی میرے دادا نے کیٹ اور میری شادی کی تجویز پیش کی جسے کیٹ سمیت سب نے بہ خوشی قبول کرلیا اور جب ہماری شادی میں صرف دو دن رہ گئے تو یہ حادثہ ہوگیا'' مائیکل یہاں تک بول کر خاموش ہوگیا۔

''اچھا اب اس ہونے والے حادثے کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ'' جان نے سگریٹ کا آخری کش لگا کے کہا۔

''یہ کوئی رات کے بارہ بجے کی بات تھی کہ کیٹ کے کمرے سے تیز چیخ سنائی دی تو ہم سب دوڑتے ہوئے کیٹ کے کمرے کی جانب گئے تمام نوکر بھی اکٹھے ہو چکے تھے ہم نے دیکھا کہ گیلری کا سامان یوں بکھرہ پڑا تھا جیسے کوئی طوفان آیا ہو جب ہم نے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ دروازہ اندر سے لاک ہے ہم نے بمشکل دروازہ توڑا اور اندر کا ماحول دیکھ کے ہم سب.....'' مائیکل یہاں تک کہہ کے رک گیا اور ماتھے پر موجود پسینہ رومال کی مدد سے صاف کرنے لگا۔

تو جان نے پاس پڑی ٹیبل سے ایک پانی کا گلاس اسے تھما دیا جسے مائیکل نے شکریہ کہہ کر منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔

''پھر تم نے کیا دیکھا'' جان نے اس کے ہاتھ سے خالی گلاس لے کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ہم نے دیکھا کمرے کی کھڑکی پوری کی پوری ٹوٹی ہوئی تھی اور کمرے کے فرش پر پتے بکھرے ہوئے تھے جیسے کمرے میں آندھی آئی ہو اور اس سے بھی بھیانک بات یہ تھی کہ.....'' مائیکل نے کہا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا اور پھر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

''کیٹ کسی چھپکلی کی طرح چھت سے چمٹی ہوئی تھی، اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور زبان باہر کو نکلی تھی اور وہ کسی درندے کی طرح ہمیں دیکھ کے غرا رہی تھی، ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا، مارے خوف کے ہم سب کا برا حال تھا۔

پھر اچانک ہی وہ بے ہوش ہو کے گری اور سیدھی بیٹھ پر آئی جس کی وجہ سے اسے کوئی خاص چوٹ نہ لگی ہم نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا مگر اسے کچھ سمجھ نہ آیا اور سر براؤن کے کہنے پر ہم نے گرجا گھر کے فادر کو بلایا اس نے جب کیٹ کی حالت دیکھی تو اس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دیا یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے اور پھر اس کے ہی کہنے پر ہم نے آپ کے نام خط

لکھا تاکہ آپ ہی کچھ کر سکیں ہم نے اس ایک ہفتے میں بے شمار ڈاکٹرز کو یہاں بلایا ہے مگر وہ کیٹ کی حالت دیکھ کے خود ہی فرار ہو جاتے ہیں اب تو ہمیں آپ ہی آخری امید نظر آتے ہیں“ مائیکل نے کہا اور سر جھکا لیا شاید وہ اپنے آنسو جان سے چھپانا چاہتا تھا۔

جان نے اٹھ کے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا ”بے فکر رہو اب میں آ گیا ہوں یہ مسئلہ بہت جلد حل ہو جائے گا“ اس سے پہلے کہ مائیکل کوئی جواب دیتا ملازم اندر داخل ہوا اور مائیکل کو مخاطب کیا۔

”سر باہر فادر آئے ہیں اور سر جان سے ملنا چاہتے ہیں“

”او کے تم انہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھاؤ ہم ابھی آ رہے ہیں“ مائیکل نے کہا تو ملازم سر ہلا کے چلا گیا۔

”کیا خیال ہے فادر سے ملنا ہے؟“ مائیکل نے جان کو مخاطب کیا۔

”کیوں نہیں ضرور“ جان نے کہا اور پھر مائیکل کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو فادر نے جان کو دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔

”اوہو گریٹ جان دیک......یقین نہیں ہوتا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں“ فادر نے مسکرا کے کہا۔

”تو اب یقین کر لو فادر میں تمہارے سامنے ہی بیٹھا ہوں“ جان نے بے پرواہی سے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ کے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا جبکہ مائیکل نے فادر سے مصافحہ کر کے عقیدت سے اس کا ہاتھ چوم لیا اور باآدب انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا مائیکل کا خیال تھا کہ جان کی گستاخی پر فادر برا منائے گا مگر فادر مسکرا کے مائیکل کو مخاطب کیا۔

”مائیکل بیٹا اب تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جان پر یسوع مسیح کا ہاتھ ہے شیطان اسے دیکھ کے راستہ بدل لیتا ہے۔“

”مائیکل بیٹا کیا تم ہم دونوں کو کچھ وقت اکیلا دو گے؟“ فادر نے جان کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہیں میں بعد میں چکر لگاتا ہوں“ مائیکل

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

شوگر (ذیابطیس)

قیمت-/100 روپے

اس کتاب میں شوگر کیسے اور کیوں ہوتی ہے، شوگر صحت کے لئے سب سے سنگین خطرہ، ایکسپائر استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بڑھتی عمر، شوگر کیا ہے، ٹائپ ون شوگر، ٹائپ ٹو شوگر، بلڈ پریشر کا خطرہ، ہائی بلڈ شوگر کے مریضوں کی سرجری خطرناک ہو سکتی ہے، شوگر کی پیچیدگیوں سے کیسے نمٹا جائے، احتیاطی تدابیر، شوگر اور ڈپریشن کا تعلق، افسردہ اداس مائیں اور بچے، نارمل بلڈ شوگر کیا ہے، جانچ کب کروائیں، شوگر بڑھنے کے اسباب اور تدارک، موٹے افراد کا خوف، سگریٹ نوشی، وجوہات، شوگر سے محفوظ رہنے والی خواتین، انفیکشن، بچوں پر ماؤں کا اثر، پیشاب کی نالی میں انفیکشن، ذیابطیس کے مریضوں کے لئے خطرناک بیماریاں، ڈپریشن، شوگر کی علامات اور اس سے بچاؤ کے طریقے، دیسی و ڈاکٹری نسخے پڑھیے اس کتاب میں۔

حکیم غلام مصطفیٰ

دعا بک کارنر نشی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

نے کہا اور وہاں سے چلا گیا اب وہ دونوں اکیلے ہی ڈرائنگ روم میں تھے۔

''دیکھو جان میں جانتا ہوں تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا بہت غلط ہوا اور اس سب کی وجہ سے تمہارا خدا پر سے یقین اٹھ گیا ہے لیکن.....''

''لیکن..... کیا تم جانتے ہو اس دنیا میں صرف ایک ہی ذات تھی جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا اور وہ میری بیوی گلوریا تھی اسے خدا پر اتنا یقین تھا کہ وہ ہر سنڈے کو باقاعدگی سے چرچ جایا کرتی تھی اور ساتھ میں مجھے بھی زبردستی لے جایا کرتی تھی ہمارا گھر .....گھر سے زیادہ گرجا گھر لگتا تھا پھر کیا ہوا ایک دن میں کام سے واپس آیا تو میری بیوی گھر پر نہیں تھی تین دن بعد اس کی لاش ملی کسی کالے جادو کے عامل نے اس کا گلہ کاٹ کے اس کے وجود کو جلا کے راکھ کر دیا صرف شیطان کی خوشنودی کے لئے اور آپ کے خدا نے ہماری مدد تک نہ کی کیوں.....؟'' جان نے چلا کے کہا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔

''دیکھو بیٹا اوپر والے کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے..... بہرحال مجھے خوشی ہے کہ تم اس دکھی خاندان کی مدد کرنے کے لئے یہاں آگے ہو اب میں چلتا ہوں اگر میری ضرورت پڑے تو بلا جھجک رابطہ کر لینا۔'' فادر نے کہا جبکہ جان دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے بیٹھا تھا فادر نے اسے دیکھ کے طویل سانس لیا اور وہاں سے باہر نکل گیا۔

فادر کو باہر آتا دیکھ کے مائیکل فوراً ایک جانب ہو گیا اور فادر کے جانے کے بعد اندر داخل ہوا اب جان نارمل نظر آ رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں معمول سے زیادہ سرخ تھیں۔

''آپ کو شاید یہ بات بری لگے مگر میں باہر کھڑا تھا اور آپ اونچی آواز میں بات کر رہے تھے تو میں نے بھی آپ کی بات سن لی، دیکھیں مجھے بہت افسوس ہے آپ کی بیوی کے بارے میں اور جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا اس کے بارے میں اور جیسی حیثیت آپ کی بیوی آپ کے لئے رکھتی تھی کیٹ کے بارے میں میری بھی وہی جذبات ہیں میں اسے ہر حال میں پہلے جیسا ٹھیک دیکھنا چاہتا ہوں اور میری معلومات کے مطابق آپ ایک سیکولر (روشن خیال خدا کو ماننے والا) ہیں جبکہ بھوت پریت اور شیطانی چکروں میں وہی ان چہروں کو شکست دے سکتا ہے جو خدا کا پیارا اور اس کا ماننے والا ہو میں آپ کی قابلیت پر شک نہیں کر رہا اگر آپ قابل نہ ہوتے تو فادر آپ کو بلانے کا مشورہ ہرگز نہ دیتے لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ خدا کو نہ ماننے کے باوجود آپ کیسے ان چیزوں سے نمٹ لیتے ہیں'' مائیکل نے کہا تو جان اسے غور سے دیکھنے لگا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

''گلوریا کے مرنے کے بعد مجھے شیطان اور شیطانی طاقتوں سے نفرت ہو گئی میں نے ان کے بارے میں پڑھنا شروع کیا اور پانچ سال تک امریکا کے جنگلوں سے لے کر تبت کے پہاڑوں اور مصر کے صحراؤں سے لے کر ہندوستان کے مندروں تک کی خاک چھانی، تب میں اس قابل ہوا کہ ان شیطانوں کو قابو کر سکوں اس کام میں تجربہ اور قابلیت سے زیادہ نڈر ہونا ضروری ہے جو آدمی موت سے نہ ڈرتا ہو اس کے لئے ان چیزوں سے نمٹنا آسان ہے رہا سوال یہ کہ بھوت اور جن کیسے بھاگتے ہیں یہ بات تمہیں آج شام کو پتہ چل جائے گی لیکن اس سے پہلے میں تمام گھر والوں سے ملنا چاہوں گا'' جان نے کہا تو مائیکل نے سر ہلا دیا۔

اسی شام جان سر براؤن اور مائیکل کے موم ڈیڈ سے ملا اور پھر شام کے وقت جب اندھیرا پھیلنا شروع ہوا تو ان سب کو کیٹ کے کمرے کے باہر کھڑا کیا اور انہیں مخاطب کیا۔

''آج اس کمرے میں بہت کچھ ہونے والا ہے آپ وہ سب نہیں دیکھنا چاہیں گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ باہر رکیں اور مجھے اپنا کام کرنے دیں'' جان نے کہا تو سر براؤن اور مائیکل کے موم ڈیڈ فوراً باہر رہنے پر راضی ہو گئے۔

''میں آپ کے ساتھ اندر رہوں گا'' مائیکل نے کہا۔

''پاگل مت بنو مائیکل جب جان کہہ رہے ہیں تو باہر رہو وہ سنبھال لیں گے'' مائیکل کے ڈیڈ نے کہا۔

''ہاں تمہارے ڈیڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں تمہیں ان کی بات مان لینی چاہئے۔'' جان نے کہا۔ ''نہیں میں اندر جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں اور میرا آخری فیصلہ ہے۔

''دیکھو مائیکل.....'' جان نے کچھ کہنا چاہا۔

''اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا آپ باہر رہتے'' مائیکل نے جان کو مخاطب کیا۔

تو جان نے طویل سانس لے کر اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے جان نے دروازہ لاک کر دیا کیٹ اسی حالت میں تھی جیسے کل تھی وہ ابھی تک رسیوں کی مدد سے بیڈ پر بندھی ہوئی تھی۔

جان نے سگریٹ سلگائی اور کمرے کا جائزہ لینے لگا کھڑکی میں اب سلاخیں بھی لگوادی تھیں شاید اس حادثے کے بعد یہ اقدام اٹھایا گیا تھا۔

جان نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے چار سکے نکالے اور ان چاروں سکوں کو بیڈ کے چاروں کونوں پر رکھ دیا۔

اب یہاں جو بھی ہو تم کچھ نہیں بولو گے یاد رہے کہ تمہاری وجہ سے کوئی گڑبڑ نہ ہو سکے۔ جان نے مائیکل کو مخاطب کر کے کہا تو اس نے سر ہلا دیا جان نے سگریٹ کا گہرا کش لگا کے اسے اپنے بوٹ تلے مسل دیا۔

جان نے کیٹ کے بائیں کان کے ساتھ اپنے ہاتھ کی مدد سے چٹکی بجائی تو کیٹ کی آنکھیں فوراً کھل گئیں اور جان اس کے پیروں کی طرف کھڑا ہو گیا کیٹ چند لمحے چھت کو گھورتی رہی اور پھر اس نے جان کی جانب دیکھا اور مسکرادی اور پھر اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی یہاں تک کہ وہ ہنسنے لگی اور پھر ہنسی تیز ہو کے قہقہوں میں بدلنے لگی مائیکل نے دیکھا جان اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''گریٹ جان ویک..... بے چارہ اس بار بڑی مشکل میں پھنس گیا ہے'' کیٹ نے ہنستے ہنستے کہا اس کی آواز سے لگا بہت سے لوگ مل کے بول رہے ہوں۔ ''جیسے مصیبت میں تم ہو۔'' جان نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

''نہیں جان ویک اس بار واقعی برے پھنسے ہو تم نے یہ مختلف مذہب سکے اس لیے رکھے ہیں نا تاکہ میرے مذہب کے بارے میں جان سکو لیکن بے وقوف انسان میں اور تم اور میں ایک ہی مذہب یا کسی خدا کو نہیں مانتے ہم ایک جیسے ہیں۔''

''میں تم جیسا نہیں ہوں شیطان.....'' جان نے تیز لہجے میں کہا۔

''اگر میں خدا کو نہ مان کے شیطان ہوں تو تم کیا ہو گریٹ جان ویک.....'' کیٹ نے ہنستے ہوئے کہا تو جان کے چہرے کا رنگ بدل گیا وہ بیڈ پر چڑھا اور اس نے کیٹ کی گردن پکڑ لی۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا'' جان غرایا۔

''آ گئے نا اپنی اوقات پر تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں اس کے جسم میں رہتا ہوں تم زیادہ سے زیادہ اس لڑکی کو مار سکتے ہو لیکن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہاہاہا.....'' کیٹ نے بھیانک قہقہہ لگا کے کہا اور زوردار پھونک ماری تو اس کے منہ سے بے تحاشا پتے نکل کے کمرے میں بکھر گئے اور جان اسے چھوڑ کے پیچھے ہٹ گیا، مایوسی جان کے چہرے سے واضح تھی۔

''آؤ مائیکل باہر چلیں'' جان نے ڈھیلے لہجے میں کہا اور مائیکل کے ساتھ باہر نکل گیا جبکہ اس کو اپنی پشت پر کیٹ کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

''اب کیا ہوگا اور اس کے منہ سے بے شمار پتے کیسے نکل آئے'' مائیکل نے باہر آتے ہی اپنی آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''ایک بات بتاؤ جب سے یہ حادثہ پیش آیا ہے کیا تمہارے گھر سے کوئی چیز غائب ہوئی ہے جیسے کوئی تصویر وغیرہ یا کوئی اور چیز'' جان نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔

''نہیں میرے خیال میں کوئی قابل ذکر چیز

غائب نہیں ہوئی۔'' مائیکل نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''آؤ اور مجھے پورا بنگلہ دکھلاؤ'' جان نے کہا تو مائیکل اسے بنگلہ دکھانے لگا دو گھنٹے بعد بھی وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔

''کیا کوئی یہاں اور بھی جگہ ہے جو ہم نے نہ دیکھی ہو'' جان نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں اب تو باغیچہ ہی رہ گیا ہے مگر.....''

''مجھے وہ جگہ بھی دکھلاؤ فوراً'' جان نے کہا تو مائیکل اسے لیے باغیچے میں آ گیا۔

''یہاں پہلے کیا تھا؟'' جان نے ایک گڑھے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ارے یہاں تو ایک بڑا برگد کا درخت تھا جب سے یہ حادثہ ہوا ہے اس پریشانی میں یہاں کوئی نہیں آیا اس لیے یہاں سے درخت غائب ہونے کا کسی کو علم نہ ہو سکا مگر اس درخت کے غائب ہونے سے اس حادثے کا کیا تعلق ہے'' مائیکل نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''وہی ہوا جس کا ڈر تھا'' جان نے دھیرے سے کہا۔

''کیا ہوا بتائیں تو سہی؟''

''وہ برگد کا درخت کوئی عام درخت نہیں شیطانی درخت تھا اور اب وہ کیٹ کے اندر سما گیا ہے'' جان نے کہا۔

''کیا مطلب درخت اس میں سما گیا ہے اب کیا ہوگا؟'' مائیکل نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''اس کا کوئی حل نہیں ہے کیٹ جب تک زندہ ہے وہ اس میں رہے گا اور اسے اس کے مرنے پر ہی چھوڑے گا'' جان نے کہا۔

''کیا مطلب؟ کیا اس کا کوئی حل نہیں ہے کوئی تو حل ہوگا دنیا میں ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے'' مائیکل نے کہا۔

''لیکن اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم کیٹ کو بھول جاؤ'' جان نے سرد لہجے میں کہا۔

''کیسے بھول جاؤں کیٹ کو آپ اپنی مری ہوئی محبت کو آج تک نہیں بھولے اور میں اپنی جیتی جاگتی محبت کو بھول جاؤں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا مسٹر جان ویک اگر یہ کام آپ نہیں کر سکتے تو میں اس کا کوئی اور حل ڈھونڈوں گا میں اس شیطان سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری سانس چل رہی ہے سمجھے'' مائیکل نے تلخ لہجے میں کہا۔

''او کے میرے خیال میں میرا یہاں رُکنا زیادہ مناسب نہیں ہے مجھے یہاں سے چلنا چاہئے'' جان نے کہا اور وہاں سے چلا گیا جبکہ مائیکل کھوئی کھوئی نظروں سے اس گڑھے کو دیکھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

جان جیسے ہی اپنا سامان لے کر براؤن ولا سے باہر نکلا تو گیٹ پر اس کا سامنا ایک عورت سے ہوا۔

''ڈاکٹر کیتھرین تم یہاں اور وہ بھی رات کو؟'' جان نے حیرت سے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے یہاں تک آئی ہوں تم پھر ان چکروں میں پڑ گئے یہ جاننے کے باوجود کہ تم موت کی دہلیز پر کھڑے ہو تمہیں پتہ بھی ہے کہ کینسر تمہارے پورے جسم میں پھیل گیا ہے اور بیماری کے اس اسٹیج پر پہنچ کے بھی تم سنجیدہ نہیں ہو رہے میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے پاس اسپتال میں داخل ہو جاؤ مگر تم میری بات سنتے ہی کہاں ہو اور یہ کیا پی رہے ہو؟'' ڈاکٹر کیتھرین نے اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھین کے دور پھینکتے ہوئے کہا۔

''تم جانتے ہو کہ اس سگریٹ کی وجہ سے ہی تم موت کے اتنے قریب ہو پھر بھی آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے اگر تمہاری بیوی میری بہن نہ ہوتی تو میں تمہاری کبھی فکر نہ کرتی گلوریا کے مرنے پر مجھے بھی دکھ ہوا تھا مگر انسان کسی مرنے والے کے ساتھ مرتو نہیں جاتا'' ڈاکٹر کیتھرین نے چلے کہا۔

''میں اس روز ہی مر گیا تھا جب گلوریا مری تھی بس صرف دفن ہونا باقی ہے تم میری فکر مت کرو تمہارے اسپتال کی ٹریٹمنٹ مجھے اور چند روز جینے کا موقع دے گی جبکہ میں جلد از جلد مرنا چاہتا ہوں'' جان نے زخمی

مسکراہٹ سے کہا اور نئی سگریٹ سلگائی کیتھرین اسے تاسف بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''واہ مسٹر گریٹ جان ویک واہ ایک آخری پول کھلنا باقی تھی وہ بھی کھل گئی تمہارے نڈر ہونے کی وجہ تمہارا بہادر ہونا نہیں ہے بلکہ تمہاری موت تمہارے اتنے قریب آچکی ہے جہاں بہادری یا بزدلی معنی نہیں رکھتی بھلا ایک مرتے ہوئے آدمی سے کسی کی زندگی کی امید کیا رکھنا'' جان کی پشت پر سے آواز آئی تو اس نے مڑ کے دیکھا وہ مائیکل تھا جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، جان نے اسے ایک نظر دیکھا اور سر جھکا کے وہاں سے چل پڑا جبکہ کیتھرین اور مائیکل اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

☆.....☆.....☆

جان آہستہ آہستہ ریلوے اسٹیشن کی جانب پیدل چلا جارہا تھا سردیوں کے دن تھے اور رات کا پچھلا پہر تھا سڑک سنسان تھی کہ اچانک جان کو سینے میں تکلیف ہوئی تو اس نے گلے میں پڑی ڈھیلی ٹائی کو اور ڈھیلا کردیا اس کے ساتھ ہی اسے زوردار انداز میں کھانسی آنے لگی وہ سڑک کے پر رکھے ایک بینچ پر بیٹھ گیا اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اسے الٹی آنے لگی اس نے قے کی اور دیکھا اسے خون کی الٹی آرہی تھی۔ ''شاید میرا آخری وقت آگیا ہے۔'' جان نے دل ہی دل میں سوچا اس کی ویران آنکھوں میں اور ویرانی چھا گئی۔

''میرے خیال میں آپ کو اس کی ضرورت ہے'' کسی کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے دیکھا اس کے ساتھ بینچ پر سفید لباس میں ملبوس ایک باریش نوجوان بیٹھا تھا۔

''ویسے تو میں یہ کسی اور کے لئے لے جارہا تھا مگر اب مجھے یوں محسوس ہورہا ہے کہ اس وقت اس کی آپ سے زیادہ ضرورت کسی کو نہیں'' نوجوان نے پانی کا چھوٹا کین جان کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تو جان نے اس کے ہاتھ سے کین لے کر اپنے منہ سے لگالیا یہاں تک کہ پانی کا آخری قطرہ بھی جان کے حلق سے نیچے اتر گیا۔

''شکریہ'' جان نے پانی پی کر کین واپس کیا اور بینچ کی پشت سے ٹیک لگا کے آنکھیں بند کرلیں۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟'' نوجوان نے پر اخلاق لہجے میں کہا۔

''بولو'' جان نے بدستور آنکھیں بند کر کے کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ آپ بھی میری طرح ایک بنجارے ہیں جو ہر وقت ادھر ادھر گھومتے رہتے ہیں انسان کے بنجارہ ہونے کی دو وجہ ہوتی ہے ایک اسے کسی کی تلاش ہو یا پھر وہ کسی سے بھاگ رہا ہو''

''اچھا.....تو تم کون سے نسل کے بنجارے ہو'' جان نے بے دلی سے پوچھا۔

''مجھے کسی کی تلاش ہے'' نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کس کی؟'' جان نے لاپرواہی پوچھا۔

''خدا کی'' نوجوان نے کہا تو جان کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تیر گئی اس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔

''تو کیا پھر خدا ملا؟'' جان نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں اس وقت میرے سامنے ہی تو ہے'' نوجوان نے مسکرا کے کہا تو جان نے حیرت سے آنکھیں کھول کے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کہاں ہے.....''

''آپ کے پرسکون چہرے پر اور جب جب میں نے کسی دکھی انسان کی مدد کی ہے اس پر خوش چہرے میں مجھے خدا دکھائی دیا ہے'' نوجوان نے کہا۔

''کیا مطلب میں سمجھا نہیں'' جان نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھے کام اچھے انسان کرتے ہیں اور ہر اچھے کام کرنے پر خدا نظر آتا ہے پھر جب انسان ہر طرف سے اچھائی میں ڈوب جاتا ہے تو اسے ہر چیز میں خدا کی قدرت دکھائی دیتی ہے چاند، ستارے، سورج چرند پرند ہر اس چیز میں جسے خدا نے بنایا ہے'' نوجوان نے کہا۔

''مگر مجھے تو ایسا کبھی نظر نہیں آیا'' جان نے

شرمندگی سے کہا تو نوجوان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

''کیونکہ آپ کی نظر کا زاویہ درست نہیں ہے آپ دنیا کو اس نظر سے دیکھ رہے ہیں جس نظر سے آپ دیکھنا چاہتے ہیں آپ آج سے ایک پیار بھری نظر سے اس دنیا کو دیکھیں تو آپ کو پوری دنیا میں خدا کی قدرت نظر آئے گی میرا اندازہ ہے آپ جو بھی کام کرتے ہیں اچھائی کے لئے کرتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ آپ اس اچھائی کو پہچان نہیں پا رہے یہ کہیں رکھ لیں آپ کے کام آئے گا۔

میں اب چلتا ہوں۔'' نوجوان نے خالی کین جان کو تھمایا اور وہاں سے چلا گیا اور جان حیرانگی سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

مائیکل کیٹ کے بیڈ کے ساتھ بے بسی سے کھڑا تھا اس کی آنکھیں سوئی ہوئی کیٹ کو دیکھ کے بھر آئی تھیں تمام گھر والے کیٹ سے مایوس ہو چکے تھے اتنے بری طرح سہمے ہوئے تھے کہ سب کے سب اپنے اپنے کمروں میں بند تھے ملازموں نے تو اب کیٹ کے کمرے کی جانب آنا ہی چھوڑ دیا تھا اس لیے صرف مائیکل ہی وہاں موجود تھا۔

''دیکھو تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو میں نہیں جانتا صرف اتنا جانتا ہوں کہ کیٹ بہت ہی معصوم ہے خدا کے لئے اسے چھوڑ دو'' مائیکل نے جذباتی انداز میں کہا تو کیٹ کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئیں اس کی آنکھیں اور چہرے کے تاثرات نارمل تھے مائیکل کی آنکھیں بند تھیں اور اس نے ہاتھ موڑے ہوئے تھے اس لیے وہ کیٹ کو ہوش میں آتا نہ دیکھ سکا۔

''مائیکل.....'' کیٹ نے پکارا تو مائیکل نے جلدی سے آنکھیں کھولیں۔ ''مائیکل یہ سب کیا ہے اور مجھے اس طرح رسیوں سے کیوں باندھ رکھا ہے'' کیٹ نے حیرت سے رسیوں کو دیکھتے ہوئے کہا اسے نارمل دیکھ کے مائیکل آگے بڑھا۔ ''کیٹ..... وہ تم بیمار.....

تھیں.....ناں۔'' مائیکل کے منہ سے حیرت کے مارے رک رک کے نکلا۔

''کیا..... مجھے کیا ہوا تھا جو مجھے اس طرح باندھ گیا ہے؟'' کیٹ نے اپنا ہاتھ رسی سے آزاد کرنے کوشش کرتے ہوئے کہا مگر ناکام رہی۔

''تم بہت بیمار تھیں اس لیے ایسا کرنا پڑا، وہ اب تمہیں کیسا محسوس ہو رہا ہے؟'' مائیکل نے حیرت سے کہا کیٹ کا یوں اچانک سے ٹھیک ہو جانا اس کے لئے معجزے سے کم نہ تھا۔

''مجھے کیسے محسوس ہونا ہے میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے ان سے آزاد کراؤ'' کیٹ نے کہا۔

''ہاں..... مگر'' مائیکل نے کہنا چاہا۔

''مگر کیا مجھ پر کوئی دیوانگی کا دورہ پڑا تھا اور میں سب کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی جو تم نے مجھے اس طرح جانوروں کی طرح باندھ رکھا ہے'' کیٹ غصے سے کہا۔

''ہاں..... شاید..... ایسا ہی کچھ تھا'' مائیکل کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیٹ کو کیا کہے۔

''اچھا جو بھی تھا اب میں پوری طرح سے ٹھیک ہوں مجھے کھولو''

''کیا تم واقعی میں ٹھیک ہو گئی ہو؟'' مائیکل نے خوشی سے پوچھا۔

''ہاں کیا اب مجھے یہ بات کہہ کے دینی ہوگی؟'' کیٹ نے غصے سے کہا۔

''او کے تم ناراض نہ ہو میں ابھی کھولتا ہوں'' مائیکل نے جلدی سے کہا اور رسیاں کھولنے لگا اور کیٹ کے ہونٹوں پر بھیانک مسکراہٹ تیرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

ادھر نوجوان کو گئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ جان کو یکدم اپنا جسم توانا محسوس ہونے لگا اسے یوں لگا جیسے اس میں بجلیاں دوڑنے لگی ہوں جو درد اسے دو سالوں سے مسلسل اپنے سینے میں محسوس ہوتا رہتا تھا وہ درد بھی غائب ہو چکا تھا۔ ''کہیں یہ اس پانی کا کمال تو نہیں

''جان نے خالی کین کو دیکھا کر سوچا اور پھر ایک جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اگر یہ بات ہے تو مجھے یہ پانی اور بھی پینا چاہئے وہ نوجوان گیا کہاں؟'' جان نے سوچا اور اس جانب چل پڑا جہاں نوجوان گیا تھا تھوڑی دیر چلنے کے بعد اس کو ایک اسلامک سینٹر نظر آیا۔

''وہ نوجوان حلیہ سے مسلمان دکھائی دے رہا تھا شاید اس سینٹر میں آتا جاتا ہو مجھے ان سے پوچھنا چاہئے'' جان نے سوچا اور دروازے پر لگی کال بیل بجادی تو تھوڑی دیر بعد ایک باریش بوڑھا باہر نکلا اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے۔

''جی فرمایئے آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں'' بوڑھے نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

''دراصل مجھے ایک خاص پانی کی تلاش ہے ایک نوجوان نے مجھے دیا تھا اس سے میری طبیعت کافی بہتر ہوگئی ہے کیا مجھے ویسا ہی پانی مل سکتا ہے'' جان نے بوڑھے کو کین دکھاتے ہوئے کہا تو بوڑھے کے ہونٹوں پر کین کو دیکھ کے مسکراہٹ آ گئی۔

''آؤ بیٹا اندر آجاؤ'' بوڑھے نے شفقت بھرے لہجہ میں کہا تو جان سر جھکا کے اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

☆......☆......☆

اور پھر مائیکل نے رسیاں کھول کے کیٹ کو مسکرا کے دیکھا تو وہ بھی جواباً مسکرائی اور پھر اس کی مسکراہٹ بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ اس کے ہونٹ پھیلتے پھیلتے کانوں کی لو تک پھیل گئے اس کے تمام دانت نظر آرہے تھے یہ دیکھ کے مائیکل کا خوف کے مارے برا حال ہوگیا اور وہ سکتے کی سی کیفیت میں کیٹ کو دیکھنے لگا ''بہت بڑی غلطی کردی تم نے......'' کیٹ کے منہ سے بھیانک قہقہہ نکلا اور اس نے مائیکل کو زوردار انداز میں دھکا مارا تو وہ اڑتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا اور بری طرح گرا مائیکل کو اپنا جوڑ جوڑ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا کیٹ بیڈ سے نیچے اتری اور دروازے کی جانب بڑھی

مائیکل نے اسے روکنا چاہا مگر وہ درد کے مارے نااہل پایا اور نہ ہی اس کے حلق سے کوئی آواز نکل پائی کیٹ جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچی دروازے کا لاک خودبخود گھما اور دروازہ خودکار انداز میں کھلتا چلا گیا اور کیٹ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

چند لمحے مائیکل اسی طرح پڑا رہا پھر اس نے اپنی تر ہمت جمع کی اور اٹھ کھڑا ہوا اسے اپنا دماغ چکراتا ہوا محسوس ہوا مائیکل نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھاما اور گرتا پڑتا کمرے سے باہر نکلا۔

گیلری سنسان پڑی تھی مائیکل نے اپنے وجود کو بڑی مشکل سے سنبھالتے ہوئے تمام بنگلہ دیکھ ڈالا مگر کیٹ اسے کہیں بھی دکھائی نہ دی تو اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اس نے ٹارچ لی اور بنگلے کے پیچھے بنے باغیچہ میں گیا باغیچہ گھپ اندھیرے اور موت کی طرح پھیلے سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا سناٹا اتنا گہرا تھا کہ مائیکل کو اپنے دل کی دھڑکن بھی صاف سنائی دے رہی تھی مائیکل آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ٹارچ کی روشنی کی مدد سے اردگرد دیکھنے لگا۔

''مائیکل......'' ایک جانب سے کیٹ کی آواز سنائی دی۔

''کیٹ......'' مائیکل نے بے اختیار پکارا اور اس جانب گیا مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

''مائیکل......'' ایک بار پھر ایک سمت سے اس کے کانوں میں آواز پڑی تو وہ دوڑ کے وہاں پہنچا مگر وہاں بھی کوئی نہ تھا مائیکل گھبرا کے اردگرد دیکھنے لگا تو اس کے کانوں میں کیٹ کی ہنسنے کی آواز گونجی۔

''دیکھو تم جو بھی ہو یہ ٹھیک نہیں کررہے ہمت ہے تو سامنے آؤ بزدل'' مائیکل نے غصے سے اردگرد دیکھتے ہوئے کہا تو یکدم خاموشی چھا گئی اور پھر اسے اپنے سر کے اوپر کسی درندے کی طرح غرانے کی آواز سنائی دی تو بوکھلا کر اوپر دیکھا مگر اس سے پہلے کسی نے اس پر چھلانگ لگادی اور وہ وجود مائیکل کو گرا کے اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔

مائیکل کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی مگر اس کا رخ

مائیکل کی جانب تھا مائیکل نے دیکھا وہ کیٹ تھی مگر اس بار اس کا چہرہ بہت ڈراؤنا تھا اس کی آنکھیں بالکل انگارہ ہوگئی تھیں چہرہ بھی بالکل سفید تھا جبکہ ہونٹ اور دانت سیاہ ہوچکے تھے مائیکل کو خوف کے مارے اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا مائیکل کی حالت دیکھ کے کیٹ کا قہقہہ باغیچے میں گونج اٹھا کیٹ اس کے اوپر سے اتری اور کسی جانور کی طرح اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی مدد سے دوڑتی ہوئی بنگلے کی جانب بھاگ گئی۔

مائیکل چند لمحوں کے لئے بے جان پڑا رہا پھر ہمت کرکے اٹھا اور اس جانب گیا جہاں کیٹ گئی تھی مائیکل اندھیری گیلری میں پہنچا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے کیٹ کو دیکھنے لگا مگر وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آئی۔

اچانک اسے پانی گرنے کی آواز آئی تو اس نے بے اختیار گیلری کے ستون کے پیچھے چھپ کے وہاں دیکھا جہاں سوئمنگ پول تھا وہاں کا منظر دیکھ کے وہ دنگ رہ گیا کیٹ پورا منہ کھولے سوئمنگ پول کے کنارے بیٹھ کے کسی جانور کی طرح پانی پیتی رہی اور سوئمنگ پول تیزی سے خالی ہوتا جارہا تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ بھیانک بات یہ تھی کہ سوئمنگ پول کے ایک سائیڈ پر بلب لگا تھا جس کی روشنی کی وجہ سے کیٹ کا سایہ سامنے کی دیوار پر ہونا چاہئے تھا مگر وہاں کیٹ کے سائے کی جگہ ایک درخت کا سایہ تھا جو پانی پیئے جارہا تھا یہ منظر دیکھ کے مائیکل کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کی چیخ گلے میں ہی گھٹ کے رہ گئی مائیکل نے مڑ کے دیکھا تو وہ کوئی اور نہیں جان تھا۔

''میری بات غور سے سنو اور پھر اس پر عمل کرو اب میں تمہارے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹا رہا ہوں لیکن تمہارے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلنی چاہئے اور نہ ہی تم کچھ بولو گے سمجھ گئے۔'' جان نے کہا اور مائیکل نے جلدی سے سر ہلا دیا تو جان نے اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹا دیا۔

''کیٹ کے وجود پر جس بلا کا سایہ ہے وہ کوئی عام بلا نہیں ہے یہ آسیب کی ایک بہت ہی خوفناک نسل کی بلا ہے اس کا وجود ایک درخت جیسا ہوتا ہے یہ کسی عام درخت کی طرح سال یا دو سال ایک جگہ کھڑا رہ سکتا ہے اور پھر اپنی مرضی سے چل کے کہیں اور جاسکتا ہے یا پھر کسی انسان کے اندر گھس کے اس میں سما جاتا ہے اور یہ ایک انسان میں تب ہی سماتا ہے جب اسے پیاس لگی ہو اور دس سالوں بعد اس بلا کو پیاس لگتی ہے اور اس وقت اس کا کسی انسان میں سمانا ضروری ہوتا ہے اور جب یہ پیاس ختم ہوتی ہے تو اس انسان کا وجود بھی ختم ہوجاتا ہے پانی پیتے وقت یہ بلا اردگرد کے ماحول سے بے خبر ہوجاتی ہے اس لیے وہ ہماری باتیں اس وقت نہیں سن سکتی اب میں اس کے سامنے جارہا ہوں اور جب میں تم سے پانی مانگوں تو تم فوراً یہ کین مجھے دے دینا اور خیال رہے کچھ غلط نہ ہونے پائے۔'' جان نے کہا تو مائیکل نے سر ہلا دیا تو جان آہستہ آہستہ چلتا ہوا سوئمنگ پول کی جانب بڑھا اور کیٹ سے کچھ فاصلے پر آکے رک گیا۔

''اب بس بھی کرو کتنا پانی پیو گے'' جان نے اونچی آواز سے کہا تو کیٹ نے یکدم پانی پینا بند کردیا اور سر اٹھا کے جان کی جانب اپنی انگارہ برساتی سرخ آنکھوں سے دیکھا۔

''جان ویک..... تم پھر آگئے؟'' کیٹ نے مسکرا کے کہا۔

''ہاں تمہاری یاد آرہی تھی اس لیے لوٹ آیا'' جان نے مسکرا کے کہا۔

''لگتا ہے تمہیں زندہ رہنے کا شوق نہیں میں نے تمہیں اس لئے چھوڑا تھا کیونکہ تم اپنی بیماری سے ہی بہت جلد مرنے والے ہو مگر تم میرے ہی ہاتھوں مرنا پسند کرتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں'' کیٹ نے اٹھتے ہوئے کہا اس سے پہلے کہ جان کچھ کہتا جان نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا اس کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار پیدا ہوگئے اور دوسرے ہی لمحے وہ گھٹنوں کے بل گرا یہ دیکھ کے کیٹ کے منہ سے بھیانک قہقہہ نکلا۔

''ارے تم تو اپنی بیماری سے ہی مرنے لگے چلو اچھا ہے تمہاری گندی موت سے میرے ہاتھ صاف

ہے'' کیٹ نے ہنستے ہنستے کہا۔

''پ..... پ..... پانی.....'' جان کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی تو مائیکل کین لئے دوڑ کے جان کے پاس آیا مگر اس سے پہلے وہ جان تک پہنچتا کیٹ نے اس کے ہاتھ سے کین چھین لیا اور اسے دھکا دیا تو مائیکل سوئمنگ پول میں جا گرا۔

''میرے خیال میں تم سے زیادہ مجھے اس کی ضرورت ہے'' کیٹ نے قہقہہ لگا کے کہا اور کین کو منہ سے لگا لیا اور ایک ہی سانس میں اس کا سارا پانی پی لیا۔

''ہاں تم نے ٹھیک کہا اس کی واقعی تمہیں زیادہ ضرورت تھی'' جان نے کہا اور یوں اٹھ کھڑا ہوا جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہیں، کیٹ نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''یہ تم نے مجھے کیا پلا دیا؟'' اس نے غرا کے کہا۔

''غلط بات نہیں بولو، میں نے نہیں خود تم نے پیا ہے، اچھا ہے تمہارے فنا ہونے کا ذمہ اب مجھ پر نہیں آئے گا۔'' جان نے مسکرا کے کہا۔

ادھر کیٹ سینہ پکڑ کے کھانسنے لگی اور اس کے حلق سے کسی زخمی درندے کی طرح غرانے کی آوازیں نکلنے لگیں اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے گاڑھا سیاہ دھواں نکلنے لگا اور اس کے ساتھ ہی ایک آخری چیخ کے ساتھ دھواں نکلنا بند ہو گیا اور کیٹ کا وجود بے جان ہو کے گر گیا جبکہ دھواں فضا میں تحلیل ہو گیا اتنی دیر میں مائیکل بھی سوئمنگ پول سے باہر نکل کے وہ حیرت انگیز منظر دیکھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

صبح جب جان ویک جانے لگا تو مائیکل نے اسے روک لیا ''جانتا ہوں تمہارے ذہن میں بہت سے سوال ہوں گے اس کے بعد اس نے اس نوجوان کے پانی پینے اور پھر اپنے اسلامک سینٹر جانے کے بارے میں بتایا۔

''جب میں اسلامک سینٹر گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ کوئی عام پانی نہیں تھا۔ ''زم زم'' کا پانی تھا جو ہر بیمار کی شفا ہے اس لیے اسے پی کے مجھے بہتر محسوس ہوا پھر وہاں سے میں نے اپنے میڈیسن ٹیسٹ کرائے تو مجھے معلوم ہوا کہ میری بیماری یوں ختم ہو گئی ہے جیسے کبھی تھی ہی نہیں یہ ایک حیران کن بات تھی پھر میرے ذہن میں آیا کہ کیٹ بھی میری طرح ایک لاعلاج بیماری سے دوچار ہے تو میں یہ پانی لے کے یہاں آ گیا اس کے بعد اسے یہ پانی پلانے کے لئے جو ڈرامہ رچایا وہ تمہارے سامنے ہے۔ جان نے کہا تو مائیکل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔ اتنے میں ایک ملازم نے انہیں کیٹ کے ہوش میں آنے کے بارے میں اطلاع دی کہ اب کیٹ بالکل تندرست لگ رہی ہیں۔

''آیئے کیٹ سے مل لیں'' مائیکل نے جان کو کہا۔

''نہیں میں ذرا جلدی میں ہوں'' جان نے کہا۔

''اب کہاں جانا ہے'' مائیکل نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''اسلامک سینٹر جاؤں گا کیونکہ میں جس رب کو آج تک ناراض کرتا آیا اس نے ہی مجھے ایک نئی زندگی دی اب میں اس کی راہ پر چل کے اس کا فرمانبردار بندہ بننا چاہتا ہوں'' جان نے کہا۔

تو مائیکل مسکرا پڑا اتنی دیر میں جان اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

''ارے کہاں رہ گئی یہ.....'' جان بڑبڑایا۔

''شاید تمہیں یہ چاہئے'' مائیکل نے جیب سے سگریٹ کی ڈبی نکال کے کہا۔

''دراصل میں زیادہ نہیں پیتا، کبھی کبھار پی لیتا ہوں۔'' مائیکل نے مسکرا کے کہا۔

''نہیں اب مجھے اس کی ضرورت نہیں'' جان نے کہا اور پھر ایک جیب سے چیونگم نکال کے منہ میں ڈالی۔

''میں نے سگریٹ چھوڑ دی ہے اور تم بھی یہ کبھی کبھی والا شغل چھوڑ دو یہی تمہارے لیے بہتر ہو گا'' جان نے کہا اور چل دیا جبکہ مائیکل اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا وہ مائیکل کی کایا پلٹ پر حیران ہو رہا تھا۔

اسرار

محمد خالد شاہان۔ صادق آباد

قسط نمبر 16

نقطہ نقطہ لفظ لفظ سطر سطر خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی اپنی نوعیت کی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش جسم و جاں کو انگشت بدنداں کرتی اور دلوں کو تھراتی ہوئی خونچکاں بھونچکاں اور لھولھان کہانی جو کہ پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردے گی۔

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

شاہان اسی طرح اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کرتے ہوئے پڑا رہا۔ فوجی کنویں کی تہہ میں پہنچ گیا اس نے پلٹ کر شاہان کو دیکھا شاہان نے آنکھیں بند کیے پتھروں پر پڑا ہا تھا جیسے مر چکا ہو۔ اوپر سے فوجی کے دوسرے ساتھی نے آواز دی ''مر گیا ہے کیا؟''

''ہاں مر گیا ہے'' نیچے سے دوسرے فوجی نے جواب دیا۔

''تو پھر اس کی جیب سے نولکھا ہار نکال کر اوپر آجاؤ جلدی کرو۔'' کنویں میں اترے ہوئے فوجی نے جھک کر شاہان کی جیب کی تلاشی لینا شروع کردی اس نے شاہان کی جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ شاہان نے بڑے آرام سے دونوں ہاتھ اوپر کر کے فوجی کی گردن دبوچ لی تو فوجی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ مردہ کیسے زندہ ہو گیا تھا۔

شاہان نے اسے حلق سے آواز نکلنے کی بھی مہلت نہ دی ایسا گلا دبایا کہ اس کا دم نکال کر ہی دم لیا پھر اس کی لاش کو پرے گرا دیا اور خود بے جان لاش بن کر پڑا رہا جب کافی دیر ہوگئی تو اوپر سے دوسرے فوجی نے آوازیں دینا شروع کردی۔ ''ارے کیا ہو گیا ہے اتنی دیر کیوں لگا رہے ہو تم جواب کیوں نہیں دیتے۔'' وہ زندہ ہوتا تو جواب دیتا۔

جب کنویں میں سے کوئی جواب نہ آیا تو اس
غور سے جھک کر دیکھنے کی کوشش کی کنویں کے کونے
اس نے اپنے ساتھی کو لیٹے ہوئے دیکھا وہ گھبرا گیا کہ
کہیں مر تو نہیں گیا مگر کیسے شاید نیچے سانپ نکل آیا
اور اس نے ڈس لیا ہو اوپر والا فوجی چکر میں پڑ گیا
اترتے ہوئے ڈر بھی رہا تھا اور نولکھا ہار بھی نہیں چھوڑ
تھا کافی سوچ بچار کے بعد آخر اس نے کنویں
اترنے کا فیصلہ کر ہی لیا ایک طرح سے اسے اپنے سا
کی موت کی خوشی بھی ہوئی تھی کیونکہ اب وہ نولکھا ہا
اکیلا ہی مالک بن گیا تھا اس نے نیچے اترتے ہو
پہلے اپنی بندوق سے سنگین اتار کر ہاتھ میں تھام لیا
نیچے واقعی سانپ ہوا تو وہ اسے مار کر ہلاک کردے گا
رسی کے سہارے کنویں میں اترنے لگا۔

شاہان یہی چاہتا تھا وہ ایک آنکھ کھولے بڑ
مزے سے سپاہی کی لاش کے پاس لیٹا اس کے ساتھی
موت کے منہ میں اترتے دیکھ رہا تھا آہستہ آہستہ کنو
کی دیوار کا سہارا لیتا وہ فوجی بھی نیچے آ گیا یہ تسلی کر
کے لئے کہ نیچے کوئی سانپ تو نہیں ہے اس نے کنویں
تہہ سے کچھ اوپر ہی رک کر نیچے دیکھا اسے تہہ میں
لاشیں پڑی نظر آئیں سانپ کہیں دکھائی نہ دے رہا
پھر بھی فوجی نے لٹکتی ہوئی رسی کو ہلا جلا کر اپنی پوری

کرلی اگر سانپ وہاں ہوتا تو رسی کے ڈر سے ضرور باہر نکل آتا۔

شاہان ایک آنکھ ذرا سی کھول کر اس فوجی کی ساری حرکتیں دیکھ رہا تھا اب وہ نیچے اتر آیا اور وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا دولت مل جانے کی اسے اس قدر جلدی تھی کہ اس نے اپنے ساتھی کی لاش کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ پھر شاہان کی طرف آیا اور اس کی جیبوں کو ٹٹولنا شروع کردیا اب شاہان کو کوئی غم نہ تھا کنویں میں رسی لٹکی ہوئی تھی جس کی مدد سے وہ کنویں سے باہر نکل سکتا تھا اس نے بڑے آرام سے دونوں آنکھیں کھول کر کہا ''کیوں مردے کو تنگ کررہے ہو مجھے آرام سے سونے دو'' شاہان کی آواز سن کر فوجی اچھل پڑا اس نے سنگین تان لی اور شاہان کی طرف دیکھا جس نے صرف اپنی آنکھیں کھول رکھی تھیں باقی وہ ایک مردے کی طرح ہی پتھروں پر لیٹا ہوا تھا ''تم زندہ ہو'' فوجی نے خوفزدہ ہوکر کہا۔

شاہان بولا۔ ''یار میں کہاں زندہ ہوں میں تو مرا ہوا دیکھتے نہیں ہو کہ میں لاش کی طرح پڑا ہوا ہوں یہ تو تم نے میری جیب میں ہاتھ ڈالا تو میں تھوڑی دیر کے لئے زندہ ہوگیا لو اب پھر مررہا ہوں۔'' یہ کہہ کر شاہان نے اپنی آنکھیں بند کرلیں دراصل وہ فوجی سے ایسے کھیل رہا تھا جس طرح سے بلی چوہے کو کھانے سے پہلے اس سے کھیلتی ہے۔

فوجی پریشان ہوگیا کہ یہ کیا ماجرا ہے اس نے جھک کر شاہان کے سینے پر ہاتھ رکھا اس کا دل برابر دھڑک رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص زندہ ہے اور کسی بھی وقت اس پر حملہ کردے گا پھر اس لمحے فوجی نے سنگین والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور پوری طاقت سے شاہان کے سینے پر وار کیا وار اس قدر شدید اور سخت تھا کہ سنگین ٹوٹ گئی اور فوجی کے ہاتھ کی دو انگلیاں سنگین کے چلنے سے ٹکرا کر کٹ گئی اس نے درد سے کراہتے ہوئے چیخ ماری شاہان نے بھی آنکھیں کھول کر کہا۔ ''یار مرے ہوئے کو کیوں مار رہے ہو؟'' اب فوجی گھبرا گیا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے اور یہ شخص انسان نہیں کوئی جن بھوت کی نسل سے تعلق رکھتا ہے پر فوجی نے سوچا کہ اب اسے اپنی جان بچانی چاہئے وہ رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھنے ہی لگا تھا کہ شاہان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''نہیں یار میں تمہیں اس طرح جانے نہ دوں گا تمہیں اپنے دوست کے ساتھ اس کنویں میں آرام کرنا ہوگا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کیا خیال ہے۔ شاہان نے رسی پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا فوجی چوہے کی طرح رسی سے الگ ہوکر نیچے گر پڑا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں تمہارے مرے دوست کو کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو اس کے پاس بیٹھ کر اس کی لاش کی دیکھ بھال کرسکے اس لئے اب اس کنویں میں اپنے دوست کے ساتھ ہی رہو گے جب تک کہ تم زندہ رہ سکو۔'' اور شاہان رسی تھام کر اوپر چڑھنے لگا۔ فوجی نے نیچے سے رسی کو کئی بار جھٹکے دیئے تاکہ وہ شاہان کو اوپر نہ چڑھنے دے لیکن شاہان کی طاقت کا بھلا کہاں مقابلہ کرسکتا تھا شاہان بڑے آرام سے مسکراتا ہوا اوپر چڑھ گیا کنویں سے باہر آکر اس نے دیکھا کہ فوجی بھی رسی کو پکڑ کر اوپر آرہا ہے شاہان نے آواز دی ''نہیں بھئی نہیں تم اپنے دوست کو چھوڑ کر نہیں آسکتے اسے تمہاری ضرورت ہے۔'' اور شاہان نے رسی کو زور کا جھٹکا دیا فوجی رسی سے الگ ہوکر دھڑم سے اپنے دوست کی لاش کے پاس گر پڑا شاہان نے آخری بار کنویں میں جھانک کر دیکھا کہ فوجی اچھل کود کر کے شور مچا رہا تھا جس نے شاہان کے لئے موت کا جال بچھایا تھا وہ خود اس جال میں پھنس چکا تھا شاہان آگے روانہ ہوگیا۔

دن کافی نکل آیا تھا شاہان کو اب واپس رنگون جا کر ناگنی کو تلاش کرنا تھا اور پھر اسے ساتھ لے کر لاہور کی طرف روانہ ہوجانا تھا اسے ہامی کا بھی خیال آرہا تھا لیکن وہ تو ایسے غائب ہوچکی تھی کہ جیسے زمین پر زندہ ہی نہ تھی اب ہامی کو شاہان کیا تلاش کرسکتا تھا یہ تو اتفاق سے مل جائے تو مل جائے لیکن شاہان نے دل میں تہیہ کررکھا تھا کہ نو لکھے ہار کی امانت حورعین کو دینے کے بعد وہ ناگن سے مل کر ہامی کو ضرور تلاش کرے گا ہامی کے ساتھ

ہان کو اپنا دوست بھائی شریم کا بھی خیال آ گیا ناگنی تو ا
ل گئی تھی پر شریم ابھی تک نہیں ملا تھا اس کا ساتھ ہی
ضروری تھا یہ تینوں ملکر سفر کریں تو کتنا اچھا ہو شاہان
سوچا۔

☆......☆......☆

ناگنی بادلوں میں اڑتی جا رہی تھی اس کے نیچے اسرار بگھی بھی پہاڑیوں کے درمیان وادی کی سڑک پر ہائی جا رہی تھی اب چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں قریب آ گئی تھی سڑک کے دو پہاڑیوں کے درمیان سے زرنے لگی تھی ایک جگہ جھیل آ گئی یہ چھوٹی سی جھیل تھی تالاب کی شکل کی تھی اس کی آدھی سطح کنول کے پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی بند بگھی یہاں پر رک گئی اسرار سیاہ پوش کوچوان بگھی کے اوپر سے اتر کر نیچے آیا اس نے بگھی کی کھڑکی کھول کر اندر ہاتھ ڈالا پھر ایک شیشے کی صراحی باہر نکال کر جھیل سے پانی بھر کر اندر بگھی میں کسی کو دیا اور دوبارہ اپنی سیٹ پر جا بیٹھا اور پھر گھوڑوں کو جھیل کی طرف لے گیا انہیں پانی پلایا اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

یہ سارا منظر ناگنی نے ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھ کر دیکھا بگھی آگے روانہ ہوئی تو ناگنی نے بھی اس کے ساتھ ساتھ اڑنا شروع کر دیا ابھی تک یہ بھید نہ کھلا تھا کہ بگھی میں کون بیٹھا ہے جسے کوچوان نے پانی دیا تھا۔ بگھی کے گھوڑے بڑی برق رفتار سے دوڑے جا رہے تھے یہ راستہ لدہ کی طرف نہیں بلکہ دم کی پہاڑیوں کی طرف جاتا تھا جن کے بارے میں رنگون میں آج سے کئی سال پہلے مشہور تھا کہ وہاں جن بھوتوں کا بسیرا ہے ادھر بھی کوئی نہیں گیا تھا ناگنی کو اس کی کوئی خبر نہ تھی وہ کچھ ہو ہوگئی اس نے دل میں سوچنا شروع کر دیا کہ اسے واپس چل کر شاہان کی تلاش میں نکل جانا چاہئے آخر وہ کہاں تک وہ اس بگھی کا تعاقب کرتی جائے گی۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ بگھی ایک جگہ پہاڑیوں کے اندر ایک سرنگ میں داخل ہوگئی ناگنی پہاڑیوں سے نیچے اتر آئی سرنگ کے اندر سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز کچھ دیر آتی رہی پھر خاموشی چھا گئی ناگنی سوچنے لگی کہ یہ کونسا انوکھا راستہ ہے جدھر بگھی جا رہی ہے کیونکہ سڑک اسی طرح آگے چلی جا رہی تھی بگھی اس سڑک سے ہٹ کر سرنگ میں داخل ہوئی تھی ناگنی نے انسانی شکل میں آ کر سرنگ میں جھانک کر دیکھا اندر تھوڑی دور تک دن کی روشنی تھی اس کے بعد اندھیرا چھایا ہوا تا اور کچھ بھی نظر نہ آ رہا تھا اب گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر گھاس پر پڑے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی یہ کافی پرانا زرد رنگ کے موٹے کاغذ کا ٹکڑا تھا جو لگتا تھا کہ کسی کتاب کے اندر سے پھاڑا گیا ہے اس پر انگریزی میں کچھ لکھا تھا ناگنی نے کاغذ اٹھا لیا اس پر کسی نے آنکھوں پر لگانے والے زمانے کے روغنی سرمے سے صرف تین لفظ لکھے تھے H.L.P بڑے کٹے پھٹے لفظ تھے جیسے کوئی گھبراہٹ اور جلدی میں لکھتا ہے ان کے درمیان E کا لفظ بھی نہیں تھا لیکن یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی کو مدد کی ضرورت ہے۔

ناگنی کا ماتھا ٹھنکا ضرور اس بگھی میں کسی کے ساتھ ظلم ہونے والا ہے کوئی زبردستی کسی عورت یا مرد کو اغوا کر کے لئے جا رہا ہے اس کی مدد کرنی چاہئے ناگنی واپس مڑی اور سرنگ میں داخل ہوگئی وہ اس وقت انسانی روپ میں تھی اس نے فوراً ایک چھوٹی نیلی چڑیا کی شکل اختیار کی اور سرنگ میں آگے کی طرف اڑنا شروع کر دیا سرنگ میں اندھیرا تھا ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

ناگنی اڑتی چلی جا رہی تھی آگے جا کر سرنگ گھوم گئی تھی ایک جگہ اسے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آئی ناگنی اس آواز کی طرف لپکی اس نے دیکھا کہ سرنگ میں اوپر چھت پر سے کسی سوراخ میں سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی اس روشنی میں بگھی اور گھوڑے ایک طرف سرنگ کی دیوار سے لگ کر کھڑے تھے گھوڑے ابھی تک ہانپ رہے تھے۔

ناگنی اڑتے اڑتے نیچے آ گئی بگھی کا دروازہ کھلا تھا مگر اندر کوئی بھی نہ تھا ناگنی نے سوچا کہ کوچوان اور وہ

مسافر جیسے ناگنی کی مدد کی ضرورت تھی کہاں ہوگا ناگنی نے سرنگ کو آگے جا کر دیکھا یہاں سرنگ کی دیوار تنگ ہوگئی تھی اور بکھی یہاں سے نہیں گزر سکتی تھی شاید اس لیے بکھی کو پیچھے کھڑا کر دیا گیا تھا ناگنی آگے اڑتی گئی سرنگ چونکہ اب تنگ ہوگئی تھی اس لئے ناگنی کھل کر نہیں اڑ سکتی وہ اڑتی اور پھر ذرا آگے جاتی ہی رک جاتی آگے ایک زینہ تھا جو کہ پرانے پتھروں کا زینہ تھا جو سرنگ کے نیچے جا رہا تھا ناگنی نے سوچا کہ چڑیا بن کر وہ گئی تو شاید کسی کی مدد نہ کر سکے گی اسے انسان یا سانپ کی شکل میں نیچے جانا چاہئے اسی وقت ناگنی نے ایک کالے سانپ کا روپ بدلہ اور زینے کی دیواریں رینگتی ہوئی نیچے اترنا شروع کر دیا زینہ کافی نیچے تک چلا گیا تھا یہاں بھی بڑا گہرا اندھیرا تھا کوئی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی اب ناگنی کو پانی کے گرنے اور بہنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دے رہی تھی وہ ناگن کے روپ میں رینگتی ہوئی زینے سے نیچے اتر گئی۔ ایک جانب قدرتی پتھروں کا فٹ پاتھ سا بن گیا تھا ناگنی اس فٹ پاتھ پر رینگتی ہوئی ندی کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی ندی کا سفید پانی سرنگ کے اندھیرے میں بڑی تیزی سے جھاگ اڑاتا بہہ رہا تھا اور اس سے بڑی دہشت آ رہی تھی آگے جا کر ندی ایک تاریک غار میں داخل ہو کر گم ہو جاتی تھی۔ بلکہ اتنی تنگ تھی کوئی انسان وہاں سے نہیں گزر سکتا پھر وہ بکھی کو چوان کہاں چلا گیا خیر دیوار میں ایک سوراخ سا بنا ہوا تھا ناگنی دیوار کے اوپر رینگتی ہوئی اس سوراخ میں آ گئی وہ ایک چوکور سوراخ تھا اور اس کا منہ اتنا تھا کہ اس میں سے ایک آدمی جھک کر بڑے آسانی سے گزر سکتا تھا ناگنی سوراخ میں داخل ہوگئی آگے پھر اندھیرا تھا مگر چونکہ ناگنی ناگن کی شکل میں تھی اس لیے اسے اندھیرے میں بھی دکھائی دے رہا تھا سوراخ میں آگے جا کر پھر زینہ آ گیا یہ چھ سات سیڑھیوں والا پتھریلا زینہ تھا ناگنی خاموشی سے رینگتی ہوئی نیچے اتر گئی یہاں اسے پہلی بار ایک انسانی چیخ سنائی دی یہ کسی عورت کی چیخ کی آواز تھی ناگنی چونکی اور اس نے اپنا پھن کھڑا کر دیا اور پھنکار مار کر محسوس کیا کہ عورت کی چیخ کدھر سے آئی ہے پھر وہ تیزی سے آگے بڑی گہرے اندھیرے میں اسے آگے ایک طرف سی روشنی نظر آئی ی آگ کے ایک شعلے کی روشنی تھی تہہ خانے میں ایک جانب کونے میں رکھے کسی برتن میں جل رہی تھی یہاں بہت خطرہ تھا ناگنی کو اپنی جان کا خیال تھا کیونکہ وہ مر سکتی تھی اس نے دیوار میں رینگنا شروع کر دیا اب وہاں اس نے ایک انگریز خوبصورت لڑکی کو دیکھا جسے پتھر کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔

سیاہ پوش کوچوان اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس رہا تھا لڑکی شرما رہی تھی جب وہ قابو میں نہ آئی تو سیاہ پوش نے اس کے سر پر ایک ڈنڈے کی ضرب لگائی جس سے لڑکی بے ہوش ہوگئی سیاہ پوش اب آگ کے برتن کی طرف متوجہ ہوا اس نے اس کے آگے دوزانوں بیٹھ کر کچھ منتر پڑھنے شروع کر دیئے اس کی آواز بلند ہوتی چلی گئی ساتھ ہی وہ ہاتھ سے فضا میں کچھ لکھتا بھی جا رہا تھا ناگنی دیوار کے ساتھ چمٹی یہ سب خاموشی سے دیکھ رہی تھی سیاہ پوش نے جیب سے ایک پڑیا نکال کر کھولی اور اس کا سفوف آگ میں ڈال دیا ایک شعلہ بلند ہوا اور تہہ خانے میں بدبودار دھواں پھیل گیا۔

ناگنی کا دم گھٹنے لگا وہ واپس جانے لگی تھی کہ تہہ خانے کی چھت میں سے ایک بھاری پتھر اپنے آپ کھسک گیا اندر روشنی آ گئی چھت کے سوراخ میں سے ایک کٹا ہوا انسانی سر نیچے لٹکنے لگا چھت کا پتھر واپس اپنی جگہ پر آ گیا ایک عورت کا سر تھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے سر آنکھوں سے چنگاریاں چھوٹ رہی تھیں اور کٹی ہوئی گردن سے خون ٹپک رہا تھا کٹے ہوئے سر کو دیکھ کر سیاہ پوش ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا کٹے ہوئے سر نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور ستون کے ساتھ بندھی ہوئی خوبصورت گوری چٹی لڑکی کے گرد ایک چکر کاٹا اور واپس آگ کے شعلے کے اوپر آ کر وہ سر لٹک گیا۔

سیاہ پوش کی طرف دیکھ کر سر نے کہا۔ ”تم نے کیوں بلایا میں نے یہ خوبصورت لڑکی تجھے دیدی ہے

منتر پڑھ پڑھ کر مجھے کیوں تنگ کررہا ہے۔" سیاہ پوش نے کہا۔ "اے بدروح کی ملکہ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن یہ عورت مجھ سے نفرت کرتی ہے ہوش میں آتے ہی میرے سامنے سے بھاگنے کی کوشش کرتی ہے۔"

بدروح کے سر نے نفرت سے کہا۔ "بکواس بند کر اور یہ بتا کہ تو اب کیا چاہتا ہے۔"

سیاہ پوش نے کہا۔ "بدروحوں کی ملکہ اس لڑکی کی یادداشت گم کردے اس کے دماغ میں ایسا اثر ڈال دے کہ اسے کچھ بھی یاد نہ رہے کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے بس یہ یہی سمجھے کہ میں اس کا مالک ہوں اور یہ میری کنیز ہے۔"

کٹے ہوئے سر نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور بے ہوش لڑکی کے گرد تین چکر لگانے کے بعد آگ کے شعلے کے اوپر آ کر بولی۔ "یہاں سے اسے لے جا شہر جا کر کسی چھوٹے بچے کو قتل کرکے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ کر اس عورت کے سر پر ڈال دے اس کے بعد یہ یادداشت کھو چکی ہوگی اور تجھے ہی اپنا سب کچھ سمجھے گی اب چلا جا میری آنکھوں کے سامنے سے اور خبردار اگر دوبارہ مجھے بلانے کی کوشش کی......" اور پھر کٹا ہوا سر چیختا چنگھاڑتا ہوا چھت کی طرف بلند ہونے لگا۔

چھت کی سیل خود بخود اپنی جگہ سے ہٹ گئی سر باہر نکل گیا سیل پھر اپنی جگہ پر آ گئی اور تہہ خانے میں اندھیرا چھا گیا۔

ناگنی ناگن کی شکل میں دیوار کے ساتھ چمٹی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی بدروح کے کے جانے کے بعد سیاہ پوش نے بے ہوش لڑکی کو کھول کر اپنے کندھے پر ڈالا اور تہہ خانے سے نکل کر سوراخ میں سے گزرتا ہوا ندی کے پتھریلے فٹ پاتھ پر آ گیا ناگنی ناگن کی شکل میں اس کا پیچھا کررہی تھی سیاہ پوش آگے ہی آگے چل رہا تھا یہاں چھت زیادہ اونچی نہ تھی ندی کو پیچھے چھوڑ کر سیاہ پوش دوسرے تہہ خانے میں آ گیا لڑکی اس کے کندھے پر بے ہوش پڑی تھی یہاں سیڑھیاں چڑھ کر وہ اس سرنگ میں آ گیا جہاں اس کی پراسرار بگھی اور گھوڑے کھڑے تھے ناگنی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

سیاہ پوش نے لڑکی کو بگھی میں ڈالا اور اوپر چڑھ کر کوچوان کی سیٹ پر جا بیٹھا اور باگیں تھام کر زور سے گھوڑوں کو چابک مارا گھوڑے ہنہناتے ہوئے اپنی دونوں اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہوگئے اور پھر مڑ کر سرپٹ دوڑتے ہوئے سرنگ سے باہر نکل گئے اب ناگنی کبوتر بن کر اس کے اوپر اڑنے لگی۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ سیاہ پوش کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھی کون کون لوگ ہیں بگھی ایک بار پھر پہاڑیوں میں دوڑنے لگی ناگنی برابر اس کا تعاقب کرتی چلی گئی جنگل پہاڑ عبور کرنے کے بعد بگھی ایک پتھریلی سڑک پر آ گئی یہ سڑک برما کے سب سے بڑے شہر رنگون کو جاتی تھی اڑتے اڑتے اچانک ناگنی کو شاہان کی بو محسوس ہوئی اس نے اڑتے اڑتے سڑک پر پیچھے کی طرف دیکھا دور سے ناریل کے درختوں میں ایک نوجوان آتا دکھائی دیا جس کی چال ڈھال شاہان سے ملتی جلتی تھی۔

ادھر شاہان نے بھی چلتے چلتے فضا میں ناگنی کی بو سونگھ لیا تھا وہ بڑا خوش ہوا کہ ناگنی کہیں آس پاس ہی ہے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا مگر ناگنی اسے کسی شکل میں بھی نظر نہ آئی اتنے میں ایک کبوتر اڑتا ہوا آیا اور شاہان کے کندھے پر آ کر بیٹھ گیا شاہان نے خوشی سے نعرہ لگایا ناگنی۔

کبوتر اڑ کر شاہان کے سامنے آ گیا پھر فوراً ہی انسان کی شکل میں سامنے ظاہر ہوگئی وہ ناگنی ہی تھی شاہان نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ ایک بار پھر تمہاری شکل دیکھی۔"

ناگنی نے کہا۔ "تم آدم خور جزیرے سے کہاں گم ہوگئے تھے؟"

شاہان نے کہا۔ "یہ بڑی لمبی کہانی ہے رنگون چل کر سناؤں گا پہلے تم یہ بتاؤ کہ رنگون کیسے پہنچی۔" ناگنی نے کہا۔ "میری کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے لیکن اس وقت میں ایک لڑکی کی جان بچانے کی فکر میں ہوں۔"

"کون ہے وہ لڑکی؟" شاہان نے پوچھا۔

''گوری انگریز ہے کوئی۔''

''کیا اس کے بال سنہری ہیں۔''

''ہاں آنکھیں نیلی ہیں۔'' ناگنی نے کہا۔

''کیا تم اسے جانتے ہو۔۔''

شاہان نے کہا۔''ارے وہ ضرور یامی ہوگی یہ مجھے آدم خور جزیرے میں ملی تھی پھر ایک بدروح نے اسے غائب کردیا۔'' ناگنی نے کہا۔''اسی بدروح نے اسے ایک سیاہ پوش کے حوالے کردیا ہے جو اسے لے کر شہر رنگون کی طرف جارہا ہے اور وہ ایک بے گناہ بچے کا خون کرنے والا ہے جو میں نہیں ہونے دوں گی تم ایسا کرو کہ تم مجھے رنگون کی بندرگاہ والے سرائے میں ملنا۔'' ناگنی نے جاتے جاتے پوچھا۔

''کیا تم نے شاہی ہار جلا دوطن بادشاہ کو دے دیا تھا۔'' شاہان نے جواب دیا۔''ہاں مگر بادشاہ وہ ہار اپنی پڑپوتی حورعین کے حوالے کرنا چاہتا ہے جو لاہور میں مقبرہ جہانگیر کے قریب رحیم بابا کے پاس انگریزوں سے چھپ کر زندگی بسر کررہی ہے ہار میرے پاس ہے۔''

ناگنی نے کہا۔''بہت خوب میں تمہیں رنگون کی بندرگاہ والے سرائے میں پھر ملوں گی میں اب اس سیاہ پوش کے پیچھے جارہی ہوں۔''

''ہاں ہاں ناگنی یامی کی ضرور جان بچاؤ اور اسے میرا بتانا اور ساتھ سرائے میں لے آنا۔''

''بہت اچھا خدا حافظ۔''

اتنا کہہ کر ناگنی ایک بار پھر کبوتر بن کر اڑ گئی اور شاہان اسے دور بادلوں میں جاتے دیکھتا رہا پھر ناگنی اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی شاہان نے سوچا کہ اب ناگنی اسے مل گئی ہے تو پھر کسی بیل گاڑی میں بیٹھ کر آرام سے باقی سفر طے کرنا چاہئے وہ سڑک کے کنارے کھڑا ہوگیا کہ شاید ادھر سے کوئی بیل گاڑی گزرے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ایک گھڑسواروں کا دستہ آیا جو ایک پالکی کو اپنی حفاظت میں لیے جارہا تھا شاہان سڑک سے ایک طرف ہٹ گیا پالکی میں رنگون شہر کا سب سے بڑا برمی تاجر جوہری ڈاموسوار تھا پالکی کا ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا جوہری ڈامو نے سر باہر نکال کر شاہان کو دیکھا اور اردو میں کہا۔''تم کدھر کو جاتا؟'' شاہان نے بڑی صاف ستھری برمی زبان میں کہا۔

''میں رنگون جانا چاہتا ہوں۔'' برمی جواہری بڑا خوش ہوا کہ یہ تو برمی نکلا اس نے کہا۔''تم شکل سے اچھے خاندان کے لگتے ہو اس لئے میں نے پالکی رکوائی تھی اس ویرانے میں تمہیں کوئی سواری نہیں ملے گی اور تم شکل وصورت سے برما کے رہنے والے نہیں لگتے پھر تم ہماری زبان کیسے بول لیتے ہو۔''

شاہان نے کہا۔''جناب میں چھوٹا سا تھا کہ اپنے باپ کے ساتھ اس ملک میں آ گیا تھا پھر یہیں رہنے لگا اور اسی ملک میں جوان ہوا اندر آ جاؤ۔'' جوہری نے شاہان کو پالکی میں اپنے ساتھ بٹھالیا اور پالکی آگے روانہ ہوگئی جوہری ساٹھ برس کی عمر کا بڑا ہوشیار اور چالاک جوہری تھا انسان اور پتھروں کو ایک ہی نظر میں پہچان لیتا تھا کہ اس میں کتنی کھوٹ ہے اور کتنی اصلیت ہے شاہان کی شکل دیکھ کر ہی اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس نوجوان کے پاس کوئی ایسی قیمتی شے موجود ہے جسے ساتھ لے کر پیدل سفر کرنا نہیں چاہتا اب وہ یہ پتا کرنا چاہتا تھا کہ وہ شے کیا ہے جوہری نے شاہان سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کردیں کہ وہ ادھر کہاں سے آرہا ہے اور رنگون میں کیا کام کرتا ہے وہ بڑے ہی میٹھے انداز میں شاہان سے باتیں کررہا تھا پھر وہ اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا''بیٹا اب تمہیں اصل بات بتاتا ہوں کہ میں نے تمہیں دیکھ کر پالکی کیوں رکوائی تھی تمہاری شکل میرے بیٹے سے ملتی ہے تمہیں دیکھ کر مجھے بے اختیار اپنا بیٹا یاد آ گیا'' شاہان نے پوچھا۔''آپ کا بیٹا رنگون میں کہاں ہے۔'' پھر جب شاہان کو خیال آیا کہ اسے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہئے تھا کیونکہ جوہری کی آنکھوں میں آنسو تھے ظاہر ہے اس کا بیٹا مر چکا ہوگا جوہری نے بناوٹی ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔''میرا بیٹا مجھے چھوڑ کر اگلے جہان جاچکا ہے۔'' شاہان نے کہا۔''مجھے بڑا افسوس

...ا'' جوہری نے کہا۔ ''مجھے تمہاری شکل میں بیٹا مل گیا ...یا تم میرے پاس رہو گے۔''

شاہان نے کہا۔ ''انکل یہ تو میں نہیں کہہ سکتا ...ونا میں کاروبار کے سلسلے میں دوسرے ملکوں میں اکثر ...ہتا ہوں۔''

''کیا کاروبار ہے تمہارا۔'' شاہان نے یونہی کہہ ...یا۔ ''جڑی بوٹیاں جنگل سے توڑ کر ان کی تجارت کرتا ...ہوں۔'' جوہری نے کہا۔ ''اچھا وعدہ کرو کہ جب بھی تم ...کسی ملک کی طرف جاؤ گے یہاں واپس آؤ گے تو میرے گھر ضرور آیا کرو گے۔''

''وعدہ کرتا ہوں۔'' شاہان نے کہا۔

مکاری سے جوہری نے کہا اب تم جنگل سے جڑی بوٹی تلاش کر کے آرہے ہو کیا؟'' شاہان نے جواب دیا۔ ''ہاں انکل لیکن ابھی رقمیں اکٹھا کرنے کا سیزن نہیں آیا۔''

''تو پھر تم غریب خانے میں ہی چل کر رہو۔''

شاہان نے سوچا کہ اس شخص سے پیچھا چھڑانے کا یہی ایک موقع ہے کہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے جاؤ اور رنگون پہنچ کر اس سے الگ ہو جاؤ۔'' شاہان نے کہا۔ ''بہت بہتر جناب۔'' جوہری بڑا خوش ہوا پالکی رنگون کی طرف جارہی تھی۔

دوسری طرف ناگنی کبوتر کی شکل میں سیاہ پوش کی تیز رفتار بگھی کے اوپر برابر اڑی جارہی تھی شہر رنگون ابھی تین میل کے فاصلے پر تھا کہ بگھی دریائے ایروتی کے کنارے ایک جنگل میں مڑ گئی یہاں جنگل میں درختوں کے نیچے اندھیرا چھایا ہوا تھا اور دریا کے دلدلی کنارے پر جگہ جگہ خونی مگرمچھ کیچڑ میں لیٹے ہوئے تھے درختوں کی گنجان اور جھکی جھکی شاخوں میں زرد اور سبز رنگ کے بڑے بڑے سانپ لٹک رہے تھے اور اپنی سرخ زبانیں نکال کر پھنکاریں مار رہے تھے بگھی کے گھوڑوں کو آگے گزرنے میں بڑی دقت ہو رہی تھی کیونکہ درختوں کی شاخیں کچے راستے میں جھکی ہوئی تھیں گھوڑے ایک جگہ رک گئے سیاہ پوش نے انہیں چابک مارنے شروع کر دیئے گھوڑے اگلے پاؤں اٹھا کر ہنہنائے ایسا کرتے ہوئے درخت کے اوپر لٹکے ہوئے سانپوں نے ان کی گردن پر ڈس لیا گھوڑوں نے ایک بھیانک چیخ ماری اور لڑکھڑا کر گر گئے۔

سیاہ پوش نے سانپوں کو ڈستے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اوپر والی سیٹ سے چھلانگ لگا کر نیچے اترا بگھی کا دروازہ کھول کر بے ہوش لڑکی کو کندھے پر ڈالا اور جنگل کے اندر جانے والے راستے میں چل پڑا ناگنی کبوتر کی شکل میں اس کے اوپر منڈلا رہی تھی یہ سارا تماشہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا دونوں گھوڑوں کی لاشیں دریا کنارے دلدل میں پڑی تھیں اور بگھی آگے کو جھک گئی تھی ناگنی بگھی کے اوپر آ کر بیٹھ گئی وہ کبوتر کی شکل میں آگے جنگل میں نہیں جاسکتی تھی اس نے فوراً ایک اڑنے والے دوفٹ لمبے نسواری رنگ کی ناگن کا روپ دھار لیا ناگنی ناگن بن کر بگھی میں سے چھلانگ لگا کر نیچے اتری اور اس نے سیاہ پوش کے پیچھے پیچھے رینگنا شروع کر دیا جہاں کہیں کوئی دلدل یا کوئی پانی سے بھرا ہوا کھڈا آجاتا تو وہ اڑ کر اسے عبور کر جاتی اسی طرح ناگن نے سیاہ پوش کا تعاقب جاری رکھا جنگل کے بیچ میں بہت آگے جا کر ایک چھوٹا سا مندر آگیا جس کے دروازے پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں سیاہ پوش اس لڑکی کو لے کر اس کے اندر گھس گیا۔

تھوڑی دیر بعد ناگنی بھی سانپ کی شکل میں اندر پہنچ چکی تھی اس نے دیکھا کہ سیاہ پوش نے اس بے ہوش لڑکی کو زمین پر ڈال کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھے منہ میں کپڑا ٹھونسا اور وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اے میرے گرو میری مدد کر واب میں کسی بچے کو گاؤں سے اٹھا کر لاتا ہوں اور اس کی گردن کاٹ کر اس کا لہو اس لڑکی کے سر پر ڈالوں تاکہ یہ اپنی یادداشت بھول جائے اور ہمیشہ میری ہو کر رہے۔'' اتنا کہہ کر وہ مندر کے دروازے سے باہر آ گیا۔

ناگنی دروازے کی دہلیز کے بالکل سامنے پھن اٹھائے اس کا انتظار کر رہی تھی جونہی سیاہ پوش نے اپنے

سامنے نسواری رنگ کے سانپ کو پھن اٹھائے دیکھا تو فوراً اپنی جیب سے پرانے زمانے کا پستول نکال کر فائر کردیا پستول سے پہلے دھواں نکلا اور پھر دھماکہ ہوا اور گولیاں نکل کر ناگن کے پھن کے اوپر سے گزر گئیں ناگنی نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی تھی اگر یہ پستول پرانے زمانے کا تھا مگر آخر اس کے اندر بارود بھرا ہوا تھا اور اس کی گولیاں تھیں اسے ہلاک کرسکتی تھی اب ناگنی کو کوئی فکر نہ تھی کیونکہ پستول چلانے کے لئے اسے دوبارہ بھرنے کی ضرورت تھی جس کی مہلت ناگنی نے نہ دی وہ اپنی جگہ سے اڑ کر سیدھی سیاہ پوش کی گردن میں آ گئی اور اس نے سیاہ پوش کی گردن کے گرد کنڈالی ماری اور اپنا پھن بالکل اس کے منہ کے آگے کر کے لہرانے لگی۔

سیاہ پوش کی تو جان ہی نکل گئی وہ تھر تھر کانپنے لگا وہ بہت ظالم تھا اور ایک بچے کو ہلاک کرنا چاہتا تھا اس کا اب مرجانا ہی بہتر تھا ناگنی نے اسے زیادہ مہلت نہ دی اور بڑے آرام سے اپنا منہ سیاہ پوش کے گال پر مار دیا، سیاہ پوش نے ایک چیخ ماری اور زہر نے اسے بے حس کر کے زمین پر گرادیا اس کے زمین پر گرنے سے پہلے ہی ناگنی اس کی گردن سے اتر کر مندر کی دہلیز پر جا بیٹھی تھی۔

سیاہ پوش کی موت کے بعد ناگنی نے پھر سے انسانی شکل اختیار کرلی اور مندر کے اندر داخل ہوگئی وہ لڑکی ابھی تک بے ہوش پڑی تھی ناگنی اسے اٹھا کر پانی کے ایک گڑھے کے پاس لے آئی اور پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر دے مارے تو لڑکی کو ہوش آ گیا، اس نے پوچھا۔ ''میں کہاں ہوں۔'' ناگنی نے مسکرا کر کہا۔ ''تم اپنی بہن کے پاس ہو کیا تمہارا نام یامی ہے۔''

''ہاں۔''

''تو پھر میرے ساتھ چلو تمہارا بھائی شاہان رنگون میں تمہارا انتظار کررہا ہے۔''

''مجھے اس کے پاس لے چلو کم بخت ایک بدروح مجھے ٹیلے کے کھنڈر سے اٹھا کر لے گئی تھی۔''

ناگنی نے کہا۔ ''وہ بدروح اب تمہارے پاس کبھی نہ آئے گی اس نے جس شیطان کے حوالے تمہیں کیا تھا اسے ایک سانپ نے ہلاک کردیا ہے اور اس کی لاش وہ پڑی ہے۔'' اس کے بعد ناگنی نے یامی کو ساتھ لیا اور جنگل کے دشوار گزار خطرناک راستے سے گزرنے لگی۔

اس نے یامی کو بتایا کہ میرا نام ناگنی ہے اور میں شاہان کی بہن ہوں۔ یامی نے پوچھا کیا جلاوطن بادشاہ کو اس کی امانت پہنچادی گئی ہے ناگنی نے اسے شاہان کی ساری داستان سناڈالی اور بتایا کہ اب وہ لوگ شاہی امانت لے کر لاہور جارہے ہیں جہاں وہ بادشاہ کی پوتی حورعین کو مغلیہ ہار دے دیں گے۔

یامی نے اداس ہوکر کہا اور میں اپنے ماں باپ کے پاس لندن کب جاؤں گی۔ ناگنی نے کہا یہ شاہان کے پاس جاکر فیصلہ کرلیتے ہیں جنگل زیادہ گھنا اور خطرناک ہوگیا یامی کو ناگنی کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ شاہان کی بہن ہے اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اصل میں ایک ناگن ہے اور اب جس شکل میں چاہے نمودار ہوسکتی ہے وہ جنگل میں ناگنی کے ساتھ بے حد ڈری ڈری چل رہی تھی دریا کے کنارے کنارے چل کر جنگل کے اس کچے راستے پر جو آگے جاکر رنگون جانے والی سڑک پر جانکلتا تھا ناگنی سوچنے لگی کہ اگر یہ لڑکی اسے کبوتر بن کر اڑتا دیکھ لے تو بے ہوش ہوکر گر پڑے گی رنگون جانے والی سڑک پر آتے ہی انہیں ایک گھوڑا گاڑی مل گئی جس نے شام ہونے سے پہلے پہلے انہیں رنگون پہنچادیا۔

ادھر مکار جوہری شاہان کو ساتھ لے کر اپنے شاندار بنگلے پر آ گیا اس نے فوراً نوکروں کو حکم دیا کہ شام کی چائے لگادی جائے جوہری کا بنگلہ بڑا ہی خوبصورت تھا دریا اس کے پیچھے سے گزرتا تھا دومنزلہ پختہ بنگلہ تھا شام کی چائے پینے کے بعد شاہان نے جانے کی اجازت مانگی تو جوہری نے کہا میں تمہیں اپنا خاص بدھ مندر دکھانا چاہتا ہوں جو میں نے اپنے بنگلے میں بنوا رکھا ہے اس میں تمہیں دنیا کے بہترین بت ملیں گے آؤ

ساتھ مندر دیکھ کر چلے جانا۔

شاہان نے سوچا کہ چلو رات ہونے تک واپس سرائے میں پہنچ جائے گا اور شاید ناگنی بھی رات ہونے سے پہلے سرائے میں آ جائے جوہری نے اسی دوران اپنے خاص نجومی کو خفیہ کمرے میں بلوا کر شاہان کے بارے میں پوچھا تو اس نے شاہان کا زائچہ دیکھ کر کہا اس نوجوان کے پاس ایک ایسے ہیرے کا ہار ہے جس کی قیمت اس وقت دس کروڑ پونڈ ہے یہ سن کر جوہری خوشی سے اچھل پڑا بس بس اس کے آگے مجھے کچھ نہ بتاؤ۔

نجومی نے کہا اور ایک بات بھی زائچہ بتا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس لڑکے کے پاس کوئی خفیہ طاقت ہے کہ جس کی مدد سے یہ ہمیشہ زندہ رہے گا ہاں کسی کنویں میں لڑھک جانے سے یہ بے بس ہو سکتا ہے ٹھیک ہے میں سب سمجھ گیا ہو تم جاؤ نجومی کو رخصت کر کے جوہری نے شاہان کو ساتھ لیا اور اپنے بنگلے کے عقب میں آ گیا یہاں ایک پرانا مندر تھا جس کا دروازہ کوئی پانچ سو برس پرانا تھا جوہری نے اپنے دل میں ایک سازش تیار کر رکھی تھی وہ شاہان کو مندر کے اندر لے گیا شاہان نے دیکھا کہ مندر کے طاقوں میں مہاتما بدھ کی بڑی خوبصورت سنگ مرمر اور کانسی کی مورتیاں پڑی تھیں مندر میں اندھیرا تھا مگر چھت کے ساتھ لٹکتے ہوئے مومی شمع دان ہلکی ہلکی روشنی بکھیر رہا تھا یہاں کا ماحول بڑا ہی پراسرار تھا مندر کے نیچے سیڑھیاں جاتی تھیں جوہری اپنی بھاری بھرکم توند کو سنبھالے آگے آگے جا رہا تھا آؤ میرے بیٹے تمہیں اپنے مندر کا سب سے پرانا سونے کا بت دکھاتا ہوں یہ بت میرے پردادا نے رنگون کے ایک قدیم بادشاہ کے بیٹے سے خریدا تھا تم نے ایسا بت ساری زندگی نہیں دیکھا ہوگا۔

شاہان یونہی وقت گزارنے کی غرض سے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا سیڑھیاں ایک ایسے اندھیرے کمرے میں جا کر ختم ہو گئیں جہاں ایک چھوٹا سا پانی کا حوض بنا ہوا تھا اس کے اردگرد پتھر کا چبوترہ بنا ہوا تھا شاہان نے کہا موم بتی نہیں ہے یہاں۔

جوہری نے ایک مومی شمع روشن کرتے ہوئے کہا بس وہ سامنے تاق میں ہے سونے کا بت آ جاؤ اس طرف آ جاؤ جوہری خود تو ایک طرف شمع دان لے کر کھڑا رہا اور شاہان کو اس نے دوسری طرف سے آنے کا اشارہ کر دیا شاہان کے دل میں ایک پل کے لئے بھی یہ خیال نہ آیا کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی خوفناک دھوکہ تو نہیں ہو رہا بے دھڑک حوض کے کنارے چبوترے کی طرف بڑھا اس نے تیسرا قدم اٹھا کر رکھا ہی تھا کہ اس کا پیر نیچے چلا گیا اور وہ دھڑام سے ایک اندھے کنوے میں گر پڑا اسے مکار جوہری کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔

شاہان نے کہا۔ ”تم نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے آخر کیوں میں نے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔“ جوہری نے اوپر سے آواز دی۔ ”اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو میں ایک رسی نیچے لٹکا رہا ہوں اس کے سرے کے ساتھ وہ قیمتی ہار باندھ ڈالو جو تمہارے پاس ہے پھر میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔“

شاہان نے کہا یہ ہار کسی کی امانت ہے تمہیں کیسے دے سکتا ہوں جوہری نے جواب میں کہا تو پھر قیامت تک اسی کنویں میں پڑے رہو گے کیونکہ میرے جوتشی نے مجھے بتا دیا ہے کہ تم مر نہیں سکتے شاہان بڑا حیران ہوا کہ اس کا اتنا قابل جوتشی کہاں سے آ گیا کہ اس نے ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر بتا دیا اس نے کہا میں تمہیں ہار نہیں دے سکتا یہ کسی کی امانت ہے اور یہ امانت میں نے پہنچانی ہے جوہری نے کنویں کے اوپر ایک لکڑی کا تختہ ڈال دیا اور واپس اپنے بنگلے میں آ گیا اس نے نجومی کو بلوا کر اس سے مشورہ کیا نجومی نے کہا فکر نہ کرو مالک جب وہ ایک دو دن کنویں میں پڑا رہے گا تو اپنے آپ سیدھی راہ پر آ جائے گا دو روز بعد جا کر پتا کرنا وہ ضرور قیمتی ہار تمہارے حوالے کر دے گا جوہری اس لئے بھی زیادہ فکر مند نہیں تھا کہ ہار اس کے اپنے کنویں میں پڑا ہے دو دن بعد وہ شاہان سے گفتگو کر سکتا تھا اور دس دن بعد بھی اس نے یہ بھی فیصلہ کر رکھا تھا کہ اگر دو دن کے بعد جب شاہان نہ مانا تو وہ کنویں میں کھولتا ہوا تیل

انڈیل دے گا ہوسکتا ہے کہ نجومی کا حساب غلط ہو کیونکہ کوئی بھی انسان کھولتے ہوئے تیل میں زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔

ادھر ناگنی اور یامی رات کے پہلے پہر رنگون کے سرائے میں پہنچ گئے تھے یہاں انہوں نے کوٹھی میں بستر لگوادیئے۔ اور شاہان کی تلاش شروع کردی شاہان ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا ناگنی نے یامی کو کوٹھڑی میں بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور خود شاہان کی تلاش میں نکل گئی۔

شہر میں ہر طرف ایک خاموشی تھی اندھیرا ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے ناگنی نے سارے شہر کی گشت لگائی ہر طرف دیکھا پھر سرائے میں جاکر پوچھا شاہان کہیں نہ تھا وہ یہ سوچ کر واپس آ گئی کہ ہوسکتا ہے وہ کسی انسان کی مدد کرنے راستے میں کہیں رک گیا ہو اس نے یامی سے کہا شاہان کو راستے میں شاید کوئی ضروری کام پڑ گیا ہوگا ہم اس سرائے میں بیٹھ کر انتظار کریں گے۔ یامی نے کہا کہیں وہ کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گیا؟ ناگنی نے کہا مصیبت اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ ویسے یہ مصیبت کیا کم تھی کہ شاہان اس تنگ سے اندھیرے کنویں میں سے باہر نہیں نکل سکتا تھا وہ کنویں کی تہہ میں خشک اور گیلے پتھروں پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہاں سے کس طرح باہر نکلے اوپر سے کنویں کا منہ بند تھا اور اندر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا شاہان نے اٹھ کر دوسرے بلکہ تیسری بار کنویں کی گول دیوار کو ٹٹولنا شروع کردیا یہ کنواں بہت پرانا تھا اور اس مکار جوہری کو بھی نہ معلوم تھا کہ اس کے نیچے کیا اسرار اور راز چھپا ہوا ہے۔ شاہان نے ایک اینٹ کو ذرا سا کھینچا تو وہ اس کے ہاتھ میں آ گئی اس نے باقی سوراخ میں اپنی گردن ڈال دی اور دوسری طرف دیکھا دوسری طرف اسے کسی جگہ پانی کے گرنے کی ٹپ ٹپ آواز آرہی تھی شاہان کو محسوس ہوا کہ ادھر کافی جگہ خالی ہے وہ سوراخ میں سے گزر کر دوسری طرف آ گیا اس کے پاؤں پتھر کی سیڑھی پر ٹک گئے تین سیڑھیاں اتر کر وہ پانی میں آ گیا پانی اس کے ٹخنوں تک تھا اس کے کندھے دیواروں کو چھو رہے تھے وہ پانی میں آگے چل پڑا اندھیرا بہت گہرا تھا شاہان کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اتنا اسے احساس تھا کہ وہ ایک لمبی سرنگ میں چل رہا ہے چھت اس کے سر سے کوئی دو فٹ اونچی تھی خدا جانے اب کس طرف سے روشنی کی دھندلی سی لہر آرہی تھی جس سے سرنگ کا پانی شاہان کو دکھائی دینے لگا تھا۔

جوں جوں شاہان آگے بڑھ رہا تھا پانی گہرا ہوتا جارہا تھا آخر پانی شاہان کے کندھوں تک آ گیا وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا سرنگ کبھی دائیں طرف کو مڑ جاتی اور کبھی بائیں طرف کو مڑ جاتی تھی شاہان کو یقین تھا کہ یہ سرنگ ضرور کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ باہر ضرور نکلتی ہے اور کسی کسی جگہ سے سرنگ کی چھت پر سے پانی کے قطرے بھی ٹپک رہے تھے شڑاپ کی آواز کے ساتھ کسی نے سرنگ کی دیوار کے سوراخ میں سے پانی میں چھلانگ ماردی شاہان رک گیا کوئی شے پانی میں تیرتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی دھندلی روشنی میں شاہان نے دیکھا کہ وہ شے پانی کی سطح پر اپنے پیچھے لہریں چھوڑ رہی تھی شاہان سمجھ گیا کہ وہ ایک سانپ تھا سانپ شاہان کے قریب آ گیا تھا شاہان ایک طرف ہٹ کر سرنگ کی دیوار کے ساتھ لگ گیا لیکن سانپ نے اسے پھر بھی ڈس لیا، شاہان نے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو گردن سے پکڑ لیا سانپ پانچ چھ فٹ لمبا تھا اس نے شاہان کے بازوں کے گرد بل ڈال دیا اور اسے کسنا شروع کردیا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا شاہان نے سانپ کے سر کو سرنگ کی دیوار سے رگڑ کر کچل ڈالا مرے ہوئے سانپ کو پانی میں پھینک کر شاہان نے پھر آگے بڑھنا شروع کردیا۔

سرنگ اب تھوڑی چوڑی ہوگئی تھی پانی بھی کم ہونے لگا تھا آخر پانی ٹخنوں تک آ گیا مگر سرنگ پھر بھی تنگ ہوگئی شاہان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سرنگ کہاں جاکر ختم ہوگئی کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ سرنگ رنگون شہر کے نیچے گھوم گئی ہے ایسی صورت میں تو اس کی بھول

بھلیوں میں وہ پھنس کر رہ جائے گا ہوسکتا ہے کہ اسے واپسی اسی موت کے کنویں میں آنا پڑے لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ سرنگ کہیں نہ کہیں ضرور باہر نکلتی ہے سرنگ کی روشنی ختم ہوگئی اب وہاں پھر سے اندھیرا چھا گیا شاہان نے سرنگ کی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا وہ گیلی رنگ برنگی پتھریلی دیوار پر ہاتھ رکھے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک جگہ اس کا ہاتھ دیوار کے اندر چلا گیا شاہان رک گیا یہاں دیوار میں ایک سوراخ تھا اس سوراخ میں سے ہلکی روشنی کی دھندلی سی کرنیں باہر آرہی تھیں سوراخ چھوٹا سا تھا شاہان کا سر اندر نہیں جاسکتا تھا وہ بڑا حیران ہوا کہ اب وہاں روشنی کہاں سے آرہی ہے شاید یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہوں شاہان نے دیوار کی کچھ اینٹ گرادی پھر اس نے سر ڈال کر اندر جھانکا یہ ایک چھوٹا سا تہہ خانہ تھا جس کے پہلو میں ایک چھوٹی سی سرنگ اندر کو جارہی تھی روشنی اسی سرنگ سے نکل رہی تھی وہ سوراخ میں سے گزر کر تہہ خانے میں آگیا یہاں فرش پر پتھر بکھرے پڑے تھے فضا میں گھٹن اور تیز بو تھی۔

شاہان پہلی والی سرنگ میں داخل ہوگیا وہاں فرش پر بالکل پانی نہیں تھا روشنی کی وجہ سے شاہان آسانی سے آگے بڑھنے لگا اسے ایک آواز ہر قدم پر آتی محسوس ہورہی تھی یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی آپریشن تھیٹر کی مشین میں انسان کا دل دھڑک رہا ہو ”دھم ......دھم ......دھم......“ بڑے ہی رونگٹے کھڑے کردینے والی آواز تھی شاہان نے سوچا کہ کہیں یہ اس کے اپنے دل کی تو آواز نہیں اس نے کھڑے ہوکر اپنے دل کی آواز سننے کی کوشش کی، یہ اس کے اپنے دل کی آواز نہ تھی یہ آواز سرنگ کے آگے سے آرہی تھی شاہان کو وہ بدروح یاد آگئی جس نے پہاڑی والے مندر میں اپنا سر کاٹ کر الگ کرلیا تھا کہیں یہاں بھی تو کوئی بدرح اس کا انتظار تو نہیں کررہی پراسرار آواز اب زیادہ سنائی دے رہی تھی شاہان رکا نہیں بڑھتا رہا وہ اس انسانی بلند آواز کا معمہ حل کرنا چاہتا تھا آواز زیادہ بلند ہوگئی سرنگ ایک [illegible] ہوکر وہیں کھڑے کا نظارہ آیا یہاں [illegible] آگئی تھی سرنگ یہاں بند ہوگئی تھی سامنے دیوار تھی ایک طاق تھا جس میں ایک سیاہ رنگ کی مورتی رکھی تھی مورتی کی شکل بڑی ڈراؤنی تھی اور کسی بدروح سے ملتی جلتی تھی اس کے آگے ایک دیا جل رہا تھا مورتی کی آنکھیں سرخ تھیں جن میں سے سرخ شعاعیں نکل رہی تھیں مورتی کا سیاہ جسم کے اندر سرخ دل صاف دھڑکتا ہوا دکھائی دے رہا تھا یہ اسی دل کی آواز تھی جو سرنگ میں گونج رہی تھی شاہان رک کر مورتی کو تکنے لگا مورتی کی سرخ آنکھوں کے ڈیلے حرکت کرنے لگے کبھی وہ آہستہ سے دائیں ہوجاتے کبھی بائیں طرف کو گھوم جاتے پھر وہ سیدھے شاہان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگتے سیاہ مورتی کے دو سفید دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے جن میں سے شاہان کو خون کے قطرے ٹپکتے ہوئے صاف نظر آرہے تھے مورتی کے دل کی دھڑکنے کی آواز آہستہ ہوتے ہوئے غائب ہوگئی مگر اسے مورتی کا دل اسی طرح دھڑکتا صاف دکھائی دے رہا تھا اچانک مورتی کا ایک بازو اوپر اٹھنا شروع ہوگیا۔

شاہان نے دیکھا کہ اس کے اس ہاتھ میں ایک ترشول تھا جس کے آگے تین خنجر لگے ہوئے تھے پھر مورتی کے ہاتھ نے پوری طاقت سے شاہان کی طرف تین خنجروں والا ترشول پھینک دیا آندھی طوفان کی آواز بلند ہوئی اور ترشول شاہان کی گردن سے ٹکرا کر گر پڑے مورتی نے شاہان کی گردن کا بڑا ہی درست نشانہ لیا تھا مورتی کا دوسرا بازو حرکت میں آیا اس ہاتھ میں سانپوں کا ایک گچھا لہرا رہا تھا اور چھوٹے بڑے کتنے ہی سانپ پھنکاریں مار رہے تھے مورتی نے سارے سانپوں کا یہ گچھا شاہان کی طرف اچھال دیا۔

سارے کے سارے سانپ شاہان کے سر پر آگرے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم سے لپٹ کر اسے ڈسنے لگے مگر ہوتا یہ تھا کہ جو سانپ شاہان کو ڈستا وہ اپنے آپ اس کے بدن کو چھوڑ کر نیچے گرتا اور مرجاتا

تمام سانپ ایک ایک کر کے مر گئے۔

مورتی ابھی تک شاہان کی طرف غضب ناک آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں اس کا ہر وار ناکام جا رہا تھا اس کا سرخ دل ایک دم سے دھمک کی آواز سے دھڑکنا شروع ہو گیا تہہ خانے میں گویا موت کی اواز گونجنے لگی اب شاہان نے آگے بڑھ کر مورتی پر حملہ کر دیا اس نے فرش سے وہی ترشول اٹھا کر مورتی کے دھڑکتے ہوئے دل میں گھونپ دیا۔

فضا میں ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی اور سیاہ مورتی کے سینے سے خون کا فوارہ نکل پڑا۔ شاہان جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اس کے ساتھ ہی موی شمع بھی بجھ گئی تہہ خانے میں اندھیرا چھا گیا مورتی غائب ہوئی اور اس کی جگہ دیوار میں ایک گول سوراخ بن گیا وہ سوراخ میں سے دوسری طرف اتر گیا اس کا خیال تھا کہ یہ آبشار کسی پہاڑی کے دامن میں گر رہا ہے اور وہ باہر نکل سکے گا یہ ایک گول سرنگ تھی جس کی سیڑھیاں نیچے تک چلی گئی تھیں آگے جا کر سیڑھیاں پھر اوپر کو چڑھنا شروع ہو گئیں سیڑھیوں کے آخر میں ایک نیچی چھت کا ہال کمرہ سا آ گیا جس میں کتنے ہی پتھر کے ستون فرش سے چھت تک جا رہے تھے یہاں ہر ستون کے ساتھ ایک مورتی بنی ہوئی تھی ہر مورتی کے آنکھ سے آگ کے اشارے نکل رہے تھے۔

شاہان کے جاتے ہی فضا میں مورتیوں کی چیخیں بلند ہوئیں تو شاہان ایک ستون کے ساتھ چپ چاپ کھڑا ہو گیا مورتیوں کی چیخیں ختم ہوئیں تو ایسی بھیانک آوازیں آنے لگی جیسے قبرستان میں بے شمار بدروحیں ایک ساتھ بین کر رہی ہوں۔ شاہان نے دیواروں کو دیکھنا شروع کر دیا کہ شاید کہیں سے کوئی باہر جانے کا راستہ مل جائے مگر سب دیواریں سخت پتھر کی تھیں پھر اچانک سامنے کی دیوار شق ہو گئی اس میں سے ایک بہت بڑا اژدھا جس کے چھ سات منہ تھے باہر نکل آیا اس کا سب سے بڑا منہ درمیان میں تھا اور ایک غار کی طرح کھلا تھا اس کی سرخ زبان اس غار میں سے بار بار نکل رہی تھی۔

شاہان کچھ پریشان سا ہو گیا پھر اس نے بہادری سے اس بلا کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور آگے بڑھا اژدھا ایک گرجدار پھنکار کے ساتھ شاہان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا یہ اتنا بڑا اژدھا تھا کہ اس نے آدھا کمرہ چھپا لیا تھا اس کا سب سے بڑا سر چھت کو لگ رہا تھا شاہان نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر اژدھا کے سر پر زور سے مارا اس کا اژدھے پر کوئی اثر نہ ہوا اژدھا نے غصے میں آ کر پھنکار ماری اور اس نے اتنے زور سے سانس اندر کو کھینچا کہ فرش پر گرے پڑے پتھر اڑ کر اژدھا کے منہ میں جانے لگے شاہان نے ایک ستون کو پکڑ لیا تیز آندھی اسے اژدھے کی طرف کھینچ رہی تھی شاہان نے پوری طاقت سے ستون کو پکڑ لیا تھا لیکن اژدھے نے دوسری بار جب سانس اندر کھینچی تو شاہان اژدھا کے پیٹ میں پھسل کر آن گرا اس نے اپنی آنکھیں کھول کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش شروع کر دی اسے اپنے سر کے اوپر اژدھے کے کمرے کی چھت نظر آئی اژدھے کے پیٹ میں اندھیرا تھا پھر شاہان نے اژدھے کے پیٹ میں ایک سالم بکرے کو قریب مرے ہوئے دیکھا شاہان نے پھر سوچا کہ اب اسے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔

شاہان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا اس نے اپنے ہاتھ اور پیر اٹھا کر اژدھے کی دو پسلیوں کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا دونوں پسلیاں ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گئی اژدھا تکلیف سے تڑپا شاہان نے ایک ایک کر کے اژدھے کی کتنی ہی پسلیاں توڑ ڈالیں پھر ایک پسلی کو چھری کی طرح پکڑ کر اژدھے کا پیٹ چیر ڈالا اور پھر اژدھے کے پیٹ سے باہر آ گیا اژدھا تڑپ رہا تھا اس نے شاہان پر مرتے مرتے ایک بار پھر حملہ کیا اپنا منہ کھول کر شاہان کو نگل جانا چاہا مگر شاہان نے اس کی موٹی گردن کو پکڑ کر ایسا دبایا کہ اژدھے کی جان نکل گئی شاہان اژدھے کے اندر سے باہر نکلا ایک بدروح کی شکل میں اس کے آگے آن کھڑی ہوئی اور اپنے ہاتھ

روحانی شمع جنتری 2018

مؤلف۔ اقبال احمد مدنی

مسلسل کامیابیوں کا تیئیسواں سال

پاکستان کی واحد منفرد اور مستند جنتری جس میں دیئے گئے مستقل اور نئے عنوانات آپ کو ہر وقت چونکا دیتے ہیں اور نئے پڑھ کر آپ پر حیرت طاری ہو جاتی ہے کہ پاکستان میں چھپنے والی جنتریوں اور تقادیم میں سارے مضامین ملیا نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو بھی اس سے قارئین مکمل استفادہ حاصل نہیں کر سکتے ان کے علم کی پیاس نہیں بجھتی اس سال کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔ جنتری اولیات، (پیری رئیس کا نقشہ) مذہبی تقریبات و تعطیلات، خواتین کے مزاج پر چاند کے اثرات، اثرات قمر، تواریخ ماہ، آج کا دن کیسا گزرے گا، ہر کام میں کامیابی یا ناکامی کے لئے سعد اور نحس تاریخیں، قمر در عقرب اوقات داخلہ کی جدول، 2018ء میں یہ کام کریں یا نہ کریں، نقشہ سحر و افطار، تاریخ عیسوی سے دن معلوم کرنے کا طریقہ، تاریخ ہجری سے دن معلوم کرنے کا طریقہ، 176 سالہ شمسی ہجری کلینڈر، فہرست عرس ہائے بزرگان دین، تسویت البیوت مختصر، تسویت البیوت پاکستان، تعارف رفتار سیارگان، یونانی رفتار سیارگان کو ہندی رفتار سیارگان میں تبدیل کرنا، جدول نظرات سیارگان، انعامی بانڈ یا انعامی اسکیموں سے لکھ پتی یا کروڑ پتی بنے گا کون، 2018ء علم الاعداد کی روشنی میں، نوروز عالم افروز (عالمی پیشنگوئیاں) نوروز ہجری کا پھل، نوروز عددی کا پھل، نوراتہ کا پھل، نوروز کا پھل، نوروز چینی کا پھل، چینی سال کیسا رہے گا۔ آیات قرآنی سے مشکلات کا حل، خواب اور تعبیر خواب، واٹس ایپ اپنے موبائل نمبر کے بغیر استعمال کریں، ٹروکالر ایپلی کیشن کیسے کام کرتی ہے، اسمارٹ فون کے لئے کچھ حفاظتی طریقے، کچھ میوہ جات کے تین راز جو آپ نہیں جانتے ہیں۔ رجعت سیارگان کے اثرات، نقشہ یا تحویلات کواکب، آپ کامیابی کیسے حاصل کریں، اپنے اسم اعظم اور اسمائے نبوی کے حروف باطن معلوم کیجئے، سات دن میں ہمزاد کو قابو کرنے کا عمل، شرف و ہبوط سیارگان، شرف و ہبوط قمر، رجعت و استقامت سیارگان، صحت مند بننے کے لئے کیجئے 13 ننھی منی تبدیلیاں، عالم اسباب، اسمارٹ فون اور ٹیبلٹ کے لئے 360 سیکورٹی ایپ، ہر شے میں ہے جلوہ گر ہے نام محمد، چاند کے طلوع و غروب کے اوقات 2018ء، بارہ برجوں کے حالات 2018، مجھے امید ہے کہ اتنے سارے عنوانات سے آپ کے علم کی پیاس یقیناً بجھ جائے اور آپ مزید مفید مشوروں سے مجھے نوازیں گے تاکہ جنتری کو بہتر سے بہتر خطوط پر استوار استوار کیا جائے اور آپ کے استفادوں کا کارواں یونہی رواں دواں رہے۔

دعا گو

اقبال احمد مدنی

شائع ہوگئی ہے

قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

قیمت -/150 روپے

شمع بک ایجنسی

نوید اسکوائر اردو بازار کراچی

021:32773302

اس کی طرف بڑھائے۔

''شاہان نے کہا اے خبیث بدروح تو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی میرے راستے سے ہٹ جا نہیں تو میں تجھے بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔''

بدروح نے ایک بھیانک چیخ ماری اور غار کی دیوار گونج اٹھی۔ ''تو نے میرے اژدھے کو مار ڈالا ہے اب میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گی۔'' شاہان ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اسے معلوم تھا کہ بدروح اس پر حملہ کرے گی وہ اس کے حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

بدروح کے منہ سے اچانک آگ کا لمبا شعلہ نکلا اور شاہان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا مگر شاہان کو کچھ بھی نہ ہوا بدروح نے دوسرا وار کیا اس نے اپنا خونی پنجے والا ہاتھ شاہان کی گردن پر مارا اس کا ہاتھ جیسے فولادی کھمبے سے ٹکرایا بدروح نے چیخ ماری شاہان نے آگے بڑھ کر اسے گردن سے دبوچ لیا تو بدروح نے بہت زور لگایا مگر وہ اپنی گردن نہ چھڑا سکی اس نے بھی شاہان کو اپنے خوفناک بالوں والے سیاہ بازوؤں میں جکڑ لیا وہ اسے بھینچ کر ہلاک کرنا چاہتی تھی لیکن وہ ایسا نہ کر سکی شاہان نے اس بدروح کی گردن نہ چھوڑی بدروح اپنے منہ سے آگ اگلنے لگی آگ کے سرخ شعلے شاہان کے منہ پر پڑ رہے تھے مگر شاہان پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا اتنے میں شاہان نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بدروح کو اوپر اٹھا لیا اور پھر اسے پوری طاقت سے زمین پر دے مارا ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ بدروح نے چیخ ماری تو شاہان نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر اسے وہیں کچل دیا جس طرح سانپ کو کچلا جاتا ہے ایک آخری چیخ بدروح کے منہ سے نکلی اور اس کا جسم بے حس ہو گیا۔

شاہان نے اس کے جسم کو وہیں چھوڑا اور غار میں آگے بڑھنے لگا اب اسے غار کے آخر میں روشنی کا ایک نقطہ دکھائی دیا جو آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا یہ دن کی روشنی تھی جو باہر سے اندر آ رہی تھی باہر دن چڑھ آیا تھا خدا جانے شاہان کو غار میں کتنا وقت گزر گیا تھا شاہان نے باہر آ کر دیکھا وہ ایک جنگل میں تھا چاروں طرف اونچے اونچے درخت تھے ایک راستہ ان درختوں سے باہر کو جاتا تھا آسمان پر کالے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے ایسا لگتا تھا کہ بارش ہو گی شاہان نے اس راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے وہ دریا کے کنارے آ گیا اسے خیال تھا کہ جس مکار جوہری نے اسے ہلاک کر کے اس کے قیمتی ہار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی اس کا بنگلہ دریا کنارے ایک طرف سپاری اور ناریل کے درختوں کے درمیان کھڑا ہے شاہان نے سوچا کہ ذرا اس مکار جوہری سے چل کر دو باتیں کی جائیں وہ بنگلے کے دروازے سے گزر کر باغ میں آ گیا باغ خالی پڑا تھا سامنے بنگلے کے برآمدے میں بانس کی کرسیاں بچھی تھیں بیچ میں بانس کی گول میز رکھی تھی جس پر چائے کا سامان پڑا تھا ایسا لگتا تھا کہ جیسے ابھی کوئی ناشتہ کرنے آئے گا شاہان بڑے آرام سے جا کر کرسی پر بیٹھ گیا اس نے پیالی میں چائے بنائی اور مزے سے پینے لگا اتنے میں ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور مکار جوہری اپنے جوتشی سے باتیں کرتا ہوا اور وہ اپنے جوتشی سے کہہ رہا تھا کہ وہ بچ کر نہیں جا سکتا زمین کے نیچے پرانی سرنگ میں چلا گیا ہو گا ہم اسے اور پھر اچانک اس نے اپنے سامنے شاہان کو کرسی پر بیٹھے چائے پیتے دیکھا اور اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا وہ بات کرنا بھول گیا جوتشی بھی شاہان کو حیرانی سے تکنے لگا جوہری کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ ''ت.....تو.....تم.....''

شاہان نے مسکرا کر کہا ہاں میں تم مجھے دیکھ کر ضرور حیران ہوئے ہو گے تمہیں حیران ہونا بھی چاہئے میں جانتا ہوں تم نے یہ سب کچھ میرے نولکھے ہار کے لئے کیا ہے تم اپنی طرف سے مجھے مار بیٹھے تھے کیا تمہارے اس جوتشی نے یہ نہیں بتایا کہ میں ابھی مر نہیں سکتا۔

جوتشی نے اپنی جیب سے ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا سا مٹی کا پتلا نکال کر اسے شاہان کی طرف پھینکا تو شاہان کے کپڑوں میں آگ لگ گئی جوہری بڑا خوش ہوا کہ جوتشی کے جادو سے شاہان بچ نہ سکے گا اس نے جوتشی سے کہا شاباش یہ زندہ بچ کر نہ جائے۔

جوتشی نے جوش کے ساتھ کہا یہ ابھی بھسم ہو جائے

گا مالک۔ مگر شاہان کے کپڑے صحیح سلامت تھے آگ کے شعلے بجھ گئے اور شاہان کے جسم کا ایک بال بھی آگ میں نہ جل سکا جوہری پریشان ہوگیا اس نے جوتشی کو کوئی دوسرا جادو پھونکنے کو کہا شاہان بولا اس کا کوئی جادو مجھ پر نہ چلے گا پھر اس نے جوتشی کی طرف دیکھ کر کہا اب میرے حملے سے بچ نہیں سکتے اور اگر بچ سکتے ہو تو بچ کر دکھاؤ۔ جوتشی نے جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکال کر اس کا ایک ورق پھاڑا اور اسے اپنے سر کے اوپر رکھ لیا جوتشی کے اردگرد شیشے کی ایک گول دیوار کھڑی ہوگئی شاہان ہنسا تمہارا کوئی بھی جادو تمہیں موت سے نہیں بچا سکے گا پھر شاہان نے آگے بڑھ کر شیشے کی گول دیوار پر زور سے ہاتھ مارا شیشے کی دیوار چکنا ہوگئی جوتشی بھاگنے لگا تو شاہان نے اسے وہیں دبوچ لیا اب تم بھاگ نہیں سکتے تم نے اس ذلیل دولت کے پجاری جوہری کے لئے کتنے بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہوگا اب تمہیں تمہارے برے کاموں کی سزا ملے گی۔

جوتشی نے شاہان پر آخری وار کیا اور خنجر نکال کر شاہان کی گردن میں گھونپنا چاہا لیکن خنجر شاہان کی گردن سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ شاہان نے جوتشی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور پھر اسے اپنے سر کے اردگرد دو تین بار گھما کر اتنے زور سے آسمان کی طرف اچھالا اور جب وہ نیچے گرا تو وہ بوٹیوں میں بٹ گیا شاہان نے جوہری کی طرف دیکھا انکل اب تمہارا کیا خیال ہے اپنے بارے میں جوہری تھر تھر کانپ رہا تھا وہ شاہان کے آگے گھٹنوں پر جھک گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا میری خطا معاف کردو بیٹا مجھ سے بڑی بھول ہوگئی میں تمہاری طاقت کو نہ جانتا تھا۔

شاہان نے کہا لیکن تمہیں تمہارے جرم کی سزا ضرور ملے گی تاکہ تمہیں احساس ہوجائے کہ کسی کے ساتھ برائی کرنا اور اس کی جان لینے کی کوشش کرنا کس قدر گھناؤنا ہے میرے ساتھ آؤ۔ کہاں جوہری نے کپکپاتی آواز میں کہا جہاں تم نے مجھے پھینکا تھا اس عرصے میں جوہری کے سارے نوکر جمع ہوچکے تھے ان میں سے ایک نوکر کے پاس گن تھیں اس نے اپنے مالک کو مصیبت میں دیکھا تو شاہان کے سر کا نشانہ لے کر گولیاں چلانا شروع کردیں تڑتڑ کی آوازوں کے ساتھ گن کی گولیاں شاہان کے سر سے ٹکرانے لگیں اور نیچے گرنے لگیں۔

شاہان نے مڑ کر نوکر کی طرف دیکھا نوکر پہلے ہی یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہوچکا تھا کہ پچاس گولیاں کھانے کے بعد بھی شاہان کے سر پر ہلکی سی خراش بھی نہ آئی تھی اس نے مشین گن نیچے پھینک دی اور ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا جے دیوتا جے دیوتا وہ شاہان کو کوئی دیوتا سمجھنے لگا تھا کہ جس پر گولی بھی اثر نہ کیا تھا شاہان نے دوسرے نوکروں کی طرف دیکھا سارے نوکر اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے شاہان نے جوہری کو ساتھ لیا اور بنگلے کے پچھواڑے پرانے مندر کے آگے اندھے کنویں پر آگیا جوہری کی تو جان نکلی جارہی تھی چہرہ خوف سے سفید پڑچکا تھا شاہان نے اسے کنویں کی منڈیر کے اوپر کھڑا کر کے کہا جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے اس کے لئے کنواں تیار ہوتا ہے اب اپنے کئے کی سزا بھگتو۔ اور یہ کہہ کر شاہان نے جوہری کو کنویں میں دھکیل دیا جوہری کی بھیانک چیخ کنویں کے اوپر سے شروع ہوکر کنویں کی تہہ تک گونجتی چلی گئی اس کے بعد کنویں میں خاموشی چھاگئی۔

شاہان نے کنویں میں جھانک کر کہا اب اگر تم مرجاؤ یا تمہیں تمہارے نوکر رسی کی مدد سے نکالیں تو مجھے کوئی افسوس نہ ہوگا اتنا کہہ کر شاہان پلٹا نوکر دور پچھلے برآمدے میں ہاتھ باندھے کھڑے تھے شاہان ان کے قریب سے گزرا تو وہ تھر تھر کانپنے لگے شاہان نے کہا۔ ''مجھے فوراً پالکی میں بٹھا کر رنگون کی بندرگاہ والی سرائے میں لے چلو۔''

''جو حکم میرے آقا'' ایک نوکر نے سر جھکا کر کہا اور شاہان کے آگے آگے چل پڑا یہ جوہری کا کوچوان تھا شاہان ریشمی پردوں اور مخمل کے گدو والی پالکی میں بیٹھ گیا کوچوان نے گھوڑوں کو ہلکی سی چابک دکھائی اور شہر

کی بندرگاہ کو جانے والی سڑک پر دریا کے ساتھ ساتھ چل پڑا اب ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی تھی بادل بڑے گہرے ہوگئے تھے دریا میں تیز ہوا کی وجہ سے ہلکی ہلکی لہریں اٹھ رہی تھیں یہ دریا چونکہ آگے جا کر سمندر سے جاملتا تھا اس لئے اس کا پاٹ بڑا ہی چوڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

ادھر اب ایسا ہوا کہ شام کو ناگنی اور یامی نے شاہان کو سارے شہر میں تلاش کیا شاہان کا کہیں کوئی پتہ نہ چلا دوسرے دن بھی انہوں نے سرائے میں شاہان کا انتظار کیا شاہان نہ آیا اب یامی پریشان ہوگئی کیونکہ اسے اب اپنے ماں باپ کی یاد ستانے لگی تھی جو لندن میں تھے انہیں کوئی خبر نہ تھی کہ ان کی بیٹی کہاں ہے جہاز غرق ہونے کی خبر شاید ان تک پہنچ بھی چکی ہو اور یہی سمجھ بیٹھے ہوں کہ یامی سمندر میں ڈوب گئی ہوگی یامی اب جلدی سے اپنے ماں باپ کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔

اسی روز شام کو ایک جہاز لندن کی طرف روانہ ہو رہا تھا یامی نے ناگنی سے کہا ناگنی بہن مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچادو میں تمہارا احسان زندگی بھر نہ بھولوں گی خدا جانے اب شاہان بھائی کب واپس آئیں ناگنی کو اتنا معلوم تھا کہ شاہان رنگون سے سیدھا شہر لاہور جائے گا جہاں اس نے مغلیہ خاندان کی آخری نشانی نولکھا ہار جلاوطن بادشاہ کی پوتی حورعین کو پہنچانی ہے اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ پہلے یامی کو اس کے گھر چھوڑ آئے اور پھر وہ بھی وہاں سے سیدھا لاہور چلی جائے گی اس نے جہاز والوں کو کرایہ ادا کردیا اور جہاز میں یامی کو لے کر سوار ہوگئی شام کو جہاز نے لندن کی طرف اپنا سفر شروع کردیا ساری رات جہاز دریا میں سفر کرتا رہا صبح ہوئی تو وہ دریا کے ساتھ ہی کھلے سیاہ کالے سمندر میں داخل ہو چکا تھا اور تند موجوں کو چھیڑتا لندن کی طرف چلا جارہا تھا۔

ادھر جب شاہان بندرگاہ والی سرائے میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ ناگنی اور یامی لندن جانے والے جہاز میں جا چکی تھیں وہ سرائے کے مالک کے پاس شاہان کے نام پیغام چھوڑ گئی تھی۔

ناگنی نے کہا تھا کہ وہ شاہان کو لاہور میں مقبرہ جہانگیر میں ملے گی وہاں وہ اس کا انتظار کرے شاہان نے دل میں سوچا کہ چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ کم از کم یامی تو اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائے گی اب اس کو رنگون میں رہنا بے کار تھا وہ واپس کلکتہ جانے والے جہاز میں سوار ہوگیا اور دس دنوں کے سمندر کے سفر کے بعد ایک بار پھر کلکتہ پہنچ گیا کلکتہ میں بارش کا موسم ختم ہو رہا تھا ایک روز شاہان اس بڑے شہر میں رہا وہیں اس نے سنا کہ انگریزوں کے حکم سے ادھ کے بادشاہ اور ملکہ کو ایک پرانے محل میں نظر بند کر رکھا ہے شاہان کے پاس ایک بڑی ضروری اور بے حد قیمتی امانت تھی جو اس نے شہزادی حورعین تک پہنچانی تھی اس کی وجہ سے وہ خواہش کے باوجود نظر بند بادشاہ اور اس کی ملکہ سے ملاقات نہ کرسکا کلکتہ کے سب سے بڑے کارواں سرائے سے ایک قافلہ پنجاب کی طرف جارہا تھا۔

شاہان اس قافلے میں شامل ہوگیا اور ایک مہینے کے سفر کے بعد پنجاب کے شہر لاہور کے باہر شالامار باغ کے قریب پہنچ گیا جہاں قافلے نے پڑاؤ ڈال رکھے تھے پھر لوگوں نے کھانا کھایا نہادھو کر تازہ دم ہوئے کچھ مسافر وہیں سے الگ ہوگئے دوپہر کے بعد یہ قافلہ شہر لاہور کی چار دیواری کے باہر آ گیا اور دہلی دروازے میں سے اندر داخل ہو کر سلطان کی سرائے میں آ گیا۔

شاہان کی منزل جہانگیر کا مقبرہ تھا جس کے پاس بھی کسی بستی میں رحیم بابا نام کا ایک مسلمان بزرگ رہتا تھا حورعین شہزادی اس کے پاس ہی چھپی زندگی گزار رہی تھی نولکھا ہار شاہان اسی شہزادی کو دینا تھا ان دنوں شہر چار دیواری کے اندر آباد تھا باہر صرف مقبرہ جہانگیر سے کچھ فاصلے پر راوی دریا کے پار ایک چھوٹی سی بستی تھی راوی پر اس زمانے میں کشتیوں کا پل بنا ہوا تھا لوگ کشتیوں میں بھی دریا پار کرتے تھے شہر کے چار دیواری کے اردگرد باغ تھا جس میں ایک چھوٹی سی نہر بہتی تھی اب یہ نہر کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

شاہان دہلی دروازے کی ڈیوڑھی سے باہر نکل آیا ڈیوڑھی میں سکھ پہرے دے رہے تھے انہوں نے شاہان کو کچھ بھی نہ کہا صرف ایک بار گھور کر دیکھا شاہان باغ میں آ گیا یہاں اسے ایک بزرگ ملے جن کا حلیہ اور سفید شرعی داڑھی بتا رہی تھی کہ وہ مسلمان ہے انہوں نے لمبا کرتا اور سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی شاہان نے ان سے پوچھا کہ جہانگیر کا مقبرہ کہاں ہے؟ مسلمان بزرگ نے شاہان کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور پوچھا بیٹے تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، تم مجھے لاہور کے نہیں لگتے۔

شاہان نے کہا آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا اصل میں میں ملک مصر کا رہنے والا ہوں اور لاہور اپنے ایک چچا سے ملنے آیا ہوں جو سنا ہے مقبرے کی بستی میں رہتے ہیں۔ بزرگ نے پوچھا تمہارے چچا کا کیا نام ہے شاہان سوچنے لگا کہ وہ رحیم بابا کا نام بتائے یا نہ بتائے اس نے راز چھپائے رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا میں ان کا نام بھول گیا ہوں چھوٹا سا تھا کہ ان سے جدا ہو گیا انہیں بابا بابا کہہ کر بلایا کرتا تھا۔

مسلمان بزرگ کے سرخ و سفید چہرے پر سنجیدگی چھا گئی اس نے شاہان کی طرف غور سے دیکھا اور قریب آ کر سرگوشی میں کہا کہیں تم رحیم بابا کی تلاش میں تو نہ ہو اب شاہان کیا کر سکتا تھا سوچا چلو یہ بھی مسلمان ہے ان کا نام بتانے میں کیا حرج ہے اس طرح وہ رحیم بابا کے گھر جلدی پہنچ جائے گا لیکن وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس بزرگ کو نو لکھا ہار کے بارے میں نہیں بتائے گا۔ شاہان نے مسکراتے ہوئے کہا جی ہاں شاید یہی نام ہے ان کا تو پھر میرے ساتھ آؤ میں تمہیں تمہارے چچا کے گھر لیے چلتا ہوں۔ بوڑھا شاہان کو لے کر مقبرہ جہانگیر کی طرف باغوں باغ روانہ ہو گیا دریا پر آ کر انہوں نے کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کیا۔

یہ بزرگ شاہان کو دور کی ایک بستی کی طرف لے کر چل پڑا شام کے وقت اس بستی کے کچے مکانوں میں سے دھواں اٹھ رہا تھا بستی میں جا کر شاہان نے دیکھا کہ وہاں چند ایک کچے کچے مکان تھے گلیاں چھوٹی اینٹ کی بنی ہوئی تھی کسی گھر کے صحن میں گائے بندھی ہوئی نظر آئی گھروں میں عورتیں روٹیاں پکا رہی تھیں بزرگ نے کہا۔ ''بیٹا اس گاؤں میں زیادہ تر مسلمان گوالے رہتے ہیں۔''

شاہان نے آہستہ سے کہا سنا ہے کہ اس شہر میں بھی سکھوں نے بڑا ظلم کیا ہے۔ بزرگ نے چونک کر ارد گرد دیکھا اور پھر شاہان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا وہ ظلم مسلمانوں میں تو اب بھی ہو رہا ہے مگر بیٹا یہ بات کسی اور سے نہ کرنا اب گلی باہیں طرف گھومنے لگی تو مسلمان بزرگ نے پیچھے مڑ کر دیکھا ایک نیلی پگڑی اور لمبی سیاہ داڑھی والا سکھ دیوار کی اوٹ سے ان دونوں کو جاتے دیکھ رہا تھا بزرگ پریشان ہو گئے انہوں نے شاہان کو کندھے سے پکڑا اور جلدی سے گلی کا موڑ گھوم گئے شاہان نے پوچھا کہ کیا بات ہو گئی بابا۔ بزرگ نے کہا وہی جس کا مجھے ڈر تھا ایک سکھ ہمارا پیچھا کر رہا ہے جلدی سے اس مکان میں گھس جاؤ دونوں ایک مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے بزرگ شاہان کو لے کر مکان کے پچھلے دلان میں آ گیا یہاں سے ایک دروازہ دوسرے مکان کے صحن میں نکلتا تھا دوسرے مکان کے کوٹھے سے ہو کر بزرگ شاہان کو ایک تیسرے مکان کی ایک کوٹھڑی میں لے گئے شاہان حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے کوٹھڑی میں شام ہونے کی وجہ سے اندھیرا تھا۔

شاہان نے کہا بابا آپ مجھے رحیم بابا کے مکان میں پہنچا دیں باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گا۔'' بزرگ نے کہا یہی رحیم بابا کا مکان ہے بیٹا؟ اور میں ہی رحیم بابا ہوں اب تم یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کس لیے آئے ہو؟''

شاہان نے کہا۔ ''کیا آپ دیا روشن نہیں کریں گے۔'' رحیم بابا نے طاق میں رکھے ہوئے چراغ کو روشن کر دیا کوٹھڑی میں ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی شاہان نے کہا۔ ''میں شہزادی حورعین سے ملنا چاہتا ہوں۔'' رحیم بابا کے ماتھے پر بل پڑ گئے انہوں نے بھنویں سکیڑ کر

پوچھا۔ ''تمہیں شہزادی حورعین سے کیا کام ہے وہ تو یہاں نہیں رہتی۔''

شاہان نے کہا۔ ''مجھے حورعین کے دادا نے بھیجا ہے۔'' اب رحیم بابا کے ماتھے پر اور بل پڑ گئے دادا نے بھیجا ہے تم کس کا ذکر کررہے ہو۔ شاہان نے مسکرا کر کہا بابا مجھے مغل خاندان کے جلاوطن بادشاہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے جو رنگون میں جلا وطن ہیں اور میں رنگون سے آرہا ہوں رحیم بابا کو اب تک شاہان کی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے یہ کوئی انگریز کا جاسوس ہو اور بھیس بدل کر شہزادی کا راز لینے آیا ہو انہوں نے کہا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تمہیں بادشاہ سلامت نے بھیجا ہے۔''

شاہان نے واسکٹ کی اندرونی جیب میں سے نو لکھا ہار نکال کر رحیم بابا کے سامنے رکھ دیا اور کہا میرا خیال ہے کہ یہ ثبوت کافی ہے ہار کے موتی اور اس کا سب سے بڑا ہیرا چراغ کی روشنی میں چاند کی طرح جگمگا رہا تھا کوٹھری میں اس ہیرے کی کرنیں چاروں طرف پھیل رہی تھیں رحیم بابا نے ہار کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا وہ شاہی خاندان کا ایک ذمہ دار بزرگ تھے وہ اس ہار کو خوب پہچانتے تھے انہوں نے شاہان کو اپنے سینے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا اور کہا۔ ''بیٹا اس سے بڑا اور کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا خدا کا شکر ہے کہ شاہی خاندان کی شاہی نشانی اس کے حق دار تک پہنچی جب سے جنگ ہوئی مجھے سب سے زیادہ ہار کی فکر تھی کہ کہیں یہ انگریزوں کے ہاتھ نہ آگیا ہو اب اسے دیکھ کر دل کو اطمینان ہوا شاہان نے پوچھا کہ شہزادی حورعین کہاں ہے؟ رحیم بابا نے کہا تم یہیں بیٹھو میں اسے لے کر آتا ہوں۔

شاہان وہی بیٹھا رہا تھوڑی دیر بعد ایک بہت ہی خوبصورت سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی گوری چٹی لڑکی رحیم بابا کے ساتھ اندر داخل ہوئی اس نے سر پر دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اس نے آکر گہری نظروں سے شاہان کو دیکھا اور شاہان پہچان گیا کہ یہی شاہی خاندان کی شہزادی ہوسکتی ہے شاہان نے ادب سے اٹھ کر سلام کیا شہزادی نے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا دادا ابا کا کیا حال ہے؟ شاہان نے کہا رنگون شہر سے دور ایک مکان میں خاموشی اور اداسی سے دن پورے کررہے ہیں آپ لوگوں کو یاد کرتے ہیں یہ آخری نشانہ مجھے علی چچا نے دلی میں دی تھی حورعین نے کہا ہاں علی چچا ہمارے اتالیق تھے کہاں ہیں وہ شاہان نے بتایا کہ وہ بے چارے راستے میں ہی شہید کردیئے گئے۔ شہزادی حورعین نے افسوس کا اظہار کیا شاہان نے بھی بادشاہ تک پہنچنے کی داستان سنائی اور ہار شہزادی کی طرف بڑھا کر کہا۔ ''یہ لیجئے اپنی امانت اور مجھے اجازت دیجئے۔''

رحیم بابا نے کہا۔ ''تمہیں آج کی رات ہمارا مہمان بن کر یہیں رہنا ہوگا بیٹا ہم تمہاری کوئی خدمت نہیں کرسکتے پھر بھی جو روکھی سوکھی جو ہم کھاتے ہیں تمہاری خدمت میں بھی پیش کردیں گے۔''

شہزادی حورعین نے نولکھا ہار لے کر رومال میں رکھ لیا اور کہا۔ ''شاہان بھائی آج ہمارے غریب خانے ہی میں رہیے صبح بے شک آپ چلے جائیں۔'' شاہان نے کہا جیسے آپ کی مرضی شہزادی صاحبہ، رات ہوئی تو اس کوٹھری میں بیٹھ کر رحیم بابا شاہان اور شہزادی حورعین نے کھانا کھایا کھانا کیا تھا ابلے ہوئے آلو اور اچار تھا شہزادی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ ''کبھی ہمارے دسترخوان کے کھانے گنے نہیں جاسکتے تھے آج یہ عالم ہے کہ ہم اپنے مہمان کی بھی خاطر داری نہیں کرسکتے۔''

رحیم بابا نے حورعین کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''بیٹی صبر کرو دلی اجڑ گئی محل اجڑ گیا خدا کو یہی منظور تھا لاکھوں لوگ گھر سے بے گھر ہوگئے ہم اکیلے اس مصیبت میں نہیں ہیں۔''

شاہان نے کہا۔ ''بابا آپ اس ہار کی حفاظت کا کیا انتظام کریں گے کیا یہاں اس کے چوری ہوجانے کا ڈر نہیں ہے۔''

رحیم بابا نے کہا۔ ''ڈر تو ہے ہم تو خود بڑے

خطرے میں یہاں زندگی بسر کررہے ہیں اگرچہ ہمیں انگریز بہادر نے معاف کردیا ہے پھر بھی سکھوں کی حکومت ہمارے خلاف ہے ان کو شک ہے کہ ہم نے مغلیہ خاندان کا کوئی خزانہ کہیں دبا رکھا ہے اس کے سکھ جاسوس ہمارے پیچھے لگے رہتے ہیں جب ہم گلی کا موڑنے لگے تھے اور اس وقت بھی ایک سکھ ہمارا پیچھا کررہا تھا۔''

شہزادی حورعین کا رنگ اتر گیا اس نے پوچھا اسے ضرور نوکھا ہار کا علم ہوگیا ہوگا۔ شاہان نے کہا اس کا علم سوائے اس وقت ہمارے اور کسی کو نہیں معلوم شہزادی صاحبہ ہاں آگے کے بارے میں ضرور غور کریں کہ اس کی حفاظت آپ کیسے کریں گی۔

رحیم بابا نے کہا ہم اسے زمین کھود کر دفن کردیں گے ٹھیک اسی وقت چھت کے اوپر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی رحیم بابا نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے خاموش رہنے کو کہا اور خود آہستہ سے کوٹھری سے باہر نکل گئے باہر آنگن میں اندھیرا تھا رحیم بابا پیچھے سے ہوکر چھت کے اوپر گئے ستاروں کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ چھت خالی پڑی ہے وہاں کوئی بھی نہیں تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ سکھ جاسوس وہاں سے جاچکا ہے رحیم بابا واپس کوٹھری میں آگئے۔

شہزادی حورعین نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا کون تھا بابا اوپر، رحیم بابا نے سرگوشی میں کہا جو کوئی بھی تھا وہ جاچکا ہے شاہان نے کہا وہ پھر آئے گا آپ لوگ یہاں سخت خطرے میں ہیں۔ رحیم بابا بولے ہم تو اسی خطرے میں یہاں زندگی کے دن پورے کررہے ہین۔

شاہان نے کہا نہیں بابا شہزادی صاحبہ کی ابھی بڑی زندگی باقی ہے انہیں آزادی اور سکھ کی فضا میں زندگی بسر کرنی چاہئے یہاں خون اور خطرے کی فضا میں وہ زندہ نہ رہ سکے گی۔ شہزادی نے کہا ہم لوگ یہ جگہ چھوڑ کر کہاں جاسکتے ہیں ادھر دہلی کے آس پاس کی آبادیاں تو انگریزوں نے اجاڑ رکھی ہیں وہاں تو مغل دربار کے لوگوں کو چن چن کر پھانسی پر لٹکایا جارہا ہے۔

شاہان نے کہا آپ اب آرام کریں انشاء اللہ کل اس کے بارے میں ضرور سوچیں گے کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا اچھا بیٹا اب تم آرام کرو خدا حافظ۔ اور ان کے جانے کے بعد شاہان نے دروازہ اندر سے بند نہ کیا اس نے فضا میں خطرہ کی بو سونگھ لی تھی اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہتا تھا وہ چارپائی پر لیٹ کر ناگن اور شریم کے بارے میں سوچنے لگا شریم اسے ابھی تک نہیں ملا تھا شریم نے ان سے جدا ہوتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ضرور دوبارہ ملے گے اس وقت شاہان کو بڑی ہی ضرورت محسوس ہوئی تھی مگر اس نے

دین میں اصل اہمیت

طبرانی نے عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ آپ ﷺ نے وضو کا پانی منگایا، اس میں ہاتھ ڈالے اور وضو کیا، ہم نے اس پانی کو لیا اور اس کو پی گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''اس فعل پر تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا؟''

ہم نے کہا۔

''اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت''

آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اگر تم چاہتے ہو کہ تم اللہ اور رسول ﷺ کے محبوب بنو، تو تم یہ کرو کہ جب تم کو امانت سونپی جائے تو اس کو ادا کرو، جب بات کرو تو سچ بولو اور جو لوگ تمہارے پڑوس میں ان کے لئے اچھے پڑوسی ثابت ہو۔''

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

سوچا کہ خدا جانے شریم اس وقت کہاں ہو ساتھ والی کوٹھری میں رحیم بابا نے اندر سے کنڈی چڑھالی تھی شہزادی حورعین نے نولکھا ہار اپنی چارپائی کے نیچے سے لکڑی کا صندوقچہ نکال کر اس میں سنبھال کر رکھ لیا تھا وہ اپنی چارپائی پر لیٹ گئی۔

رحیم بابا نے دروازے کے آگے زمین پر اپنا بستر بچھالیا اور اس پر بیٹھ گئے کوٹھری میں دیا جل رہا تھا رحیم بابا نے کہا یہ کوئی بڑا ہی ایماندار نوجوان ہے یہ ہماری مدد کرسکتا ہے۔ کیسی مدد بابا شہزادی نے پوچھا، رحیم بابا نے گہری سانس لے کر کہا بیٹی میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے یہ شاہی ہار ہمارے لیے مصیبت کا باعث بن سکتا ہے اب ہمیں اس کی حفاظت بھی کرنی ہے جو ہم یہاں سکھوں کی حکومت میں رہ کر نہیں کرسکتے سکھ فوجی کسی وقت بھی ہمارے گھر میں داخل ہوکر ہار چھین کر لے جاسکتے ہیں۔

شہزادی اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی وہ اپنے خاندان کی آخری اور قیمتی نشانی سے محروم نہیں ہونا چاہتی تھی اس نے کہا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا لیکن ہم اس شہر کو چھوڑ کر کہاں جائیں گے۔''

''کابل کی طرف اور پھر وہاں سے سمرقند بخارا کی طرف کوچ کر جائیں گے جو تمہارے آباؤ اجداد کا اصلی وطن ہے وہاں ہمیں کسی قسم کا ڈر نہ ہوگا۔''

شہزادی کہنے لگی کیا انگریز اور سکھ ہمیں یہاں سے نکلنے دیں گے وہ تو ہماری نگرانی کررہے ہیں۔ یہی تو مصیبت ہے جس کا مقابلہ ہمیں کرنا ہے میرا دل کہتا ہے کہ یہ نوجوان جس کا نام شاہان ہے ہماری مدد کرسکتا ہے مگر بابا وہ بھی ہماری طرح کا ایک کمزور انسان ہے ہم خواہ مخواہ اس کی زندگی خطرے میں کیوں ڈالیں گے۔

یہ اس سے بات کرکے ہی ہم کوئی فیصلہ کریں گے اب تم آرام کرو صبح شاہان سے اس سلسلے میں بات ہوگی اگر وہ راضی ہوگیا تو ہم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ شہزادی حورعین نے کوئی جواب نہ دیا وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گئی اس کی آنکھوں میں اپنے شاہی خاندان کی تباہی کو یاد کرکے آنسو آگئے اس کی آنکھوں کے سامنے مغل شہزادہ کے کٹے ہوئے سر گھوم گئے وہ ہولے ہولے رونے لگی اور روتے روتے ہی سوگئی۔ رحیم بابا ابھی تک سوچ رہے تھے کہ وہ اس بستی سے کیونکر فرار ہوسکتے ہیں ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا تھا یہ بڑا ہی مشکل کام تھا اس میں قدم قدم پر جان کا خطرہ تھا شہزادی کی جان سب سے زیادہ قیمتی تھی رحیم بابا نہیں چاہتے تے کہ شہزادی کی زندگی خطرے میں پڑے مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ انگریزوں کی طرف سے انہیں شہر چھوڑ کر جانے کی اجازت نہ تھی سکھ فوجی اس کی نگرانی کرتے تھے اب تو ایک جاسوس کو رحیم بابا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اس وقت شہزادی حورعین کی زندگی سخت خطرے میں تھی کیونکہ شاہی ہار اس کے پاس تھا سکھ فوجی وہ ہار حاصل کرنے کے لئے اسے ہلاک بھی کرسکتے تھے اسے اغواء کرکے بھی لے جاسکتے تھے۔

آخر رحیم بابا نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ صبح اٹھ کر وہ پہلا کام یہی کریں گے کہ نوجوان شاہان سے مل کر فرار ہونے کا منصوبہ بنایا جائے اور شہزادی کو وہاں سے نکال کر کسی طرح کابل اور پھر وہاں سے سمرقند پہنچایا جائے تاکہ باقی زندگی وہ اپنے آباؤ اجداد کے شہر میں آرام وسکون سے بسر کرسکے۔

رحیم بابا کو نیند آنے لگی انہوں نے شہزادی کی طرف دیکھا وہ گہری نیند سورہی تھی رحیم بابا نے چراغ کی روشنی مدہم کردی کوٹھری میں ہلکا ہلکا اندھیرا چھاگیا رحیم بابا بھی نیند کی آغوش میں کھوگئے۔

کوٹھری کے باہر رات کی تاریکی میں دیوار کے ساتھ لگا ہوا ایک سکھ فوجی شاید اس وقت کا انتظار کررہا تھا جونہی اسے محسوس ہوا کہ کوٹھری میں چراغ کی لو مدہم ہوگئی ہے اور بابا سوگیا ہوگا اس نے ایک تیز ہتھیار سے کچی دیوار کو بڑی آہستگی سے کھودنا شروع کردیا اس سکھ نے منہ پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا وہ لمبا تڑنگا فوجی تھا اور اسے خبر ملی تھی کہ یہاں مغل شہزادی رہتی ہے جس کے پاس

بڑی دولت ہے وہ شہزادی کو اغواء کر کے اس سے خفیہ دولت کا سراغ لگانا چاہتا تھا اسے معلوم تھا کہ اس مکان میں ایک نیا لڑکا بھی آیا ہے جو ساتھ والی کوٹھری میں سو رہا ہے یہ سکھ فوجی بڑا ہی بے رحم تھا اور کئی مسلمانوں کو قتل کر چکا تھا مگر آج اس کی موت اسے یہاں کھینچ لائی تھی اس وقت تو وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ دیوار میں سوراخ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس زمانے میں دیواریں کچی ہوتی تھیں سکھ فوجی اپنے کام میں ماہر تھا اس نے تھوڑی ہی دیر میں دیوار میں سوراخ کر لیا پھر اس نے سر ڈال کر اندر دیکھا چراغ کی دھیمی روشنی میں بند دروازے کے آگے رحیم بابا اور سامنے والی دیوار کے پاس شہزادی سو رہی تھی سکھ فوجی کے پاس بڑا ہی تیز دھار والا خنجر تھا وہ سوراخ میں سے کوٹھری کے اندر داخل ہو گیا اندر داخل ہوتے ہی اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بابا کو دبوچ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا بابا بوڑھے تھے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر بے سود سکھ فوجی نے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر وہیں ڈال دیا اب وہ شہزادی کی طرف بڑھا بابا حسرت کی تصویر بنے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے وہ سمجھ گئے کہ اس سکھ فوجی کو نولکھا ہار کا پتا چل گیا ہے اب وہ شہزادی کو ہلاک کر کے صندوقچی میں سے نولکھا ہار نکال کر لے جائے گا لیکن سکھ فوجی کو نولکھا ہار کے صندوقچی کی کوئی خبر نہ تھی وہ تو صرف شہزادی کو اغواء کر کے لے جانا چاہتا تھا تاکہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر اس سے یہ پتہ چلائے کہ مغل بادشاہ کا خزانہ اس نے کس جگہ دفن کیا ہے۔

سکھ فوجی نے بڑے آرام سے شہزادی کو قابو کر لیا اس سے پہلے کہ شہزادی کے منہ سے چیخ نکلے فوجی نے اس کے منہ پر بھی کپڑا ٹھونس دیا شہزادی نے رحم طلب نظروں سے بابا کی طرف دیکھا مگر وہ خود بے بس ہو کر پڑے تھے وہ شہزادی کی کیا مدد کر سکتے تھے سکھ فوجی کا مشن کامیاب ہو چکا تھا وہ شہزادی کو اٹھا کر باہر لے آیا باہر کالی اندھیری رات ہر سو مسلط تھی سکھ فوجی نے شہزادی کو اپنے کندھے پر ڈال رکھا تھا وہ بڑے آرام سے شاہان کی کوٹھری کے آگے سے گزر کر مکان کی ڈیوڑھی میں سے ہوتا ہوا گلی میں آ گیا گلی میں رات اندھیرے میں اس کا ایک ساتھی تلوار لیے کھڑا تھا بستی سے باہر ان کے دو کالے رنگ کے گھوڑے درخت سے بندھے ہوئے تھے یہاں آ کر وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور شہزادی کو لے کر گھوڑے دوڑاتے رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

شاہان کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی حالانکہ وہ گہری نیند میں نہیں تھا بس ویسے ہی ایک پل کے لئے اس کی آنکھ لگ گئی تھی اس نے بستی کے باہر گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی سنسان خاموش رات میں یہ آواز بڑی صاف سنائی دے رہی تھیں پھر یہ آواز آہستہ آہستہ غائب ہو گئیں شاہان نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ آدھی رات کو سرکاری فوج کے سپاہی گشت کر رہے ہوں گے وہ پھر سو گیا باقی رات وہ سویا رہا اس کی آنکھ کھلی تو بند دروازے میں سے دن کی روشنی آ رہی تھی اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا دن نکل آیا تھا چاروں اور روشنی پھیل چکی تھیں اسے خیال آیا کہ کیا وجہ ہے کہ بابا کی کوٹھری کا دروازہ ابھی تک بند ہے وہ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے بھی نہ اٹھے۔

شاہان نے کوٹھری کا دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے کوئی آواز نہ آئی اس نے دوسری بار ذرا زیادہ زور سے دروازے پر ہاتھ مارا اندر سے کوئی جواب نہ آیا شاہان کا ماتھا ٹھنکا اس نے آوازیں دیں کوٹھری میں خاموشی چھائی ہوئی تھی شاہان نے دھکا دے کر دروازے کی کنڈی توڑ ڈالی اور اندر داخل ہو گیا اس کے ساتھ ہی دن کی روشنی بھی کوٹھری میں آ گئی اس کی نظر بابا پر پڑی جن کی مشکیں کسی ہوئی تھی اور منہ میں کپڑا ٹھونسا تھا سامنے شہزادی کی چارپائی خالی پڑی تھی۔

شاہان نے لپک کر بابا کی مشکیں کھولیں اور پوچھا کیا ہوا بابا شہزادی کہاں ہے بابا نے اپنا سر پکڑ لیا اور شاہان کو رات کا سارا واقعہ سنایا شاہان نے پوچھا کہ کیا وہ ہار بھی ساتھ لے گئے بابا نے صندوقچی کھول کر دیکھا

ہار وہیں پڑا تھا شاہان نے کہا اس ہار کی حفاظت کریں اور یہاں سے نکل کر کسی جگہ نہ جائیں میں ان کا پیچھا کرتا ہوں شہزادی کو انشاء اللہ ضرور تلاش کر کے لے آؤں گا۔

شاہان مکان سے باہر نکل آیا بابا کا غم کے مارے برا حال تھا اسے معلوم تھا کہ یہ نوجوان لڑکا بھلا کیسے شہزادی کو واپس لا سکے گا جو خود اس شہر میں اجنبی ہے بابا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے صندوقچی سے شاہی ہار نکال کر رومال میں باندھا اور اسے اپنی قمیض کے اندر کمر کے گرد لپیٹ لیا پھر انہوں نے وضو کیا نماز پڑھی اور خدا کے آگے ہاتھ پھیلا کر شہزادی کی سلامتی کی دعا مانگنے لگے شاہان بستی سے باہر نکل آیا اور دیکھا کہ زمین پر گھوڑوں کی سموں کے صاف نشان نظر آ رہے ہیں وہ سمجھ گیا کہ رات کو اس نے جو گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز سنی تھی پھر شاہان ان سموں کے نشانوں کا سراغ لگاتا ہوا آگے روانہ ہوا نشان مٹی کے انبیان میں آگے چلے جا رہے تھے میدان کے بعد کھیت آ گئے کھیت کی پگڈنڈی پر یہ نشان صاف دکھائی دے رہے تھے کھیتوں سے نکل کر سامنے ایک باغ آ گیا جہاں آم اور امرود کے بے شمار درخت تھے سموں کے نشان یہاں سے بھی آگے نکل گئے تھے۔

شاہان کو چلتے چلتے دوپہر ہوگئی وہ چھوٹے چھوٹے دو تین گاؤں سے گزرا کسی نے اس پر شک نہ کیا بلکہ گاؤں کے سکھوں نے اس کی طرف گہری نظروں سے ضرور دیکھا دوپہر کے وقت اس نے ایک نہر کنارے بیٹھ کر منہ ہاتھ دھویا پانی پیا نہ اسے کھانے کی ضرورت تھی اور نہ اسے تھکان کی وہ تو ویسے ہی کھا لیا کرتا تھا اس قسم کی کوئی مہم پڑ جاتی تو شاہان کچھ کھاتا پیتا نہیں تھا اب گھوڑوں کے سموں کے نشان ندی کے کنارے پر آ گئے وہ ایک کھلے بڑے باغ کی چار دیواری کے پاس سے گزرا اور جس کے اندر کسی جاگیردار سکھ کی کوٹھی تھی یہ پرانی طرز کی کوٹھی تھی یہاں شاہان نے دیکھا کہ گھوڑوں کے سموں کے نشان اس طرح آپس میں گڈمڈ ہو گئے تھے جیسے گھڑ سوار وہاں ایک پل کے لئے ٹھہرے ہوں پھر اس نے وہاں دو آدمیوں کے نشان بھی دیکھے پرانے طرز کی مغلیہ زمانے کی لمبوتری جوتیوں کے نشان تھے اس کے بعد گھوڑوں کے سموں کے نشان پھر آگے چل پڑے تھے۔

شاہان بھی اس کا کھرا لیتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا تیسرے پہر جب دن ڈھلنے لگا تھا اسے ایک دور مٹی کے نیچے ایک بارہ دری اور اس کے پیچھے کچے مکان دکھائی دیئے گھوڑوں کے نشان اسی طرف جا رہے تھے بارہ دری کے پاس آ کر شاہان نے دیکھا کہ سموں کے نشان جو سامنے آئے اور تین چار کچے مکان تھے اس طرف چلے گئے تھے شاہان سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے ہوسکتا ہے فوجی اسی جگہ چھپے ہوئے ہوں اگر وہ اچانک ان پر جا کر حملہ کر دے تو ہوسکتا ہے کہ وہ شہزادی کو انتقامی طور پر ہلاک کر دیں اس لئے بڑی ہوشیاری کی ضرورت تھی۔

شاہان پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ان مکانوں کے قریب سے گزر گیا گھوڑوں کے سموں کے نشان ایک پرانی حویلی میں داخل ہو رہے تھے شاہان کو اب یقین ہوگیا کہ شہزادی اسی حویلی میں ہے وہ واپس بارہ دری میں آ کر بیٹھ گیا شاہان شام کا اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگا سورج ابھی پوری طرح سے غروب نہیں ہوا تھا دن کی روشنی پھیکی پڑنے لگی تھی کہ شاہان نے دیکھا کہ اسی پرانی حویلی سے ایک گھڑ سوار باہر نکلا اس نے اپنے آگے کوئی شے کپڑے میں لپیٹ رکھی تھی۔

شاہان چوکنا ہوگیا گھڑ سوار بارہ دری کے دوسری جانب سے روانہ ہوگیا شاہان نے بارہ دری سے نکل کر اس گھڑ سوار کا پیچھا شروع کر دیا گھڑ سوار بہت تیز جا رہا تھا شاہان پھر گھوڑوں کے سموں کے نشان پر چلنے لگا وہ اسی پرانے باغ کی چار دیواری کے پاس پہنچ گیا گھوڑوں کے سموں کے نشان اس کوٹھی کے اندر چلے گئے شاہان سمجھ گیا کہ یہ وہی فوجی تھا جو شہزادی کو گھوڑے پر ڈال کر یہاں لایا تھا۔

(جاری ہے)

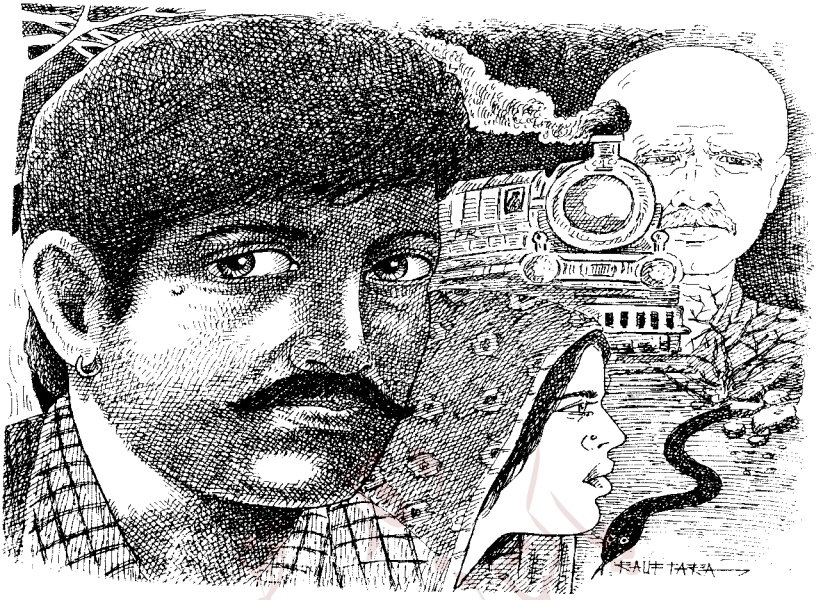

پراسرار سانپ

طارق محمود-کامرہ اٹک

جوگی نے سانپ کا سالن پکایا اور پھر مزے مزے سے اس سالن کو روٹیوں سے کھانے لگا اور جب اس کا پیٹ بھر گیا تو وہ انگڑائی لیتا ہوا اٹھا اور پانی کنارے جمپ لگا کر اچانک ہوا میں اڑ گیا۔

خوف و ہراس کے افق پر.....انکھیلیاں کرتی عجیب و غریب.....دل فریفتہ کہانی

قصہ شروع ہوا ایک سانپ سے، وہ سانپ ایک بالشت کے برابر لمبا تھا جسامت سے وہ سانپ کا بچہ لگتا تھا جب میں نے اسے گودام سے پکڑا جہاں وہ ایک چاول کے کھلے رہ جانے والے توڑے کے اندر مزے سے سویا ہوا تھا اور اسی توڑے کو میں نے اٹھانے کے لئے ہاتھ لگایا تا کہ راستہ سے ایک طرف رکھ دوں کہ توڑے کو چھوتے ہی میری نظر اس کے اندر سانپ پر چلی گئی اس سانپ نے بھی میری موجودگی محسوس کر لی اسی وقت اس نے آنکھیں کھولیں اور سر اٹھا کر غصہ سے میری طرف دیکھا اور اپنی دو شاخہ زبان اندر باہر کرنے لگا۔

وہ سانپ چھوٹا سا تھا لیکن اس کو دیکھ کر میرے جسم نے جیسے کام کرنا چھوڑ دیا میرے ہاتھ کانپنے لگے ادھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے زبان اندر باہر کر رہا تھا مجھے اور بھی ڈر لگا کیونکہ اسے تو مجھ سے ڈر کر چھپنے کی کوشش کرنی

چاہیے تھی لیکن وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا بلکہ صحیح معنوں میں گھور رہا تھا میں نے ادھر ادھر دیکھا تاکہ اگر کوئی ڈنڈا وغیرہ نظر آئے تو اسے مار سکوں، ان توڑوں کے پاس ہی مجھے لوہے کی ایک سلاخ پڑی نظر آئی میں نے آگے ہوکر جلدی سے اسے اٹھایا ہی تھا کہ اس سے کچھ آگے توڑے کے پاس شیشے کی ایک بوتل چوڑے منہ کی نظر آ گئی۔

اچانک اس سانپ کو مارنے کا خیال میرے دماغ سے نکل گیا اور اس کی جگہ سانپ کو پکڑنے کے خیال نے لے لی اور یہ خیال آتے ہی میں چونک اٹھا، اچانک میرے ذہن نے اس سانپ کو پکڑنے کے بارے میں کیسے سوچ لیا تھا کہاں تو اس سانپ سے میں بری طرح خوفزدہ ہوکر اسے مارنے لگا تھا اور پھر اس کو پکڑنے کا خیال.....

میں نے وہ بوتل اٹھالی جو کہ خالی تھی اندر سے بالکل صاف باہر ہلکی ہلکی دھول تھی جسے میں نے ایک کپڑے سے صاف کرلیا وہ بوتل اور سلاخ لے کر میں جلدی سے واپس اس توڑے تک آیا جس کے اندر سانپ چاولوں کے اوپر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا چاول کا توڑہ آدھا خالی تھا اسی لیے وہ سانپ توڑے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا وہ سانپ ویسے تو عام سانپ ہی کی طرح تھا لیکن اس کی جلد چمکدار اور سرخ رنگی سی تھی اس کی آنکھیں روشن روشن تھیں اور اس کے سر پر جلد ابھری ابھری تھی۔

میں نے بوتل کا ڈھکن اتار لیا اور اس کا منہ سانپ کے منہ کے آگے کرکے بوتل کو چاولوں کے اوپر پھینک دیا، لوہے کی سلاخ سے میں سانپ کو آہستہ آہستہ مارنے لگا سانپ کبھی ادھر ہو جاتا تو کبھی ادھر ساتھ ہی غصہ سے اپنی دوشاخہ زبان اندر باہر کرکے میری طرف گھورتا رہا لیکن میں نے اس کو مارنا نہ چھوڑا تو آخر تنگ آ کر اس نے بوتل میں گھس جانا ہی بہتر سمجھا، اس کے اندر داخل ہوتے ہی میں نے بوتل پر ڈھکن لگا دیا۔

اس سانپ کو بوتل میں بند کرکے مجھے ایک عجیب سی خوشی کی لہر اپنے جسم میں اترتی محسوس ہوئی، مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں گودام میں گیا کیوں تھا، میں نے ایک چھوٹی سی کیل سے بوتل کے ڈھکن میں دو چھوٹے سوراخ کیے تاکہ اندر ہوا کا اخراج رہے، بوتل کے اندر وہ سانپ کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا اور منہ سے بوتل کے شیشے کو چوٹ مار کر توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن شیشہ موٹا اور بہت مضبوط تھا اور اگر مضبوط نہ بھی ہوتا تو وہ چھوٹا سا سانپ اسے کیسے توڑ سکتا تھا۔

بوتل کے اندر اس سانپ کی جلد اور چمکنے لگی تھی اور اس بوتل کے شیشے میں سے قوس قزح کی طرح رنگ بکھر رہے تھے، میں نے اس سانپ والی بوتل کو گودام میں بوریوں کے پیچھے چھپا دیا اور واپس سیٹھ کے دفتر میں پہنچا۔

''ارے عابد میں نے تمہیں گودام میں ایک چھوٹے سے کام کے لئے بھیجا تھا اور تم وہاں جاکر سو گئے'' کمرہ میں داخل ہوتے ہی سیٹھ غفور نے موٹے شیشوں والی عینک کے شیشوں کے اوپر سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ سیٹھ کی بات سن کر میں نے سر کھجایا۔ ''سیٹھ صاحب ایک منٹ میں آیا''

یہ کہتے ہی میں بھاگ کر گودام میں پہنچا اور دال کی بوریاں گن کر ایک نظر سانپ والی بوتل کو دیکھ کر واپس آ گیا جبکہ سیٹھ بڑی بے قراری سے میرا انتظار کر رہا تھا کیونکہ میں نے اسے دال کی بوریاں بتائی تھیں اور اس نے مزید کے لئے فون پر آرڈر بک کروانا تھا۔ سیٹھ غفور آڑھت کا بیوپاری تھا اس کے دفتر اور گودام میں ہم تین لوگ ملازم تھے، میں دفتر بوائے، سیٹھ کا منشی اور کبھی کبھی اس کا ڈرائیور بھی بننا پڑتا تھا، میرے علاوہ دو مزدور اور تھے جو کہ گودام میں کام کرتے تھے اور پرچون وتھوک کی دکانوں تک سامان چھوڑنے کے لئے جاتے تھے میں میٹرک پاس تھا جبکہ وہ دونوں ان پڑھ تھے آج بھی وہ دونوں سامان چھوڑنے کچھ دور گئے ہوئے تھے شام تک ان کی واپسی ہوتی اسی لئے شام تک میں مطمئن تھا۔

شام سے تھوڑی دیر پہلے جب سیٹھ اٹھ کر باتھ روم گیا تو میں نے وہ بوتل لاکر اپنے کپڑے کے بڑے سے تھیلے میں ڈال دی جس میں، میں کھانے کا ٹفن رکھ کر لاتا اور لے جاتا تھا سیٹھ باتھ روم سے نکلا تو فون کی گھنٹی بجنے لگی اس نے پہلے میری طرف دیکھا لیکن پھر خود ہی فون

اٹھالیا ''جی بیٹا جی'' شاید دوسری طرف سیٹھ کی بیٹی تھی ''بیٹا میں ابھی بھجوا دیتا ہوں'' سیٹھ نے دوسری طرف سے بات سن کر کہا اور فون رکھ کر میری طرف دیکھا ساتھ ہی اپنی گاڑی کی چابی بھی میرے سامنے رکھ دی ''ثریا بٹیا کو دس منٹ میں گاڑی چاہئے..... تم گاڑی لے جاؤ اور ادھر ہی سے گھر چلے جانا''

سیٹھ نے اپنی بیٹی کا نام لیتے ہوئے مجھے کہا اور میں جلدی سے چابی اٹھا کر سیٹھ کو سلام کرتے ہوئے اپنا تھیلا اٹھا کر وہاں سے نکل آیا گاڑی اس کی بیٹی کو دے کر اپنے گھر پہنچا، تھیلا احتیاط سے اپنے کمرہ میں رکھا اور اس میں سے ٹفن نکال کر برتن دھونے والی جگہ پر رکھ کر امی ابو کے پاس چلا گیا جو کہ صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے ''آ جاعابد بیٹا ادھر ہمارے پاس''

میں سلام کر کے امی ابو کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھنے لگا تو امی نے چارپائی پر اپنے پاس ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا میں کرسی سے اٹھ کر امی کے پاس جا بیٹھا ''آج کنجوس سیٹھ نے تمہیں اتنی جلدی چھٹی کیسے دیدی'' امی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''سیٹھ کی بیٹی کو کار چاہئے تھی، سیٹھ نے مجھے کار دے کر اپنے گھر بھجوادیا اور ساتھ ہی چھٹی دیدی'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''زلیخا اس طرح نہ کہا کرو..... عابد کی تعلیم ہی کیا ہے بس میٹرک، سیٹھ صاحب نے ایک میٹرک پاس کو ملازمت دے کر ہم پر احسان کیا ہے۔''

''جی جی بالکل تم ٹھیک کہتے ہو..... میں سب جانتی ہوں وہ کنجوس سیٹھ تین تین کام کرواتا ہے میرے بیٹے سے اور دیتا کیا ہے چند ہزار، ارے اس جگہ کوئی بھی پڑھا لکھا اتنی تنخواہ میں میرے بیٹے جتنا کام نہیں کر سکتا'' امی ابو کی بحث کچھ طویل ہونے لگی تو میں نے اجازت لے کر اٹھنا ہی بہتر سمجھا بیٹا اندر جا کر آرام کر، امی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور میں کمرہ میں آ کر لیٹ گیا۔

رات کا کھانا کھاتے ہی میں امی ابو کے سونے کا انتظار کرنے لگا ویسے تو وہ میرے کمرہ میں بہت کم ہی آتے تھے لیکن پھر بھی احتیاط ضروری تھی جب باقی گھر کی لائٹس آف ہوگئیں تو میں نے دروازہ کو اندر سے کنڈی لگادی اور اپنا تھیلا لے کر بستر پر جا بیٹھا آہستہ آہستہ تھیلا کھول کر اس کے اندر سے سانپ والی بند بوتل نکالی اور سانپ کو دیکھا جو کہ کنڈلی مارے اپنا سر دم پر ٹکائے غالباً سو رہا تھا۔ میں نے بوتل کو سامنے میز پر رکھ دیا بوتل کے ہلنے سے سانپ کسمسایا اور اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا، کچھ دیر وہ میری طرف دیکھتا رہا مجھے اپنی آنکھوں میں جلن سی ہونے لگی تو میں نے ایک دم ہی اس طرف سے آنکھیں پھیر لیں اور چارپائی پر لیٹ کر اس سانپ کے بارے میں سوچنے لگا کہ میں اس انسان دشمن کو مارنے کی بجائے اپنے ساتھ کیوں لے آیا لیکن اس کے بارے میں ذہن کوئی وضاحت بات نہ سوچ سکا میں سوچتے ہوئے اس سانپ کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو کہ اب اپنی دم پر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا اور منہ سے اپنی دوشاخہ زبان بار بار اندر باہر کر رہا تھا پھر وہ اپنے جسم کو ہلانے لگا، میں بڑی محویت سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے میری طرف دیکھا اور اپنا سر زور زور سے شیشے سے ٹکرانے لگا، اب اس کی زبان تیزی سے اندر باہر حرکت کر رہی تھی۔

مجھے ایسا لگا جیسے وہ غصہ میں تھا اس کی ایسی حالت دیکھ کر میں پریشان ہوگیا اور اٹھ کر بوتل کے قریب ہوگیا۔

سانپ غصہ سے بل کھا رہا تھا اچانک میرے ذہن میں آیا کہ اسے کہیں بھوک تو نہیں لگی یہ خیال آتے ہی مجھے جھٹکا لگا اور میں اٹھ کر کچن سے تھوڑا سا دودھ لے آیا، بوتل کے ڈھکن کو آہستہ سے کھولا اور پھر جلدی سے تھوڑا سا دودھ بوتل کے اندر ڈال کر ڈھکن لگادیا۔

سانپ نے اپنا منہ بوتل کے پیندے میں جمع ہونے والے دودھ میں رکھ دیا اور پھر آہستہ آہستہ دودھ اس کے پیٹ میں جانے لگا دودھ پی کر اس نے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھا اس کے سر کی جلد کسی مرغ کی قلغی

کی طرح اٹھی اٹھی سی لگنے لگی کچھ دیر وہ میری طرف دیکھتا رہا اور پھر کنڈلی مار کر سر کو دم پر ٹکا دیا، میں نے لائٹ آف کردی اور سونے کے لئے بستر پر لیٹ گیا۔

صبح اٹھ کر میں نے باقی بچا دودھ بوتل کے اندر ڈال دیا جسے سانپ پینے لگا اور پھر اس بوتل کو اپنی الماری میں تالا لگا کر رکھ دیا دفتر پہنچا صفائی وغیرہ کی چیزوں کو ترتیب سے رکھا اتنی دیر میں سیٹھ بھی آ گیا اس کے کچھ ہی دیر بعد آرڈر کیا ہوا مال بھی ایک ٹرک میں آ گیا جسے گن کر میں نے گودام میں رکھوایا جب سامان سارا اتارا جا چکا تو مزدور گودام میں آرام کرنے لگے اور میں تمام بوریوں کی لسٹ بنا کر سیٹھ کے پاس لے گیا۔

''عابد مال پورا ہے نا'' اس نے لسٹ سن کر سر ہلاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''جی سیٹھ جی مال پورا ہے۔''

''تو ٹھیک ہے اب تم بینک جاؤ اور انہیں آن لائن پیمنٹ بھیج دو'' سیٹھ نے نیا حکم دیا لیکن میں بینک خوشی سے جاتا تھا اگر وہ کہیں اور جانے کا کہتا تو میری طبیعت یقیناً خراب ہو جاتی وہ بینک دو بلاک چھوڑ کر ہی تھا۔

میں سامان کی گنتی اور اسے ترتیب سے رکھتے ہوئے کچھ تھک سا گیا تھا لیکن بینک کی طرف میرے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے کیونکہ وہاں ایک لڑکی تھی سندس اپنے نام ہی کی طرح خوبصورت اور اچھے اخلاق و عادات کی۔

میرا جب بھی بینک میں جانا ہوتا وہ جہاں بھی بیٹھی ہوتی میری نگاہیں اسے تلاش کرتیں شروع شروع میں مجھ میں ایک جھجک سی تھی ایک تو میں غریب تھا اور دوسرا کم پڑھا لکھا اس لیے جب بھی سندس کیش کاؤنٹر پر بیٹھی ہوتی تو میں بہت کم ہی بات کرتا تھا لیکن آہستہ آہستہ اس کا اچھا رویہ دیکھ کر میں اس سے بینک کے علاوہ بھی کوئی نہ کوئی بات کرنے لگتا تھا۔ ''گرمی پڑ رہی ہے اور جسم جلنے لگا تھا لیکن یہاں آ کر سکون مل گیا۔''

میری بات کے جواب میں اس نے مسکرا کر دیکھا اور سر کو ٹھیک ہے کہ انداز میں ہلا دیا وہ آن لائن بل پر کر رہی تھی اس کے بالوں کی ایک لٹ اس کے خوبصورت گال پر اٹھکیلیاں کر رہی تھی بل پر کرنے کے بعد اس نے میری طرف بڑھا دیا۔ ''اس بل کے ساتھ رقم کونے والے کاؤنٹر پر جمع کرا دیں۔'' اس نے مجھے گائیڈ کیا تو میں اس کی طرف دیکھتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا اور رقم جمع کروا کر واپس سیٹھ کے پاس دفتر پہنچا ادھر ادھر کے کام اور پھر رات کو چھٹی۔

رات کو گھر پہنچ کر سب سے پہلے میں نے الماری کھول کر بوتل میں بند سانپ کی خیر خبر لی جو بوتل کے اندر کنڈلی مارے سر کو اپنی دم پر ٹکائے آنکھیں بند کیے پڑا تھا میں کمرہ میں آتے ہوئے اپنے ساتھ تھوڑا سا دودھ لے آیا تھا بوتل کا ڈھکن کھول کر میں نے جلدی سے دودھ اندر ڈال دیا دودھ سانپ کے اوپر گرنے لگا تو سانپ ہڑبڑا کر اٹھ گیا، میری موجودگی محسوس کرتے ہی اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا مجھے اپنی آنکھوں اور چہرہ پر ہلکی سی تپش محسوس ہونے لگی تو میں نے جلدی سے نظریں پھیر لیں اور اس بوتل کو اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔

سانپ اب دودھ پی رہا تھا، میں اس کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ اس سانپ کو لانے میں گھر میں رکھنے میں میرا کیا فائدہ ہے لیکن میرا ذہن اس سے آگے سوچنے سے قاصر تھا۔

اس سانپ کو دس دن ہو گئے تو اس کی جسامت پہلے سے کچھ بڑی ہو گئی اور اس کی جلد کے رنگ اب بہت نمایاں ہو گئے تھے اس کے سر پر جلد کسی تاج کی طرح اوپر کو اٹھ گئی تھی۔

رات کو سوتے ہوئے مجھے ایسا لگا کہ کمرہ میں روشنی ہو رہی ہے میں نے جلدی سے آنکھیں کھولیں تو واقعی کمرہ روشن ہو رہا تھا میں نے کمرہ میں موجود بلب کی طرف دیکھا لیکن وہ آف تھا اس کے بعد میں نے روشنی کی طرف دیکھا تو میز پر رکھی بوتل جس میں سانپ بند تھا اس سے روشنی پھوٹ کر کمرہ کو روشن کر رہی تھی میں حیران ہو کر اس منظر کو دیکھے جا رہا تھا۔

بوتل کے اندر سانپ اپنی دم کے سہارے کھڑا

جھوم سا رہا تھا کبھی وہ کھڑا کھڑا گھوم جاتا اور کبھی اپنے سر اور جسم کو ہلانے لگتا۔

کیسا منظر تھا وہ جس نے مجھے مسحور سا کر دیا اور پھر اچانک ہی اس سانپ نے اپنا جسم پھینکنے کے انداز میں گرد یا اور کنڈلی مار کر سر کو دم پر رکھ دیا، اسی وقت بوتل سے پھوٹتی روشنی ایک دم ہی بند ہوگئی کمرہ میں اندھیرا چھا گیا۔

میں حیران سا اپنی چارپائی پر لیٹا رہ گیا جب کچھ منٹ بعد میری آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوگئیں اور ہلکا سا دکھائی دینے لگا تو میں اٹھ کر میز پر رکھی بوتل کو دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ میں نے جو کچھ دیکھا وہ کوئی خواب تھا یا حقیقت۔

میرا ذہن اس منظر کو ماننے سے انکار کر رہا تھا لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے وہ حیرت ناک منظر دیکھا تھا، میں بوتل کے پاس حیران کھڑا اس سانپ کے بارے میں سوچ رہا تھا مجھے یہ سانپ کسی خاص نسل سے لگ رہا تھا میرے ذہن میں خیال آنے لگا کہ سانپوں کے بارے میں معلومات رکھنے والے آدمی سے اس سانپ کے بارے میں پوچھنا چاہئے۔

دوسرے دن گودام میں کام کرنے والے ایک مزدور سے کچی بستی میں ایک سپیرہ کے متعلق پتہ چلا اور پھر رات کو چھٹی کرنے کے بعد میں ادھر ہی سے کچی بستی کی طرف چلا گیا وہ سپیرہ مجھے اپنی کوٹھری میں ہی مل گیا میں نے اس سے تھوڑی دیر اس کے پیشے کے بارے میں معلومات لیں جس کے بارے میں وہ بہت خوش ہو کر بتاتا رہا اور جب میری اس سے گپ کچھ شب کچھ زیادہ ہوگئی تو میں نے اس سے اپنے مطلب کا سوال پوچھ لیا۔

''آپ نے کبھی کوئی ایسا سانپ بھی دیکھا یا پکڑا ہے جو جسامت کے لحاظ سے چھوٹا سا ہو اس کے سر پر تاج سا ہو اور کبھی کبھی رات کو اس میں سے روشنی پھوٹتی ہو۔''

''تمہیں ایسے سانپ کے بارے میں کیسے پتا چلا؟'' اس نے میری بات ختم ہوتے ہی جلدی سے پوچھا۔

''کیوں جی یہ کوئی خاص قسم کا سانپ ہے کیا؟''

میں نے اس کے سوال کے جواب میں ایک اور سوال کر دیا۔

''ہاں بالکل وہ ایک مخصوص نسل کا سانپ ہوتا ہے لیکن مجھے اس کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں، دریا کے ساتھ جو جنگل ہے اس میں ایک جوگی بابا رہتا ہے وہ تمہیں اس سانپ کے بارے میں صحیح بتا سکتا ہے..... کیا وہ سانپ تمہارے پاس ہے۔''

''نہیں..... نہیں میں نے اس سانپ کے بارے میں کچھ پڑھا تو مجھے تجسس ہوا اس کے بارے میں مکمل معلومات لینے کا بس آپ اسے میرا شوق کہہ لیں۔''

''اچھا تو پھر اگر جانا ہو جوگی بابا کے پاس تو آ جانا دن میں کسی وقت میں تمہیں لے جاؤں گا'' اس نے میری بات سن کر کہا اور پھر میں اس کے پاس سے اٹھ کر واپس گھر آ گیا۔

میں اس رات سحری تک جاگ کر سانپ کی طرف دیکھتا رہا لیکن اس رات روشنی نہ ہوئی تو میں سو گیا، سونے سے پہلے جوگی بابا کے پاس جانے کا خیال میرے ذہن میں تقویت پکڑ چکا تھا لیکن اس سپیرے کے بغیر ہی جانا چاہتا تھا۔

دوسرے دن گودام اور دفتر میں بہت مصروف رہا سامان ادھر ادھر بھجوانا تھا دو چکر بینک کے لگ گئے جہاں مس سندس سے ملاقات تھکن میں کچھ کمی کا باعث بنی آج اسے دیکھ کر میرے دل میں خواہش ہوئی کہ کاش سندس میری زندگی میں آ جائے، لیکن یہ بس ایک خواہش ہی تھی کہاں میں غریب کم پڑھا لکھا اور وہ پڑھی لکھی ساتھ ہی بینک منیجر کی بیٹی تھی گھر سے بھی وہ دولت کے لحاظ سے مضبوط تھے۔

اگلے دن جمعہ تھا میں نے ہاف ٹائم پر چھٹی لے لی، سیٹھ نے بہت مشکل سے چھٹی دی امی ابو بھی حیران تھے لیکن میں نے بہانہ بنا دیا کہ ایک دوست کی منگنی میں جانا ہے کمرہ میں جا کر میں تیار ہوا اور تھیلا میں سانپ والی بوتل کو ڈال کر باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ مجھے خیال آیا کہ پہلے اس جوگی بابا سے مل لینا چاہئے اس کے بعد ہی یہ سانپ

وہاں لیکر جاؤں میں نے بوتل الماری میں بند کردی اور باہر آ کر سڑک سے ایک ٹیکسی پکڑی اور دریا کنارے جنگل کے قریب اتر گیا۔

میں دریا کے کنارے پر کھڑا ٹیکسی کو دور جاتے دیکھتا رہا جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو میں نے جنگل کی طرف قدم بڑھا دیئے جنگل زیادہ گھنا نہ تھا کانٹے دار درخت بہت ہی کم تھے جنگلی گھاس اور موٹے موٹے ڈنڈیوں والی بوٹی نے درختوں کے اندر جنگل کی زمین پر قبضہ کیا ہوا تھا۔

قریباً ایک گھنٹہ تلاش کے بعد مجھے جنگل کے کافی اندر لیکن دریا سے کچھ ہی فاصلہ پر ہی چار درختوں کے درمیان مجھے ایک کٹیا نظر آ گئی جس کے تھوڑا ہی آگے ایک آدمی میری طرف پیٹھ کیے کسی چیز کو آگ لگا رہا تھا میں نے اس کے بالکل پاس پہنچ کر سلام کیا تو اس نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا اور کھڑا ہوگیا، اس آدمی کو دیکھ کر میرے ہونٹوں پر خود بخود ہی مسکراہٹ آ گئی کیونکہ وہ ایک مضبوط باڈی چہرہ پر ترچھی ہوئی داڑھی جس کا ایک بال بھی سفید نہ تھا اور نہ ہی مجھے کسی کلر سے کالی کی ہوئی لگ رہی تھی۔

سپیرہ اسے جوگی بابا کہہ رہا تھا ہاں اس کے گلے میں دو موٹے منکو والی مالائیں پڑی تھیں جیسا کہ جوگیوں اور فقیروں کے گلے میں ہوتی ہیں اس کے سامنے اینٹوں کے چولہے پر ایک دیگچی رکھی تھی جس کے نیچے آگ جل رہی تھی۔

میں نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا اس کی پکڑ کافی مضبوط تھی۔ ''نوجوان تم کون ہو اور اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟''

اس نے مجھے اپنی کٹیا کے اندر لا بیٹھایا اور پھر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں آپ ہی سے ملنے کے لئے آیا ہوں مجھے ایک مسئلہ بلکہ ایک تجسس آپ کے پاس لے آیا ہے۔'' میرے یہ کہتے ہی اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ چند ساعت اس کٹیا میں خاموشی سی چھا گئی میں کٹیا کا جائزہ لینے لگ گیا کچھ مٹی کے برتن ایک پرانا سا لوہے کا ٹرنک اور پرانی ہی دری جس پر کہ ہم بیٹھے تھے ہمارے دائیں کٹیا کی دیوار پر ایک پردہ سا لگا تھا میں نے اندازہ لگایا کہ ساتھ یا تو باہر نکلنے کا ایک راستہ ہے یا پھر کوئی کمرہ وغیرہ۔

''نوجوان پہلے تو اپنا نام بتاؤ تاکہ بات کرنے میں آسانی ہو اور پھر اپنا مسئلہ بتادو تاکہ میں تمہیں بتا سکوں کہ میں اس میں تمہاری کتنی مدد کر سکتا ہوں۔''

''میرا نام عابد ہے سلمان آباد سے آیا ہوں.....''

اس کے بعد میں سوچنے لگا کہ بات کہاں سے شروع کروں اور کیسے الفاظ چنوں تاکہ بات میں وزن پڑ جائے اور آسانی سے اگلے کی سمجھ میں بھی آسانی سے آجائے وہ جوگی چپ چاپ میرے چہرہ کی طرف دیکھتا رہا اس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

''میں ایک سانپ کے بارے میں کچھ معلومات لینا چاہتا ہوں'' آخر میں نے بات شروع کی لیکن اس جوگی نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی پوچھا کہ مجھے اس کے پاس کس نے بھیجا اور مجھے کیسے پتا چلا کہ جوگی کو سانپوں کے بارے میں جانکاری ہے بلکہ وہ چپ چاپ شفقت بھرے انداز سے میری طرف دیکھتا رہا پھر میں نے اس سانپ کے بارے میں بات شروع کردی، تھوڑی سی بات سن کر وہ چونک اٹھا اس کے چہرہ کے تاثرات سے ایک اشتیاق سا جھلکنے لگا آخر میں میں نے اسے بتایا کہ کیسے اس سانپ سے رات میں عجیب سی روشنی پھوٹ رہی تھی اور وہ جھوم بھی رہا تھا میری آخری باتیں سن کر وہ جوگی کھڑا ہوگیا اس نے مجھے دونوں کندھوں سے پکڑ کر ہلکا سا جھنجھوڑ ڈالا ''یہ سانپ واقعی تمہارے پاس ہے..... کہاں ہے دکھاؤ مجھے'' اس نے بے قراری سے پوچھا۔

''ہاں میرے پاس ہے میرے گھر میں میرے کمرہ میں'' میں نے جلدی جلدی اسے جواب دیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ وہ کیسے مجھے ملا۔

''وہ سانپ ابھی لے کر آؤ کسی بھی طرح'' اس کے لہجے سے اضطراب و بے قراری صاف نظر آ رہی تھی۔

’’نہیں ابھی لانا تو مشکل ہے میں پھر کسی ...‘‘

’’پھر کسی دن نہیں صبح صبح اگر اب نہیں لا سکتے تو ... تمہیں کیسے بتاؤں کہ اس سانپ کے لئے میں ...ہاں کہاں مارا مارا پھر رہا ہوں‘‘ اس نے آخری بات ...گوشی میں کی لیکن میں نے سن لی۔

’’لیکن میں صبح نہیں آ سکتا میری نوکری کا مسئلہ ...ہے میرا سیٹھ مجھے کھڑے کھڑے نکال دے گا جب بھی ...ں نے چھٹی کی۔‘‘

’’میں اس سانپ کے بدلہ میں تمہیں اتنا کچھ ...دوں گا کہ تمہیں کسی کی ملازمت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی بلکہ تم خود ملازم رکھو گے‘‘ اس کی بات سن کر میں نے اس کی کٹیا کی طرف بے ساختہ ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

’’عابد تم ہماری ظاہری حالت نہ دیکھو‘‘ اس کے لہجہ میں اس دفعہ ناراضگی سی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی تھی، میں تھوڑی دیر بعد اس سے کل سانپ کو لانے کا وعدہ کر کے واپس گھر آ گیا اور پوری رات جاگتے سوتے گزر گئی یہی سوچتا رہا کہ کیا کروں سانپ کی میرے لئے کوئی وقعت نہ تھی لیکن اگر میں صبح جاتا اور وہ جوگی سانپ لے کر مجھے کچھ بھی نہ دیتا تو نوکری بھی جاتی اور سانپ بھی، آخر میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ قسمت آزمائی جائے اور پھر گہری نیند سو گیا۔

دوسرے دن میں صبح کام پر جانے کے وقت کھانے کا ٹفن اور بوتل جس میں کہ سانپ بند تھا تھیلا میں ڈال کر گھر سے نکل آیا کیونکہ میں گھر میں نہیں بتانا چاہتا تھا کہ میں آج چھٹی کروں گا یا پھر میں جنگل میں ایک جوگی کے پاس جا رہا ہوں اسی لیے میں نے کھانا بنوا کر ٹفن میں ڈال لیا اور ساتھ لے لیا میں مختلف قسم کے سپنوں میں کھویا ہوا ٹیکسی سے دریا کے کنارے جنگل کے اسی راستہ پر اتر گیا جہاں سے اس جوگی کی کٹیا کا راستہ آسان تھا۔ وہ اپنی کٹیا کے باہر بے چینی سے مٹر گشت کر رہا تھا مجھے دیکھتے ہی بھاگ کر میرے پاس پہنچا اور مجھے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ کر جکڑ سا لیا اس کی گرفت بہت سخت تھی مجھے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔

’’وہ لائے ہو‘‘ اس نے سرگوشی کی، مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا میں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

’’کہاں ہے...... کہاں ہے‘‘ اس سے خوشی سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا میں بہت مشکل سے دایاں ہاتھ اوپر کر کے اسے تھیلا دکھایا اس نے مجھ سے تھیلا جھپٹ لیا اور بھاگتے قدموں سے اپنی کٹیا میں جا گھسا اس کے مجھے چھوڑتے ہی میں نے دو تین انگڑائیاں لیں اور جسم کو سیٹ کرنے لگا ساتھ ہی میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے جوگی کے پیچھے کٹیا میں چلا گیا۔

جہاں وہ بوتل کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے سر سے اوپر کر کے سانپ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

سانپ پہلے سے کافی بڑا لگ رہا تھا، شاید دودھ پی پی کر پھول گیا تھا یا پھر بڑا ہو رہا تھا۔

جوگی کے چہرہ پر خوشی ہی خوشی تھی ایسا لگتا تھا جیسے اس کا کوئی خواب پورا ہو گیا تھا۔

’’اسی سانپ کی تلاش میں، میں کب سے اس جنگل میں اپنے آپ کو ڈالے بیٹھا ہوں اس کے بدلہ میں تمہیں جتنا بھی دوں وہ کم ہی ہوگا لیکن تمہاری پوری زندگی بدل جائے گی...... ادھر آؤ‘‘ اس نے کٹیا کی اندرونی دیوار میں لگے پردہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا دوسری طرف کٹیا کا دوسرا کمرہ تھا جس میں داخل ہوتے ہی مجھے لگا کہ میں کسی حکیم کے مطب میں آ گیا ہوں کیونکہ دیواروں کے ساتھ لکڑی کی الماریاں لگی تھیں جن میں کہ شیشے کے بہت سے مرتبان رکھے تھے جن میں مختلف قسم کے حریرہ جات اور ادویات تھیں اس کٹیا کے فرش پر ایک گندی سی دری بچھی تھی۔

’’اس دری کو ہٹا دو‘‘ اس نے دری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

میں نے دری کو مکمل فرش سے ہٹا دیا اس جگہ ایک چھوٹا سا ہول بنا تھا جس کے اوپر لکڑی کا ڈھکن تھا اس نے آگے بڑھ کر وہ ڈھکن اٹھا دیا اس ہول کے اندر ایک

چھوٹی لکڑی کی صندوقچی پڑی تھی، جوگی نے اونچی آواز سے کسی انجانی زبان میں کچھ پڑھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونکا اور پھر جھک کر اس صندوقچی کو اٹھالیا اور مجھے اشارہ کرتے ہوئے باہر آ گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی باہر والی کٹیا میں آ گیا اس نے صندوقچی فرش پر رکھ کر کھول دی۔

سانپ والی بوتل وہ اندر والی کٹیا میں ہی چھوڑ آیا تھا میں بالکل اس کے پاس ہی کھڑا تھا اس صندوقچی کے اندر زر و جواہرات ترتیب سے موجود تھے جنہیں دیکھتے ہی میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ ''یہ سب تمہارا ہے اسے لے کر یہاں سے چلے جاؤ.....اور تین دن بعد چودہویں کی رات ضرور میرے پاس یہاں آنا کیونکہ اس سانپ پر زیادہ حق تمہارا ہے اس رات تمہیں پتا چلے گا کہ یہ سانپ چیز کیا ہے۔'' یہ کہتے ہی وہ اندر کٹیا میں چلا گیا اور میں اس صندوقچی کو لے کر اس جنگل میں ایک جگہ شام ہونے کا انتظار کرنے لگا تاکہ رات کے اندھیرے میں اس صندوقچی کو چھپا کر گھر لے جاؤں۔

اور پھر میں اس صندوقچی کو گھر بحفاظت لانے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کے بعد دو راتیں میں نے یہ سوچتے گزار دیں کہ میں ان کو بیچوں کیسے کیونکہ جس سونے کے کام کرنے والے کے پاس میں جاتا وہ یہ ضرور پوچھتا کہ یہ سونا اور جواہرات میرے پاس کہاں سے آئے؟

چودہویں کی رات بھی آ گئی میں اس کشمکش میں تھا کہ اس جوگی کے پاس جانا چاہئے یا نہیں کیونکہ مجھے اب اتنا مال چکا تھا کہ مجھے اب کسی اور کی ضرورت نہ تھی، میں نے یہ بات اپنے گھر والوں سے چھپائی ہوئی تھی۔

دن کو آوارہ گردی کرتا رہتا تھا تاکہ گھر والوں کو نہ پتہ چلے کہ میں نے کام چھوڑ دیا ہے بہت سوچنے کے بعد آخر میں رات دس بجے کے قریب اس جوگی کے ٹھکانے پر جا پہنچا جہاں کٹیا کے باہر ہی وہ آگ جلائے کچھ تیار کرنے میں مگن تھا کیونکہ کچھ پکائے جانے کی خوشبو آ رہی تھی میں بھی اس کے پاس ہی جا بیٹھا۔

''کچھ بولنا نہیں بس دیکھتے رہنا۔'' اس نے میرا بیٹھتے ہوئے کہا۔

آج کے جوگی اور اس دن کے جوگی میں کافی فرق تھا، آج جوگی نہ ہی مجھ سے بات کر رہا تھا اور نہ ہی میری طرف دیکھ رہا تھا بلکہ وہ دیگچی میں مسلسل چمچہ ہلا رہا تھا اور ساتھ ساتھ کچھ بدبدا بھی رہا تھا۔

پندرہ بیس منٹ بعد اس نے بائیں طرف کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر وہ سانپ والی بوتل نکال لی جسے دیکھ کر میں حیران ہوا کہ اس سانپ کا کیا کرنا ہے۔

پھر جوگی نے اسی انجان سی زبان میں اونچی آواز سے کچھ پڑھنا شروع کر دیا اور بوتل کا ڈھکن کھول کر سانپ کو اپنے سامنے رکھے ایک تختہ پر گرا دیا۔

آگ کی روشنی میں مجھے وہ سانپ پہلے سے زیادہ جسیم لگا، اس کے جسم سے رنگین روشنی پھوٹنے لگی تو جوگی نے سانپ کے اوپر ہاتھ رکھ کر اسی تختہ پر دبائے رکھا اور اپنے سامنے رکھی ہوئی بڑی سی چھری اٹھالی، اس کا ارادہ بھانپتے ہی میرے جسم میں سوئیاں سی چبھنے لگیں اور میں وہاں سے اٹھنے کے بارے میں سوچنے لگا لیکن جب میں نے اٹھنا چاہا تو مجھ سے اٹھا نہ گیا ایسا لگا کہ مجھ میں ذرا سا بھی زور نہ رہا ہو۔

جوگی نے کسی ماہر قصائی کی طرح چھری پکڑی ہوئی تھی اور سانپ کو بائیں ہاتھ سے دبا رکھا تھا اس کے پڑھنے کی آواز پہلے سے اونچی ہو رہی تھی پھر میرے دیکھتے ہی اس نے کسی قصائی ہی کی طرح اس سانپ کا سر کاٹ کر پرے کر دیا اور مچھلی کی طرح سانپ کو صاف کر کے کاٹ کر قتلے بنا لیے اس کے بعد وہ قتلے اس نے دیگچی میں ڈال دیئے۔

میں یہ سب کچھ دیکھ کر سن ہوا جا رہا تھا تھوڑی دیر چمچ چلانے کے بعد اس نے پڑھنا چھوڑ دیا اور میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''بہت اچھے تم نے مجھ سے کچھ نہ پوچھ کر مجھے بہت سے سوالوں سے بچا لیا، اب ایک بات غور سے سنو، دو سنار میرے مرید ہیں جو کہ یہی کام کرتے ہیں ان کے

...میرا بتا کر وہ جواہرات بیچنا ہے کیونکہ اور کوئی بھی نہ ...کا اگر کسی اور نے لیا بھی تو بہت سستا لے گا۔ اب ...کی طرف دیکھتے رہو۔" وہ یہ کہہ کر چپ ہوگیا۔

میرا بہت بڑا مسئلہ حل ہوگیا تھا میں نے اس کے ...وں کے نام یاد کر لیے اس کے کچھ منٹ بعد ہی اس ...یچی اتار دی اور دائیں طرف رکھے ایک لپیٹے ہوئے ...ے کو اپنے سامنے رکھ کر اس میں سے روٹی نکال کر ...سانپ کے سالن سے کھانے لگا "تم بھی کھاؤ" اس ...میری طرف روٹی بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے جلدی سے سر کو نہ میں ہلایا تو وہ مسکرانے لگا پھر تین روٹیاں کھانے کے بعد اس نے ایک چھوٹا سا ...ار لیا اور اٹھ کر دریا کی سمت بھاگ پڑا۔

میں حیران ہونے لگا کہ اسے اچانک کیا ہوگیا دریا ...ے پاس پہنچتے ہی اس نے ایک جمپ لیا اور میں سمجھا کہ ...دریا میں نہانے کی غرض سے چھلانگ لگا رہا ہے، ہوسکتا ...ہ کہ سانپ کا سالن کھا کر اسے اچانک گرمی کا احساس ...ہو لیکن اگلا منظر دیکھ کر نہ صرف میں اپنی جگہ سے کھڑا ...ہو گیا بلکہ چل کر دریا تک جا پہنچا۔

کیونکہ جوگی دریا میں گرنے کی بجائے ہوا میں بلند ...ہو کر اڑتا ہوا فضا میں دریا کے دوسرے کنارے غائب ...ہو گیا۔

حیرت انگیز انتہائی حیرت انگیز کسی انسان کا اڑنا ...وں اور کہانیوں میں پڑھا اور دیکھا تو تھا لیکن حقیقی زندگی ...یں ناممکن...... میں نے اپنی آنکھوں سے اس جوگی کو ہوا ...یں اڑتے دیکھا تھا مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ کیسے ...ہو گیا، میں اسی حیرت میں کھویا یہ تک بھول گیا کہ میں ایک ...گل بیابان میں کھڑا ہوں، میں ایسے ہی حیرت میں گم سا ...اوں مڑا اور وہاں سے بھاگنے کا سوچنے لگا تو میری نظر ...اس دیگچی پر پڑ گئی جس میں سانپ کا سالن پکا تھا، جسے ...کھانے کے بعد جوگی میں اڑنے کی شکتی آ گئی تھی۔

میں نے اس دیگچی کو دیکھا تو میرے دماغ میں ...مد بدی ہونے لگی میں نے دیگچی کو اٹھا کر چاندنی میں ...اس کے اندر دیکھا تو دیگچی میں ہلکا ہلکا سا سالن تھا میں نے ساتھ پڑی روٹیوں میں سے ایک روٹی اٹھائی اور پھر دیگچی کو اندر سے مکمل صاف کر دیا۔

مجھے اپنے اندر گرمی اور عجیب سے ابھار کا احساس ہونے لگا میں نے بھی اٹھ کر اس جوگی ہی کی طرح دریا کی طرف دوڑ لگا دی اور دریا کے پانی کے پاس پہنچتے ہی ایک جمپ لیا لیکن یہ کیا میں تو ہلکا سا ہوا میں بلند ہو کر پانی میں جا گرا وہ تو شکر ہے کہ پانی کا بہاؤ تیز نہ تھا، میں جلدی سے ہاتھ پاؤں مارتا ہوا پانی سے باہر نکل آیا اور مایوس سا وہاں سے چلتا ہوا روڈ تک آ گیا جہاں کچھ دیر کھڑا رہنے کے بعد جب ٹیکسی نہ آئی تو میں نے اپنے گھر کی طرف تیز قدموں سے چلنا اور پھر بھاگنا شروع کر دیا۔

مجھے بھاگنے میں مزہ آرہا تھا اسی لیے میں تیز بھاگنے لگا اور ایسے ہی بھاگتے ہوئے اپنے گھر تک پہنچا، مجھے تھکن کا ذرا بھی احساس نہ ہوا۔

اس کے بعد میں نے ان زر جواہرات اور زیورات کو آہستہ آہستہ بیچ کر امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار شروع کر دیا ساتھ ہی پرائیویٹ بی اے کر لیا اور اپنا اکاؤنٹ مس سندس کے بینک میں کھول لیا۔

اب میں جتنا بھی کام کرتا مجھ میں تھکن کا نام ونشان نہ ہوتا اور وزنی سے وزنی چیز بھی میں آسانی سے اٹھا لیتا ہوں پڑھائی میں میرا ذہن اتنا چلتا ہے کہ بس ایک دفعہ کچھ پڑھتے ہی میرے حافظہ میں فٹ ہوجاتا ہے میری کوٹھی شہر کے ایک پوش علاقہ میں ہے میرے پاس تین گاڑیاں ہیں زیادہ تر میں تھری پیس سوٹ پہنتا ہوں اور اب کھل کر سندس سے ہلکی پھلکی گپ لگاتا ہوں اور آج شام کو سندس کو چائے پر ایک فور اسٹار ہوٹل میں انوائٹ کیا ہوا ہے مجھے یقین ہے کہ سندس میری ہمنوا و پارٹنر بن جائے گی۔

سندس میری اس کایا پلٹ پر حیران ہے میری خوشی ہے کہ آج کی ٹی پارٹی ڈنر میں بدل جائے اور ہوسکتا ہے کہ یہ ڈنر ہماری خوشگوار زندگی کے لئے یادگار بن جائے۔

کالا وتی

محسن عزیز۔کوٹھا کلاں

اچانک ایک ترشول ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور سامنے بیٹھے ہوئے پنڈت کے سینے میں پیوست ہوگیا اور پھر دوسرے اور تیسرے پنڈت کے ساتھ بھی ایسا ہوا کہ پھر.....

صدیوں پرانی ایک آتما کی دل گرفتہ روداد.....جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کردے گی

بیل گاڑی سڑک پر بگٹٹ دوڑ رہی تھی گاڑی میں بیٹھا شنکر کافی ہراساں تھا، شنکر اپنی موسی کے ہاں گوپی نگر جارہا تھا اسے دو دن پہلے پتا چلا تھا کہ اس کی موسی بہت بیمار ہے تو وہ اس کی ہی خبر گیری کرنے جارہا تھا۔

''ارے مادھو گاڑی ذرا اور تیز چلاؤ نا موسم کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' جب وہ گھر سے نکلے تھے تب موسم بالکل ٹھیک تھا مگر اب ہر طرف آکاش پر کالے گھنگھور بادلوں نے اپنے پر پھیلا لیے تھے یہ سنتے ہی مادھو نے زوردار چابک بیلوں پر برسایا تو وہ اور تیز دوڑنے لگے ابھی وہ تھوڑا سا ہی آگے بڑھے تھے کہ بادلوں کی گڑگڑاہٹ بڑھنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے تیز بارش شروع ہوگئی بیلوں کی رفتار میں قدرے کمی آگئی تھی مادھو برابر بیلوں پر چابک برسائے جارہا تھا مگر بیل آہستگی سے ہی چل رہے تھے ایسے میں جب بجلی چمکتی تو یکلخت ہر طرف روشنی پھیل جاتی اور پھر جب روشنی ختم ہوتی تو ہر طرف اندھیرے کی دبیز چادر تن جاتی۔

''شنکر بابو ہم کو باہوت ڈر لاگت ہے اندھیرے سے ہمری دادی کہتی تھی کہ بیابانوں اور میدانوں میں رات کو سفر نہ کرو۔''

''وہ کیوں؟'' شنکر نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''ارے شنکر بابو آپ کو نا ہی پتا کہ ایسی کھلی جگہوں پر بھٹکتی آتمائیں ہوتی ہیں'' مادھو نے کافی سہمی ہوئی آواز سے کہا۔

''مجھے ایسی باتوں پر بالکل بھی وشواس نہیں ہے یہ سب کہنے سننے کی باتیں ہیں یہ بھوت پریت آسیب آتمائیں چڑیلیں آج تک میں نے ان کے بارے میں سنا ہی ہے پر نتو دیکھا کہیں بھی نہیں.....''

''ارے نا ہی ہم کو تو ان پر اٹل وشواس ہے۔'' اس پھر بادل اتنی زور سے گرجے کہ ان دونوں کو اپنے کانوں میں انگلیاں رکھنی پڑ گئیں۔

''یہ کا ہے کو نہیں چل رہے'' بادلوں کی گرج کے ساتھ بیل بھی رک گئے تھے مادھو نے بیلوں پر کئی چابک برسائے پر نتو آگے نہیں بڑھے وہ بار بار اپنے اگلے پاؤں کو زمین پر مار رہے تھے ان کے نتھنے پھول گئے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی ان دیکھی شکتی انہیں آگے بڑھنے سے روک رہی ہو.....'' شنکر بابو یہ آگے نا ہی جات ہیں ایسا لاگت ہے جیسے ان کا پاؤں دھرتی نے پکڑ لی ہے۔''

بارش سے ان دونوں کا برا حال ہو چکا تھا سردی سے ان کے دانت بج رہے تھے شنکر کو بہت چنتا ہو رہی تھی اس کے من میں ڈھیروں وسوسے آرہے تھے اب تو ان

دل میں بھی خوف نے اپنے پنجے گاڑنے شروع
یے تھے۔اب جب بجلی چمکی تو انہیں اپنے سے کچھ
دری پر ایک کھنڈر کا ہیولہ سا دکھائی دیا۔ ’’ارے شنکر بابو
امنے دیکھیے۔‘‘

’’ہاں مجھے بھی دکھائی دے رہا ہے لگتا ہے کوئی
ھنڈر ہے ہمیں سردی اور بارش سے بچنے کے لئے وہاں
جانا چاہیے۔‘‘

’’نن.....نن.....نا ہی ہم وہاں نا ہی جائینگے۔‘‘

’’کیوں؟‘‘ شنکر نے حیرت سے مادھو کو دیکھا۔

’’دیکھیے شنکر بابو ہم کو ایسی جگھوں سے باہوت ڈر
لگتا ہے اور اگر یہیں رکے رہے تو سردی کی وجہ سے ٹھٹھر کر
مر جائینگے۔‘‘

’’تمہیں چلنا ہے تو چلو نہیں تو میں جا رہا ہوں‘‘

’’ارے رکیے شنکر بابو سنیئے تو۔‘‘ مگر شنکر سنی ان سنی
کر کے کھنڈر کی طرف بڑھ گیا مادھو نے بیل گاڑی کو وہیں
چھوڑا اور دوڑ کر شنکر کے ساتھ ہو لیا کھنڈر کے پاس پہنچ کر
شنکر نے مادھو کو لالٹین روشن کرنے کو کہا مادھو نے جلدی
سے شاپر میں لپٹی ماچس نکال کر لالٹین روشن کی تو دونوں
یہ دیکھ کر حیران ہوئے جو کھنڈر دور سے انہیں دکھائی دیا تھا
پاس آنے پر وہ ویسا نہیں تھا وہ تو کوئی عظیم الشان محل

معلوم ہو رہا تھا۔ دونوں مبہوت سے آگے بڑھے شنکر نے
جیسے ہی دروازے کو چھوا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

وہ دونوں ڈرتے ہوئے اندر داخل ہو گئے تو سردی
کا احساس قدرے کم ہوا تھا۔ ’’شنکر بابو ذرا احتیاط
سے.....‘‘ مادھو نے آہستہ سے کہا جیسے کہ کوئی اور نہ سن
لے اب تم یہ مت کہنا کہ یہاں بھی کوئی آتما وغیرہ ہے۔
شنکر کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اس کے چہرے پر ایسا کوئی
ردعمل نہیں تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ شنکر ڈر رہا ہے۔

’’شنکر بابو ایسی باتیں نہ کیجئے ہمرے دل ماہول
اٹھ رہے ہیں۔‘‘

مادھو اس ماحول سے ہراساں ہو چکا تھا..... خیر
انہوں نے لالٹین کی روشنی میں صحن عبور کیا تو آگے چار
پانچ سیڑھیاں طے کر کے اوپر گئے..... یہاں تو درجوں
کے حساب سے کمرے ہیں کہ معاً انہیں ایک کمرے میں
ہلکی سی روشنی دکھائی دی اس روشنی سے لگتا ہے کہ یہاں
کوئی رہتا ہے چلو چل کر دیکھتے ہیں وہ دونوں اسی کمرے
کی طرف بڑھ گئے جہاں سے روشنی آ رہی تھی جب وہ
کمرے کے پاس آئے تو کمرے کی حالت دیکھ کر دونوں
حیران رہ گئے اس کھنڈر میں ایسا کمرہ ہو گا یہ تو انہوں نے
سوچا بھی نہیں تھا۔

"مادھو تمہارا کیا ارادہ ہے؟" شنکر نے مادھو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

کمرے کی صفائی ستھرائی دیکھ کر تو یہی لگتا ہے کہ یہاں کوئی ہے مگر وہ ہے کدھر؟ یہاں پر کوئی ہے، شنکر نے اونچی آواز سے کہا مگر شنکر کی آواز آس پاس گونج کر رہ گئی شنکر نے پھر آواز دی مگر جواب نہ آیا۔ کمرے میں دو پلنگ لگے تھے کمرے میں موجود آتش دان میں آگ بھی بھڑک رہی تھی باہر کی نسبت کمرہ کافی گرم تھا دونوں کے کپڑے پانی سے شرابور ہو چکے تھے مادھو نے پلنگ سے بڑی سی چادر کھینچ کر شنکر کو تھمادی۔ "شنکر بابو آپ اس چادر کو دھوتی باندھ لو اور کپڑے اتار کر مجھے دے دو تاکہ میں انہیں سکھادوں۔"

کچھ ہی دیر میں دونوں کے کپڑے سوکھ چکے تھے، مادھو نے کمرے کی کنڈی اندر سے بھیڑ دی اور دونوں پلنگ پر آکر لیٹ گئے پلنگ پر لیٹتے ہی مادھو کو بیلوں کی چنتا ستانے لگی۔ "شنکر بابو نہ جانے بیلوں کا کیا حال ہے؟"

"کچھ نہیں ہوگا انہیں وہ بالکل ٹھیک ہوں گے" شنکر نے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

ابھی انہیں لیٹے کچھ ہی سمے بیتا تھا کہ انہیں کچھ مبہم سی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ "شنکر بابو آپ کو کچھ سنائی دے رہا ہے۔" مادھو یکدم گھبرا گیا۔

"ہاں" شنکر نے بھی اثبات میں سر ہلایا...... رفتہ رفتہ آوازیں واضح ہو رہی تھیں...... آوازوں میں سسکیاں بھی شامل تھیں دونوں سکتے کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے...... مادھو پھٹی آنکھوں سے شنکر کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے یہ کہہ رہا ہو کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہاں نہ آئیں۔

"کرپیا میرے گھنگھرو مجھے واپس دے دیجئے اور مجھے جانے دیجئے۔" وہ کسی عورت کی آواز تھی جس کے لہجے میں بے پناہ التجا تھی۔

دونوں اب پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ "شنکر بابو یہ کا ہے یہ آواجن وہ عورت......" وہ آوازیں اب التجا میں بدل چکی تھیں۔

"مجھے شما کیجئے جانے دیجئے مجھے میرے گھنگھرو واپس کر دیجئے میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں" عورت اب زار و قطار رو رہی تھی۔ "جانے دیں گے تو آوش جانے دیں گے پرنتو تب جب تو ہمارا من راضی کرے گی......" یہ کوئی مردانہ آواز تھی۔

"یہ ٹھیک نہیں میں ایسا کسی صورت بھی نہیں کروں گی یہ سب کرنے سے پہلے میں آتما ہتھیا کرلوں گی" اب عورت کے لہجے میں سختی تھی۔

وہ دونوں معاملے کی گتھی سمجھ گئے تھے۔ "لگتا ہے کوئی مرد کسی عورت کو اٹھا لایا ہے تاکہ ان سنسان جگہ پر اس کا بلدکار کر سکے۔" شنکر نے کہا۔ "اور شنکر بابو ایسا لاگت ہے جیسے وہ کوئی طوائف ہے۔" مادھو نے کہا تو شنکر نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔ اس سمے اسے ہماری سہائتا کی ضرورت ہے ہمیں اس کی سہائتا کرنی چاہئے۔"

"ہاں شنکر بابو ہمیں اس کی سہائتا کرنی چاہئے" کہہ کر وہ دونوں اپنے اپنے پلنگوں سے نیچے اترے شنکر نے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی ہٹادی تو سامنے کا منظر دیکھ کر دونوں کے حواس گم ہو چکے تھے...... ایسی سندر ناری انہوں نے اپنے جیون میں آج تک نہیں دیکھی تھی وہ تو کوئی دیوی اپسرا لگ رہی تھی اس کے نازک ہونٹ ایسے تھے جیسے گلاب کی نازک پنکھڑیاں ستواں ناک اور اس کے شریر کے نشیب و فراز کسی بھی منش کے حواس گم کردینے کے لئے کافی تھے اس نے سرخ رنگ کا لہنگا پہن رکھا تھا جو اس کے حسن کو دو آتشہ بنا رہا تھا۔

شنکر اور مادھو کا سکتہ لڑکی کی چیخ سے ٹوٹا تھا۔

"تجھے تیرے گھنگھرو بہت پیارے ہیں ناں تو لے" اور یہ کہتے ہی اس آدمی نے بڑی زور سے گھنگھرو دیوار پر دے مارا تو گھنگھرو ایک جھنکار کے ساتھ ٹوٹ گئے اور زمین پر ادھر ادھر بکھر گئے اب وہ آدمی قہقہے لگاتا اس عورت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ "ظالم تو نے مجھ سے میری قیمتی گھنگھرو چھین لیے تو منش نہیں راکھشس ہے راکھشس میرے نزدیک مت آنا۔"

مگر اس آدمی نے آن کی آن میں آگے بڑھ کر دبوچ لیا۔

"بچاؤ بچاؤ......" عورت کی آواز فضا میں گونجی تو شنکر سے نہ رہا گیا۔ "خبردار...... اس کو چھوڑ دے" لڑکی کی ہمت جواب دے گئی تھی اس سے لڑکی کی بے بسی دیکھی گئی تھی تبھی شنکر نے آگے بڑھ کر ایک زوردار مکا اس کے جبڑے پر دے مارا تو وہ آدمی اس اچانک افتاد سے گھبرا گیا اس نے ایک لمحہ کے لئے لڑکی کو چھوڑ دیا مگر پھر وہ آدمی جیسے ہی ہوش میں آیا تو اس نے پھر سے لڑکی کو دبوچنے کی کوشش کی مگر اب کی بار اسے شدید ناکامی ہوئی شنکر کا ایک اور گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑا اور اس کے حواس معطل کر کے رکھ دیئے تھے۔

وہ آدمی اپنے دونوں ہاتھوں سے جبڑوں کو سہلانے لگا تھا۔ "اگر اب تو نے اس لڑکی کو چھوا تو میں تیرے ہاتھ پیر توڑ دوں گا سمجھا؟"

"اے تو کون ہوتا ہے اسے بچانے والا تیری بہنا لگتی ہے کیا......"

"ہاں...... یہ میری بہن لگتی ہے......" لڑکی نے حیرت بھری نظروں سے شنکر کی طرف دیکھا...... یہ الفاظ سنتے ہی اس آدمی نے تڑپنا شروع کر دیا اور زمین پر گر کر لوٹ پوٹ ہونے لگا اور پھر اچانک اس کے شریر نے آگ پکڑ لی اور اس کی شریر آگ میں جلنے لگا اس کی چیخیں بہت کربناک تھیں...... "کلاوتی تیری اچھا پوری ہو ہی گئی، تجھے کسی منش نے بہن کہہ ہی دیا۔ تو مکت ہوگئی میں دوبارہ جنم لوں گا دیکھنا میں پھر دوبارہ جنم لوں گا، جوگی کی بھوشیہ وانی سچ ثابت ہوئی۔" اور پھر آہستہ آہستہ وہ جل کر راکھ ہوگیا۔

پھر اچانک نہ جانے کدھر سے ہوا کا تیز جھونکا آیا اور اس راکھ کو اڑا لے گیا۔

یہ سب کیا تھا شنکر کافی سہما ہوا تھا اسے تو وشواس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے کیا وہ سچ ہے...... وہ انہی سوچوں میں غرق تھا جبھی اس لڑکی کی مترنم سی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ ہوش کی دنیا میں واپس لوٹ آیا۔

"دھنے واد آخر آپ نے مجھے اس چکرویو سے مکتی دلوا ہی دی میں آپ کی بہت ابھاری ہوں......" وہ کچھ سمے کے لئے شانت ہوئی اور پھر بولی۔ "آپ دیوتا سمان ہیں مجھے آپ کوئی بھلے پرش معلوم ہوتے ہیں آپ گنگا کی طرح پوتر ہیں...... آپ نے گندے من سے آج تک کسی ناری کو نہیں چھوا تبھی تو آپ کے مجھے بہن کہنے پر اس آتما کا انت ہوگیا۔"

"کیا تم بھی کوئی آتما ہو" شنکر نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ اور وہ گھنگھرو یہ سب کیا چکر ہے؟"

ان سب باتوں کے درمیان مادھو بیچارے کی حالت بہت دگرگوں ہو چکی تھی اگر شنکر اس کا مالک نہ ہوتا تو وہ کب کا یہاں سے بھاگ چکا ہوتا۔

"بتاتی ہوں میں آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں...... ارے آپ کو تو سردی لگ رہی ہے آپ اندر آیئے" وہ تو ایسے کہہ رہی تھی جیسے اس پر تو سردی کا کوئی اثر نہ ہو رہا ہو یہ بات ان دونوں نے نوٹ کی تھی۔

"جب ہم تینوں اندر آئے تو دروازہ خود بخود بند ہوتا چلا گیا" یہ دیکھ کر مادھو کی ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"آپ لوگوں کو ڈرنے کی کوئی آوشکتا نہیں ہے" اور پھر اپنے آپ ہی آتش دان میں آگ بھڑک اٹھی یہ سب دیکھ کر شنکر حیران رہ گیا۔ "یہ سب میری شکتی کی وجہ سے ہے، آپ دھیرج رکھیئے"

اندر آ کر وہ دونوں کافی پرسکون ہوگئے تھے، سردی کا احساس اب قدرے کم ہو چکا تھا۔

"میرا نام کلاوتی ہے، میں ایک طوائف تھی، باقی طوائفوں کی طرح میں بھی ناچتی تھی، پرنتو ان سب میں، میں سب سے زیادہ سندر تھی اور میرا ناچنا سب پر بھاری تھا جب میں ناچتی تو دیکھنے والے حیرت زدہ ہو جاتے تھے، جب میرا جنم ہوا تھا تب میری ماں پرلوک سدھار گئی تھی مگر میرے لئے وہ ایک نشانی چھوڑ گئی تھی ہمارے "خاندانی گھنگھرو" جب میں سولہ برس کی ہوئی تو ان گھنگھرو کو لکشمی، بائی نے مجھے دیتے ہوئے کہا۔ "لے یہ

تیری ماں کی آخری نشانی ہے تیری ماں کی آخری اچھا تھی کہ جب تو جوان ہو جائے تو ان گھنگھرو کو پہن کر اپنی ماں کی اچھا پوری کردے یہ پکڑ تیری امانت۔'' لکشمی بائی نے وہ گھنگھرو میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اور ہاں جلدی سے تیار ہو جا تجھے آج بنارس کے مندر میں دیوتا کے سامنے ناچنا ہے وہاں پر بہت دھن دولت والے پنڈت پروہت کریں گے تو نے اپنے انداز سے ان کو خوش کرنا ہے ارے تیرے تو بھاگ کھل جائینگے..... وہاں کے سب سے بڑے پنڈت نے خود نیوتہ بھیجا ہے تجھے تو ان کی خاص داسیوں میں شامل ہو جائے گی پھر دیکھنا کیسے تیرے وارے نیارے ہوتے ہیں'' لکشمی بائی مجھے چہک چہک کر یہ سب باتیں بتا رہی تھی اور میں من ہی من میں بہت خوش ہو رہی تھی۔

میں اپنے جیون میں پہلی بار بنارس کے سب سے بڑے مندر میں جا رہی تھی اور اسی خوشی میں میرا انگ انگ مسرور تھا اور پھر کچھ ہی سے بعد ایک سرخ رنگ کا لہنگا مجھے لکشمی بائی نے دیا اور کہا۔ ''اسے پہن لو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ باہر پالکی آچکی ہے وہ تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں.....'' یہ کہہ کر لکشمی بائی چلی گئی اور میں دل وجان سے تیار ہونے لگی۔

جب میں نے آئینے میں خود کو دیکھا تو اپنے ہی حسن میں کھو گئی پھر میں نے اپنے پاؤں میں گھنگھرو باندھے گھنگھرو کی چھن چھناہٹ سے مجھ پر عجیب سی مدہوشی چھا رہی تھی اور پھر میں پالکی میں بیٹھ کر مندر پہنچ گئی، میں جب وہاں پہنچی تو بہت حیران ہوئی کیونکہ وہاں مندر میں چند پنڈتوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا میں بھی شاید میں سب سے پہلے آ گئی ہوں میں بہت تھک گئی تھی میں ان سب سے ملی اور پھر مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

کمرے میں آ کر میں اپنی ماں کے گھنگھرو کو دیکھ رہی تھی مجھے یہ گھنگھرو بہت پیارے لگ رہے تھے میں انہی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور ایک پنڈت اندر داخل ہوا اس کے ہاتھوں میں کوئی مشروب تھا جس کو اس نے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''لو اسے پی لو، مہا پنڈت نے تمہارے لیے بھیجا ہے'' اور میں نے دھنے باد کہتے ہوئے وہ مشروب لے لیا..... جیسے ہی وہ جانے کے لئے مڑا تو میں نے اس سے پوچھا ''کاکا'' کیا مہمان نہیں آئے۔''

''مہمان..... کیسے مہمان۔'' اس بوڑھے نے قدرے حیرت سے کہا۔ ''آج مندر میں نکیت کا آئیو جن نہیں ہے کیا؟'' میں نے اس سے کہا تو وہ مزید حیرت سے بولا نہیں۔ ''بیٹی آج مندر میں کسی قسم کا آئیو جن نہیں ہے اور نہ ہی مہمانوں نے آنا ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔

مجھے گھبراہٹ ہونے لگی تھی پھر میں نے اس سے پوچھا ''کیا آپ یہیں رہتے ہیں؟''

تو اس نے کہا ''ارے میں تو داس ہوں صبح سے آتا ہوں اور رات گئے گھر واپس لوٹتا ہوں''

یہ سن کر مجھے تشویش لاحق ہو گئی تھی تو پھر بوڑھے نے مجھ سے پوچھا ''بیٹی تم کہاں سے آئی ہو؟''

''جی میں رام پور کے کوٹھے سے آئی ہوں اور مجھے لکشمی بائی نے بھیجا ہے''

یہ سن کر وہ بوڑھا اپنی جگہ سے ایسے اچھلا جیسے اسے کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

''کیا بات ہے بابا آپ اتنے بیاکل کیوں ہو رہے ہیں؟''

''اوہ تو تمہارے ساتھ چھل ہوا ہے''

''چھل کیسا چھل بابا؟''

''ارے بیٹی وہ رام پور کے کوٹھے والی لکشمی بائی کبھی کبھار اس مندر کے پنڈتوں کو لڑکیاں بھیجتی ہے اور پھر یہ ان لڑکیوں کے ساتھ.....'' یہ کہتے ہوئے اس بوڑھے نے شرم سے اپنے سر کو جھکا لیا۔

یہ سن کر تو میرے شریر میں خون کی روانی رک چکی تھی..... ایسے لگ رہا تھا جیسے ابھی آتما میرا شریر تیاگ دے گی..... پھر ایک خیال میرے دماغ میں بجلی کی طرح کوندا کیوں نا اس بوڑھے سے کچھ مدد لی جائے..... اور پھر میں اس بوڑھے سے بولی۔ ''بابا اب تو آپ ہی ہیں

مجھے ان راکھشسوں کے چنگل سے چھڑا سکتے ہیں''

یہ سننے کے بعد وہ بوڑھا کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا'' میں تمہیں اس کمرے سے باہر نکال سکتا ہوں..... باقی آگے تم خود اپنی سہائتا کرنا..... کیونکہ اگر میں ان کی نظر میں آ گیا تو وہ مجھے جلا کر بھسم کردیں گے وہ بہت شکتی شالی ہیں.....'' اور پھر اس بوڑھے نے کمرے سے نکلنے میں میری مدد کی۔

مگر اس دن میری قسمت پھوٹ چکی تھی قسمت کی دیوی نے مجھ سے منہ پھیر لیا تھا میرے گھنگھرو کی چھن چھن سے انہیں میرے بھاگنے کی خبر ہوگئی تھی میں نے پھرتی سے اپنے گھنگھرو اتارے اور اپنے سینے سے لگا لیے بڑا دروازہ میرے سامنے ہی تھا میں بس بھاگنے ہی والی تھی کہ ان لوگوں نے مجھے گھیر لیا ان کی آنکھوں سے شیطانیت ٹپک رہی تھی میرے عین پیچھے دیوی ماں کا مجسمہ کھڑا تھا وہ گنتی میں تین تھے اب وہ میری طرف بڑھ رہے تھے۔

''دیکھو مجھے جانے دو میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے مجھے شما کردو جانے دو مجھے.....'' میں اپنی بے بسی پر رو رہی تھی..... لیکن وہ میری کوئی بھی منتی نہیں سن رہے تھے۔

میں پیچھے پیچھے ہٹ رہی تھی اور وہ میری طرف بڑھ رہے تھے میں دیوی ماں کے مجسمے سے جا لگی.....

''مجھے جانے دیں''

''آوش جانے دیں گے لیکن تب جب.....''

''نن..... ن..... نہیں میں ایسا کچھ نہیں کروں گی میں مرجاؤں گی۔'' اور پھر ایک پنڈت نے آگے بڑھ کر مجھ سے میرے گھنگھرو چھین لیے اور دوسرے نے میری کلائی پکڑلی میرے منہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔

''میرے گھنگھرو مجھے واپس دو'' مگر اس نے گھنگھرو کو زور سے فرش پر پھینک دیا تو گھنگھرو ٹوٹ کر ادھر ادھر بکھر گئے..... اور پھر ان تینوں نے مجھے آگے بڑھ کر پکڑلیا، میں نے بہت کوشش کی کہ ان کی گرفت سے نکل جاؤں لیکن سب کوششیں بے کار ثابت ہوئیں..... ان ظالموں نے میری ایک نہ سنی اور ایک گھناؤنا کھیل دیوی ماں کے سامنے کھیلا جاتا رہا۔ وہ تینوں راون بنے ہوئے تھے..... وہ اس سے درندے بنے ہوئے تھے ان کی آنکھوں اور سوچوں پر ہوس کی پٹی بندھ چکی تھی..... وہ بائولے کتوں کی طرح مجھے نوچ رہے تھے، ان لوگوں نے تو دیوی ماں کے پوتر استھان کو اپوتر کردیا تھا ان لوگوں نے باری باری مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا..... اور پھر ایک سے آیا جب آتما نے میرے شریر کا ساتھ چھوڑ دیا۔''

وہ اب ہوش میں آچکے تھے تو ایک نے آگے بڑھ کر میری نبض کو ٹٹولا تو گھبرا کر دوسرے دونوں کو دیکھنے لگا..... ''اس کی تو مرتیو ہوگئی۔''

''اچھا ہوا اگر جیوت رہتی تو ہمارے لیے مصیبت بن جاتی۔'' ان میں سے ایک نے کہا ''اب اس کا کیا کریں؟''

''کرنا کیا ہے مندر کے پیچھے گڑھا کھود کر دبا دیتے ہیں کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہوگی قصہ ہی ختم.....'' اور پھر ان کے شیطانی قہقہے پورے مندر میں گونجنے لگے۔

ان میں سے ایک نے میرے بے جان شریر کو اپنے کندھے پر لادلیا اور مندر سے باہر آ گیا اس سمے مندر میں کوئی نہیں تھا جو کہ ان کی یہ کارروائی دیکھتا پھر وہ میری لاش کو لیے مندر کے پچھواڑے آ گئے اور جھاڑیوں میں گڑھا کھود کر میرے شریر کو دبا دیا اور پھر وہاں سے چلے گئے۔ یہ ساری کارروائی میری آتما بڑے بے بسی سے دیکھتی رہی میں کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی کیونکہ میرے پاس شکتی نہیں تھی۔

میں وہیں بیٹھی رہی کاش ان درندوں نے میری چتا جلادی ہوتی تو میں پریوک سدھار جاتی پرنتو ان راکھشسوں نے مرنے کے بعد بھی میرے ساتھ ظلم کیا..... میں کچھ سمے وہاں اور بیٹھی رہی اور پھر چلتی ہوئی دیوی ماں کے مجسمے کے سامنے آ کر رک گئی اور اسے دیکھنے لگی اور بولی ''تو بھی تو ایک عورت ہے تو پھر ایک عورت کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کیوں ہونے دیا کیوں'' میری

آواز مندر میں گونجی..... ''تیرے سامنے ان لوگوں نے مجھے درندگی کا نشانہ بنایا اور تو کچھ نہ کرسکی تو کیوں ایک پتھر کا مجسمہ ہے اور کچھ نہیں..... آج میں برباد ہوئی کل کو کوئی اور تیرے سامنے یوں برباد ہوگی اور تو کچھ نہ کرسکے گی۔''

اور پھر اچانک پورے مندر کی گھنٹیاں بجنے لگیں، مندر کے اندر جیسے طوفان سا آ گیا تھا..... دیوی ماں کے مجسمے سے روشنی پھوٹنے لگی میں حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور پھر ایک مترنم دلکش آواز پورے مندر میں گونجی ''پتری ہم نے تیری بنتی سویکار کرلی ہے ان راکھشسوں نے جو کچھ تیرے ساتھ کیا بہت برا کیا ان کے پاپوں کا گھڑا بھر چکا ہے اور جب پاپوں کا گھڑا بھر جاتا ہے تو وہ پھوٹ جاتا ہے ان کا انت سے آچکا ہے ان کا انت تیرے ہاتھوں لکھا جاچکا ہے۔''

اور پھر مجسمے سے ایک شعلہ سا نکلا اور مجھ میں سما گیا اور پھر دیوی ماں کا ترشول ہوا میں اڑتا ہوا میرے ہاتھوں میں آ گیا..... میں حیرانگی سے ترشول کو دیکھنے لگی..... اور پھر دیوی ماں کی آواز بھری ''جاں اور جا کے ان پاپیوں کا سرو ناش کردے..... لے لے اپنا بدلہ'' اور پھر مجسمہ ساکت ہوگیا اور گھنٹیاں بجنا بھی بند ہوگئیں اور مندر میں پہلے جیسا سناٹا چھا گیا۔

وہ تینوں ایک ہی کمرے میں بے سدھ ہوکر پڑے تھے میں نے ایک کاٹتی سی نظر ان تینوں پر ڈالی اور آگے بڑھ کر ترشول کو ایک کے سینے میں گھونپ دیا اس کی چیخ بڑی دلدوز تھیں چیخ کی آواز سن کر وہ دونوں بھی اٹھ بیٹھے اپنے ساتھی کی یہ حالت دیکھ کر وہ دونوں سکتے میں آ گئے۔

''یہ کیا ہے؟'' ان میں سے ایک کی آواز ابھری۔

''تم سب کی موت'' اور پھر میں ظاہر ہوگئی تو وہ خوف سے کانپنے لگے ان کا پہلا ساتھی مر چکا تھا میں نے اس کے سینے سے ترشول نکالا اور باری باری ان دونوں کو بھی مار ڈالا۔ میں پھر سے دیوی ماں کے سامنے گئی حیرت انگیز طور پر ترشول پر خون کا نام و نشان تک نہیں تھا اور پھر ترشول خود بخود دیوی ماں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

صبح سب لوگ مندر میں پوجا کے لئے آئے تو تینوں پنڈتوں کی حالت دیکھ کر سکتے میں آ گئے ''رام رام'' کرتے کبھی مندر سے چلے گئے اور یہ مندر آہستہ آہستہ ویران ہوتا چلا گیا، سمے بیتتا رہا اور سمے کے ساتھ ساتھ کھنڈر کھنڈر بنتا گیا اور میری آتما یہیں بھٹکتی رہی کیونکہ ہندو دھرم کے مطابق میرا کریا کرم نہیں ہوا تھا۔

''اس سمے میں کئی لوگ یہاں آئے مگر وہ سب یہ دیکھ کر بھاگ جاتے تھے تم نے ہمت کی اور یہ طلسم ٹوٹ گیا۔''

میں اور مادھو کلاوتی کی کہانی سن کر بہت دکھی ہوئے اور پھر میں بولا ''اگر میرے لیے کوئی کام ہے تو بتاؤ''

''میری آتما کی شانتی کے لئے میرا کریا کرم بہت ضروری ہے تم اس کھنڈر کے پیچھے لگے نیم کے پیڑ کے نیچے دفن میرے شریر کو چتا کے حوالے کردو.....'' اور پھر میں اور مادھو جب باہر نکلے تو صبح ہوچکی تھی اور پھر ہم نے نیم کے پیڑ کے نیچے تھوڑی سی کھدائی کی تو ہمیں کچھ ہڈیاں ملیں اور پھر ہم نے انہیں لے کر ان کی چتا جلادی پھر کچھ سمے بعد کلاوتی کی آتما پھر سے نمودار ہوئی اب وہ پہلے سے زیادہ سندر دکھائی دے رہی تھی ''آپ دونوں کا بہت بہت دھنے واد اب میں چلتی ہوں میرا سمے پورا ہوگیا، یہ لیجئے یہ اپنی موسی کو کھلا دیجئے گا وہ ٹھیک ہوجائیگی۔''

میں نے حیرانگی سے کلاوتی کی طرف دیکھا لیکن تب تک وہ آکاش کی وسعتوں میں کہیں گم ہوچکی تھی۔

اس کے بعد ہم شکستہ قدموں کے ساتھ کھنڈر سے باہر آ گئے، دوپہر ہونے والی تھی بیل وہی کھڑے تھے اور بالکل ٹھیک تھے گاڑی پر سوار ہوکر اپنی موسی کے گھر گئے اور میں نے وہ سفوف اپنی بیمار موسی کو کھلایا تو وہ بالکل ٹھیک ہوگئی اور پھر ہم کچھ دنوں بعد واپس اپنے گھر آ گئے۔

اس واقعے کو کئی برس بیت گئے، آج بھی جب کبھی مجھے کلاوتی کی یاد آتی ہے تو اس کا حسین سراپا میری آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے اور میرے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکان بکھر جاتی ہے۔

انٹرویو

محمد شعیب۔فیصل آباد

اچانک خوبرو حسینہ کی شیریں آواز سنائی دی، میری بات مان لو ورنہ جس کرسی پر تم بیٹھے ہو اس پر سے زندگی بھر نہ اٹھ سکو گے اور تمہاری روح تمہارا ساتھ چھوڑ دے گی کیونکہ.....

رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی حیرت ناک، خوف ناک اور انوکھی کہانی

موسم نے سر شام سے ہی اپنے تیور بدل ڈالے تھے مگر اسے اس خراب موسم کی کہاں پروا تھی؟ عرصے بعد کہیں سے انٹرویو کال آئی تھی اور جاب کی بھی اسے اشد ضرورت تھی۔ تبھی اس خراب موسم کو خاطر میں نہ لایا اور بلیو جینز اور شرٹ پہن کر اس نے ہاتھ میں ایک فائل لی، جس میں ضروری ڈاکیومنٹس تھے۔ موبائل جینز میں ڈالا اور پھر گھر سے پیدل ہی انٹرویو دینے کے لئے نکل پڑا۔

آج شام جب وہ ٹیوشن پڑھا رہا تھا کہ اسے ایک کال آئی۔

''السلام علیکم مسٹر وقاص بات کر رہے ہیں آپ؟'' شیریں لہجہ گویا ہوا تھا۔ وہ چونکا۔ موبائل کان سے ہٹا کر نمبر دیکھا تو انجان نمبر تھا۔

''وعلیکم السلام۔ جی میں وقاص بول رہا ہوں۔'' اس نے غیر یقینی لہجے میں جواب دیا تھا۔

''کیسے ہیں آپ؟'' فون کرنے والے نے رسمی حال چال دریافت کی۔ وقاص نے بھی اچھنبے لہجے میں جواب دیا مگر پیشانی پر شکن تھی۔ وہ ابھی تک کال کرنے والے کو پہنچان نہ سکا تھا۔

''جی آپ کون؟'' بالآخر اس نے پوچھ ہی ڈالا۔

''جی میں میڈ کیئر ایم ایس او کمپنی سے بات کر رہا ہوں۔ آپ نے روزی ڈاٹ پی کے پر ہماری کمپنی میں اپلائے کیا تھا۔ آپ شارٹ لسٹ ہو چکے ہیں اسسٹنٹ

اے آر پوسٹ کے لئے۔ رات ساڑھے سات بجے آپ کا انٹرویو ہے۔'' یہ سن کر وقاص کے چہرے پر خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثر ابھرے۔ وہ مسکرایا مگر اگلے لمحے ہی اس کے چہرے پر حیرت کے بادل منڈلانے لگے تھے۔

''تھینک یو سر۔'' اس نے غیر یقینی لہجے میں کہا۔ اس نے سوچا کہ اس نے اس کمپنی میں تو اپلائے ہی نہیں کیا تھا پھر وہ شارٹ لسٹ کیسے کرلیا گیا؟ مگر لبوں سے کوئی سوال جاری نہ ہوا۔

''سر آپ کمپنی کا ایڈریس مجھے میسج کردیں۔ میں انشاء اللہ وقت پر پہنچ جاؤں گا۔'' دوسری طرف سے مثبت جواب دیا گیا اور یوں فون ڈسکنیکٹ کردیا گیا۔ میسج پر کمپنی کا ایڈریس تھا۔ وہ کافی حیران ہوا۔ لیپ ٹاپ آن کرکے روزی ڈاٹ پی کے پر اپنا اکاؤنٹ چیک کیا۔ اس نے ایسی کسی کمپنی میں اپلائے کیا ہی نہیں تھا۔ وہ کافی حیران ہوا مگر اس کی سی وی اس ویب سائٹ پر تھی۔

''شاید انہوں نے خود سے سرچ کی ہو اور اسے شارٹ لسٹ کرلیا ہو۔'' وہم کو بھی ٹھکانے لگانا ضروری تھا۔ اس نے خود سے گمان کیا اور انٹرویو کے لئے تیاری کرنے لگا۔

موسم خراب سے خراب تر ہوتا چلا گیا۔ پہلے پہل تو بادلوں کی گرج سنائی دیتی اور تیز ہوا کے جھونکے اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے بے تاب دیکھائی دے رہے تھے مگر اب ابر کرم نے بھی اپنی بانہیں کھول لی۔ ایک کے بعد ایک بوند زمین و آسمان کی مسافت رات کے اندھیرے میں طے کررہی تھیں۔ اس نے فائل کو سر پر کیا تاکہ بارش سے بچا جاسکے اور تیز قدموں کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ لوگوں کا کافی ہجوم سڑک پر تھا مگر ہر کوئی مصروف تھا۔ وہ بھی کسی کو خاطر میں لائے بغیر جلد سے جلد کمپنی پہنچنا چاہتا تھا۔

راوی مارکیٹ پہنچ کر اس نے ایک دو چکر گلی کے لگائے مگر اسے کہیں بھی ایسی کمپنی کا بورڈ نظر نہ آیا۔ ادھر بارش بھی تیز ہونے لگی تھی تو دوسری طرف کمپنی ملنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا تو اس نے شانے اچکا دیئے۔ وہ مزید حیرت کا شکار ہوا۔ دوسرے آدمی کے پاس گیا تو اس نے بھی شانے اچکا دیے۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ کمپنی تو یہیں ہونی چاہیے، اسی جگہ۔ پھر سب انجان کیوں ہیں؟'' اس نے سوچا۔ بارش کے سبب وہ مکمل طور پر بھیگ چکا تھا۔ چلتا ہوا وہ گلی میں کافی آگے کو نکل چکا تھا۔ روڈ کا شور کم سنائی دے رہا تھا۔ کچھ بلڈنگ تھیں مگر وہ سنسان دیکھائی دے رہی تھیں۔

''یہاں پر تو وہ کمپنی ہو نہیں سکتی۔ کتنا سناٹا ہے یہاں۔'' وہ سوچتے ہوئے پلٹا تبھی اس کی نظر ایک بوسیدہ سے بورڈ پر گئی۔ وہ چونکا۔ یہ اسی کمپنی کا بورڈ تھا۔ بوکھلاہٹ کے ساتھ وہ آگے بڑھا، ایک پرانا سا بلب ہوا کے سنگ لہرا رہا تھا جو اس کمپنی کے نام پر روشنی ڈالنے کی سعی کررہا تھا۔ وقاص نے گردن اٹھا کر بلڈنگ کا جائزہ لیا تو کافی پرانی بلڈنگ تھی۔ ایک لمحے تک وہ باہر کھڑا سوچتا رہا۔ بارش نے تیزی پکڑ لی۔ وہ اندر داخل ہوا۔ بلڈنگ نیم روشن تھی۔ مدھم سی نیلی روشنی میں وہ اندر داخل ہوا۔ ایک عجب سا سناٹا تھا جو سماعت سے ٹکرایا۔ باہر بارش اپنا غضب ڈھا رہی تھی۔ اس نے بالوں کو جھٹکا، کپڑوں کو جھاڑا، کچھ چھینٹے ادھر ادھر گرے۔ اندر کی جانب مڑا تو دائیں بائیں دو زینے نظر آئے اور سامنے ایک لمبی راہداری تھی۔

''اب کس طرف جاؤں؟'' ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے گہرا سانس لیا اور اس آہٹ کے قریب آنے کا منتظر رہا۔ وہاں ایک بوڑھا تھا۔ جو کمر تک تقریباً جھکا ہوا تھا۔

''وقاص ہوناں تم۔ چلو میرے ساتھ۔'' بوڑھے شخص نے تند لہجے میں کہا تو وہ بری طرح چونکا۔ تھوک نگلتے ہوئے وہ اس کے پیچھے چل دیا۔ راہداری میں کافی اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ قدم چلنے کے بعد سفید روشنی دیکھائی دی اور کافی چہل قدمی بھی سنائی دی۔ وہ چونکا۔ ابھی تک ٹڈیوں کی آواز گونج رہی تھی اور برجستہ لوگوں کی چہل پہل؟ وہ خاصا حیران ہوا تھا۔

''کتنی عجیب و غریب جگہ ہے۔'' اس نے سوچا تھا۔

''نئے ہو ابھی، دھیرے دھیرے عادت ہوجائے

گی۔'' بوڑھے نے اس کے دل کی آواز سن لی تھی۔ سپاٹ نگاہوں سے وقاص نے بوڑھے کو گھورا۔

''وہاں جاکر بیٹھ جاؤ۔ میڈم آنے والی ہے۔'' اس نے دائیں جانب رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اس طرف چل دیا۔ دو قدم چلنے کے بعد وہ پلٹا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ تقریباً گرتے گرتے بچا تھا۔ بوڑھا ہوا میں جیسے تحلیل ہوگیا۔ دور دور تک اس کا نام ونشان تک نہ تھا۔ وہ تھوک نگلتے ہوئے پلٹا تو دوسرا جھٹکا لگا۔ تمام لوگ غائب ہوچکے تھے۔ ہر شے اپنی جگہ پر ساکت تھی مگر کوئی وہاں موجود نہ تھا۔ وقاص کے لئے سانس لینا بھی محال ہوگیا۔ پہلے بوڑھا اور اب پورا سٹاف غائب ہوچکا تھا۔ دل نے چاہا کہ واپسی کی راہ لے مگر اتنے عرصے بعد انٹرویو کی آئی کال..... وہ یہ موقع کیسے جانے دے سکتا تھا؟ شش وپنج میں کھڑا سوچتا رہا۔

''کیا ہوا، کیا سوچ رہے ہو؟'' اسی بوڑھے کی آواز گونجی۔ وہ حیرت سے پلٹا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس تھا۔ خوف کے سبب اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''تت تم..... یہاں؟'' وہ ہکلایا۔ اس بوڑھے کی مسکراہٹ میں عجیب کاٹ تھی۔ آنکھیں برسوں کی غشی کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھیں۔ گھنی بھنویں پلکوں تک جھکی ہوئی تھیں۔

''پانی لینے گیا تھا تمہارے لئے۔ یہ لو اور آرام سے بیٹھ کر انتظار کرو۔'' وقاص نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ گلاس لیا۔ بیٹھنے کے لئے کرسیوں کی طرف بڑھا۔ پانی کا گھونٹ بھرنے لگا تو ایک بار پھر پورا سٹاف اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ پانی اندر جانے کی بجائے باہر آگیا۔ پانی کی پچکاری دور جاکر گری۔ سب کی سپاٹ نگاہیں وقاص کی جانب اٹھیں۔ ایک وحشت تھی ان آنکھوں میں۔ وہ اپنی ذات میں سمٹ چکا تھا۔ کافی دیر کے بعد اسے ایک کیبن کی طرف لے جایا گیا جہاں اس کا انٹرویو ہونا تھا۔

کیبن میں داخل ہوا تو مدہم سرخ روشنی نے اس کا استقبال کیا۔ سیاہ دیواریں سرخ روشنی میں ایسے نہائے ہوئے تھیں جیسے خون بہا دیا گیا ہو۔ وہ حیرت میں مبتلا تھا۔

''کیا میں اندر آسکتا ہوں؟'' وہاں تیس سے پینتیس سالہ ایک عورت تھی۔ رولنگ چیئر پر بیٹھی، اس کی نگاہیں اپنے سامنے موجود فائل پر مرکوز تھیں۔

''آؤ، بیٹھو وقاص۔'' آواز میں عجب سرور تھا۔ گہرا سانس لیتے ہوئے وہ عین سامنے رکھی چیئر پر براجمان ہوا۔ بیٹھنے پر اسے ایسا لگا جیسے وہ کسی نرم وگداز بستر پر بیٹھا ہوا۔ احساس اتنا دلکش اور فرحت بخش تھا کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھول چکا تھا کہ وہ یہاں انٹرویو دینے آیا ہے۔

''میرا نام جہاں آرا ہے۔ یہاں کی ایچ آر ڈپارٹمنٹ کی مینیجر ہوں۔ آپ اپنے بارے میں کچھ بتایئے۔'' اس نے دونوں کہنیوں کو کھڑا کرتے ہوئے اپنی ٹھوڑی جمالی۔

''میرا نام وقاص ہے۔ اسی سال گورنمنٹ کالج سے بی اے کا امتحان اسی فیصد نمبروں سے پاس کیا ہے۔ پڑھائی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی جاب نہیں کی اس لئے کوئی تجربہ بھی نہیں ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''آپ نے کہا کہ آپ کو کوئی تجربہ نہیں ہے تو آپ ہماری کمپنی میں اپنی پوزیشن کیسے مستحکم کرسکیں گے؟ یہاں جو بھی آتا ہے، اسے نئے کلائنٹ بنانے ہوتے ہیں۔ انہیں کمپنی کا وزٹ کروانا ہوتا ہے تاکہ یہاں کے آفیسرز کو خوراک مل سکے۔ آپ یہ کام کیسے کریں گے؟'' لفظ خوراک پر وہ چونکا۔ حیرت سے جہاں آرا کی طرف دیکھا۔ پھر ریوینیو کو خوراک سمجھ کر بات کو اگنار کرنا چاہا۔

''جی آپ نے بجا فرمایا لیکن میرا نہیں خیال یہاں آپ کو کسی تجربہ کار آدمی کی ضرورت ہے۔'' اس سوال پر اس کی پیشانی پر شکن نمودار ہوئے۔ وقاص سمجھ گیا اس لئے اپنی بات مکمل کی۔

''دیکھیے، کوئی بھی تجربہ کار کو اپنے تجربے پر گھمنڈ ہوسکتا ہے۔ وہ اگر کسی پوسٹ پر جاتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات لازمی ہوتی ہے کہ اس کے پاس تجربہ ہے۔ جس کی ضرورت اس کمپنی کو ہے، لہٰذا وہ اپنی من مانی کرسکتا ہے لیکن جب بھی کوئی نیا بندہ جس کے پاس کوئی تجربہ نہ ہو، کسی پوسٹ پر ہائیر کیا جاتا ہے تو اسے اپنی پوزیشن مستحکم بنانی پڑتی ہے۔ اسے کمپنی کو یقین دلانا پڑتا ہے کہ وہ اپنی جاب کے بارے میں کتنا سنجیدہ ہے۔ اس لئے وہ محنت سے کام کرتا

ہے اور کمپنی کو اس کی محنت کا فائدہ پہنچتا ہے۔'' اس نے خود اعتمادی سے جواب دیا تھا۔ جہاں آرا اس نظریے پر کافی حیران ہوئی۔ آنکھوں میں ایک کشش نے جنم لیا۔ جسے وہ اپنی تعریف سمجھا تھا مگر اگلے پل کی کسے خبر تھی؟

''بہت خوب مسٹر وقاص۔ آپ کی بات پر میں خاصی حیران ہوئی۔ یعنی آپ ہماری کمپنی کو کافی کسٹمر لا کر دے سکتے ہیں۔''

''میں یقین سے نہیں کہتا لیکن اپنی پوری کوشش کروں گا۔'' اس بار ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ پوسٹ اسی کے لئے بنی ہے۔

''اچھا یہ بتایئے کہ آپ کو یہ جاب کیوں چاہیے؟'' نیا سوال پوچھا گیا تھا

''مجھے جاب کی اشد ضرورت ہے۔ پچھلے پانچ ماہ سے جاب تلاش کر رہا ہوں مگر سب بے سود رہا۔ آج آپ کی طرف سے کال آئی تو بس اس لئے انٹرویو کے لئے چلا آیا۔'' اس نے اس بار بھی صاف گوئی سے کام لیا تھا۔ جہاں آرا نے اپنے سامنے رکھی فائل کو بند کیا اور سائیڈ کی طرف رکھی الماری کی طرف گھومی۔ وقاص کی نگاہیں جہاں آرا کے عقب میں گئیں تو ایک جھٹکا لگا۔ وہاں دیوار میں ایک کھوپڑی تھی۔ جس کی آنکھوں کے گڑھے سرخ نظر آ رہے تھے۔ وہ دہم سا چیخا۔

''آر یو اوکے؟'' جہاں آرا ایک دم پلٹی۔

''وہ..... کھوپڑی؟'' اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے پیچھے اشارہ کیا۔

''یہ کھوپڑی..... ! یہ تو ہماری کمپنی کا موٹو گرام ہے۔ جو آپ کو کمپنی میں ہر جگہ نظر آئے گا بلکہ اگر آپ کو ہائیر کر لیا جاتا ہے تو جو بیج آپ کو دیا جائے گا اس پر بھی یہی موٹو گرام بنا ہوگا۔'' اس کے لہجے میں شیریں کا ایک جہاں آباد تھا۔ کہتے ہیں ناں حد سے زیادہ گڑ بھی زہر بن جاتا ہے۔ وقاص کو بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں کچھ بے ترتیب سی ہونے لگی تھیں۔ اس نے کرسی کے بازو مضبوطی سے پکڑ لئے۔ جانے کیوں اب اس کا دل نیچے بیٹھتا ہی جا رہا تھا۔ سرخ روشنی میں اس سرخ بوندیں دیکھائی دیں۔ وہ ان بوندوں کو اپنے چہرے پر گرتا محسوس کر سکتا تھا مگر خاموش رہا۔

''آپ سیلری کتنی لینا چاہیں گے؟''

''تقریباً پندرہ سے بیس ہزار۔'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔

''بہت خوب۔ مناسب پیکج ہے۔ ویسے آپ تو جانتے ہونگے کہ ہمیں نائٹ اسٹاف چاہیے۔'' اس جملے پر وہ خاصا حیران ہوا۔ آنکھیں ایک لمحے کے لئے پھیل گئیں۔

''ٹائمنگ؟'' وہ مختصر یہی کہہ پایا تھا۔

''رات آٹھ سے صبح چار بجے تک۔'' وہ بغور وقاص کو گھور رہی تھی۔ لبوں پر ایک ذو معنی مسکراہٹ تھی۔ جسے فی الحال وقاص سمجھنے سے قاصر تھا۔

''جاب کی ڈسکرپشن بتا سکتی ہیں آپ؟'' وقاص نے بمشکل پوچھا تھا۔

''جی بالکل۔ شروع میں آپ کو مارکیٹنگ میں رکھا جائے گا۔ جس میں آپ کو باہر سے اٹھارہ سے بیس سال کے لڑکوں کو آفس میں بھیجنا ہے۔ اگر آپ یہ جاب اچھے سے کر لیتے ہیں تو آپ کو آفس کے اندر کا کام دیا جائے گا۔ جس میں آپ کو کچھ پیکٹس بنانے ہیں اور انہیں لاکر روم میں بحفاظت رکھنے ہیں۔ اگر اس جاب میں آپ ہمارے آفیسرز کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گئے تو آپ کو اسٹاف کے سینئر ممبرز میں شامل کر لیا جائے تب آپ اپنی مرضی کے شکار خود ڈھونڈ سکتے ہیں۔'' اس نے اچھے سے تفصیل بتا دی تھی۔ وقاص اپنی کرسی پر ہکا بکا رہ گیا۔ بظاہر میڈیسن کی نظر آنے والی کمپنی میں جانے کون سا کام ہو رہا تھا۔ اسے کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی۔ پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلی اور وہاں سے کھسکنے میں فوقیت جانی۔

''سوری میڈم۔ میرا نہیں خیال میں اس جاب کے لئے بہتر ہوں۔'' اس نے اٹھنا چاہا مگر اٹھ نہیں پایا۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ اس کرسی پر چپک گیا ہو۔ بازو ہلانے چاہے مگر وہ بھی اپنی جگہ پر ایستادہ تھے۔ اس نے حیرت سے جہاں آرا کی طرف دیکھا تو اس کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

''یہاں سے اٹھنے کے لئے تمہیں اس انٹرویو میں نہ صرف پاس ہونا ہوگا بلکہ جاب کے کنٹریکٹ پیپر پر سائن

بھی کرنے ہونگے ورنہ۔" اس نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ جو کہ ایک گہری ضرب تھی۔ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے وقاص نے استفسار کیا۔

"ورنہ..... کیا؟"

"ورنہ اس کرسی سے زندگی بھر اٹھ نہیں سکو گے۔" آنکھوں میں تمکنت تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازے کے بائیں جانب رکھے کولر سے پانی کا گلاس بھرا۔ وقاص نے نظریں گھما کر دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ پانی نہیں بلکہ خون تھا۔ جو کانچ کے گلاس میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کی اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں۔ نظریں جھکیں تو دوسری ضرب لگی۔ جہاں آرا کے پاؤں الٹے تھے۔ وقاص کے لئے اگلا سانس لینا بھی دشوار ہوگیا۔ خوف کے پسینے سے وہ بری طرح شرابور ہو چکا تھا۔ کلیجہ حلق تک آ گیا۔

"کون ہو تم؟ مجھے چھوڑ دو..... خدا کے لئے۔" آنکھوں میں آنسوؤں نے ڈیرہ جمالیا۔ وہ بلک بلک کر اپنی زندگی کی بھیک مانگتا رہا مگر اسے رحم نہ آیا۔ شیطانی مسکراہٹ ابھری اور وہ دھیرے دھیرے اس کے قریب آنے لگی تھی۔ وقاص کو تو جیسے سانس لینا بھی دشوار ہوگیا۔ وہ اپنے جسم کو اس کرسی سے آزاد کروانے کی بھرپور کوشش کرتا رہا مگر سب بے سود رہا۔

"کوشش بے کار ہے وقاص۔ یہاں انٹرویو کے لوگ آتے تو ہیں مگر واپس نہیں جاتے۔" اس بار اس کی آنکھوں میں وحشت کا سماں تھا۔ سرخ بوندیں آنسوؤں کی طرح بہنے لگیں۔ وقاص کو اپنی چہرے پر بھی کسی سیال مادے کا احساس ہوا۔ وہ سیال مادہ بہتا ہوا ہونٹوں پر گرا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، وہ خون تھا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو چھت پر خون کی ایک لکیر تھی جو اس کے سر پر قطرہ قطرہ گر رہا تھا۔

"کوئی ہے؟ مجھے بچاؤ۔" وہ چلایا مگر جواب میں سوائے قہقہوں کے کچھ سنائی نہ دیا۔ تبھی دروازہ کھلا اور کئی لوگ اندر داخل ہوئے۔ سب کی آنکھوں میں خون بہہ رہا تھا۔ ناخن خوفناک حد تک بڑھے ہوئے تھے۔ کھال جلی ہوئی، جیسے تیزاب میں جھلسا دی گئی ہو۔

"نہیں..... مجھے چھوڑ دو۔" سب اس کو نوچنے کے لئے آگے بڑھے مگر اس کی شنوائی نہ ہوئی اور سب نے اسے بری طرح دبوچ ڈالا۔

☆.....☆.....☆

رات کے بارہ بج چکے تھے۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ ایسے میں کاشف کی بائیک کا ٹائر پنکچر ہوگیا۔ وہ غصے میں بائیک سے اترا اور ہلمٹ اتار کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"اوشٹ، اسے بھی یہیں خراب ہونا تھا۔ بھلا اس سنسان علاقے میں کون جاگ رہا ہوگا؟ کس سے مدد طلب کروں۔" وہ غصے میں بڑبڑایا۔ تبھی اسے اپنے شانوں پر ایک ہاتھ کا احساس ہوا۔ وہ برجستہ پلٹا تو وہاں ایک نوجوان تھا۔ بلیو جینز اور چمکدار شرٹ پہنے ہوئے۔

"آپ کو کسی مدد کی ضرورت ہے؟" اس اجنبی نے شیریں لہجے میں استفسار کیا۔

"جی، میں انٹرویو دینے آیا تھا کسی میڈ کیئر کمپنی میں مگر لگتا ہے وقت پر نہیں پہنچ سکوں گا۔ میری بائیک کا ٹائر پنکچر ہو چکا ہے۔" اس نے ایک بار پھر حقارت بھری نگاہوں سے ٹائر کو دیکھا تھا۔

"یعنی آپ کاشف ہیں۔ میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔ انٹرویو کیلئے۔ آیئے میرے ساتھ۔ مجھے وہاں جانے کا شارٹ کٹ معلوم ہے۔" کاشف کو یہ سن کر کافی خوشی ہوئی۔ اس اندھیری رات میں اسے کوئی تو ملا جو اسے منزل مقصود تک پہنچا دے۔ اس نے بائیک کو سائیڈ میں کھڑا کر کے لاک کیا اور اس اجنبی کے پیچھے چل دیا۔

"ویسے آپ کا نام کیا ہے؟" کاشف نے ایک ظلمت بھری بلڈنگ میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میرا نام وقاص ہے۔" ایک پراسرار لہجہ گویا ہوا۔ کاشف آگے بڑھ گیا مگر وقاص پلٹ کر مسکرایا تھا۔ آنکھوں سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ کمپنی کے لئے پہلا شکار وہ ڈھونڈ چکا تھا جبکہ کاشف اپنے ہونے والے انجام سے بے خبر انٹرویو کے لئے جہاں آرا کے کیبن میں داخل ہوگیا۔

تاتونی

عمران قریشی۔کوئٹہ

پانچواں حصہ

رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور حیرت انگیز تحیر انگیز وحشت ناک، دھشت ناک اور خوفناک وادی میں اٹکھیلیاں کرتی اور ساتھ ھی دھشت پھیلاتی عجیب و غریب ناقابل یقین و ناقابل برداشت دل پر سکتہ طاری کرتی رائٹر کے زور قلم کی انوکھی و انھونی کھانی

خراماں خراماں.....دل ودماغ کوخوف وہراس کے شکنجے میں جکڑتی.....شاہکار کہانی

''**نیولوں** کی یہ کیفیت تعجب خیز ہے۔آپ کے پاس کچھ ایسا مواد تو نہیں پایا جاتا۔جس کا تعلق کسی بھی لحاظ سے سانپوں سے تعلق رکھتا ہوں؟''

نینی کے چہرے پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی اور وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''بات کچھ ایسی ہی ہے اور میں اسی کے متعلق بات چیت کرنے تمہارے فارم ہاؤس پر آیا ہوں'' اتنی دیر میں وہ نیولوں کے پنجروں کو عبور کر کے لکڑی کے برآمدے میں قدم رکھ چکے تھے۔موکاری نے برآمدے میں بنے ہوئے دروازے کو کھولا اور نینی کو اندر آنے کے لئے کہا۔نینی نے کمرے میں قدم رکھ دیا کمرہ چار کرسیوں اور میز کے علاوہ ہر قسم کے سامان سے مستثنیٰ تھا۔آتش دان میں آگ سلگ رہی تھی موکاری نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے نینی کو سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔نینی خاموشی کے ساتھ بیٹھ گیا۔

شدی اور میلان کی روحیں کرسیوں کے گرد کھڑی ہوگئیں،موکاری انہیں دیکھنے سے قاصر تھا لیکن دونوں روحیں اسے بہ خوبی دیکھ رہی تھیں۔چند لمحے خاموش رہنے کے بعد نینی بولا۔

مجھے ایک ایسے روپ بدلنے والے سانپ کی تلاش ہے جس کا نام سیزان ہے اور وہ وادی تاتونیا میں رہائش پذیر ہے۔'' موکاری نے پوچھا۔

''بات آگے بڑھانے سے پہلے مجھے اس وجہ کے متعلق بتایئے جس کی بدولت نیولوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا۔''

نینی نے جواب دیا۔''میرے جسم میں روپ بدلنے والی ناگن کا منکا موجود ہے میرے خیال میں یہی منکا ان نیولوں کی بے چینی کا باعث بنا ہے۔'' موکاری کے چہرے پر حیرت بھرے تاثرات نمودار ہوئے اور وہ بات درمیان میں کاٹتے ہوئے بولا۔

''ناممکن..... میں نہیں مان سکتا۔کوئی بھی سانپ اپنا منکا کسی دوسرے سانپ کو دینے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔انسانوں کو دینا تو دور کی بات ہے ہاں دھوکے سے ہتھیا لینا ضرور ممکن ہے'' نینی اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''جس ناگن کا منکا میرے جسم میں موجود ہے وہ مر چکی ہے اس کی موت کا ذمہ دار اس کا ناگ ہے جس کا نام سیزان ہے سیزان نے اپنی ناگن سے بے وفائی کرتے ہوئے ایک ایسی تاتونی لڑکی سے شادی کر لی جو شاہ رخ کی منظور نظر تھی،شاہ رخ نے سیزان کو نہ صرف

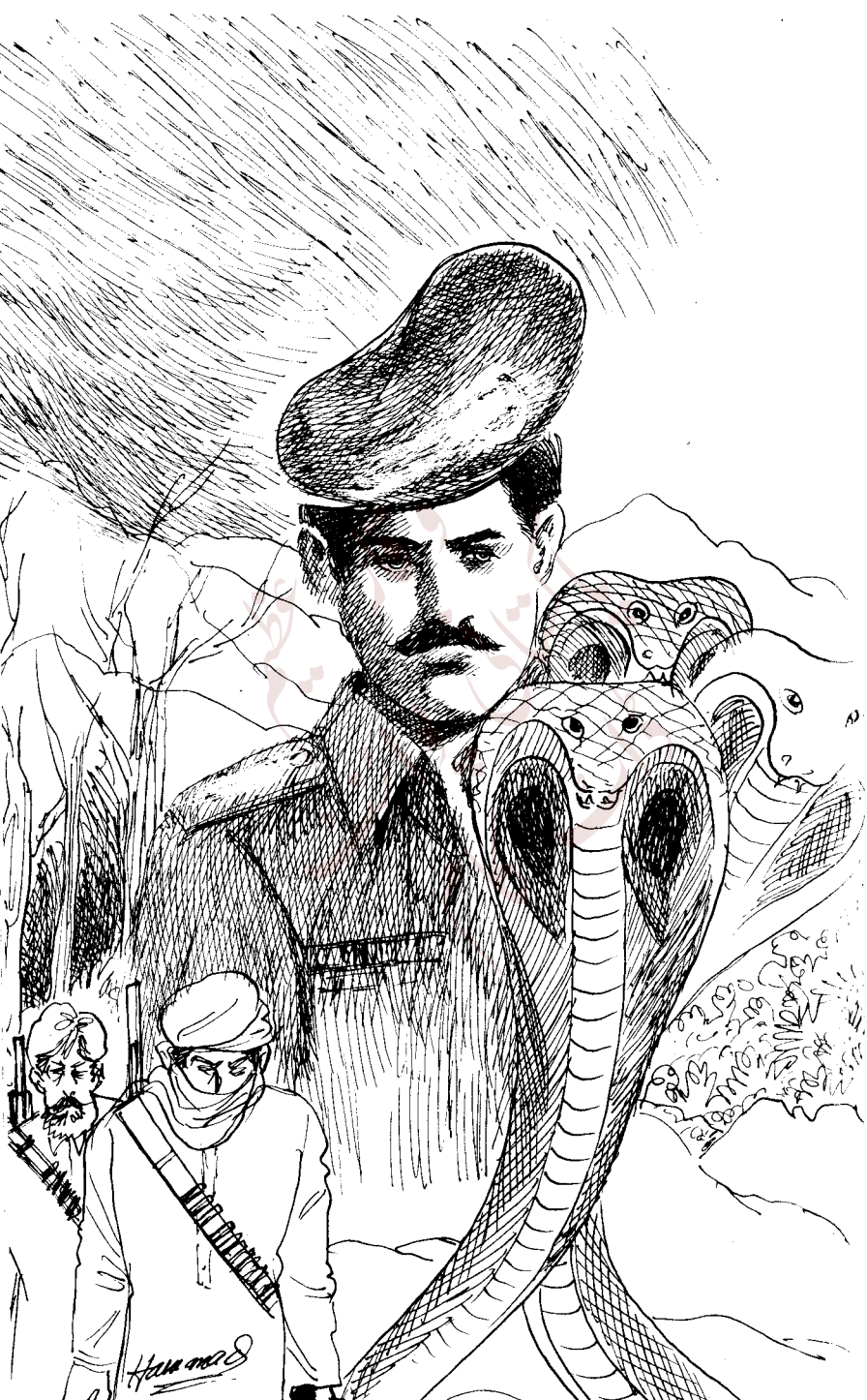

وادی کی شہریت دی بلکہ اس کی حفاظت پر اپنی پیروکار روحوں کو بھی تعینات کردیا۔''

اس دفعہ موکاری کے چہرے پر گھبراہٹ کے تاثرات ابھرے اور وہ پریشان لہجے میں بولا۔

''اگر بات ایسی ہی ہے جیسا کہ تم بتارہے ہو تو پھر مجھ سے کچھ اچھی امید نہ رکھنا شاہ رخ سے ٹاکرا میرے اختیار سے باہر ہے۔'' نینی انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''شاہ رخ سے چھیڑ خانی بھلا کہاں کی عقلمندی ہے مجھے صرف سیزان ناگ درکار ہے وہ منظر عام سے غائب ہوچکا ہے میں تمہیں منہ مانگا معاوضہ دوں گا اگر تم مجھے اس کے ٹھکانے کے متعلق معلوم کرکے بتادو۔''

موکاری سوچ میں پڑ گیا کام کچھ آسان نہیں تھا وہ اندازہ لگانے میں مصروف تھا کہ اسے کام کی تکمیل کے بعد کتنے معاوضے کا معاہدہ کرنا چاہئے نینی اس کی دماغی کشمکش کے متعلق اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔

''منہ پھاڑ کر معاوضہ مانگو تمہارا واسطہ کسی عام انسان سے نہیں پڑا ہے بلکہ میں مستقبل کا ہونے والا شاہ رخ ہوں اگر چہرے پر لگی ہوئی سفیدی کو اتار دوں تو تم مجھے بہ خوبی پہچان سکتے ہو کہ میں کون ہوں؟''

موکاری نے حیرت بھری نگاہوں سے نینی کی طرف دیکھا اس کی نگاہیں نینی کے چہرے پر جم کر رہ گئیں وہ بکنت چلایا۔

''کوکو ربی..... مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ میرے گھر میں تشریف فرما ہیں میرے لیے یہ کسی اعزاز سے کم بات نہیں ہے کہیے میں آپ کی کیا خدمت کروں۔'' نینی نے مسکراتے ہوئے بولا۔

''مجھے سیزان ناگ کی جائے پوشیدہ کے متعلق معلومات درکار ہیں وہ اس وقت کہاں ہے اور اس کے ساتھ کون موجود ہے یہ یاد رکھنا کہ میرے پاس وقت نہایت محدود ہے'' موکاری بولا۔

''میں ایسا کرسکتا ہوں لیکن اس کے لئے مجھے سیزان کے وجود پر پہنے ہوئے کپڑے یا پھر استعمال شدہ جوتوں کی ضرورت ہوگی کیا اس سے تعلق رکھنے والا ایسا کچھ سامان مجھے مل سکتا ہے'' نینی نے کہا۔

''تم اس سامان کا کیا کروگے کیا تمہارے پاس تربیت یافتہ کتے موجود ہیں جو کپڑوں کی خوشبو سونگھ کر راستے کی نشاندہی کرسکتے ہیں''

موکاری نے انکار میں سر ہلایا اور بولا۔

''میرے پاس تربیت یافتہ کتے تو نہیں ہیں۔ ہاں سدھائے ہوئے نیولے ضرور ہیں وہ کسی سدھائے ہوئے کتے کی طرح سونگھ کر سانپ کو تلاش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن شرط اتنی ہے کہ انہیں سانپ کی کھال کی خوشبو دستیاب ہوسکے''

نینی نے اپنے دائیں بائیں کھڑی ہوئی شدی اور میلان کی روحوں سے مخاطب ہوکر پوچھا۔

''گابا چوک کے قریب واقع اس کی رہائش گاہ سے کپڑوں یا پھر جوتوں کا جوڑا دستیاب ہوسکتا ہے کیا تم دونوں نے تلاشی کے دوران وہاں کچھ ایسی اشیاء کو موجود پایا تھا'' دونوں روحوں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں..... گھر ہر قسم کے سامان سے مکمل طور پر خالی تھا وہاں فرنیچر تک موجود نہیں تھا'' نینی نے موکاری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایسا کوئی بھی سامان وہاں موجود نہیں ہے جس میں اس کے جسم کی خوشبو پائی جاتی ہو لیکن میرے خیال کے مطابق وہ جس گھر میں مہینہ بھر قیام کرچکا ہے اس گھر کی آب وہوا میں اس کے جسم کی خوشبو رچ بس گئی ہوگی اگر تمہارے نیولوں کو اس گھر تک لے جایا جاسکے تو شاید کام بن جائے۔''

موکاری نے اس کی بات کو یکسر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپ نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کس سے بات چیت کی ہے کمرے میں تو کوئی موجود نہیں ہے یقیناً آپ کے ساتھ کچھ طاقتیں ہیں شاید آپ کے دائیں بائیں کھڑی ہیں۔'' نینی بولا۔

''تم ایک جہاندیدہ اور سمجھدار تاتونی ہو تمہیں یہ

خوبی اندازہ لگالینا چاہئے تھا کہ اگر میں شاہ رخ کی اولاد ہوں تو اس کی چند مخفی طاقتیں میری حفاظت کے لئے ہمراہ موجود ہوسکتی ہیں یہ ان میں سے چند ہیں لیکن تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ان طاقتوں کے ہوتے ہوئے موجودہ شاہ یعنی نیتا بدھ میرے علاوہ تمہارا بھی کچھ بگاڑ نہیں سکتا اس لیے مکمل اعتماد کے ساتھ میرا ساتھ دینے کی کوشش کرو۔ اور مجھے بتاؤ کہ سیزان کی تلاش کے سلسلے میں ہمارا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے''۔

موکاری اس دفعہ مطمئن لہجے میں بولا۔

''نیولوں کو صرف اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اس بو کی ضرورت ہے جس کی تلاش میں انہیں آگے بڑھنا ہے اب اگر آپ کے کہنے کے مطابق وہ بواس گھر میں موجود ہے جہاں ناگ ایک مہینہ انسانی صورت میں مقیم رہا ہے تو پھر یقیناً نیولے اس بو کا پیچھا کرتے ہوئے ناگ کی جائے پوشیدہ کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے آپ مجھے اس گھر کے محل وقوع کے متعلق معلومات مہیا کردیجئے باقی کا کام نیولے سنبھال لیں گے''۔

نینی نے اسے گابا چوک کے پاس بنے ہوئے نیولوں کی شکل سے مزید درازے والے گھر کے متعلق بتادیا موکاری سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولا۔

''وہ گھر گزشتہ سال تک میرا بھی تھا نیولوں کی شکلیں میں نے بنائی تھیں پچھلے سال میں نے گھر کو فروخت کردیا تھا آپ بے فکر ہوجائیے میں اپنے نیولوں کے ہمراہ مکان کی طرف جاتا ہوں آپ یہیں میرا انتظار کیجئے۔ مجھے واپس آنے میں کچھ دیر ہوسکتی ہے اگر آپ آج کی رات میرے غریب خانے میں بسر کریں تو میں اپنے آپ کو وادی کا خوش نصیب انسان سمجھوں گا''۔

نینی نے اثبات میں سر ہلایا ور موکاری اٹھ کر اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا، تھوڑی دیر بعد جب اس کی واپسی ہوئی تو اس کے ساتھ ایک سیاہ فام عورت ہاتھوں میں کھانے کے لوازمات سے بھری ٹرے اٹھائے چلی آرہی تھی اس نے ٹرے کو میز پر رکھ دیا اور ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔

موکاری بولا ''یہ میری ملازمہ میراتھن ہے اگر آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو اسے بتادیجئے گا یہ حاضر خدمت کردے گی میں اب چلتا ہوں اگر مجھے واپس آنے میں دیر ہوگئی تو آپ کھانا کھا کر سوجائیے گا صبح آپ سے ملاقات ہوگی'' نینی نے سر اثبات میں ہلایا اور موکاری کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

انگشتری کی عمارت سے ناکام و نامراد نکلنے کے بعد سامبا نے ڈوگی سیکشن کی عمارت کا رخ کیا جہاں ایک کمرے میں سونی قید تھی اس کی حالت نہایت ناگفتہ تھی چہرہ صدیوں پرانی بیماریوں سے بھری صورت سے مشابہ لگتا تھا آنکھوں کے قریب سیاہ رنگ کا نشان تھا ہونٹ پھٹے ہوئے تھے جس پر خون کی پھٹکیاں جمی ہوئی تھیں ہاتھوں کے سنہرے ناخنوں کو جڑ سے علیحدہ کردیا گیا تھا سنہرے ناخنوں کے نکل جانے کی بدولت وہ شدی اور میلان سے رابطہ قائم کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اس کے لئے نیم برہنہ جسم پر کوڑوں کے لاتعداد نشانات نمایاں تھے۔ وہ ڈوگ کی زمین پر بے سدھ پڑی تھی سامبا نے کمرے میں داخل ہونے کے فوراً بعد ایک طرف کھڑے ڈوگی کے ہاتھوں سے کوڑا چھینا اور بے تحاشا انداز میں سونی کے جسم پر برسانا شروع کردیا سونی کا جسم پانی سے باہر نکلنے والی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا اور وہ چلاتے ہوئے بولی۔

''مجھے مت مارو، میں نے تمہیں اس جگہ سے مطلع کردیا تھا جہاں میں اسے چھوڑ کر آئی تھی''

سامبا غصے کے مارے چلاتے ہوئے بولا ''لیکن وہ وہاں نہیں ہے ہم نے انگشتری کے کمروں کا کونا کونا چھان مارا ہے وہاں لاوارث بوڑھوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا'' سونی تڑپتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''میں جھوٹ نہیں بول رہی اسے وہیں ہونا چاہئے انگشتری کے بوڑھوں نے یقیناً اسے کہیں چھپادیا ہوگا اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو مجھے وہاں لے چلو میں چوکا سے معلوم کرکے تمہیں اس کے متعلق بتاؤں گی لیکن

شنگریلا کے لئے اس کوڑے کو یہاں سے ہٹالو۔ میرا جسم ادھڑ کر قیمہ بن چکا ہے۔''

سامبا نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کوڑے کو دور پھینک دیا پھر کمرے سے باہر کھڑے ڈوگیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے تلخ لہجے میں بولا۔

''اس کی حالت کو اس قابل بناؤ کہ یہ اپنے پاؤں پر چل کر باہر جانے کے قابل ہو سکے ہمیں جلد از جلد انگشتری کا رخ کرنا ہوگا کہیں وہ عمارت سے باہر کہیں منتقل نہ ہو جائے۔''

ڈوگیوں نے اندر داخل ہونے کے بعد سونی کو دونوں بازو سے پکڑ کر گھسیٹا اور ساتھ والے کمرے کی طرف لے گئے جہاں پر اس کے زخموں کو صاف کرنے کے بعد ان کی مرہم پٹی کی گئی اسے کھانے پینے کا سامان مہیا کیا گیا اور پہننے کے لئے مناسب لباس دیا گیا سونی کی جان میں جان آئی پھر اسے گھوڑے پر بٹھا کر انگشتری کی عمارت میں لے جایا گیا انگشتری کی عمارت سے کچھ پہلے اسے گھوڑے سے نیچے اتار دیا گیا سامبا بھی نیچے اتر آیا اس نے ڈوگیوں کو وہیں کھڑے ہو کر انتظار کرنے کا حکم دیا پھر سونی کو ساتھ لے کر پیدل ہی عمارت کی طرف چلا آیا عمارت کے قریب پہنچنے کے بعد سونی نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے چوکا کی آواز سنائی دی۔

''باہر کون ہے؟''

سونی نے اپنا نام دوہرایا دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھل گیا اور چوکا کی ہراساں صورت دکھائی دی۔ دروازہ کھلنے سے پہلے ہی سامبا دروازے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا چوکا چھوٹتے ہی بولا۔

''کوکینہ سونی..... میں آپ کا ہی منتظر تھا کوکو ربی عمارت کو چھوڑ کر وادی کی طرف جا چکے ہیں۔ ڈوگیوں نے انہیں عمارت میں تلاش کرنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔''

سونی نے پریشان نگاہوں سے دیوار کے پیچھے پوشیدہ سامبا کی طرف دیکھتے ہوئے چوکا سے پوچھا۔

''کیا انہوں نے تمہیں کچھ بتایا کہ وہ وادی میں کہاں جانے کا ارادہ رکھتے تھے'' چوکا نے کچھ دیر دماغ پر زور دینے کے بعد جواب دیا۔

''وہ گابا چوک پر واقع سیزان ناگ کی رہائش گاہ کی بات کر رہے تھے شاید ان کا اسی طرف جانے کا پروگرام تھا'' سونی نے چوکا کو دروازہ بند کرنے کے لئے کہا۔

پھر سامبا کے ہمراہ ڈوگیوں کی طرف چلی آئی۔ سامبا غصیلے لہجے میں ڈوگیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''انگشتری کی عمارت کے عملے کو تبدیل کر دو اور جلد از جلد نئے اور قابل اعتماد خدمت گاروں کو انگشتری میں تعینات کرو اور گابا چوک میں واقع اس گھر کو گھیرے میں لینے کی تیاری کرو جہاں چوکا کے کہنے کے مطابق سیزان رہائش پذیر ہے میں کسی نہ کسی حد تک ربی کے منصوبے کے متعلق اندازہ لگا چکا ہوں بہت کم لوگ اس بات سے آگاہی رکھتے ہیں کہ سیزان نیتا بدھ کا داماد ہے نیتا بدھ نے اسے بحالت مجبوری صرف اس لئے وادی تاتونیا کی شہریت دینے کی حامی بھری تھی کیونکہ اس کی ناگن وادی سے باہر ربی کی مددگار بن کر اسے اندھیروں کی طاقت دونی سے بچائے ہوئے تھی نیتا بدھ نے سیزان کو اپنی ناگن کو وادی میں بلانے کے بعد قتل کر دینے کا حکم دیا اس نے ایسا ہی کیا اور بعد میں اس کی شادی شاہا کے ساتھ کر دی گئی۔''

میرے خیال میں ربی کا مقصد شاہا کے ذریعے نیتا بدھ تک پہنچنے کا ہے لیکن مجھے سیزان اور شاہا کی رہائش گاہ کے متعلق معلوم نہیں ہے ہمیں جلد از گابا چوک کا رخ کرنا ہوگا۔ انہیں وہیں سے گرفتار کیا جا سکتا ہے'' وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر گابا چوک کی طرف روانہ ہوئے، گابا چوک وادی کی چھاؤنی کے قریب واقع تھا سیزان اور شاہا کا گھر چوک سے کچھ ہٹ کر مختصر گلی کے درمیان میں تھا۔ یہ گلی آگے کی طرف سے بند تھی گھر کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور ربی کا اردگرد نام ونشان موجود نہیں تھا۔ سامبا نے ڈوگیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا وہ دونوں ربی سے خوفزدہ ہو کر فرار ہو گئے ہیں لیکن مجھے ان کی

زیادہ فکر نہیں ہے نیتا بدھ کو ان دونوں کی رہائش گاہ کے متعلق معلوم ہوگا میں معلومات کرلوں گا۔

وہ واپس ڈوگ کی طرف چل دیئے ابھی زیادہ دور نہیں جانے پائے تھے کہ انہیں موکاری اپنے نیولوں کے ہمراہ گابا چوک کی طرف جاتا ہوا دکھائی دیا۔ سامبا ٹھٹھک کر رک گیا سیزان بھیس بدلنے والا ناگ تھا اور سانپ اور نیولوں کے رشتے کے متعلق بچے بچے کو معلوم تھا اور جہاں تک اس کی معلومات کا تعلق تھا گابا چوک پر نیولوں کی تصویروں والا گھر چند عرصہ قبل موکاری کی ملکیت میں تھا سامبا نے ڈوگیوں کو ڈوگ کی طرف جانے کے لئے کہا اور خود موکاری کے پیچھے چلتا ہوا گابا چوک کے پاس واقع اس گلی میں داخل ہوگیا جس میں سیزان اور شاہار ہائش پذیر رہ چکے تھے۔

مکان کے قریب پہنچنے کے بعد موکاری رک گیا نیولے لکڑی کے پنجرے میں قید تھے ان کی تعداد چار تھی اور ان کے گردنوں میں پٹے بندھے ہوئے تھے۔ سامبا دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو کر اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لینے لگا موکاری نے لکڑی کے پنجرے کو زمین پر رکھا پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا کچھ دیر بعد جب اس نے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھوں میں لوہے کی تار تھی اس نے اردگرد دیکھتے ہوئے تار کو مکان کے دروازے پر لگے ہوئے تالے کے سوراخ میں ڈال دیا پھر اسے مخصوص انداز میں حرکت دینے لگا تھوڑی سی کوشش کے بعد تالا کھل گیا اس نے جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھولا اور گھر میں داخل ہوگیا۔

سامبا گلی کے نکڑ پر کھڑا رہا اس نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی پانچ منٹ کے بعد موکاری مکان سے باہر نمودار ہوا اب چاروں نیولوں کے پٹوں کے ساتھ لمبی زنجیریں منسلک تھیں اور وہ چاروں پالتو کتوں کی طرح موکاری کے آگے آگے بھاگنے کی کوشش کررہے تھے۔ موکاری انہیں وقتاً فوقتاً پیار سے پچکار رہا تھا مکان سے باہر نکلنے کے بعد اس نے دروازہ بند کرکے اسے تالا لگایا اور لکڑی کا پنجرہ سنبھالے نیولوں کے پیچھے آگے بڑھنے لگا۔

نیولوں کو سدھانا کوئی عام بات نہیں ہوتی لیکن موکاری کا بچپن اور جوانی چونکہ انہی کاموں کے دوران گزرا تھا اس لیے وہ ان سے ہر طرح کے کام لینے میں مہارت رکھتا تھا نیولوں نے گلی سے باہر نکلنے کے بعد گابا چوک کے دائیں جانب واقع اس علاقے کا رخ کیا جہاں شاہ رخ کا شملہ اور ڈوگ کی عمارت پائی جاتی تھی۔ نیولے چیختے چلاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ سڑک پر اکا دکا تاتونی گھومتے پھر رہے تھے وہ نیولوں کی اس بھاگ دوڑ کے عادی تھے۔

موکاری صبح وشام انہیں گھمانے پھرانے کے لئے اس علاقے کا رخ کرتا تھا نیولوں نے شاہ رخ کے شملے یا پھر ڈوگ کی عمارت کی طرف مڑنے کی کوشش نہیں کی وہ شملے کی عمارت سے آگے دکھائی دینے والے پہاڑی علاقے کی طرف بھاگ رہے تھے پھر پہاڑی علاقے کی شروعات ہوگئی موکاری کے فارم ہاؤس کے پاس پہنچنے کے بعد نیولوں نے یکلخت اپنا رخ تبدیل کرلیا اور مخالف طرف واقع سرسبز پہاڑیوں کی طرف مڑ گئے یہاں گھنی جھاڑیوں کی بہتات تھی نیولوں کو آگے جانے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا لیکن وہ نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے جھاڑیوں کے اختتام کے بعد چیڑ کے درختوں کا سلسلہ شروع ہوگیا موکاری کا پیچھا کرتے ہوئے سامبا کو معلوم تھا کہ درختوں کے اس جنگل میں مختلف قسم کے سانپوں کی بہتات تھی۔

وادی کے تاتونی اس علاقے کی طرف آنے سے گریز کرتے تھے لیکن سامبا کو یہ بھی معلوم تھا کہ چیڑ کے اس جنگل سے کچھ آگے سلیمانکی کے کنارے نیتا بدھ کی لکڑی سے بنی ہوئی مختصر رہائش گاہ واقع تھی وہ شدید گرمی کے دنوں میں سلیمانکی ندی کے کنارے واقع اپنے لکڑی کے کاٹیج میں آجاتا تھا یہاں گھنے درختوں کی بدولت گرمی کا زور کسی نہ کسی حد تک کم ہوتا تھا۔

سامبا کو اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہیں آئی کہ سیزان اپنی بیوی شاہا کے ہمراہ وہیں موجود ہوسکتا تھا۔ نیولوں نے چیڑ کے جنگلات کو عبور کرنے کے بعد

جذباتی انداز میں گھاس کے سبزہ زار میں واقع لکڑی کے دو کمروں پر مشتمل کاٹیج کی طرف بھاگنا شروع کردیا جس کی چھت کی چمنی سے نکلتا ہوا دھواں اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ وہاں کچھ لوگ رہائش پذیر تھے سبزہ زار کو عبور کرنے کے بعد موکاری کاٹیج سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوگیا۔

چاروں نیولے اپنے گلے میں بندھی ہوئی زنجیروں کو توڑنے کی کوششوں میں مصروف تھے اور سامبا چیڑ کی درختوں کی آڑ میں کھڑے ہوکر موکاری کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد موکاری نے نیولوں کی زنجیریں کھینچی اور واپس چیڑ کے جنگل کی طرف چل دیا۔ وہ سامبا کے قریب سے ہوکر آگے بڑھ گیا۔ سامبا واپس چیڑ کے درخت کے قریب سے ہوکر آگے بڑھ گیا سامبا درختوں کے جھنڈ میں کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر دوبارہ اس کا پیچھا کرنے لگا اب موکاری کا رخ اپنے فارم ہاؤس کی طرف تھا سامبا اس کی رہائش کے متعلق جانتا تھا لیکن وہ یہ بھی اندازہ لگا چکا تھا کہ موکاری اس وقت کس کے لئے کام کررہا تھا اور وہ شخص ربی کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا تھا تھوڑی دیر بعد وہ فارم ہاؤس پہنچ گیا۔

موکاری نے فارم ہاؤس کے لکڑی کے پھاٹک کو کھولا اور اندر داخل ہونے کے بعد اسے بند کردیا سامبا فارم ہاؤس سے کچھ دور کھڑا انتظار کرتا رہا جب اسے یقین ہوگیا کہ موکاری رہائشی کمروں میں داخل ہوگیا ہوگا تب وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا فارم ہاؤس کے پھاٹک کے پاس آ کھڑا ہوا اس نے اردگرد کا جائزہ لینے کے بعد پھاٹک کو پھلانگا اور رہائشی کمروں کی طرف چل دیا نیولے رہائشی کمروں سے کچھ پیچھے لکڑی کے پنجروں میں قید تھے اور قریبی کمرے میں سے کسی کی اونچی آواز میں بات چیت کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سامبا نے قدم آگے بڑھائے اور برآمدہ عبور کرکے کمرے کے دروازے کے سامنے آ کھڑا ہوا آواز موکاری کی تھی وہ کہہ رہا تھا۔

چیڑ کے جنگل سے آگے سلیمانکی ندی کے کنارے واقع کاٹیج میں وہ دونوں اس وقت موجود ہیں وادی کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ کاٹیج نیتا بدھ کی ملکیت ہے آپ کو احتیاط سے کام لینا ہوگا میں مانتا ہوں کہ آپ گزشتہ شاہ رخ کی اولاد ہونے کی بدولت حق رکھتے ہیں کہ نیتا بدھ کی ملکیت پر قبضہ کرسکیں لیکن آپ کے والد صاحب شاہ رخ کے عہدے سے سبکدوش ہوچکے ہیں۔''

اسے نینی کی آواز سنائی دی۔ ''وہ سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ زبردستی کیا گیا ہے میں انہیں واپس شاہ رخ کے عہدے پر بیٹھا ہوا دیکھنے کی خاطر وادی میں واپس آیا ہوں تم فکر نہ کرو تمہاری وفاداری پر آنچ نہیں آئے گی میں جو بھی قدم اٹھاؤں گا میری کوشش ہوگی کہ تمہارا نام درمیان میں نہ آنے پائے۔''

سامبا نے برآمدے کا جائزہ لینا شروع کیا دروازے کے ساتھ کھڑکی بنی ہوئی تھی اس نے کھڑکی میں سے اندر جھانک کر دیکھا کھڑکی کے پردے چاک تھے اور سامنے کرسی پر نینی بیٹھا تھا نینی کے سامنے موکاری میز کے پاس کھڑا اسے حالات سے آگاہ کررہا تھا پھر نہ جانے کیا ہوا کہ نینی نے اچانک ہی چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھا سامبا کو یہ جاننے میں دقت محسوس نہیں ہوئی کہ اس کے اردگرد خفیہ طاقتیں پہرہ دے رہی تھیں نینی سامبا پر نظر پڑتے ہی اچھل کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا موکاری نے بھی مڑکر کھڑکی کی طرف دیکھا سامبا مسکراتے ہوئے کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر دروازے کی طرف چلا آیا اس نے دروازے کو کھولا اور کمرے میں قدم رکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔

''میں کوکو ربی کو وادی تاتونیا میں خوش آمدید کہتا ہوں وادی میں میرے علاوہ لاتوبا بھی آپ کا شدت کے ساتھ منتظر ہے اور نیتا بدھ آپ کی موت کا خواہاں ہے۔''

نینی بولا۔ ''لاتوبا کی دل کی حسرت جلد از جلد پوری ہوجائے گی اور نیتا بدھ کو شاہ رخ کی کرسی سے ہٹنا ہوگا۔''

سامبا آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا۔

''مجھے نیتا بدھ یا پھر لاتوبا سے کسی بھی قسم کی

ہمدردی نہیں ہے میں نے کبھی بھی اپنی ذات سے آگے بڑھ کر سوچنے کی کوشش نہیں کی اور عقل مندی بھی یہی ہے اگر میں زندہ رہوں تو سب کچھ میرے اختیار میں ہے اگر میں نہیں ہوں تو پھر کچھ بھی نہیں ہے۔''

نینی بولا۔ ''اگر تمہیں اس معاملے میں دلچسپی نہیں تو مجھے تمہاری یہاں آمد کی وجہ سمجھ نہیں آرہی۔''

سامبا سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''مجھے شاہ رخ کا عہدہ چاہئے لیکن چونکہ میرے پاس مخفی طاقتیں موجود نہیں ہیں اس لیے میں اس عہدے کے قابل نہیں ہوں اگر آپ کے والد صاحب چاہیں تو اپنی طاقتیں مجھے دے کر مجھے اس عہدے کے لئے نامزد کرواسکتے ہیں۔''

نینی نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''اور وہ ایسا کیوں چاہیں گے۔''

سامبا بولا۔ ''میں تنہائی میں تم سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں موکاری تم کچھ دیر کے لئے باہر چلے جاؤ۔''

موکاری ایسا نہیں چاہتا تھا لیکن سامبا کی سیاسی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے کمرے سے باہر جانا پڑا۔ اس کے جانے کے بعد چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سامبا ہمکلام ہوا۔

''کوکوربی..... معاف کیجئے گا میں آپ کے اصل نام سے ناواقف ہوں اس لئے اسی نام سے آپ کو مخاطب کروں گا میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں مجھے آپ سے کسی بھی قسم کی دشمنی یا پھر ذہنی عداوت نہیں ہے آپ نے جب وادی میں داخل ہونے کی کوشش کی اور میں نے آپ کی گرفتاری کے لئے انگشتری کا رخ کیا تو میرا مقصد صرف آپ سے بات چیت کرنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا میں جانتا تھا کہ آپ کو وادی میں بلانے کے لئے ایسے حالات ترتیب دیئے گئے تھے کہ آپ ڈور میں بندھے وادی کی طرف کھنچے چلے آنے پر مجبور ہوجائیں گے معاف کیجئے گا بات کچھ تلخ ہے لیکن حقیقت پر مبنی ہے اگر آپ کا بھائی موت کی آغوش میں گم نہ ہوتا تو آپ بھی اس وقت وادی میں نہ ہوتے۔ آپ کو یہاں بلانے کے لئے چند مجبوریاں پیدا کی گئیں کہ کینہ تلسی کو آپ کے پاس صرف اس لیے بھیجا گیا تھا کہ شادی کے بعد آپ ان کی تلاش میں وادی کی طرف کھنچے چلے آئیں۔''

نینی کے دل میں اپنے باپ کے لئے نفرت کا گوشہ نمودار ہوا لیکن اس نے کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی سامبا بولے چلا جارہا تھا۔

ان سب باتوں سے قطع نظر کہ کینہ تلسی کے دل وجان سے آپ سے محبت کرتی ہے چاہے آپ کے بڑے بھائی کی منگیتر ہونے کے ناطے یا پھر آپ کی صورتی مشابہت کی بدولت وہ آپ سے مخلص ہیں۔''

نینی نے پوچھا۔ ''میں تمہاری تاتونی حیثیت کے متعلق دریافت کرسکتا ہوں''

سامبا نے جواب دیا ''میں ڈوگ سیکشن کا سربراہ سامبا ہوں اور یقین جانیے تاتونیا میں میری حیثیت نیتا بدھ سے کچھ کم نہیں ہے''

نینی بولا۔ ''تاتونی حکومت کی روٹیاں توڑنے کے باوجود بھی تم حکومت کے مخلص نہیں ہوتاتونی ذہنیت مجھے زیادہ متاثر نہیں کرپائی۔ یہاں خودغرض اور مفاد پرستی کی فضا کا تسلط قائم ہے مجھے تلسی کی وفاداری پر بھی شک ہے۔ اگر میرے باپ نے اپنا عہدہ بچانے کے لئے میرے سائے کا دھبہ لگے ہوئے وجود کو استعمال کرنا برا نہیں جانا تو پھر تلسی بھی لاتوبا سے اپنی عزت بچانے کے لئے ایسی سوچ رکھ سکتی ہے۔''

سامبا سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''آپ یقین مانیں یا نہ مانیں لیکن میں اس بات کا چشم دید گواہ ہوں کہ کوکوربی کی موت کے بعد کوکینہ تلسی جیتے جی مرکر رہ گئی تھیں وہ ایک زندہ لاش کی صورت میں اپنے آپ کو لاتوبا کے حوالے کردینے کے لئے آمادہ ہوگئی تھیں تب آپ کے والد صاحب نے انہیں آپ کی چند تصاویر دکھانے کے بعد اس راز سے پردہ کشا کیا جو راز ان کے دل میں کافی عرصے سے دفن تھا یوں مجھے بھی آپ کی حیثیت سے آگاہی حاصل ہوگئی آپ یقین کریں گے کہ ان تصاویر کو دیکھنے کے باوجود بھی کوکینہ تلسی پر رتی برابر اثر نہیں ہوا

تب آپ کے والد صاحب نے انہیں چند عرصے کے لئے آپ کے پاس پالی پتا بھجوادیا۔ کوکینہ نے وہاں رہ کر آپ [illegible] کا مطالبہ کیا اور آپ کو اپنے بھائی کی [illegible] ان چند ایام کے دوران وہ آپ کی [illegible] شدت کے ساتھ گرفتار ہوئیں کہ انہوں [illegible] دنیا آنے سے صاف انکار کردیا۔

آپ کے والد صاحب ایسا نہیں چاہتے تھے انہیں صرف اپنے عہدے کی پرواہ تھی جذباتی رشتوں کی قدر ان کے دل میں نہیں تھی انہوں نے اپنی مخفی طاقتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کوکینہ کو دوبارہ وادی میں بلالیا تاکہ وہ آپ کے وادی تک آنے کے راستے کو ہموار کرسکیں۔ نینی کے دل ودماغ پر بدگمانی کی دھند قابض ہونے لگی یہ دھند تلسی سے بات چیت کے بعد ہی دور ہوسکتی تھی اس لئے اس نے بادل نخواستہ اور اکتائے ہوئے لہجے میں ساما سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے میں تمہارے کہنے کے مطابق مان لیتا ہوں کہ تلسی بے وفا نہیں ہے اور میرا باپ خود غرض اور منافق انسان ہے لیکن مجھے تمہاری اس تمام تمہید کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تم مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہو''

ساما طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''میری اس تمام گفتگو کا مقصد صرف آپ کو یہ باآور کروانا ہے کہ آپ کو بھی اب وہی کچھ کرنا ہوگا جو آپ کے والد صاحب نے آپ کے ساتھ کیا۔ اب آپ کا مقصد صرف کوکینہ تلسی کی محبت کی دستیابی تک محدود ہوجانا چاہئے رہی وادی پر حکومت کی بات تو آپ کو اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے میں آپ کی ملاقات آپ کے والد صاحب سے ڈوگ میں کروائے دیتا ہوں۔ آپ کوکینہ تلسی کی جائے پوشیدہ کے متعلق ان سے دریافت کرسکتے ہیں۔''

نینی بے زار لہجے میں بولا ''مجھے نہیں معلوم کہ اس بات میں کتنی صداقت پائی جاتی ہے کہ وادی کے مفاد پرست ماحول میں تم میرے ساتھ کس حد تک مخلص ہو اب تک وادی کے ماحول کا مجھ پر کچھ زیادہ اچھا تاثر قائم نہیں ہوسکا۔''

ساما جذباتی لہجے میں بولا۔ ''تاتونی عوام کی عزت وناموس کا دارومدار ان سنہرے ناخنوں میں پوشیدہ ہوتا ہے میں اپنے ناخن کاٹ کر آپ کو دینے کے لئے بہ خوشی تیار ہوں یوں سمجھیں کہ جب تک یہ ناخن آپ کے پاس ہوں گے میری حیثیت اسی زرخرید غلام سے زیادہ نہیں ہوگی جیسے اس کے مالک نے رقم کے عوض فروخت کردیا ہو'' نینی بولا مجھے ان سنہرے ناخنوں کی حیثیت کے متعلق کسی نہ کسی حد تک اندازہ ہوچکا ہے اس کے باوجود بھی میں تم پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں تم نے عہدے کے حصول کے لئے تاتونی حکمران سے بے وفائی کی ہے کل کو اسی عہدے کے لئے مجھ سے بھی بے وفائی کے مرتکب ہوں گے میں ایسا نہیں چاہتا۔''

ساما گھمبیر لہجے میں بولا۔ ''میں بات چیت کی شروعات کے دوران آپ کو بتاچکا ہوں کہ میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں اگر یہ قدر میرے دل ودماغ میں نہ ہوتی تو آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ مجھے آپ سے بات چیت کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ موکاری کے فارم ہاؤس میں آپ کی پوشیدگی سے باخبر ہونے کے بعد میں باآسانی آپ کو گرفتار کرسکتا تھا اور آپ کے وجود کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے والد صاحب سے سب کچھ منوا سکتا تھا لیکن مجھے صرف وہ عہدہ چاہئے جس کے لئے مختلف مخفی طاقتوں کا ہونا ضروری ہے اور وہ طاقتیں آپ کے والد صاحب کے پاس پوشیدہ ہیں ہمارے اس مختصر معاہدہ کی بدولت آپ کو آپ کی محبت مل جائے گی اور مجھے شاہ رخ کا عہدہ......؟''

چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد نینی نے پوچھا۔ ''ان سنہرے ناخنوں کی تاتونی حیثیت کے متعلق مجھے تفصیل سے بتاؤ۔''

ساما بولا۔ ''عملی تجربہ آپ کے گلے میں پانسوں کی صورت میں لٹکا ہوا ہے یہ ناخن پانسو کے لاکٹ سے نکلی ہوئی طاقتوں کو آپ کے بدن میں پھیلانے کا

ذریعہ ثابت ہوتے ہیں جیسے آپ کو اپنے گھر میں داخل ہونے کے لئے دروازے کی ضرورت پڑتی ہے آپ ان ناخنوں کو دروازے سے تشبیہ دے سکتے ہیں اگر آپ کے ناخن سنہرے نہ ہوتے تو اس صورت میں پانسو کی طاقتیں آپ کے جسم پر کام نہ کر پاتیں۔ آپ شاید یقین نہیں کریں گے لیکن حقیقت یہی ہے کہ آپ کو اپنے ناخن امانتاً دینے کے بعد اگر اتفاقیہ طور پر مجھے وادی کی حکومت خلاف توقع میسر آجائے تو سنہرے ناخنوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے میں نااہل قرار دیتے ہوئے فراموش کر دیا جاؤں گا۔'' وہ خاموش ہوگیا۔

نینی کو اپنے پیچھے کھڑی ہوئی شدی کی آواز سنائی دی۔ ''شہنشاہ وقت یہ درست کہہ رہا ہے اس کے ناخن تمہارے پاس ہونے کے بعد اس کی حیثیت بھس بھرے ہوئے اس وجود سے کم نہ ہوگی جس میں سے جان نکل جانے کے بعد اسے صرف خوبصورتی اور زیبائش کی نیت سے مسالے لگا کر عجائب گھر میں رکھ دیا گیا ہو۔ یہ واقعی تمہارا زرخرید غلام ہو کر رہ جائے گا''

نینی نے طویل سانس لیتے ہوئے سامبا سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''ٹھیک ہے تم جیسا کہتے ہو میں ویسا ہی کر کے دیکھ لیتا ہوں لیکن مزید بات چیت میں ناخنوں کی دستیابی کے بعد کروں گا۔ مجھے تاتونیوں پر رتی برابر بھی اعتماد نہیں رہا۔''

سامبا پرجوش لہجے میں کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''یہ ہوئی نا بات، مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں کا ساتھ وادی کے بگڑتے ہوئے حالات کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگا میں ابھی اپنے ناخن آپ کے حوالے کیے دیتا ہوں تاکہ معاملے کی پیچیدگیوں کے متعلق تفصیل کے ساتھ بات چیت کی جاسکے۔''

نینی بولا ''لیکن اس سے قبل مجھے سیزان سے نمٹنا ہوگا سوزو سے کیا ہوا وعدہ میرے لیے تمہارے ناخنوں سے زیادہ اہم ہے'' سامبا نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر کاندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''جیسے آپ کی مرضی میں کل تک انتظار کیے لیتا ہوں میرے خیال میں آج کی رات اس سے نمٹنے کے لئے کافی ہوگی وہ یہاں سے قریب سلیما نکی ندی کے پاس واقع نیتا بدھ کے لکڑی کے کاٹیج میں رہائش پذیر ہے۔''

نینی نے اثبات میں سر ہلایا اور سامبا سے الوداع کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا اس کے باہر چلے جانے کے فوراً بعد موکاری کمرے میں داخل ہوا اور نینی سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''کوکو ربی مجھے اس کی نیت میں فتور دکھائی دیتا ہے یہ شخص آپ کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوسکتا اگر میری بات مانتے ہیں تو اس سے کنارہ کشی کرنے کی کوشش کیجئے کہیں آپ کو لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔''

نینی برا سا منہ بناتے ہوئے بولا ''مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے میں جلد از جلد سیزان کو ہلاک کر دینا چاہتا ہوں''

موکاری بولا۔ ''اسے ہلاک کرنا آسان کام نہیں ہے ایسے ناگ جو سو سال انسانی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر طاقتور خوبیوں کا مالک بن چکا ہو اسے ختم کرنے کے لئے آپ کو بھی سو سال کی طاقتوں کا مالک بننا ہوگا۔''

نینی نے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''کچھ ایسی طاقتیں میرے پاس ہیں تم ان کے متعلق مختصر اندازہ اس وقت لگا چکے ہو گے جب میری آمد پر تمہارے نیولوں نے بے چینی کا اظہار کیا تھا مزید بحث میں پڑنا فضول ہے تم مجھے کاٹیج تک لے چلو تاکہ یہ معاملہ اختتام پذیر ہو سکے۔''

موکاری نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے انتظار کرنے کے لئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ میلان کی روح کی آواز سنائی دی ''جے پاشا، وہ صحیح کہہ رہا ہے سیزان معمولی ناگ نہیں ہے اس کے پاس ایسی طاقتیں ہیں جن سے ٹکر لینا کچھ آسان نہیں ہوگا تمہیں نہایت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔''

نینی بولا ''طاقت کے لحاظ سے میں اس وقت اس کا ہم پلہ ہوں میرے جسم میں سوزو کا منکا موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کی بدولت میں سیزان کے لئے آسان ہدف نہیں ہوں گا اس کے علاوہ تم دونوں بھی میرے ساتھ ہو۔ پانسو کی طاقت میرے گلے میں پھڑ پھڑاتی

تتلی کی صورت میں لٹک رہی ہے اور مجھے کیا چاہئے۔''

شدی بولی ''سر کے تاج، ان سب باتوں سے قطع نظر وہ ایک زہریلا سانپ ہے اگر شنگریلا نہ کرے اس نے اپنا زہر آپ کے جسم میں داخل کر دیا تب ہم دونوں کے علاوہ پانسو کی طاقت بھی کچھ نہیں کر پائے گی۔''

میلان کی بات ختم ہونے سے قبل شدی کی آواز سنائی دی۔ ''محترم میری محدود طاقت کے مطابق سیزان سلیمانکی ندی والے کانیج سے دور جا چکا ہے شاید ناگ پوری دیوتا کی عبادت میں شرکت کے لئے۔ کانیج میں شاما کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے۔''

نینی جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا ''لیکن موکاری کے کہنے کے مطابق وہ وہیں ہے۔''

شدی بولی ''وہاں صرف اس کے وجود کی بو باقی رہ گئی ہے اور نیولوں کے لئے بو ہی کافی ہوتی ہے وجود اہمیت نہیں رکھتا اس کی غیر موجودگی کے دوران آپ شاہا پر ہاتھ صاف کر سکتے ہیں مجھے یقین ہے کہ وہ شاہا کی تلاش میں خود ہی آپ کے پاس چلا آئے گا۔''

''نینی نے پوچھا ''کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اکیلا بے یار و مددگار چھوڑ کر دور جا چکا ہو اس نے کچھ نہ کچھ حفاظتی اقدام تو ضرور کیا ہوگا۔''

شدی کی روح نے جواب دیا ''شاہا کوئی عام تانونی نہیں ہے وہ نیتا بدھ کی اکلوتی اور ذہین ترین لڑکی ہے اس کی حفاظت پر نیتا بدھ کی طاقتیں معمور ہیں لیکن یہ طاقتیں آپ کے گلے میں موجود پانسوں کی طاقت کے آگے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی نیتا بدھ اور شاہا اس طاقت سے ناواقف ہیں اس لئے آپ وہ سب کچھ باآسانی کر سکتے ہیں جو عام حالات میں ممکن نہیں میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سیزان کی بیوی کا اغوا میرے خیال میں سیزان سے بہترین انتقام ہوگا وہ اسے ڈھونڈتا ہوا خود ہی آپ کے پاس چلا آئے گا۔''

موکاری کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اس نے ہاتھوں میں سرخ رنگ کے محلول سے بھری ہوئی شیشی کی بوتل پکڑی ہوئی تھی نینی سے مخاطب ہوتے ہوئے وہ بولا۔ ''کوکوربی یہ نیولوں کی چربی سے حاصل کردہ تیل ہے اسے جسم پر مل لینے سے سانپ جسم کے قریب نہیں آسکتے۔ آپ اسے جسم پر لگا لیجئے۔''

نینی مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں قصے کو نمٹانا چاہتا ہوں اور تم اسے طول دے رہے ہو وہ میرے قریب آئے گا تو میں اسے ختم کروں گا تم یہ بتاؤں وہاں تک جانے کی تیاریاں کہاں تک پہنچی ہیں۔''

موکاری بولا ''میں نے نیولوں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال دی ہیں وہ شاہو قبیلے کے خاص نیولے ہیں اور بھیس بدلنے والے سانپوں سے لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔''

نینی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''فی الحال ان کی ضرورت نہیں ہے سیزان، ناگ پوری دیوتا کی پوجا کے لئے وادی سے باہر جا چکا ہے اور میرا ارادہ اب اس کی بیوی شاہا کو اغوا کرنے کا ہے وہ اس کی تلاش میں خود ہی ہم تک کھنچا چلا آئے گا۔''

موکاری نے کاندھے اچکائے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا چیڑ کے درختوں کا ماحول پرندوں کے چیخنے چلانے کی آوازوں سے گونج رہا تھا اور ٹھنڈ کی شدت میں بھی کچھ اضافہ ہو گیا تھا نینی موکاری کے ہمراہ آگے کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا چیڑ کے جنگل سے آگے سرسبز چراگاہ کے پاس واقع ندی کے کنارے لکڑی کا کانیج بنا ہوا تھا اس کی چمنی سے دھواں اٹھ رہا تھا نینی نے موکاری کو چیڑ کے درختوں کے پاس کھڑے رہنے کی ہدایت کی اور خود تیز قدم اٹھاتا ہوا کانیج کی طرف بڑھنے لگا کانیج کے سامنے لکڑی کا مختصر برآمدہ بنا ہوا تھا جس کے آخری سرے پر دو کرسیاں رکھیں تھیں نینی نے برآمدے میں قدم رکھا کافی کی تیز خوشبو کمرے کے دروازے سے باہر آ رہی تھی نینی نے دروازے پر دستک دی اندر سے کسی لڑکی کی لوچ دار آواز سنائی دی۔

''دروازہ کھلا ہے..... اندر چلے آؤ'' نینی نے دروازے کو دھکا دیا اور کمرے میں قدم رکھ دیا لکڑی کے فرش پر نہایت قیمتی اور دبیز قالین بچھا ہوا تھا دیوار کے دو اطراف صوفے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے چھت پر فانوس لگا تھا اور صوفے پر بیٹھی ہوئی لڑکی ٹکٹکی باندھے حیرت بھری نگاہوں سے نینی کی طرف دیکھ رہی تھی اس کی عمر بمشکل تمام اٹھارہ سے بیس سال کے درمیان تھی۔ وہ نہایت خوبصورت اور صحت مند تھی جو مختصر لباس میں ملبوس تھی کمرے کا ماحول گرم تھا ایک جانب آتش دان میں لکڑیاں جل رہی تھیں لڑکی نے ہاتھوں میں کافی کا مگ پکڑا ہوا تھا اور ہونٹ انگریزی حروف او کی مانند کھلے تھے جسم سیل ختم ہوجانے والی گھڑی کی سوئی کی مانند ساکت تھا چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ اس وقت شدید صدمے سے دوچار ہو نینی نے اپنے پیچھے کھلے ہوئے دروازے کو جھٹکے کے ساتھ بند کردیا شاہا چونک کر حقیقت کی دنیا میں واپس آ گئی پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اوہ شنگریلا میں خواب نہیں دیکھ رہی تو تم میرے محبوب اور محبت کے قاتل ربی کے سائے ہو اس حد تک صورتی مماثلت میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔

''نینی بولا۔'' مجھے حیرت محسوس ہورہی ہے تم نے میرے چہرے پر لگے ہوئے سفیدے کے باوجود بھی مجھے نہ صرف پہچان لیا بلکہ چند اعزازات سے بھی نواز دیا''

شاہا کرب انگیز لہجے میں بولی ''تمہیں پہچاننے کے لئے مجھے تمہارے چہرے پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے تمہارے جسم کی خوشبو ہی اس کے لئے کافی ہے مجھے بھی کچھ حیرت محسوس ہورہی ہے کہ کامچ کی رکھوالی پر متعین روحانی طاقتوں نے مجھے تمہاری آمد سے آگاہ کیوں نہیں کیا حالانکہ میں نے انہیں تمہاری آمد سے مطلع بھی کیا تھا۔''

نینی اس کے سامنے صوفے پر براجمان ہوگیا شاہا نے چونکتے ہوئے نینی کے گلے کی طرف دیکھا پھر زہر خندہ لہجے میں بولی ''تمہارے گلے میں پانسو لٹکا ہوا ہے اور یہ طاقت شاہ رخ کے شملے کی خاص طاقت ہے یقیناً یہ طاقت تلسی کی طرف سے عنایت کردہ ہوگی۔''

نینی نے اثبات میں سر ہلایا اس دفعہ شاہا غصے کی بدولت چلاتے ہوئے بولی۔ ''اس نے دوسری دفعہ میرے حق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اب کی دفعہ میں اسے برداشت نہیں کروں گی یہ اس کا آخری وار ثابت ہوگا۔''

نینی نے اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ ''مجھے سیزان چاہئے سوزو کی روح کی تسکین کے لئے.....''

شاہا نے چونکتے ہوئے نینی کی طرف دیکھا اور بولی ''سوزو مرچکی ہے اور سیزان..... ناگو پوری دیوتا کی پوجا کے لئے سانپوں کی وادی کی طرف چلا گیا ہے تم یقین جانو گے کہ میں اسے ایک حقیر سانپ سے زیادہ حیثیت نہیں دیتی ہوں وہ اس قابل کبھی بھی نہیں تھا کہ میرا شوہر بن سکتا میں نے اس سے شادی صرف اس کی چند طاقتوں کی وجہ سے کی ہے اگر تم تلسی کو چھوڑ کر میرے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا وعدہ کرو تو میں سیزان کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

نینی بولا ''ہم دونوں شادی کر چکے ہیں اور تاتونی قوانین کے مطابق مرد دوسری شادی نہیں کرسکتا۔''

شاہا عجلت کے ساتھ بولی ''لیکن شاہ رخ اور اس کی آل اولاد کرسکتی ہے مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ تمہاری پہلی بیوی ہے مجھے صرف تمہارا ساتھ چاہئے میں تمہاری تاتونیا آمد سے قبل ربی کو بھلا چکی تھی لیکن تمہاری آمد نے میری منجمد زندگی میں دوبارہ ہلچل پیدا کرکے رکھ دی ہے ربی جیتے جی مرگیا لیکن میرا نہیں ہوسکا اب تمہیں اس کی موت کا ازالہ کرنا ہوگا میرے ساتھ شادی کرنے کے بعد.....''

نینی ان کے گزشتہ سے ناآشنا تھا لیکن شاہا کے رویئے کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کچھ نہ کچھ اندازہ لگا چکا تھا پھر بھی بات اس کے تصور سے بڑھ کر تھی۔ وہ تلخ لہجے میں بولا ''وادی تاتونیا کی آب وہوا میں مفاد پرستی اور

خودغرض کے علاوہ اور کچھ نہیں رکھا میں حتمی طور پر تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ میری اور تلسی کی شادی ہو چکی ہے اور مجھے صرف سیزان چاہئے اس کے علاوہ مزید بات چیت میں وقت برباد کرنا فضول ہے۔''

شاہا کرب انگیز لہجے میں بولی۔ ''میں دوسری دفعہ اپنی محبت کی تذلیل برداشت نہیں کرسکتی اس لئے اب میں تمہیں یہاں سے باہر جانے نہیں دوں گی رہی سیزان کی بات تو وہ آج کی رات کیبن سے واپس نہیں آسکتا لیکن اس کا منکا میرے پاس ہی ہے میں آج کی رات کے بعد اسے جب چاہوں اپنے بلاسکتی ہوں لیکن آج کی رات تمہیں یہیں گزارنی ہوگی۔''

نینی نے تنقیدی نگاہوں سے شاہا کے چہرے کا جائزہ لیا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلا دیا شاہا خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی۔ ''میرے لیے یہ رات کسی اعزاز سے کم نہیں ہوگی اور میں اس سے خوب لطف اندوز ہونا چاہتی ہوں میں ابھی واپس آتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر کمرے سے ملحقہ کچن کی طرف چلی گئی نینی کمرے میں اکیلا رہ گیا۔

وہاں شدی اور میلان کی روحیں موجود نہیں تھیں کیبن کے چاروں اطراف نیتابدھ کی طاقتور روحیں پہرہ دے رہی تھیں شدی اور میلان کی حیثیت ان سے کم تھی اس لئے انہوں نے چیڑ کے جنگلات سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

نینی نے صوفے سے اٹھ کر کچن میں جھانکا اس کا رخ مخالف جانب تھا اور وہ نہایت انہماک کے ساتھ کافی تیار کررہی تھی نینی واپس صوفے پر آکر بیٹھ گیا کام اگر پیار و محبت سے ہوسکتا تھا تو پھر لڑائی جھگڑے اور اغواء کی بھلا کیا ضرورت تھی وہ جو کچھ کررہی تھی ربی کی محبت میں کررہی تھی اگر اس ختم ہوجانے والی محبت کے درمیان اس کا مسئلہ حل ہوسکتا تھا تو اس میں بھلا کیا قباحت تھی اس نے صوفے کے ساتھ سر ٹیک کر آنکھیں موندلیں۔

باہر درختوں کے پاس موکاری اس کی آمد کا منتظر تھا لیکن نینی کو اس کی پرواہ نہیں تھی وہ درختوں کے جھنڈ میں رات گزار سکتا تھا تھوڑی دیر بعد شاہا ہاتھوں میں کافی کا مگ تھامے کمرے میں داخل ہوئی اس نے مگ نینی کے ہاتھوں میں تھمادیا اور دوسرے کو تھامے قریبی صوفے پر بیٹھ گئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''تمہاری اور ربی کی شکل میں رتی برابر بھی فرق نہیں پایا جاتا فطرت کے معاملے میں بھی تم اس کے ہم پلہ ہو شاید یہی وجہ ہے کہ تلسی نے تمہیں شوہر کے روپ میں قبول کرلیا ورنہ وہ ربی سے بے لوث محبت کرتی تھی تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو وہ اسے نعم البدل کے طور پر ہرگز قبول نہ کرتی۔''

نینی نے نہایت مکمل مزاجی کے ساتھ جواب دیا۔ ''وہ اس کا ماضی تھا اور میں مستقبل ہوں ماضی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی مستقبل کی ہوتی ہے۔''

شاہا مسکراتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولی ''لیکن تاتونیا میں سائے کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور تم ربی کا سایہ ہو اس لئے مستقبل میں قدم رکھنے کے باوجود بھی ماضی کی اس تلخ حقیقت سے اپنی جان نہیں چھڑا پائے۔''

نینی غصیلے لہجے میں بولا ''تمہاری اس وادی کی بہت سی باتیں غیر معنی اور بے وقوفانہ ہیں جن میں سے ایک سائے کی تو ہم پرستانہ حیثیت ہے اس کے علاوہ عورتوں کی آٹھ شادیاں کرنے والی بات، ان کے ہاتھوں میں تمام کاروباری نظام تھمادینا، یہ کوئی عقلمندانہ اقدام نہیں ہے اس لیے مجھے بھی ربی کا سایہ ہونے میں آر محسوس نہیں ہوتی اور یقیناً تلسی کی نگاہوں میں بھی اس کی حیثیت نہیں ہوگی وہ بات چیت کے دوران کافی کی چسکیاں لیتا چلا جارہا تھا صبح ناشتے کے بعد سے اب تک اسے کچھ بھی کھانے کو نہیں ملا تھا اسے شدت کے ساتھ بھوک کا احساس ہورہا تھا کافی کا کپ اسے نعمت سے کم معلوم نہیں ہوا باتوں کے دوران ہی اس نے تمام کافی ختم کردی پھر اس کا دماغ چکرانے لگا اور کپ اس کے

ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔

شاہا کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی نینی نے کھڑے ہونے کی ناکام کوشش کی پھر صوفوں کے درمیان زمین پر گر گیا حیرت انگیز طور پر اس کا دماغ کام کر رہا تھا لیکن جسم کو حرکت دینا اس کے اختیار سے باہر تھا شاہا نے بے اختیار قہقہے لگانے شروع کر دیئے اس کے انداز میں فاتحانہ پن جھلک رہا تھا۔

وہ چلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''تمہاری محبت پر نا سہی تمہارے جسم پر اب صرف میرا اختیار ہوگا تم دماغی طور پر میرے نہ ہو سکنے کے باوجود بھی جسمانی طور پر اب میرے ہوگے میں سب سے پہلے تمہارے ان سنہرے ناخنوں کو اپنے پاس محفوظ کروں گی ان کے میرے پاس ہونے کی بدولت تم مجھ سے فرار نہیں ہو پاؤ گے اور میرے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔''

اس نے قہقہہ لگانے بند کیے اور صوفے کے پاس رکھی ہوئی چھوٹی سی میز کی دراز کھول کر اس کے اندر کچھ تلاش کرنے لگی وہاں قینچی رکھی ہوئی تھی اس نے اسے اٹھایا اور دراز کو بند کرنے کے بعد نینی کے قریب چلی آئی نینی کا فالج زدہ وجود قالین پر آڑا ترچھا پڑا تھا لیکن آنکھیں چوپٹ کھلی ہوئی تھیں ان میں غصے اور نفرت کے تاثرات رقص کر رہے تھے۔

شاہا سرد لہجے میں اس سے مخاطب ہو کر بولی۔

''تمہیں یقیناً حیرت محسوس ہو رہی ہوگی کہ پانسو کی طاقت کے باوجود بھی میں تمہیں مجبور و لاچار کرنے میں کیسے کامیاب ہوگئی تو میری جان کان کھول کر سن لو پانسو کی طاقت صرف مخفی طاقتوں کی روک تھام تک محدود ہے لیکن میں نے تمہیں جن جڑی بوٹیوں کا مرکب کافی کے کپ میں شامل کر کے دیا ہے اس کا ان طاقتوں سے رتی برابر بھی تعلق نہیں پایا جاتا اس لیے پانسو کی طاقت نے اس معاملے میں کام نہیں کیا۔

شاہا نے نینی کے جسم کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے سیدھے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھاما نینی نے ہاتھ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن صرف زور لگا کر رہ گیا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے چہرے سے نیچے اس کا دھڑ موجود ہی نہ ہو شاہا نے اس کے بڑھے ہوئے سنہرے ناخنوں پر قینچی چلانی شروع کر دی ناخن کٹنے لگے وہ کٹے ہوئے ناخنوں کو احتیاط کے ساتھ ایک طرف قالین پر رکھتی چلی جا رہی تھی تھوڑی دیر میں اس نے تمام ناخن کاٹ لیے پھر انہیں احتیاط کے ساتھ اٹھانے لگی۔

نینی کن انکھیوں سے اسے بغور دیکھ رہا تھا ناخنوں کو اٹھانے کے بعد اس نے انہیں اس دراز میں رکھ دیا جس میں سے اس نے چند لمحے پہلے قینچی نکالی تھی اس کے بعد اس نے نینی کے مفلوج زدہ جسم کو کاندھے کے پاس بغلوں سے تھامتے ہوئے کمرے سے ملحقہ خواب گاہ کی طرف کھینچنا شروع کر دیا یہ کمرہ کچن کے ساتھ بنا

کچھ لفظ لکھے ہیں دل سے

○ رات کی تنہائی میں آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو، زمانے بدلتے ہیں اور طوفان کا رخ موڑ دیتے ہیں۔

○ اگر انسان کا دل غلاظت سے لتھڑا ہو، بے شک وہ دنیا کی بہترین خوشبو کیوں نہ استعمال کرے مگر اس کی گندگی کی بدبو نہیں جاتی۔

○ پاؤں کبھی غلط راہ پر نہیں اٹھتے جب تک آپ خود نہ چاہیں۔

○ خواب اور تعبیر دو علیحدہ چیزیں ہیں جنہیں ایک کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے۔

○ لوگ اتنے بے اعتبار کبھی نہیں ہوتے۔ جتنا ہم ان پر اپنی توقع کا بوجھ لاد دیتے ہیں۔

○ ریچھ کی دوستی بہت مہنگی ہوتی ہے، اگر وہ خوش ہو جائے تو گلے لگا لیتا ہے۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

وہ ایسا جہاں وسیع وعریض پلنگ کے علاوہ چھت سے
... ہوئی الماری موجود تھی۔
شاہا نے نینی کے جسم کو پلنگ پر منتقل کر دیا پھر اس کے کپڑے اتارنے لگی نینی نے ایک دفعہ پھر اپنا دفاع کرنے کے لئے جسم کی طاقت کو جمع کرنے کی کوشش کی لیکن اب کی دفعہ بھی وہ مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا اور شاہا نے اس کے جسم پر دکھائی دینے والے تمام کپڑے ایک ایک کر کے اتار پھینکے پھر قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔

''آج کی رات تمہاری حیثیت میرے دوسرے شوہر کی ہوگی لیکن پہلا شوہر سیزان ہی ہوگا تم نے میری محبت کو ٹھکرا کر عظیم غلطی کی ہے اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا ہی ہوگا'' اس نے قہقہے لگانے بند کیے اور آگے بڑھ کر نینی کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر غراتے ہوئے کہا۔

''اگر ہمت ہے تو اب انکار کر کے دکھاؤ، تم اس قابل نہیں ہو وادی تاتونیا میں عورتوں کا اختیار مردوں سے بڑھ کر ہے جس طرح تم اس وقت مجبور ولاچار ہو چند عرصے کے بعد تاتونی مرد اسی طرح مجبور ولاچار ہوگا جیسے انگشتری کی عمارت میں لاوارث پڑے بوڑھے مرد...... تمہیں اس حقیقت کو قبول کرنا ہی ہوگا۔''

اس نے جھٹکے کے ساتھ اپنے ہونٹ نینی کے ہونٹوں کے ساتھ پیوست کر دیئے وہ جذبات کے سمندر میں آگے ہی آگے بڑھنے لگی وہ سرشاری کے بھنور میں حواس سے بیگانہ ہوتی گئی اس پر جذبات کا ایسے جنون سوار ہو چکا تھا پھر وہ بھوکے بھیڑیے کی طرح نینی پر پل پڑی غنودگی کی حالت میں اس کے منہ سے نکلا نینی میں نے شروع میں تاں کہا تھا کہ ''آج کی رات میں لطف اندوز ہوں گی میں جانتی تھی کہ تم سیزان سے کئی گنا بہتر ثابت ہوگے۔''

رات آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی کاٹیج سلیمانکی جھیل کے پانیوں کی مدھر آواز ہوا کے دوش پر کبھی کبھی سنائی دیتی تھی کمرے میں جذبات کا طوفان امڈ پڑا تھا۔

شدی اور میلان کی روحیں بے بس تھیں موکاری اگر کوشش کرتا تو کاٹیج تک آسکتا تھا لیکن اس سے آگے بڑھنا اس کے لئے بھی ممکن نہیں تھا۔

شاہا کا جسم اب نینی کے قریب ہی بیڈ پر بے سدھ پڑا تھا وہ یقیناً مر چکی تھی اس کے ہونٹوں سے نکلتا ہوا جھاگ اس بات کی شہادت دیتا تھا کہ اس کے جسم میں زہر پھیل گیا تھا اور ایسا نینی کے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں میں لے کر چومنے کے بعد ہوا تھا۔

نینی کے جسم میں سوزو کا منکا پوشیدہ تھا اور وہ منکا کوئی عام منکا نہیں تھا بلکہ بھیس بدلنے والی ایسی ناگن کا منکا تھا جو سو سال تک انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کے بعد طاقتور ترین ناگن بن چکی تھی سوزو گزشتہ چند ملاقات قبل اسے منکے کی تباہ کاریوں سے آگاہ کر چکی تھی جن میں سے ایک منکے کے زہر سے متعلق تھی۔

اس منکے کی موجودگی کے دوران نینی کسی بھی لڑکی کو چوم نہیں سکتا تھا یہ منکا نینی کو زہریلے سانپ کا اختیار دیتا تھا اس منکے کی بدولت ہی موکاری کے نیولوں نے نینی کو دیکھتے ہی بڑھکنا شروع کر دیا تھا اور اس رات اسی منکے کے زہر کی وجہ سے نیتا بدھ کی لڑکی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی یہ ایسا لمحہ فکریہ تھا جس کے متعلق سوچنے کے بعد نینی کے دل ودماغ میں کچھ سوال کلبلانے والے کیڑوں کی طرح مچلنے لگے تھے۔

کیا وہ تمام زندگی تلسی یا پھر ماہی کے ہمراہ ازدواجی رفاقت کے قابل نہیں ہو پائے گا؟ کیا اس کے چھونے پر تلسی کا بھی وہی حال ہوگا جو کہ شاہا کا ہوا تھا؟

منکے کو جسم سے نکال دینے کے بعد اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا آنکھوں کی بینائی یا پھر اپنی محبت کا...... وہ بینائی کو ماہی پر قربان کر سکتا تھا منکا اس کی نگاہوں میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

لیکن اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ اس کا جسم حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا جڑی بوٹیوں کا یہ اثر مخصوص

مدت تک ہوسکتا تھا نینی دل میں دعا مانگنے لگا کہ یہ مدت سیزان کی آمد سے قبل ختم ہوجائے تاکہ وہ اس معاملے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرسکے۔

تمام رات اس دعا کے دوران گزر گئی صبح کے وقت جڑی بوٹیوں کا اثر زائل ہونے لگا نینی کو اپنے بے حس جسم میں زندگی انگڑائیاں لیتی محسوس ہونے لگی آہستہ آہستہ جسم نے حرکت کرنی شروع کی اور آدھے گھنٹے کے بعد وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے کاٹیج کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا ابھی تک سورج طلوع نہیں ہوا تھا لیکن سپیدہ سحر نمودار ہونے لگا تھا۔

موکاری چیڑ کے جنگلات کے پاس کھڑا اس کی آمد کا منتظر تھا اس کے پاس ہی شدی اور میلان کی روحیں بھی کھڑی تھیں نینی نے موکاری کو حالات سے آگاہ کیا تو وہ بے چینی لہجے میں بولا۔

''آپ کو جلد از جلد سیزان کے منکے کو اپنی تحویل میں لے لینا چاہئے ایک دفعہ منکا آپ کے ہاتھ لگ گیا تب سیزان آپ کا زرخرید غلام بن کر رہ جائے گا نینی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پرجوش لہجے میں بولا۔

''شاہا کی موت کے بعد نیتا بدھ کی طاقتیں کاٹیج سے دور جا چکی ہونگیں اب ہم دونوں کاٹیج میں جا کر منکا تلاش کرسکتے ہیں۔''

موکاری کے جواب دینے سے پہلے شدی کی روح بولی۔ ''وہ کاٹیج کے اردگرد موجود ہیں اور انہیں شاہا کی موت کے متعلق علم نہیں ہے اس لیے ان کی آگاہی سے قبل تمہیں اکیلے ہی کاٹیج سے منکا نکال کر باہر لانا ہوگا۔''

موکاری شدی کی بات سن نہیں پایا تاہم اس نے بات چیت میں حصہ لینے کی کوشش نہیں کی اور نینی دوبارہ کاٹیج کی طرف چل دیا وہاں ویرانی طاری تھی شاہا کا جسم زہر پھیل جانے کی بدولت پانی میں تبدیل ہونے لگا تھا اور کمرے میں ایسی سرانڈ پھیلی ہوئی تھی کہ وہاں ٹھہرنا دوبھر محسوس ہوتا تھا لیکن اسے بہرحال منکا تلاش کرنا تھا سورج طلوع ہونے لگا تھا اور باہر روشنی پھیلتی چلی جارہی تھی سیزان کی آمد سے قبل وہ منکے پر قبضہ کرلینا چاہتا تھا اس نے تلاشی کا آغاز خواب گاہ سے کیا کاٹیج زیادہ بڑا نہیں تھا تھوڑی تلاش کے بعد وہ ناامید ہوکر میٹنگ روم میں آبیٹھا منکا دستیاب نہیں ہوسکا تھا۔

کاٹیج کے باہر سبزہ زار میں دھوپ پھیل رہی تھی وہ سوچنے لگا یقیناً شاہا نے اس سے غلط بیانی کی تھی منکا کاٹیج میں نہیں بلکہ سیزان کے پاس تھا ایک بھیس بدلنے والا ناگ اپنا منکا کسی کو کیسے دے سکتا تھا وہ اٹھ کر کاٹیج سے باہر چلا آیا درختوں کے جھنڈ میں وہ تینوں اس کے منتظر تھے اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے انہیں بتایا کاٹیج میں منکا نہیں ہے وہ تمام کمروں کی تلاشی لے چکا ہے شاہا نے غلط بیانی سے کام لیا تھا اور منکا سیزان کے پاس تھا۔

میلان کی روح بولی۔ ''نیتا بدھ کی لڑکی جھوٹ نہیں بول سکتی منکا کاٹیج میں ہی ہونا چاہئے۔''

شدی کی آواز سنائی دی۔ ''میرے پاس اسے تلاش کرنے کا آسان طریقہ موجود ہے لکڑی سے بنے ہوئے کاٹیج کو آگ لگا دیجئے جلی ہوئی راکھ میں چمکتا ہوا منکا برآمد ہوجائے گا آگ لگانا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ تمہارے سنہرے ناخن بھی جل کر خاک ہوجائیں۔''

نینی نے تعریفی نگاہوں سے شدی کی طرف دیکھا اور پھر تیز قدموں کے ساتھ کاٹیج کی طرف چلا آیا کچن میں کیروسین سے بھرا ہوا کنستر موجود تھا اس نے اسے کاٹیج کی دیواروں پر چھڑکا اور ماچس کے ذریعے آگ لگادی دیواروں نے آگ پکڑلی نینی کاٹیج سے باہر نکل کر سبزہ زار کے درمیان میں آکھڑا ہوا۔

جیسے ہی بھڑکتی ہوئی آگ نے شدت اختیار کی سبزہ زار کے ماحول کو طوفانی ہواؤں نے اپنے گھیرے میں لے لیا ان ہواؤں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور آگ کے شعلے آسمان کو چھونے لگے ہوا کی شدت میں چیخ وپکار کی آوازیں سنائی دینے لگیں آسمان کا رنگ مٹیالا ہونے لگا نینی نے بھاگ کر درختوں کے نیچے پناہ لی

موکاری کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے لیکن شدی اور میلان کی روحوں کے چہرے سپاٹ تھے۔

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد آگ بجھ گئی اس کے ساتھ ہی ہواؤں کی شدت میں بھی کمی واقع ہونے لگی آسمان پر پھیلا ہوا غبار چھٹنے لگا اور دھوپ نے سبزہ زار کا محاصرہ کرلیا۔

میلان کی روح بولی ''نیتا بدھ کی طاقتیں اسے شاہا کی موت کے متعلق بتانے کے لئے وادی کی طرف جاچکی ہیں نیتا بدھ کی آمد سے قبل ہمیں منکے پر قابو پانا ہوگا۔'' نینی نے اثبات میں سر ہلایا اور چاروں راکھ بنے کا ٹیج کے ملبے کی طرف چل دیئے۔ سبزہ زار میں دھواں پھیلا ہوا تھا اور لکڑی جلنے کی بو میں سانس لینا دشوار محسوس ہوتا تھا۔ ان کے پاس وقت کم تھا اس لیے انہوں نے راکھ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے کریدنا شروع کردیا دونوں کے ہاتھ پاؤں اور کپڑے راکھ کی بدولت سیاہ ہونے لگے لیکن انہوں نے پرواہ نہیں کی اور تلاش میں مگن رہے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں زمین کی گہرائی میں چمکتا ہوا منکا دکھائی دیا نینی نے اسے ہاتھ میں تھامتے ہوئے کہا۔

''یہ رہا منکا اب سیزان کو مرنے سے کوئی نہیں بچاسکتا۔ چلو واپس فارم ہاؤس چلو، وہ منکے کو تلاش کرتا ہوا خود وہاں آئے گا'' چاروں واپس فارم ہاؤس چلے آئے۔ جب وہ فارم ہاؤس پہنچے تو شام ہوچکی تھی نینی نے پچھلی رات کافی پینے کے بعد سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ موکاری نے بیٹھنے والے کمرے میں کھانا لگایا اور دونوں خاموشی کے ساتھ کھانا کھانے لگے۔ موکاری کی آنکھوں میں تذبذب کے تاثرات تھے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن کسی وجہ سے کہہ نہ رہا ہو۔

نینی نے اس کی دماغی کیفیت کو جلد ہی محسوس کرلیا اور کھانا ختم کرنے کے بعد اس سے پوچھا ''میرے دوست اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم کچھ کہنا چاہ رہے ہو لیکن جھجک کی بدولت کہہ نہیں پارہے ہو کھل کر بات کرو میرے اختیار میں جو بھی ہوا میں کرنے کی کوشش کروں گا۔''

موکاری نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ہچکچاہٹ بھرے لہجے میں کہا ''کوکوربی مجھے ایسا کہنا نہیں چاہئے لیکن میں مجبوری کی حالت میں کہہ رہا ہوں یقین جانیے میں لالچی یا پھر مفاد پرست نہیں ہوں لیکن سانپوں سے تعلق ہونے کے حوالے سے مجبور ہوکر بات کررہا ہوں میری یہ خواہش ہے کہ بھیس بدلنے والے سانپ کا منکا میرے فارم ہاؤس میں موجود ہو میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ یہ منکا میرے حوالے کردیجئے میں آپ کا احسان تمام زندگی نہیں بھولوں گا۔''

نینی نے طویل سانس لیتے ہوئے قریب پڑے ہوئے کپڑے کے ساتھ ہاتھ پونچھے پھر گھمبیر لہجے میں بولا ''موکاری تمہارے کہنے سے قبل میں دل میں پکا ارادہ کرچکا تھا کہ سیزان کی موت کے بعد میں اس کا منکا تمہیں دے دوں گا تم نے خود بات چھیڑ کر اچھا کیا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ سیزان سے سوزو کی موت کا بدلہ لینے کے بعد میں اس کا منکا تمہارے حوالے کردوں گا۔''

موکاری کے چہرے پر اب بھی ایسی کیفیت پائی جاتی تھی جیسے وہ مطمئن نہ ہو، اس کی آنکھوں میں سوزو کی پرچھائیاں رقص کررہی تھیں اور وہ خوش نہیں تھا اس لیے مدہم لہجے میں بولا ''میں آپ کے رویے کی قدر کرتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں بے شک ویسا ہی کریں گے ٹھیک ہے میں انتظار کیے لیتا ہوں لیکن سیزان کے منکے کی حیثیت سوزو کے منکے کے سامنے نہ ہونے کے برابر ہے۔ یوں سمجھیں کہ سوزو کا منکا آسمان ہے اور سیزان کا زمین ہے اگر مجھے سوزو کا منکا مل جائے تو میں تمام زندگی آپ کے پاؤں دھو دھو کر پینے کے لئے تیار ہوں۔''

نینی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔ ''تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میری آنکھوں کی بینائی سوزو کے منکے کی مرہون منت ہے اگر میں یہ تمہیں دے دوں گا تو ایک دفعہ پھر مجھے اندھیری دنیا کو گلے لگانا ہوگا'' موکاری بات کاٹتے ہوئے

لیکن اس کے لئے آپ کے پاس سیزان کا منکا موجود ہے وہ آپ کی بینائی کی بحالی کے لئے کافی ہے۔"

نینی انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔"ناراض نہ ہونا لیکن ایسا ممکن نہیں ہے سوزو کا منکا میرے لیے قابل احترام ہے اسے اپنے وجود سے الگ کرنا میرے لیے ممکن نہیں اس لئے میں تم سے معذرت کرتا ہوں۔"

موکاری پشیمان لہجے میں بولا۔"معذرت کریں آپ کے دشمن، میری اتنی اوقات نہیں کہ میں آپ سے ناراض ہوسکوں رہی منکوں کی بات تو ان کی اتنی حیثیت نہیں ہے کہ ان کے حصول کے لئے میں آپ کو پریشان کروں آپ مطمئن ہوجائیے میں دوبارہ ایسی خواہش کا اظہار نہیں کروں گا۔"

نینی نے پرخلوص انداز میں موکاری کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا اور اٹھ کر ملحقہ کمرے میں چلا آیا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن صبح سویرے سامبا فارم ہاؤس میں نینی کا منتظر تھا اس کے چہرے پر جوش کے تاثرات تھے جنہیں دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ نہایت اہم خبر کو سینے میں دبائے ہوئے تھا نینی اس وقت ناشتہ کررہا تھا اس کی آنکھ صبح کچھ تاخیر کے ساتھ کھلی تھی۔ ناشتے کے دوران جب موکاری نے اسے سامبا کی آمد سے مطلع کیا تب نینی نے عجلت کے عالم میں ہلکا پھلکا ناشتہ کیا اور بیٹھنے والے کمرے میں چلا آیا سامبا اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور معذرت بھرے لہجے میں بولا۔

"میں تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں لیکن بات ہی کچھ ایسی ہے کہ اپنے آپ کو روک نہیں سکا اور بے اختیار فارم ہاؤس کی طرف دوڑا چلا آیا"

نینی نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر خود بھی سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا سامبا بے چین لہجے میں بولا۔"پرسوں رات شاہا کو قتل کردیا گیا ہے یقیناً ایسا آپ نے کیا ہے اب بازی ہمارے ہاتھ میں ہے تاتونیا میں قتل کی سزا موت نہیں ہے بلکہ قتل کرنے والے کو قتل ہونے والے کے گھر میں تاعمر ثانی نوکر بن کر کام کرنا ہوتا ہے میری بات کا مطلب آپ بہ خوبی جان چکے ہونگے میں آپ کو شاہا کے قتل کے جرم میں گرفتار کرکے ڈوگ پہنچادوں گا آپ پر قتل کا مقدمہ درج کیا جائے گا اور سزا ہونے کے بعد آپ کو نیتا بدھ کی خدمت پر معمور کرنے کیبعد تمام عمر کے لئے اس کے شملے میں بھجوادیا جائے گا ایک دفعہ آپ شملے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے تو پر نیتا بدھ پھر قابو پانا مشکل نہیں ہوگا۔"

نینی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا"ایسا سوچنا ممکن ہے لیکن عملی طور پر کام کرتے ہوئے ہمیں ناکوں چنے چبانے پڑیں گے وہ نیتا بدھ کا شملہ ہے کسی عام تاتونی کا لکڑی پر مشتمل گھر نہیں ہے وہاں ڈوگیوں کی تعداد تاتونیا میں پھیلے ہوئے ڈوگیوں سے بھی دوگنا ہوگی ان پر قابو پانے کے لئے ہمیں کسی ملک کی فوج کی خدمات حاصل کرنا ہوں گی۔......" سامبا سنجیدہ لہجے میں بولا"میں ڈوگی سیکشن کا سربراہ ہوں اور اتنا حق رکھتا ہوں کہ ڈوگیوں کی فوج کو مختصر وقت کے لئے نیتا بدھ کے شملے سے باہر بھجوا سکوں وہ حکم عدولی نہیں کریں گے لیکن مجھے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگلے ہفتے شنگریلا دیوتا کی پوجا کا دن آنے والا ہے اس دن تمام وادی کے تاتونی سلیمانکی ندی سے کچھ آگے واقع اولے پہاڑوں کی چراہ گاہ میں جمع ہوکر شنگریلا دیوتا کی پوجا کریں گے ایسے عالم میں نہایت مختصر وقت کے لئے نیتا بدھ اپنے شملے میں مخفی طاقتوں کے ہمراہ اکیلا رہ جائے گا اس وقت اس پر قابو پانا آپ کے لئے مشکل نہیں ہوگا آپ کے گلے میں موجود پانسو کی بدولت نیتا بدھ کی مخفی طاقتیں آپ پر اثر انداز نہیں ہونے پائیں گی اور آپ کے لئے حالات کو اپنے حق میں کرنے کا سنہرا موقع میسر آجائے گا۔" سامبا خاموش ہوگیا۔

نینی سوچنے والے انداز میں بولا۔"لیکن ایسا کرتے ہوئے مجھے دو محاذوں پر یکمشت لڑنا ہوگا شاہ رخ کے ساتھ سیزان والے معاملے پر بھی......اگر معاملے کی ابتداء یا پھر انتہا کے دوران سیزان نے دخل اندازی

کرنے کی کوشش کی تو معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے میرے خیال میں مجھے پہلے سیزان سے نمٹ لینا چاہئے نیتابدھ والے معاملے پر بعد میں بھی توجہ دی جاسکتی ہے'' سامبا کے چہرے پر اُلجھن کے تاثرات ابھرے اور وہ سرد لہجے میں بولا۔ ''معاف کیجئے گا سیزان کے معاملے کو نیتابدھ پر ترجیح دینا عقلمندی نہیں ہوگی وہ ایک حقیر سانپ ہے اس کی حیثیت نیتابدھ کے سامنے کچھ معنی نہیں رکھتی۔''

نینی بولا ''وہ حقیر سانپ اہم معاملے کے درمیان مداخلت کرکے تمام کیے دھرے پر پانی بھی پھیر سکتا ہے مجھے ذہنی یکسوئی چاہئے دماغ بٹ جانے کی صورت میں..... میں کام اطمینان کے ساتھ نہیں کرپاؤں گا۔''

سامبا طویل سانس لیتے ہوئے بولا ''آپ اس کا منکا میرے حوالے کردیجئے میں ابھی اس کا تیا پانچہ کیے دیتا ہوں۔''

نینی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''ایسا کرنا بھی ممکن نہیں ہے وہ میرا مجرم ہے اور میرے ہاتھوں سے ہی اپنے انجام کو پہنچ پائے گا۔'' اس کی بات درمیان میں رہ گئی کمرے کے باہر قدموں کی آوازیں ابھریں دونوں نے ہڑبڑا کر دروازے کی طرف دیکھا دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھلا اور ڈوگیوں کی فوج کمرے کے اندر گھستی چلی آئی ان کے ہاتھوں میں رائفلیں پکڑی ہوئی تھیں جن کی نال کا رخ ان دونوں کے جسموں کی طرف تھا سامبا نے کچھ بولنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ ان ڈوگیوں کی فوج کے پیچھے سے پہاڑ نما جسم والا تاتونی اندر داخل ہوا وہ سیاہ پینٹ اور سفید بنیان پہنے ہوئے تھا اس کے کرخت چہرے پر ان گنت زخموں کے نشانات دکھائی دے رہے تھے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ بھاری اور کرخت آواز میں ڈوگیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا ''ان دونوں کو گرفتار کرلو، آج کے بعد ڈوگی سیکشن کا سربراہ حقیر سامبا نہیں ہوگا بلکہ طاقتوں کا شہنشاہ لاتوبا ہوگا'' ڈوگیوں نے دونوں کو گھیرے میں لے لیا اور انہیں فارم ہاؤس سے باہر کی طرف دھکیلنے لگے لاتوبا ان کے آگے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

فارم ہاؤس کی تمام عمارت میں ڈوگی پھیلے ہوئے تھے اور عمارت کے باہر گھوڑوں کی بڑی تعداد موجود تھی ان کے درمیان میں بیل گاڑی کھڑی تھی سامبا اور نینی کو بیل گاڑی میں بٹھادیا گیا ان دونوں کے ساتھ دو ڈوگی ہاتھوں میں بندوقیں تھامے بیٹھ گئے۔

لاتوبا جس گھوڑے پر سوار ہوا اس گھوڑے کی جسامت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے لاتوبا کے وسیع وعریض حلئے کی مناسبت سے نہایت معقول قرار دیا جاسکتا تھا عربی نسل کا وہ سیاہ گھوڑا قابل رشک حیثیت کا مالک تھا لاتوبا نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑا طوفانی رفتار سے نیچے وادی کی طرف جاتی ہوئی سڑک کی طرف بھاگنے لگا۔

سامبا کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے معاملہ اس کی عقل وفہم سے بالاتر تھا لاتوبا کی غیر متوقع آمد اور ناسمجھ میں آنے والا رویہ اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ حالات اس کے حق میں موافق نہیں رہے تھے اور ایسا کیونکر ہوا تھا اس کے متعلق قبل از وقت کچھ کہنا ممکن نہیں تھا اس لیے وہ خاموشی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا رہا۔

گاڑی نے وادی کی طرف سفر کا آغاز کیا شدی اور میلان کی روحیں بیل گاڑی میں ہی تھیں ان دونوں کے چہرے سپاٹ تھے اور وہ بھی حالات کی غیر معمولی کروٹ کے متعلق آگاہی نہیں رکھتی تھیں۔

وادی میں داخل ہونے کے بعد جب بیل گاڑی نے نیتابدھ کے شملے کی طرف جاتی ہوئی سڑک پر مڑکر آگے بڑھنا شروع کیا تو شدی اور میلان کی روحوں نے الوداعیہ کلمات کہتے ہوئے آگے جانے سے معذرت کرلی۔ اور نینی کی نگاہوں کے سامنے سے یک دم غائب ہوگئیں۔

بیل گاڑی کے دونوں اطراف پھولوں کی کیاریاں اور درختوں کی بھرمار دکھائی دینے لگی تھی جہاں جابجا ڈوگی ہاتھوں میں رائفلیں تھامے پہرہ دے رہے

تھی یہ وادی کی چھاؤنی کا حساس ترین علاقہ تھا چھاؤنی سے کچھ آگے سرسبز وشاداب میدان تھا جس میں پن چکیوں کی بھرمار تھی اور میدان کے درمیان میں سے تاتونی دریا ٹھاٹھیں مارتا ہوا گزر رہا تھا دریا پر لکڑی کا پل دونوں حصوں کو آپس میں ملاتا تھا سامنے کی طرف جہاں سڑک کا اختتام ہو رہا تھا وہاں نیتا بدھ کے وسیع وعریض شملے کی عمارت تھی یہ تمام عمارت مضبوط اور جنگلی لکڑی سے تیار کردہ تھی۔

عمارت کے سامنے کی طرف بہت بڑا پھاٹک بنا ہوا تھا پھاٹک پر ڈوگیوں کا پہرہ تھا وہاں قریب ہی لاتوبا اپنے سیاہ گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا بیل گاڑی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر اس نے ڈوگیوں کو پھاٹک کھولنے کا حکم دیا چار ڈوگیوں نے ملکر پھاٹک کو اندر کی طرف دھکیل دیا اس کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے اس لئے باآسانی اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

بیل گاڑی شملے کی حدود میں داخل ہوگئی سامنے وسیع وعریض سرسبز وشاداب قطعہ زمین واقع تھا جس میں سیبوں کے جابجا درخت لگے ہوئے تھے کیاریوں میں سرخ اور پیلے پھول کھلے تھے اس قطعہ زمین کے سامنے لکڑی کا لامتناہی برآمدہ عمارت کے چاروں اطراف بنایا گیا تھا اس کے پیچھے ہال کمرے کا پھاٹک نما دروازہ تھا برآمدے میں جابجا ڈوگی پہرہ دے رہے تھے ان کے ہمراہ ڈوبرمین اور ایشین کتے بھی مستعد کھڑے تھے بیل گاڑی برآمدے سے کچھ پیچھے پہنچ کر رک گئی۔

نینی اور ساماما کو بیل گاڑی سے نیچے اتارا گیا ان کے جسموں کی تلاشی لی گئی ساماما کی جیب میں ریوالور تھا اسے باہر نکال کر تحویل میں لے لیا گیا پھر چھ ڈوگیوں کے ہمراہ انہیں اندر داخل ہونے کی اجازت دیدی گئی ہال کمرہ تین روشنیوں سے منور تھا جابجا فانوس لگے ہوئے تھے زمین پر بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا ہال کمرے کی تین دیواروں کے ساتھ ڈوگیوں کی بڑی تعداد ہاتھوں میں رائفلیں تھامے کھڑی تھی ہال کے سامنے کی طرف بہت بڑا اسٹیج بنا ہوا تھا جس پر قیمتی اور قابل ستائش کرسی رکھی ہوئی تھی جس کی ساخت عقاب سے مشابہت رکھتی تھی جسے تاتونی گمر یلا دیوتا سے تشبیہ دیتے تھے اس کرسی کے دونوں اطراف تین تین کرسیاں اور رکھی تھیں جو شاہ رخ کے مختصر اسٹاف کے لئے مختص تھیں اسٹیج کے سامنے والا حصہ تاتونی عوام کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔

نینی اور ساماما کو اس حصے میں کھڑا کر دیا گیا اور ان کی حفاظت پر متعین ڈوگی قریب ہی مستعد کھڑے ہوگئے انہیں پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا پھر ہال کمرے کے ایک طرف بنے ہوئے دروازے کے پٹ کھلے اور دو تاتونی ڈوگی دروازے سے باہر نکل کر دروازے کے دونوں طرف کھڑے ہوگئے اس کے بعد نیتا بدھ اپنے بوڑھے وجود کو گھسیٹتا ہوا اندر داخل ہوا ہال کمرے میں کھڑے تمام ڈوگی مودب ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے نیتا بدھ اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھ کر شنگریلا دیوتا والی کرسی پر براجمان ہوگیا۔

نینی نے اس کے سراپے کا تفصیلی جائزہ لیا اس کی عمر ستر سے کچھ اوپر تھی عمر کے لحاظ سے اس کی صحت قابل رشک تھی سر اور داڑھی کے بال سفید تھے ہاتھوں میں خوبصورت اور قیمتی لکڑی کا عصا تھامے ہوئے تھا جس کی شروعات میں سفید عقاب کی مورت بنی ہوئی تھی وہ سفید رنگ کا چوغہ اور سفید رنگ کی پینٹ میں ملبوس تھا۔ لیکن جسم میں چستی اور توانائی دکھائی دیتی تھی اپنی کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے غصیلی نگاہوں سے نینی کی طرف دیکھتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا ”تمہیں ربی کے نام سے مخاطب کرنا مجھے مناسب دکھائی نہیں دیتا اور میں تمہارے اصل نام سے واقفیت نہیں رکھتا اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم ربی کے جڑواں بھائی ہو اور تمہیں بچپن میں ہی شندوں کی دنیا میں بھجوا دیا گیا تھا اس دنیا میں تمہارا کوئی نہ کوئی نام تو ضرور ہوگا۔ وہ مجھے بتا دو تاکہ بات چیت میں آسانی رہے۔“

نینی نے سپاٹ لہجے میں اسے اپنے نام بتا دیا۔ نیتا بدھ نے سر کو اثبات میں ہلایا اور سرد نگاہوں سے ساماما

کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''جناب کے تعارف کی ضرورت نہیں لیکن مجھے اس بات کا افسوس ضرور رہے گا کہ تم مجھے نصیحتیں کرتے کرتے وادی کی حکومت حاصل کرنے کی سازش کرنے لگے میں تمہیں ڈوگی سیکشن سے برخواست کرتا ہوں اب تمہیں اپنی آئندہ کی زندگی ڈوگ میں گزارنا ہوگی۔''

نینی نے پوچھا۔''تمہیں ہماری موجودگی کے متعلق کیسے پتا چلا تمہاری غیبی طاقتیں یہ کام نہیں کرسکتیں وہ ضرور کوئی تاتونی ہوگا جس نے مفاد کی غرض سے تمہیں اطلاع دی ہوگی۔''

نیتا بدھ مسکراتے ہوئے بولا۔''تمہارا اندازہ درست ہے میں تمہیں ابھی اس سے ملوائے دیتا ہوں پہلے تمہارے گلے میں پہنے ہوئے پانسو پر قبضہ کرلوں جس کی بدولت میں اب تک تمہاری آمد سے بے خبر رہا۔''نیتا بدھ نے قریب کھڑے ہوئے ڈوگی کو اشارہ کیا اور اس نے آگے بڑھ کر نینی کے گلے سے پانسو کو اتار کر تتلی کا پھڑکتا ہوا وجود نیتا بدھ کے ہاتھوں میں تھمادیا نینی کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں دوڑتی ہوئی کرنٹ کی کیفیت یکدم روک دی گئی ہو نیتا بدھ نے لاکٹ کو احتیاط کے ساتھ اپنی جیب میں رکھ لیا پھر نینی اور سامبا سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

یقین جانو تمہاری مخبری کرنے والے تاتونی کو میں نے اوریو کے عہدے پر خارجی پہلوؤں کی حفاظت کے لئے وادی سے باہر پہاڑوں میں تعینات کرنے کی پیشکش کی لیکن اس نے پیشکش کو مسترد کرکے مجھے حیران کردیا وہ نہایت عجیب وغریب فطرت کا مالک تاتونی ہے میں اسے بلاتا ہوں۔''

بات کے اختتام پر اس نے ڈوگی کو سر کے اشارے سے باہر جانے کا حکم دیا جس نے پانسو کی طاقت کو نینی کے گلے سے اتارنے کے بعد نیتا بدھ کے حوالے کیا تھا وہ کمرے سے باہر نکل گیا نینی اور سامبا کی منتظر نگاہیں دروازے پر جم گئیں وہ نیتا بدھ کے منہ سے تعریفیں سننے کے بعد اب شدت سے اس تاتونی کو دیکھنے کے لئے منتظر تھے جس نے انہیں منٹوں میں گرفتار کروادیا تھا۔

دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ پیدا ہوئی اور موکاری کمرے میں داخل ہوا اس کی آنکھوں میں تمسخرانہ تاثرات تھے اور چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ رقص کررہی تھی وہ نیتا بدھ کے قریب پہنچ کر رک گیا نینی نفرت آمیز لہجے میں بولا''مجھے تمہاری فطرت کے متعلق اسی وقت اندازہ لگالینا چاہئے تھا جب تم نے منکے کے حصول کی درخواست کی تھی۔''

موکاری طنزیہ لہجے میں بولا''اگر آپ اسی وقت دے دیتے تو یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا منکا مجھے اب بھی مل جائے گا۔''

نینی زہرخند لہجے میں بولا۔''یہ تمہاری بھول ہے وہ میرے جسم کے اندر ہے اور اسے باہر نکالنا تمہارے اختیار میں نہیں ہے اس لئے ڈوگ میں رہ کر یا پھر آزاد گھومتے ہوئے تمہیں ہمارے وجود سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔''

موکاری قہقہہ لگاتے ہوئے بولا''اپنے فائدے اور نقصان کے متعلق میں بہ خوبی اور بہتر سوچ سکتا ہوں آپ اپنی فکر کیجئے میں منکے کو حاصل کرنے کے لئے آپ کے جسم کی بوٹیاں تک علیحدہ کرسکتا ہوں آپ کے جسم میں موجود دونوں منکے آپ کی ہلاکت کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔''

سامبا نے پوچھا۔''تمہارا مفاد تو سامنے آگیا لیکن نیتا بدھ کا پوشیدہ ہے مجھے یقین ہے کہ کچھ نہ کچھ تو اس کا بھی ہوگا ورنہ وہ اتنی خاموشی کے ساتھ تمہیں سب کچھ کرنے کی اجازت نہ دیتا''۔

موکاری نے جواب دیا''بھیس بدلنے والے سانپوں میں بہت سی طاقتوں کا مجموعہ پایا جاتا ہے اس مجموعے کو حاصل کرنے کے بعد نیتا بدھ کو شاہ رخ کے عہدے سے کوئی بھی برطرف نہیں کرپائے گا کوکورپی کے جسم میں دو سانپوں کے منکے ہیں ان میں سوزو کا منکا زیادہ طاقتور ہے سیزان کا منکا سوزو کے ہم پلہ تو نہیں

ہے لیکن طاقت کے لحاظ سے اس سے کچھ کم بھی نہیں ہے میں ایک دفعہ پھر آپ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ موت سے بہتر قربانی ہوتی ہے اگر ان منکوں کی قربانی کی بدولت آپ کی جان خلاصی ہوسکتی ہے تو عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ آپ بلاسوچے سمجھے اس قربانی کے لئے آمادہ ہوجایئے۔'' وہ خاموش ہوگیا۔

اب کی دفعہ نیتا بدھ بولا۔ ''تم دونوں کے پاس کل تک کا وقت ہے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو ورنہ کل صبح تمہیں میرے شملے کے درمیان میں پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا اس نے ڈوگیوں کو اشارہ کیا کہ دونوں کو ڈوگ میں منتقل کردیا جائے اور موکاری کے ہمراہ اسٹیج کے پیچھے دکھائی دینے والے کمرے کی طرف چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

ڈوگ کی دیواریں سیاہ رنگ کی لکڑی سے تیار کردہ تھیں کمرہ مختصر اور حبس آلود تھا اس میں کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا کمرے کے سامنے کی طرف سلاخیں لگی ہوئی تھیں جس کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور سامنے چار ڈوگی پہرہ دے رہے تھے کمرے میں داخل ہونے کے بعد سامبا بولا۔ ''کیا واقعی سوزو اور سیزان کا منکا آپ کے پاس موجود ہے اگر ہے تو اس وقت کہاں ہے؟''

نینی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''میرے جسم کے اندر..... میری آنکھوں کی روشنی سوزو کے منکے کی مرہون منت ہے اسے موکاری کے حوالے کرنے پر میں موت کو ترجیح دوں گا۔''

سامبا بولا ''تب پھر آپ کے ساتھ میرا بھی شکریلا حافظ آج کی رات ہم دونوں کی آخری رات ہوگی۔''

نینی بولا ''لیکن منکے کی دستیابی کے بعد بھی وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے میرے خیال میں منکا ان کے حوالے کرنا بے وقوفانہ عمل ہوگا۔''

کمرے کے ماحول میں سرسراہٹ پیدا ہوئی دونوں نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا انہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دیا لیکن اچانک ہی کمرے کے باہر پہرہ دیتے ہوئے چاروں ڈوگی یکے بعد دیگرے زمین پر گر کر تڑپنے لگے پھر سیاہ رنگ کا کالا ناگ ڈوگ کی سلاخوں کے نیچے سے ہوکر اندر داخل ہوا۔

سامبا نے گھبرا کر دیوار کی جڑ میں چھپنے کی کوشش کی نینی مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اس سے فرار ممکن نہیں ہے اس لئے خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو یہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' سانپ نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد زمین پر کروٹیں بدلنا شروع کریں اور انسانی صورت اختیار کرنے لگا سامبا حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اگلے سیکنڈ میں سیزان انسانی صورت میں ان کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا اس کے چہرے پر بے چارگی بھرے تاثرات تھے وہ تھکا ہوا نڈھال دکھائی دیتا تھا۔

انسانی صورت اختیار کرتے ہی وہ عیارانہ لہجے میں بولا۔ ''میں اپنے معزز دوست کو وادی تاتونیا میں خوش آمدید کہتا ہوں ہم پہلے بھی دوست تھے اور اب بھی ہیں پھر تم نے شاہا کو قتل کیوں کردیا؟ اگر اس کی وجہ سوزو کی موت ہے تب پھر تم خود ہی بتاؤ کیا تاتونی رسم ورواج کے مطابق شاہ رخ کے قریبی اہلکاروں کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت نہیں ہے تمہاری دنیا میں بھی انہیں یہ اجازت حاصل ہے تو پھر اگر میں نے کرلی تو کون سا گناہ مجھ سے سرزد ہوگیا۔''

نینی تلخ لہجے میں بولا ''سوزو کو قتل کرنے کا گناہ..... تم دوسری شادی کرچکے تھے لیکن تمہیں اپنی پہلی بیوی کو قتل نہیں کرنا چاہئے تھا اس گناہ کی پاداش میں اب تمہیں تمام زندگی منکے کے بغیر بسر کرنا ہوگی۔''

سیزان مسکراتے ہوئے بولا ''تم خود ڈوگ میں اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہو ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اب تک تمہاری اکڑ کو ختم ہوجانا چاہئے تھا جتنا تمہارا وجود منکے کی دستیابی کے لئے میری نگاہوں میں اہمیت رکھتا ہے اتنا ہی میرا وجود تمہارے لئے رکھتا ہے آؤ ہم یہاں بیٹھ کر ایک سودا کرتے ہیں

میں تمہیں تمہارے مقصد میں کامیابی دلوانے کی کوششیں کرتا ہوں اس کے بدلے میں تم میرا منکا میرے حوالے کردینا۔''

نینی بولا ''نیتا بدھ کی بادشاہت کو ختم کرنا آسان نہیں وہ ایک ایسی وادی کا شاہ رخ ہے جہاں صرف طاقتوں کو پوجا جاتا ہے وہ اگر شاہ رخ کے عہدے پر فائز ہے تو یقیناً طاقت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہوگا کیا تم اس کی بادشاہت کو ختم کرسکتے ہو۔''

سیزان مسکراتے ہوئے بولا ''میں نے اس کے چار ڈوگیوں کو ڈس کر ہلاک کردیا اس کی طاقتیں کچھ بھی نہیں کرپائیں میں تمہارے سامنے کب سے بیٹھا ہوں اگر اس کی طاقتوں میں ہمت ہوتی تو اب تک اسے میری موجودگی کے متعلق اطلاع پہنچا چکی ہوتیں لیکن ایسا نہیں ہوا اس کی طاقتیں سانپ کے چمکیلے وجود کے سامنے بے بس ہیں میں بہت کچھ کرسکتا ہوں لیکن تمہیں میرے ساتھ وعدہ کرنا ہوگا کہ نیتا بدھ کی حکومت کے خاتمے کے فوراً بعد میرا منکا میرے حوالے کردوگے۔''

نینی نے چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد پوچھا ''مجھے اپنے لائحہ عمل کے متعلق بتاؤ میں فیصلہ کروں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

سیزان بولا ''ضرور کیوں نہیں میرے دماغ میں پیدا ہونے والا منصوبہ پیچیدہ نہیں ہے بلکہ نہایت سادہ ہے میں شاہا کی بدولت شملے کے حدود اربع سے آگاہی رکھتا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ شملے کو پانی کی ترسیل کے لئے ٹینکی چھت پر کہاں نصب ہے میں رات کے اندھیرے میں روپوش ہوکر شملے کی چھت کا رخ کروں گا اور پانی کی ٹینکی میں اپنے جسم کا تمام زہر شامل کردوں گا اس ٹینکی کے پانی سے سب کے لئے ناشتہ تیار کیا جاتا ہے صبح شملے میں رہائش رکھنے والا جو فرد بھی ناشتہ کرے گا وہ پانی بن کر زمین پر بہہ جائے گا۔''

نینی طنزیہ لہجے میں بولا ''تم شملے کی حفاظت پر معمور ان طاقتوں کو نظر انداز کررہے ہو جن کے ہوتے ہوئے چڑیا بھی شملے کی چھت پر پر نہیں مار سکتی۔''

سیزان مسکراتے ہوئے بولا ''ان طاقتوں کے ہونے کے باوجود بھی میں تمہارے سامنے ڈوگ کے کمرے میں بیٹھا ہوں وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں روپ تبدیل کرلینا میری فطرت میں شامل ہے اور اگر میں چیونٹی بن کر ڈوگ کی عمارت میں داخل ہوسکتا ہوں تو کیڑے مکوڑے کی صورت اختیار کرکے ٹینکی تک رسائی بھی حاصل کرسکتا ہوں۔''

سامبا پہلی دفعہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولا ''یہ سب کچھ کرنے سے پہلے اگر تم نیتا بدھ کی جیب میں سے تتلیوں کی طاقت پانسو حاصل کرلو تو میرے خیال میں سب سے بہتر ہوگا۔''

سیزان نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا ''تو پھر کام کی شروعات سے قبل تم کو مجھے یقین دہانی کرانی ہوگی کہ کام کی تکمیل کے بعد میرا منکا واپس دینے سے منکر نہیں ہوگے۔''

نینی تلخ لہجے میں بولا ''میں تمہیں مطمئن کرنے کے لئے تیار ہوں تم بتاؤ کہ مجھے کرنا کیا ہوگا۔''

سیزان بولا ''کچھ زیادہ نہیں بس صرف اپنی چھوٹی انگلی کا سنہرا ناخن کاٹ کر میرے حوالے کردو میرے اطمینان کے لئے کافی ہوگا۔''

نینی نے تفہیمی نگاہوں سے سامبا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''کیا اس میں کچھ قباحت تو نہیں ہوگی۔''

سامبا نے جواب دیا ''نہیں چھوٹی انگلی کا ناخن طلب کرنا ضرور یا دہانی کی حد تک محدود ہوتا ہے اگر آپ اپنے وعدے سے منکر ہونے کی کوشش کریں گے تو جس تاتوتی کے پاس آپ کی انگلی کا ناخن ہوگا وہ اسے وادی کی عوام کے سامنے دکھانے کے بعد آپ کو اپنا کام کرنے پر مجبور کرے گا۔''

نینی نے دانتوں کے ذریعے اپنی چھوٹی انگلی کے ناخن کو کاٹا اور سیزان کے ہاتھوں میں تھمادیا تو سیزان نے انہیں انتظار کرنے کے لئے کہا اور سانپ بن کر ڈوگ کی عمارت سے باہر نکل گیا۔

(جاری ہے)

آسیبی پینٹنگ

مریم فاطمہ۔ کراچی

اچانک ایک روح کمرے میں ظاہر ہوئی اور پھر اس کے لب ہلے۔
"بہن تمہیں شادی مبارک ہو، تم نے مجھے معاف کردیا تو گاڈ نے بھی مجھے معاف کردیا، میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں۔

بغض و کینہ اور حرص و لالچ میں انسان خونی رشتوں کو بھی بھول جاتا ہے، حقیقت کہانی میں ہے

کیتھی نے اپنی گاڑی دکان کے باہر کھڑی کی اور چلتی ہوئی دکان میں داخل ہوئی اس نے سردی سے بچنے کے لئے اوور کوٹ پہن رکھا تھا اس کی عمر بائیس سال تھی وہ ایک خوبصورت حسینہ سے کم نہیں تھی آج موسم خاصا ٹھنڈا تھا۔ آسمان پر گہرے سیاہ بادل تھے یوں لگتا تھا جیسے ابھی بارش برس پڑے گی۔ وہ جہاں آئی تھی وہ ایک موسیقی کے سامان کی دکان تھی وہاں ہر طرح کے موسیقی کے سامان موجود تھے۔

کیتھی کو بچپن سے ہی میوزک سے دلچسپی رہی تھی وہ اپنے لیے کوئی میوزک کا سامان دیکھ رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی مس آپ کو کیا چاہئے؟" ایک سیلز گرل نے اسے پوری دکان میں ادھر سے ادھر ہوتے دیکھا تو پوچھا۔

"مجھے جو چاہئے وہ شاید آپ کے پاس نہ ہو" کیتھی

نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''ہماری شاپ میں میوزک کے تمام سامان ملتے ہیں آپ اپنی مطلوبہ چیز بتایئے'' اس سیلز گرل نے کہا تو کیتھی نے بتایا کہ اسے ایک بانسری کی تلاش ہے۔

''اوہ اچھا تو آپ بانسری لینا چاہتی ہیں'' سیلز گرل نے مسکرا کر کہا اور اسے ایک سبز رنگ کی بانسری نکال کر دکھائی۔ ''ہمارے پاس یہ کئی رنگوں میں موجود ہے۔'' اس نے بتایا۔

''نہیں..... نہیں مجھے اور رنگ نہیں دیکھنے مجھے یہ گرین والی ہی چاہئے'' کیتھی نے بانسری کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''لایئے میں اسے پیک کردوں'' سیلز گرل نے بانسری اس سے لے کر پیک کردی تو کیتھی نے بانسری کی قیمت ادا کی اور بانسری کو لے کر جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی کیونکہ اب بارش شروع ہوچکی تھی، گھر پہنچی تو اس کی بہن سانتھا اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ ''کہاں گئی تھیں کتنی دیر سے میں تمہارا انتظار کررہی ہوں۔''

''جانا کہاں ہے بس یونہی بازار گئی تھی۔'' کیتھی نے جواب دیا۔ ''اس موسم میں بازار کیا کرنے گئی تھیں؟'' سانتھا کو حیرت ہوئی۔ ''یہ لینے گئی تھی'' اتنا کہہ کر کیتھی نے اپنے پاس سے ایک پیکٹ اس کے سامنے لہرایا۔

''یہ کیا ہے؟'' سانتھا نے اس کے ہاتھ سے پیکٹ جھپٹ لیا اور اسے کھول ڈالا ''ارے یہ کیا بانسری؟''

''ہاں بانسری آج سے میں اسے بھی بجایا کروں گی'' کیتھی نے کہا۔

''جواب نہیں تمہارا بھئی ہر وقت میوزک بجاتی رہتی ہو۔''

کیتھی اور سانتھا دو بہنیں تھیں کیتھی بائیس سال کی تھی جبکہ سانتھا چوبیس سال کی تھی ان کے والدین آج کل دوسرے شہر کسی سے ملنے گئے ہوئے تھے اور مہینے بھر سے پہلے لوٹنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، کیتھی نے گھر میں ایک کمرہ میوزیکل سامان کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا وہاں وہ میوزک بجایا کرتی گھر میں جب بھی کبھی پارٹی وغیرہ ہوتی تو وہ میوزک بجا کر مہمانوں کو خوش کرتی۔

☆.....☆.....☆

آج کیتھی کی سالگرہ تھی ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ اپنی سالگرہ بھول گئی تھی سانتھا نے اسے سرپرائز دینے کا فیصلہ کیا تھا وہ اپنے ہاتھ میں ایک پینٹنگ لیے اس کے کمرے میں چلی آئی ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو'' اس نے یہ کہتے ہوئے پینٹنگ اس کے ہاتھ میں تھمادی۔ ''ارے میں پھر بھول گئی آج تو میری برتھ ڈے ہے'' کیتھی نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں تم ہمیشہ بھول جاتی ہو'' سانتھا نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا چلو اب اسے کھول کر دیکھو'' وہ پینٹنگ خوبصورت ریپر میں پیک کی ہوئی تھی کیتھی نے سانتھا کے کہنے پر جلدی جلدی سے پینٹنگ کھول کر دیکھی۔ ''ارے واہ یہ تو کمال ہوگیا'' کیتھی نے پینٹنگ دیکھ کر خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔

پینٹنگ میں ایک لڑکی چین کا روایتی لباس پہنے ہاتھ میں بانسری لیے بجا رہی تھی وہ ایک نہایت خوبصورت تصویر تھی اور بنانے والے نے یقیناً اسے بہت محنت سے بنایا تھا۔

''میں نے سوچا کہ تمہیں بانسری کی آواز پسند ہے تو یہ تمہارے لیے پرفیکٹ گفٹ رہے گا'' سانتھا نے بتایا۔ ''لیکن یہ تمہیں ملی کہاں سے۔ یہ تو بہت ہی نایاب لگ رہی ہے'' کیتھی نے پوچھا۔ ''یہ مجھے راستے میں ملی تھی ایک عورت بیچ رہی تھی میں تمہارے لیے کوئی اچھا سا گفٹ تلاش کرتی پھر رہی تھی کہ میری نظر اس پر پڑ گئی تم جانتی ہو اس عورت نے مجھے بتایا کہ ''یہ تصویر اس کی مرحوم بیٹی کی ہے اس نے اس کی زندگی میں یہ پینٹنگ بنائی تھی۔'' سانتھا نے بتایا۔

''اچھا واقعی اور اس کی بیٹی کا نام کیا تھا؟'' کیتھی کے پوچھنے پر سانتھا نے گہرا سانس لیا پھر بولی۔ ''اس کا اصل نام تو کچھ اور تھا لیکن پیار سے اسے سب کیٹی کہتے تھے۔''

''اسے اپنے بیڈ روم میں لگاؤں گی۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''ہاں بالکل چلو چل کر اسے تمہارے کمرے میں لگاتے ہیں۔'' سانتھا نے بھی اس کی تائید کی اور پھر دونوں اسے کیتھی کے کمرے میں لگانے لگیں۔

اور اسی رات بڑے زوروں کا طوفان آیا یوں لگتا تھا جیسے سارے بادل آج ہی برس جائیں گے سانتھا اور کیتھی ڈنر کے بعد اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہی تھیں کیتھی کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اس کی عادت تھی کہ چاہے گرمی ہو یا سردی وہ کھڑکی کھول کر ہی سوتی تھی آج بھی وہ بستر پر لیٹی کھڑکی سے باہر ہوتی بارش کو غور سے دیکھ رہی تھی پورے کمرے میں اس وقت صرف گھڑی کی ٹک ٹک اور کمرے سے باہر بارش کے شور کی آواز تھی وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی تھوڑی ہی دیر میں نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

رات کا نجانے کونسا پہر تھا جب اس کی آنکھ ہلکی ہلکی بانسری کی آواز سے کھلی اس وقت طوفان تھم چکا تھا کیتھی نیند سے آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی اس نے دیکھا کہ اندھیرے میں کوئی اس کی کھڑکی میں بیٹھا بانسری بجا رہا ہے "سانتھا کیا یہ تم ہو؟" اس نے آواز دے کر پوچھا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا اور وہ جو بھی تھا بانسری بجاتا رہا تنگ آ کر کیتھی بستر سے اٹھی اور کھڑکی کے پاس آ کر دیکھا۔

کیا دیکھتی ہے کہ وہی پینٹنگ والی لڑکی جس کا نام کیٹی تھا بالکل ویسا ہی لباس جیسا کہ تصویر میں پہنا تھا پہنے بیٹھی بانسری بجا رہی ہے۔

فطری طور سے کیتھی کی چیخ نکل گئی اور وہ چیختے چلاتے کمرے سے باہر بھاگی۔ "سانتھا دروازہ کھولو" اس نے سانتھا کے کمرے کا دروازہ پیٹ ڈالا تھوڑی ہی دیر میں دروازہ کھلا اور دروازے میں سانتھا نظر آئی۔ "کیا ہوا اتنی رات کو تم کیا کر رہی ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ جواب میں کیتھی نے اسے بتایا کہ "اس کے کمرے میں کیٹی بیٹھی بانسری بجا رہی ہے۔"

"تم نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہوگا" سانتھا نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں سانتھا میرا یقین کرو یہ کوئی خواب نہیں بلکہ میں نے سچ میں کیٹی کو وہاں کھڑکی میں بیٹھے دیکھا ہے۔" کیتھی نے ضد کی تو سانتھا اس کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی لیکن اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"کہاں ہے کیٹی یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے ضرور تمہیں وہم ہوا ہے۔"

"مجھے وہم نہیں ہوا" کیتھی چیخی۔

"اچھا چلو ناراض تو نہ ہو تم یہاں آرام سے بیٹھو میں تمہارے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں پھر تم مجھے بتانا کہ تم نے کیا دیکھا تھا" سانتھا نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا اور اسے بستر پر بٹھا کر کچن میں کافی بنانے چلی گئی تھوڑی دیر میں کافی بن گئی تو وہ دو کپ لیے ایک کیتھی کا اور ایک اپنا لیے اس کے کمرے میں چلی آئی۔ "یہ لو پیو" اس نے اس کی طرف کپ بڑھایا۔

کیتھی کافی کی چسکیاں لینے لگی کافی پینے کے ساتھ ہی اس کو سردی کے احساس میں کمی آئی پھر وہ اور سانتھا کیٹی والی بات کرنے لگیں جتنا وہ چاہتیں کہ یہ معاملہ سلجھے معاملہ اتنا ہی الجھ کر رہ گیا تنگ آ کر سانتھا نے مشورہ دیا کہ اس بارے میں کل بات کی جائے اور پھر وہ دونوں سونے کی غرض سے لیٹ گئیں۔

صبح کیتھی کی آنکھ کھلی تو آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے وہ ناشتہ کرنے کچن میں آئی سانتھا پہلے ہی جاگ چکی تھی اور اس کے اور اپنے لئے ناشتہ تیار کر رہی تھی "اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں اچھا سنو کل رات والے واقعے کے بارے میں کیا کہتی ہو؟" کیتھی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اگر دوبارہ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا تو پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا چاہئے" سانتھا نے جواب دیا اور پھر دونوں ناشتہ کرنے میں مگن ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

اس رات ان کے گھر میں پارٹی تھی کیتھی اور سانتھا کے چند دوست شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے کافی دیر سب آپس میں باتیں کرتے رہے اور پھر کیتھی پیانو پر کوئی دھن بجانے لگی سب ہی لوگ لطف اندوز ہو رہے تھے سانتھا کیتھی کو خوش دیکھ کر خود بھی مطمئن نظر آ رہی تھی کہ تب ہی اچانک کیتھی نے ایک سایہ گزرتا ہوا دیکھا تو بے اختیار اس کی

نظریں اس طرف اٹھ گئیں اس نے دیکھا کہ وہی لڑکی (کیٹی) ہاتھ میں بانسری لیے گزری تھی اس کے چہرے پر ایک پراسراری مسکراہٹ تھی کیتھی کی تو خوف سے چیخ نکل گئی وہ اتنی بدحواس ہوئی کہ اپنی کرسی سے نیچے گر پڑی۔

''کیا ہوا کیتھی، تم ٹھیک تو ہو؟'' اس کے بوائے فرینڈ مائیکل نے گھبرا کر پوچھا، سانتھا بھی اپنی جگہ سے دوڑی چلی آئی باقی سب بھی پریشان نظر آرہے تھے۔

کیتھی بہت بری طرح سہمی ہوئی تھی ''بھ..... بھ..... بھوت میں نے بھوت دیکھا، میں نے کیٹی کا بھوت دیکھا'' کیتھی نے ہکلاتے ہوئے کہا اس کے اس جواب پر سب لوگ حیران رہ گئے۔

مجبوراً سانتھا کو اس سے پہلے پیش آئے واقعے کے بارے میں بتانا پڑا، پارٹی میں آئے سبھی لوگ سانتھا اور کیتھی کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے ان دونوں کا دماغ خراب ہو بھلا ایسی بات پر یقین بھی کون کرتا بہرحال تھوڑی دیر میں سارے مہمان واپس اپنے گھروں کو چلے گئے ویسے بھی کیتھی اور سانتھا بہت ڈری ہوئی تھیں اور آگے مزید پارٹی کو جاری نہیں رکھنا چاہتی تھیں مہمانوں کے جانے کے بعد کیتھی اور سانتھا نے پورا گھر چیک کیا اور پھر تسلی ہونے کے بعد کہ گھر میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں دونوں سونے کے لئے بستر پر لیٹ گئیں۔

آج کیتھی نے اپنے کمرے کی کھڑکی اس خیال سے بند کردی تھی کہ کہیں کیٹی پھر اس کی کھڑکی میں نہ بیٹھ جائے۔

رات کا نہ معلوم کونسا پہر تھا جب کیتھی کی آنکھ بانسری کی آواز سے کھلی وہ فوراً محتاط ہوگئی اس نے جلدی سے کمبل ایک طرف پھینکا اور بستر سے باہر نکل آئی وہ کمرے کے دروازے کی جھری کھول کر باہر جھانکنے لگی اس نے دیکھا کہ سامنے وہی لڑکی (کیٹی) کھڑی بانسری بجارہی ہے اچانک ہی اس نے بانسری بجانا روک دی اور اس کے کمرے کی جانب دیکھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اس طرف بڑھنے لگی۔

کیتھی نے اندازہ لگایا کہ شاید اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ چپکے چپکے اسی کو دیکھ رہی ہے کیتھی گھبرا گئی نزدیک آکر وہ لڑکی پوری قوت سے دروازے کو کھولنے کی کوشش کرنے لگی دوسری طرف کیتھی پورا زور لگا کر دروازہ اپنی طرف کھینچنے لگی کیتھی پر دہشت طاری تھی سخت سردی میں بھی اسے پسینہ آگیا تھا کچھ دیر کی زور آزمائی کے بعد کیٹی نے دروازہ چھوڑ دیا اور کیتھی کو باہر کیٹی کے ہنسنے کی آواز سنائی دی اس کی ہنسی بے حد پراسرار تھی۔

کیتھی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی اس نے ہمت کرکے دروازہ ذرا سا کھول کر دیکھا لیکن اب وہاں کوئی نہ تھا۔ کیتھی حیران و پریشان رہ گئی۔ ''نہ جانے کیٹی کی آتما میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے۔'' کیتھی نے دل میں سوچا اور پھر دروازہ لاک کرکے بستر پر لیٹ گئی۔

☆.....☆.....☆

آج کسی ضروری کام سے سانتھا کو بازار تک جانا تھا اور کیتھی گھر پر اکیلی تھی وہ اس وقت کمرے میں بیٹھی میگزین پڑھ رہی تھی کہ تب ہی اسے بانسری کی مخصوص آواز سنائی دی وہ پوری طرح چوکنا ہوگئی اور میگزین ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اس نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ ہی لڑکی سیڑھیوں کے بالکل پاس کھڑی بانسری بجارہی ہے کیتھی نے سوچا کہ ہمت کرکے اس کا سامنا کیا جائے وہ اس کے پاس چلی آئی اس کے نزدیک آنے پر کیٹی نے گھوم کر اسے دیکھا ''تت..... تم کون ہو؟'' کیتھی نے سوال کیا۔

جواب میں وہ لڑکی پراسرار انداز میں مسکرائی اور کیتھی کی طرف بڑھنے لگی، کیتھی پر بری طرح دہشت طاری ہوگئی وہ دو قدم پیچھے ہٹی اور پھر لڑکھڑا کر وہیں فرش پر گر گئی۔

کیٹی بدستور اس کی طرف بڑھ رہی تھی وہ جیسے ہی اس کے بالکل نزدیک پہنچی، کیتھی نے پوری قوت سے ایک لات اس کے پیٹ میں ماری تو وہ چیخ مار کر سیڑھیوں سے نیچے گر گئی، اس کے گرتے ہی کیتھی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور سیڑھیاں اترتی ہوئی اس تک جا پہنچی، کیٹی فرش پر لیٹی کراہ رہی تھی اس کا سر بھی پھٹ گیا تھا اور سر سے خون نکل رہا تھا ''کون ہو تم کیا چاہتی ہو مجھ سے؟'' کیتھی نے پوچھا۔

''مجھے تمہاری بہن نے اس کام کے لئے پیسے

تھے۔" کیتھی بری طرح حیران و پریشان تھی کہ آخر وہ ایسا کہہ رہی ہے۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

اچانک ہی سامنتھا نے پیچھے سے آکر اس کے سر پر ڈنڈا مار کر اسے بے ہوش کر دیا جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو رسیوں سے بندھا ہوا پایا اس کے سر سے خون بہتا ہوا چہرے تک آ گیا تھا۔ سامنے سامنتھا طیش میں کھڑی تھی۔ "سامنتھا یہ سب کیا ہے؟" کیتھی نے حیرت سے سوال کیا۔

"مجھ سے پوچھتی ہو یہ سب کیا ہے تم خود ذمے دار ہو اس سب کی، نفرت ہے مجھے تم سے، مجھے نفرت ہے مجھے تم سے" سامنتھا بالکل دیوانوں کی طرح چیخی۔

"لیکن کیوں؟" کیتھی نے پوچھا۔ "اس لیے کہ تم موم اور ڈیڈ کی لاڈلی ہو، وہ مجھ سے زیادہ تمہیں چاہتے ہیں ہمیشہ تمہارا خیال رکھتے ہیں وہ ہر چیز میں تمہیں مجھ پر برتری دیتے ہیں اور تو اور تم نے مائیکل کو بھی مجھ سے چھین لیا جانتی ہو مائیکل سے میں پیار کرتی تھی لیکن اس نے بھی مجھے چھوڑ کر تمہارا انتخاب کیا۔ مجھ سے یہ برداشت نہ ہوا اور میں نے یہ چال چلی تمہارے خلاف میں نے اپنی ایک دوست کو کیٹی کا کردار ادا کرنے کے پیسے دیئے اور کیٹی کے بارے میں فرضی کہانی گھڑی کہ وہ مر چکی ہے میری دوست جاپان کی رہنے والی تھی تمہیں شک بھی نہ ہوتا، میں نے اس کی تصویر پینٹ کی اور تم سے جھوٹ بولا اور تم نے یقین بھی کر لیا میں چاہتی تھی کہ تم ڈر ڈر کے پاگل ہو جاؤ تاکہ ہمارے ماں باپ تمہیں پاگل خانے چھوڑ آئیں اور تم میری زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل جاؤ اور میں اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جاتی لیکن اس سے پہلے ہی میرے منصوبے کے بارے میں پتا چل گیا۔ لہٰذا اب مجھے تمہیں ختم کرنا ہوگا" اتنا کہہ کر سامنتھا نے پیٹرول کا کین کیتھی پر الٹ دیا۔

اب کیتھی پوری طرح پیٹرول میں نہا گئی تھی سامنتھا دیوانوں کی طرح قہقہے لگانے لگی پھر اس نے اپنے پاس سے لائٹر جلایا ہی تھا کہ کیتھی کو آگ لگا سکے کہ تب ہی پیچھے سے کیتھی کے بوائے فرینڈ مائیکل نے اسے دبوچ لیا، وہ کیتھی سے ملنے آیا تھا اور اس نے ان کی ساری گفتگو سن لی تھی اس نے سامنتھا کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا تو وہ لہرا کر فرش پر گری۔

"کمینے انسان" سامنتھا چلائی اور پھر مائیکل پر جھپٹی لیکن مائیکل نے ایک بار پھر اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا تو وہ چکرا کر گر پڑی اور مائیکل نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور جلدی سے کیتھی کی رسیاں کھول کر سامنتھا کو باندھ دیا، کیتھی بری طرح رو رہی تھی بعد میں سامنتھا کو اسپتال لے جایا گیا، مائیکل کے تھپڑ مارنے سے اسے چوٹ آئی تھی لیکن سامنتھا نے اسپتال میں ہی خودکشی کر لی اور اپنے پیچھے ایک نوٹ چھوڑ گئی۔

اس میں لکھا تھا۔ "وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے لیکن اب معافی کے لئے بہت دیر ہو چکی ہے۔ اگر وہ زندہ رہی تو اسے سزا ہوگی اس لیے وہ مرنا زیادہ پسند کر رہی ہے کیتھی ہو سکے تو اپنی بہن سامنتھا کو معاف کر دینا۔"

کیتھی یہ سب پڑھ کے رو پڑی اور اس نے کیتھی کو سچے دل سے معاف کر دیا۔ چند ماہ بعد کیتھی اور مائیکل کی شادی ہو گئی۔

کیتھی کی شادی کے چوتھے روز رات کے وقت کیتھی کے خواب میں سامنتھا آئی، اس کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی وہ مسکراتے ہوئے بولی "کیتھی تمہیں شادی مبارک ہو، تم نے مجھے دل سے معاف کر دیا تو گاڈ نے بھی مجھے معاف کر دیا، تمہاری مہربانی، اب میں خوش ہوں اور اپنی غلطی پر شرمندہ بھی ہوں میں خود غرضی کے پیش نظر جنونی ہو گئی تھی، میری بہن مجھے اپنی خوشیوں میں یاد رکھنا آئی لو یو کیتھی، معاف کرنے کا ایک مرتبہ پھر تمہارا شکریہ، اچھا اب میں چلتی ہوں، میرے جانے کا وقت ہو گیا۔" اور پھر مسکراتے ہوئے آسمان کی وسعتوں میں غائب ہو گئی اور پھر کیتھی کی آنکھ کھل گئی تو اس کے منہ سے نکلا۔ "آئی لو یو سامنتھا۔"

بدلہ

مریم مرتضیٰ-راولپنڈی

پیر صاحب نے گلاس میں موجود پانی پر آیت قرآنی پڑھ کر دم کیا اور پھر سامنے بیٹھی خوبرو حسینہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو خوبرو حسینہ ایسے چیخنے لگی کہ جیسے اس پر تیزاب ڈالا گیا ہو۔

خون کا بدلہ خون......اسی کے مصداق......حقیقت پر مبنی تحیر انگیز......ڈراؤنی کہانی

عصر کا ٹائم تھا۔وہ دونوں ہنستی مسکراتی آرہی تھیں،شرمین شادی کے بعد پہلی بار میکے آرہی تھی اس کے ہمراہ اس کی بھابھی تھی جو اسے لینے گئی ہوئی تھی۔گاڑی سے اتر کر کافی دیر چلنے کے بعد انہیں گھر پہنچنا ہوتا تھا۔راستے میں انہوں نے ایک چشمے سے پانی پیا اور کچھ دیر بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کیں۔شرمین اور اس کی بھابھی کی گہری دوستی تھی۔وہ نند بھابھی کی طرح نہیں بلکہ بہنوں کی طرح رہتی تھیں۔کافی دیر بیٹھنے کے بعد جب وہ چلنے لگیں تو ان کی نظر سامنے گھاس پر بیٹھے ایک خوبصورت بچے پر پڑی جو گھاس سے کھیلتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

''کتنا خوبصورت بچہ ہے ناں۔'' شرمین نے رک کر محبت سے اسے دیکھا۔

''ہاں یار۔۔۔بڑا ہی خوبصورت ہے۔'' بھابھی نے اس کی تردید کی۔

''مجھے اسے اٹھانے کو جی چاہ رہا ہے چلو چل کر اسے اٹھاتے ہیں۔'' شرمین چلنے لگی تو بھابھی نے اس کی بازو پکڑلی

''نہیں شرمین اس طرح کسی کے بچے کو اٹھانا ٹھیک نہیں ہے کوئی آجائے گا تو کیا کہے گا۔۔۔ہمیں چلنا چاہیے دیر ہورہی ہے سعید ڈانٹیں گے کہیں گے دیر کردی ہے۔''

''اوہو کچھ نہیں ہوتا بھابھی بس دو منٹ۔'' شرمین کی ضد پر بھابھی بھی اس کے ساتھ چل پڑی۔شرمین نے قریب پہنچتے ہی بچے کو پیار سے پکارا اور بہت ہی محبت سے اسے اٹھالیا۔شرمین کے اٹھانے کی دیر تھی کہ اس کے ہاتھ سے بچہ غائب بلکہ پانی سے ہاتھ بھر گئے۔دونوں حیرت کی ماری ہکی بکی رہ گئیں۔

''بھابھی!یہ کیا بچہ کہاں۔؟بچہ پانی۔؟؟''

''شرمین چل ہمیں چلنا چاہیے دیر ہورہی ہے۔''

دونوں بھاگتے ہوئے چل پڑیں۔دونوں کے ہواس اڑے ہوئے تھے۔

''بھابھی!مجھے تو خوف محسوس ہورہا ہے۔'' شرمین پیچھے مڑمڑ کر دیکھ رہی تھی۔

''شرمین!بھاگ پیچھے مڑ کر نہ دیکھ۔''

''بھابھی!ہمارے پیچھے کوئی ہے۔''

''کون۔؟'' بھابھی نے مڑ کر دیکھا تو ایک عورت سرخ کپڑے پہنے،بال کھلے،دانت لمبے تھے۔وہ نہایت بھیانک شکل اور خوفناک صورت میں تھی۔ان دونوں نے بھاگنا شروع کردیا۔

''شرمین! آیت الکرسی پڑھ۔'' بھابھی نے بھاگتے ہوئے کہا۔

''لاحولا ولاقوت الا باللہ۔'' بھابھی نے [illegible] سانس میں الفاظ دہرائے۔

گھر جاتے ہی شرمین کو ٹوٹ کر بخار چڑھ گیا اور وہ سوگئی۔بھابھی رات بھر ڈرتی رہی اور کسی سے اس بارے میں کچھ نہ کہا اسے ڈر تھا کہ اس کے شوہر یعنی شرمین کے بھائی سعید کہیں گے کہ اتنی دیر تک تم دونوں وہاں کیا کر رہی تھیں۔رات بھر خوف اور ڈر میں کانپتے کانپتے گزار دی۔ ذرہ آنکھ جھپکاتی تو اس بدصورت عورت کی شکل اس

سامنے آجاتی تو وہ ڈر کر بیٹھ جاتیں اور درود شریف، تیسرا کلمہ، آیت الکرسی پڑھنا شروع کردیتی۔ اسے شرمین کی بھی بے حد فکر تھی کہ جانے وہ کس قدر ڈر اور خوف میں مبتلا ہوکر شدید بخار میں مبتلا ہوگئی۔

''تم ابھی تک سوئی کیوں نہیں۔۔'' سعید کی آنکھ کھلی تو اس نے اسے بیڈ پر بیٹھا پایا تو حیران ہوکر بولا۔

''نیند نہیں آرہی میں سوجاؤں گی آپ سوجائیں۔۔'' وہ بمشکل مسکرائی۔

''اچھا! یہ لائٹ تو بند کردناں۔۔۔''

''لائٹ۔۔۔بند۔۔۔'' وہ کانپ اٹھی۔

''ہاں کیوں لائٹ بند نہیں کرنی کیا۔۔''

''ہاں ٹھیک ہے کرتی ہوں۔۔'' اس نے کانپ کر لائٹ بند کی۔ اندھیرے میں اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس کے بیڈ پر آ کوئی بیٹھا ہے اس نے کمبل اوڑھ لیا مارے ڈر اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ اچانک کسی نے اس کا کمبل ہٹایا تو اس نے دیکھا کوئی سامنے کھڑا ہے اور اس کی آنکھیں جل رہی ہیں۔۔۔ وہ چیخ مار کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سعید بھی اس کی چیخ سے اٹھ کر بیٹھا۔

''کیا ہوا نازو۔۔؟؟''

''کوئی ہے کوئی ہے۔۔''

''کون ہے لائٹ آن کرو کیا ہوا۔۔۔'' اس نے کانپتے ہاتھوں سے لائٹ کا بٹن دبایا تو کمرہ روشن ہوگیا۔

''کون ہے یہاں۔۔ آں۔۔۔ خواب کوئی دیکھا کیا۔۔۔'' سعید نے اس کی جانب دیکھا جو ڈر سے کانپ رہی تھی۔

''سوجاؤ نازو۔۔ کوئی نہیں ہے۔۔'' وہ لیٹتے ہوئے بولا

''میں لائٹ آن چھوڑ دوں۔۔''

''اوکے۔۔''

شرمین کا بخار تھا کہ اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اسے اس قدر تیز بخار ہوتا کہ اسے ہوش تک نہ رہتا۔ ڈاکٹر سے دوائیں لائیں مگر کوئی اثر نہ تھا۔ ایک دن شرمین کمرے میں لیٹی تھی جب امی اسے دودھ دینے گئیں تو شرمین اپنے آپ میں مگن باتیں کررہی تھی۔

''نہیں چھوڑوں گی مار ڈالوں گی تمہیں۔۔''

''ارے شرمین کسے مار ڈالے گی چل دودھ پی لے۔۔'' امی نے دودھ کا گلاس آگے کیا تو اس نے گلاس فرش پر دے مارا اور امی کا گرجتے ہوئے گلہ دبانے لگی۔ انہوں نے شور مچایا سعید بھاگ کر گیا انہوں نے شرمین کو بامشکل پیچھے کیا۔ وہ ایسے تو پیچھے نہیں ہوتی بھابھی دروازے

میں کھڑی مسلسل آیت لکرسی پڑھ رہی تھی۔

"اسے کہہ مت پڑھ ورنہ میں اسے مار ڈالوں گی ۔۔۔ مار ڈالوں گی۔۔" شرمین نے گرجتے ہوئے کہا۔ سعید اور امی حیران تھے جب کہ بھابھی رو رہی تھیں۔

امی اور سعید اس کی حالت دیکھتے ہوئے علاقے کے بزرگ پیر صاحب کو بلا لائے۔ پیر صاحب جب آ بیٹھے تو شرمین ٹھیک تھی مگر جب انہوں نے اپنا عمل شروع کیا تو شرمین گردن جھکا کر آنکھیں بند کر کے گرجنے لگی۔ امی سعید اور بھابھی دیوار کے پاس کھڑے منظر دیکھ رہے تھے۔ سب خوف محسوس کر رہے تھے۔ بھابھی تو مسلسل کانپ رہی تھی۔

"کیا چاہتی ہے تو۔۔" پیر صاحب نے سوال کیا۔

"میں نے اس سے بدلہ لینا ہے۔۔" شرمین نے گرجتے ہوئے کہا وہ دراصل شرمین نہیں بلکہ اس کے اندر بسی چڑیل بول رہی تھی

"کیا کیا اس نے۔؟؟"

"میرا بچہ مار ڈالا۔۔" بھابھی کا سر جیسے چکرایا، وہ زمین پر دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔

"بچہ۔؟"

"ہاں میرا بچہ۔۔ اس نے مار ڈالا۔۔"

"مگر علم مجھے بتاتا ہے کہ اس نے خود نہیں مارا وہ تو۔۔"

"تم آدم زاد بڑے بہانے باز ہو۔۔۔ اس نے میرا بچہ مار ڈالا اب اسے میں سزا ضرور دوں گی میں اس کے ساتھ تب تک رہوں گی جب تک اس کا بچہ نہیں ہو جاتا پھر میں اس بچے کو مار کر سکون حاصل کروں گی۔" شرمین کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ امی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سعید بھی اداس کھڑا تھا

"دیکھ چھوڑ دے اس کا پیچھا ورنہ۔۔" پیر صاحب نے جلال سے کہا۔

"ورنہ کیا؟ تو کیا کر لے گا بڈھے۔۔ میں نے بڑے بڑوں کے چھکے چھڑوا دیے تیرا علم تو کچھ بھی نہیں۔۔ شکل دیکھی ہے اپنی۔۔"

"پیر صاحب نے پانی کے گلاس پر ورد پڑھ کر دم کیا۔ وہ خون آلود آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پیر صاحب نے دم شدہ پانی کا گلاس سے پانی کے چھینٹے ہاتھ سے اس کے منہ پر مارے۔۔

"مت کر ایسے بہت پچھتائے گا۔۔" اس نے تڑپتے ہوئے کہا

پیر صاحب مسلسل چھینٹے مارتے گئے اور ساتھ ورد بھی کرتے گئے۔ یوں شرمین چیخیں مارنے لگی اور تڑپتے تڑپتے بے ہوش ہو گئی۔

"جب ہوش آئے گا تو ٹھیک ہو جائے گی بچی۔۔" پیر صاحب نے گھر والوں کو تسلی دی تو گھر والوں کی سانس میں سانس آئی۔

شرمین کو جب ہوش آیا تو وہ ایسے تھی جیسے اسے کوئی کتنی مدت مارتا رہا اور اب جان چھوڑا۔ اس کے جسم کا ایک ایک حصہ درد کر رہا تھا۔ بھابھی نے اسے گلے لگایا اور رو دی۔

"یہ بات تھی جو تم رات کو ڈر رہی تھی۔۔" سعید کی بات سن کر بھابھی چونکی۔

"جی۔۔۔ مگر میں کہوں آپ غصہ کریں گے۔۔"

"تم پاگل بھی ہو اب پتہ چلا۔۔۔ جب اپنی پریشانی بتاؤ گی نہیں تو حل کیسے کروں گا اور میں ہر بات پر تھوڑا غصہ کرتا ہوں۔۔"

"وہ تو آپ نہیں کرتے میں بس۔۔" بھابھی رکی۔

"بس وس چھوڑو۔۔ دوبارہ نہ بتانے والی غلطی ہوئی تو پھر غصہ بیچ میں آئے گا۔۔" سعید نے کہا۔

"اللہ نہ کرے ایسا پھر کبھی ہو۔۔" بھابھی نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"آمین۔۔" شرمین نے سانس چھوڑا۔

"نہ ہی کرے اللہ پر بات تو کوئی بھی پریشانی کی ہو سکتی ہے ناں۔۔" سعید نے مسکرا کر کہا۔

"او کے ایسا نہیں ہو گا۔۔۔ آپ بیٹھیں میں چائے بنا لاؤں۔۔" بھابھی مسکرا کر چل دی۔ سعید نے مسکرا کر اسے شرمین کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ مسکرا دی۔

شیطانی گڑیا

فاطمہ خان-علی پور مظفر گڑھ

گڑیا نما لڑکی نے فادر کو خونخوار نظروں سے دیکھا تو فادر نے ایک سفوف گڑیا پر پھینکا تو وہ گڑیا گرجدار آواز میں گویا ہوئی اور پھر اچانک اس کی چیخ نے قرب و جوار کو دھلا کر رکھ دیا۔

کیا عقل میں آنے والی بات ہے کہ کیا کوئی گڑیا بھی بول سکتی ہے، کہانی پڑھ کر دیکھیں

وہ تینوں شہر کی ایک معروف دکان ''Scary Toys'' میں داخل ہوئے۔ ''پاپا یہ دکان بہت اچھی لگ رہی ہے میں یہیں سے اپنے لئے گڑیا لوں گی'' مارگریٹ نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹی تم بالکل یہاں سے اپنے لئے گڑیا لینا۔'' مگر اس دکان کا نام تھوڑا عجیب لگ رہا ہے نا لارا؟ ہیری نے اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

مارگریٹ ان دونوں کی سگی بیٹی نہ تھی بلکہ وہ دونوں تو مارگریٹ کے ماما اور مامی تھے ہیری جو کہ مارگریٹ کا ماما تھا اس نے مارگریٹ کو گود لے لیا تھا جب سات سال پہلے مارگریٹ کے والدین کا کار ایکسیڈنٹ ہوا تھا لارا ہیری کی بیوی تھی اور ان دونوں کی کوئی اپنی سگی اولاد نہ تھی مگر نہ جانے کیوں لارا نے مارگریٹ کو کبھی دل سے قبول نہ کیا تھا وہ صرف اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے

اس یتیم بچی سے کچھ اچھا برتاؤ کرلیتی تھی اور ہیری اس سے اس سے زیادہ بھی نہ چاہتا تھا کہ وہ مارگریٹ سے اچھا برتاؤ ہی کرے۔

وہ سنڈے کا دن تھا اور قریباً رات کے دس بج رہے تھے جب مارگریٹ نے ہیری سے ایک گڑیا کی فرمائش کی ہیری بھی اسے منع نہ کرسکا اور وہ تینوں اس عجیب وغریب دکان ''Scary Toys'' چلے آئے۔

لارا کا بالکل بھی دل نہ تھا کہ وہ رات کے اس وقت گھر سے باہر نکلے مگر ہیری کے کہنے پر بادل نخواستہ چلی آئی تھی اور اب انتہائی زیادہ بدمزہ دکھائی دے رہی تھی۔

ہیری کے پوچھنے پر منہ بنا کر کہنے لگی ''تمہاری لاڈلی ہی یہاں لائی ہے اس سے پوچھ لو کہ اس دکان کا نام عجیب کیوں ہے؟''

خیر وہ تینوں دکان میں داخل ہوگئے جہاں عجیب سے عجیب تر کھلونے نظر آرہے تھے ہیری نے دکاندار کو مخاطب کیا۔ ''ہیلو سر! جہاں تک میرا اندازہ ہے یہ دکان یہاں نئی کھلی ہے''

دکاندار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''بالکل سر یہ دکان حالیہ دنوں میں ہی کھلی ہے اور اس کے نام سے متاثر ہوکر ہی لوگ یہاں آتے ہیں ہم نے اس دکان کا نام اسی لئے ''Scary Toys'' رکھا ہے''

''بہت خوب'' ہیری نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

''حکم کیجئے سر ہم آپ کی کیا خدمت کرسکتے ہیں؟''

ہیری نے مارگریٹ کے سر پر تھپکی دیتے ہوئے جواب دیا ''ہماری گڑیا کو ایک گڑیا چاہئے خوبصورت سی''

''جی بالکل جناب آیئے اسٹور روم میں آپ کو بہت سی خوبصورت گڑیا مل جائیں گئیں'' دکاندار کہتا ہوا ان تینوں کو اسٹور روم کی طرف لے آیا۔ اور انہیں خوبصورت گڑیا دکھانے لگا۔ وہاں واقعی نہایت خوبصورت بے شمار گڑیاں موجود تھیں ہیری، لارا اور دکاندار آگے کی طرف بڑھ گئے جبکہ مارگریٹ کا پاؤں ایک ''Box'' نما چیز سے جاٹکرایا جو نہ جانے کہاں سے اس کے سامنے آگئی تھی۔

ابھی مارگریٹ اسے دیکھ ہی رہی تھی کہ وہ Box نما چیز اچانک کھل گئی مارگریٹ کی آنکھیں جیسے اس چیز پر ٹک کر رہ گئیں وہاں سرخ لباس میں موجود ایک خوبصورت گڑیا موجود تھی جس کا قد تقریباً ایک فٹ کے برابر تھا اور جس کی خوبصورت آنکھوں میں مانو بے تحاشا اداسی موجود تھی۔

''مارگریٹ'' ہیری نے اسے آواز دی اور پیچھے کو چلا آیا جبکہ مارگریٹ مسلسل گڑیا کو گھورنے میں مصروف تھی۔ ''پاپا مجھے یہی Doll چاہئے'' مارگریٹ نے جیسے حتمی فیصلہ سنادیا، ہیری نے مسکراتے ہوئے اس کے بال سہلائے اور دکاندار سے اس گڑیا کو پیک کرنے کا کہا۔ دکاندار کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔

''لیکن سر'' اس نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن ہیری درمیان میں بول پڑا ''لیکن ویکن کیا؟ ہماری مارگریٹ کو بڑی مشکل سے چیزیں پسند آتی ہیں تم جلدی سے اسے پیک کردو۔''

دکاندار نے آہستگی سے سر ہلایا اور اس گڑیا کو Box سے نکال کر پیک کرنے لگا، ہیری نے گریا کی قیمت ادا کی اور وہ تینوں گھر کو روانہ ہوگئے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے لارا بول پڑی ''ہیری وہ دکاندار کیا کہنا چاہ رہا ہوگا جب تم نے گڑیا کو پیک کرنے کا کہا؟'' ہیری نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ ''مجھے 100 فیصد یقین ہے کہ وہ زیادہ قیمت مانگنا چاہ رہا تھا میں نے اسے قیمت زیادہ دی ہے''

گھر پہنچتے ہی تینوں اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے ہیری نے مارگریٹ کو بوسہ دیا اور اسے اس کے کمرے میں چھوڑتے ہوئے لارا کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گیا۔

ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا اور سب سو چکے تھے کہ اچانک مارگریٹ کو اپنے پہلو میں کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی محسوس ہوئی اس نے لیمپ آن کیا تو دیکھا گڑیا اس کے پہلو میں موجود تھی۔ ''ارے اسے تو پاپا نے ٹیبل پر رکھا تھا یہ یہاں کیسے پہنچ گئی؟'' مارگریٹ نے خود کلامی کی۔

اچانک آواز ابھری "تم میری بیسٹ فرینڈ بن جاؤ نا پلیز! مارگریٹ"

مارگریٹ نے ادھر ادھر دیکھا مگر وہاں اس کے اور گڑیا کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ مارگریٹ نے گڑیا کو گھورا حیرت انگیز طور پر گڑیا کا سائز بڑھ کر مارگریٹ جتنا ہو چکا تھا اور اب اس کے لبوں نے حرکت کرنا شروع کر دی تھی۔

مارگریٹ یہ سب دیکھ کر بالکل بھی نہ گھبرائی بلکہ مسکرانے لگی کیونکہ مارگریٹ کا کوئی بیسٹ فرینڈ نہ تھا اور اس گڑیا سے بہتر کوئی اور ہو بھی نہ سکتا تھا مارگریٹ نے خوشی سے کہا "ہاں میری گڑیا میں تمہاری بیسٹ فرینڈ بنوں گی اور آج سے تمہارا نام "Dolly" ہے گڑیا کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆......☆......☆

صبح کا وقت تھا اور سورج مکمل آب و تاب سے چمک رہا تھا آج ہیری بزنس کے سلسلے میں مارگریٹ کو اسکول چھوڑتے ہوئے صبح سویرے ہی آفس چلا گیا تھا۔ جبکہ لارا گھر میں اکیلی تھی۔ تقریباً نو بجے کا وقت تھا جب لارا آئینے کے سامنے بیٹھ کر بناؤ سنگھار میں مصروف تھی۔

اچانک اسے آئینے میں سرخ لباس میں ملبوس مارگریٹ جتنی لڑکی دکھائی دی جس کا چہرہ تاثرات سے عاری اور بہت خوفناک لگ رہا تھا۔ لارا نے فوراً مڑ کر دیکھا لیکن وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ اس نے دوبارہ آئینے میں دیکھا مگر وہاں اب اس کے سوا کسی کا عکس نہ تھا "اوہ میرے خدایا لگتا ہے مجھے آرام کی بہت زیادہ ضرورت ہے" لارا نے جیسے خود کلامی کی۔

"ہیری شام کو گھر لوٹ آیا تھا اور وہ تینوں مل کر رات کا کھانا کھانے میں مصروف تھے گڑیا مارگریٹ کے پہلو میں موجود تھی کہ اچانک لارا بول اٹھی "مارگریٹ یہ تم ہر وقت کیوں اس گڑیا کو اٹھائے پھرتی ہو کم از کم کھانے کے وقت تو اسے رکھ دیا کرو"

ہیری نے فوراً کہا۔ "رہنے دو، بچی ہے کیوں

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

کولیسٹرول اور علاج

قیمت-/100 روپے

اس کتاب میں، کولیسٹرول کی حقیقت، کولیسٹرول اور ہماری خوراک، کن غذاؤں سے کولیسٹرول بڑھتا ہے، کولیسٹرول کس طرح کم کریں، مچھلی، میٹھی اشیاء، زیادہ نمک نہ کھائیں، کولیسٹرول اور دل کے امراض، دل میں درد، ہارٹ اٹیک کی ایک اہم وجہ، احتیاطی تدابیر، ہومیوپیتھی کی دوائیں، دل کے امراض کی وجوہات، موٹاپا، مچھلیوں میں کولیسٹرول کے فوائد، مچھلی اور دودھ، مناسب ماحول، کولیسٹرول کا ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی علاج، کولیسٹرول کا طبی علاج، چربی سے پرہیز کیجئے، کھانے پینے کی اشیاء سے کولیسٹرول کم کیجئے، اور بہت کچھ پڑھئے کولیسٹرول کے بارے میں کہ کس طرح کولیسٹرول سے محفوظ رہا جائے، اور کون کون سی ورزشوں سے کولیسٹرول کو کم کیا جاسکتا ہے۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر شمی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

ڈانٹ رہی ہوگڑیا ساتھ میں رکھنے سے کیا ہوتا ہے آخر''

مارگریٹ کے چہرے پر لمحہ بھر کے لئے اداسی چھائی جبکہ لارا سر جھٹک کر دوبارہ کھانے میں مصروف ہوگئی کسی نے بھی توجہ نہ دی کہ اسی لمحے گڑیا کی آنکھیں پل بھر کے لئے جھپکی تھیں۔

رات گیارہ بجے کے قریب سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے چلے گئے۔ مارگریت اب گڑیا (Dolly) کو اپنے ساتھ سلانے لگی تھی۔ آج رات بھی اس نے ایسا ہی کیا کہ گڑیا بول اٹھی ''مارگریٹ کیا تم جانتی ہو کہ تمہارے ممی پاپا تمہارے سگے ممی پاپا نہیں ہیں''

مارگریٹ کو پہلے حیرت ہوئی پھر وہ کہنے لگی ''نہیں Dolly ایسا نہیں ہے وہ میرے سگے ممی پاپا ہیں''

اب کی بار گڑیا کے چہرے پر حقارت و نفرت کے تاثرات ابھرے اور وہ کہنے لگی ''میں سچ کہہ رہی ہوں تمہارے ممی پاپا کار ایکسیڈنٹ میں مر چکے ہیں یہ تمہارے ماما، مامی ہیں اور تم تو یہ بھی نہیں جانتی کہ تمہاری مامی صرف اوپر اوپر سے تم سے اچھے سے بات کرتی ہے جبکہ حقیقت میں یہ تم سے نفرت کرتی ہے تم میری بیسٹ فرینڈ ہو ناں تو مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ کوئی تم سے نفرت کرے میں اسے سبق سکھانا چاہتی ہوں بس تم کسی کو نہ بتانا کہ میں تم سے بات کرتی ہوں اور ہم بیسٹ فرینڈز ہیں۔''

پہلے مارگریٹ سوچتی رہی پھر اس نے ہاں کردیا کیونکہ وہ اب اس ''شیطانی گڑیا'' کے سحر اور میٹھی میٹھی باتوں میں مکمل طور پر گرفتار ہو چکی تھی۔

اگلے روز حسب معمول ہیری آفس روانہ ہوگیا اور مارگریٹ اسکول چلی گئی جبکہ لارا گھر میں اکیلی رہ گئی وہ باغیچے میں بیٹھ کر ایک میگزین کی ورق گردانی میں مصروف تھی کہ اچانک اسے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اس نے مڑ کر دیکھا تو سرخ لباس میں ملبوس وہی لڑکی اس کے پیچھے موجود تھی جسے اس نے آئینے میں دیکھا تھا پہلے کی طرح اب بھی اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا اور وہ قدم قدم لارا کی طرف بڑھ رہی تھی۔

لارا کی مٹی گم گئی وہ فوراً کرسی سے اٹھی اور اندر کی طرف بھاگی لیکن بے سود لڑکی نے اس کے پاؤں میں پاؤں ڈال کر اسے گرا دیا ایک چھوٹی سی لڑکی کے پاس اتنی طاقت وہ حیرت کے شدید جھٹکے میں ڈوب گئی اور زمین پر ہاتھ مارنے لگی تاکہ یہاں سے بھاگ سکے لڑکی کی خوفناک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی ''نہیں مس لارا اتنی آسانی سے تم آج نہیں بھاگ سکتی جو میرے بارے میں بولتا ہے میں اسے زندہ نہیں چھوڑتی، تم نے اس روز کھانے کی ٹیبل پر مارگریٹ کو بولا تھا کہ وہ مجھے ہر وقت اپنے پاس نہ رکھے کیا تم بھول گئی مس لارا.....؟''

لارا اب ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی ''پلیز مجھے چھوڑ دو مجھے جانے دو تم کون ہو میں نہیں جانتی پلیز مجھے جانے دو''

لڑکی کا ہاتھ اب اس کی گردن تک جا پہنچا تھا اور وہ اسے دبا رہی تھی، لارا کو اپنی موت دکھائی دینے لگی مگر شاید اس کی قسمت اچھی تھی کہ ہیری وقت پر آ پہنچا تھا وہ ضروری ڈاکومنٹس لینے واپس آیا تھا جو صبح وہ جلدی میں بھول کر گیا تھا۔

لارا زمین پر تڑپ رہی تھی ہیری نے اسے اٹھایا اور اسپتال لے گیا خوش قسمتی سے لارا بچ گئی تھی مگر اس کی گردن پر جا بجا انگلیوں کے نشانات تھے جو صاف بتا رہے تھے کہ کسی نے اس کا گلا دبانے کی کوشش کی ہے اور اس کے پاؤں پر بھی خراشیں آئی تھیں وہ اب تک سکتے میں تھی جب بھی کوئی اس سے اس واقعے کا پوچھتا کہ آخر اس کے ساتھ ہوا کیا جبکہ گھر میں وہ تنہا ہی تھی تو وہ ہیجانی کیفیت میں چلانے لگتی اور مسلسل کہتی جاتی ''وہ گڑیا شیطانی گڑیا ہے وہ مجھے مار دے گی ہاں مجھے مار دے گی اس نے مجھے کہا ہے کہ وہ مجھے نہیں چھوڑے گی مجھے بچالو پلیز مجھے کوئی بچالو میں مرنا نہیں چاہتی وہ گڑیا مارگریٹ سے چھین کے گھر سے باہر پھینک دو پلیز بچالو مجھے''

ہیری لارا کی اس عجیب و غریب حالت سے سخت پریشان رہنے لگا تھا جبکہ مارگریٹ چپ چاپ گڑیا کو

ہاتھ میں تھامے سب کچھ دیکھتی رہتی اسے معلوم تھا کہ یہ سب گڑیا نے کیا ہے مگر وہ خاموش تھی کیونکہ گڑیا اب اس کی بیسٹ فرینڈ بن چکی تھی۔

ڈاکٹر نے اب لارا کو سکون آور ادویات دینا شروع کردی تھیں کیونکہ ڈاکٹر کے خیال میں لارا کو محض آرام کی ضرورت تھی رات کے وقت لارا اور ہیری پرسکون نیند کے مزے لوٹ رہے تھے کہ اچانک لارا کو محسوس ہوا کہ کوئی اسے بیڈ سے نیچے گھسیٹ رہا ہے یکدم اسے کسی نے بیڈ سے زمین پر دے مارا۔

اچانک ہیری کی آنکھ آواز سن کر کھل گئی لائٹ آن کرتے ہی ہیری کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب اس نے ایک مارگریٹ جتنی سرخ لباس میں ملبوس بچی کو لارا کا پاؤں سے گھسیٹتے ہوئے دیکھا یہ واقعہ تقریباً دو ہفتوں بعد رونما ہوا تھا دروازہ لاک تھا پھر یہ بچی کیسے داخل ہوئی کمرے میں بے شمار سوالات ہیری کے ذہن میں دھما کہ کررہے تھے۔

مگر ابھی لارا کو اس کی گرفت سے آزاد کروانا ضروری تھا جو اسے کمرے سے باہر گھسیٹ کر لے جارہی تھی نہ جانے وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والی تھی پورے گھر میں لارا کی چیخیں بلند ہورہی تھیں جو اس لڑکی کی قید سے آزاد ہونے کے لئے تڑپ رہی تھی۔

جب ہیری کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے تو اس نے چند دعائیہ کلمات پڑھنا شروع کردیئے تو لڑکی کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا اور وہ غضب ناک تاثرات سے ہیری کو گھورنے لگی اور اچانک وہاں سے غائب ہوگئی۔

لارا کو بے شمار چوٹیں آئی تھیں اور ان میں سے خون بہہ رہا تھا اب ہیری کو بھی یقین آچکا تھا کہ لارا درست کہتی رہی ہے یہ سب کام اس شیطانی گڑیا کے ہیں۔

اگلے ہی روز ہیری اپنے ہمراہ چرچ کے فادر کو گھر لے ایا جس نے گھر میں قدم رکھتے ہی کھ نیگیٹو اسپرٹس (Negetive Spirits) کو بھانپ لیا فادر کو ہیری نے تمام کہانی بتادی تھی اب فادر نے اس گڑیا کو لانے کا کہا تو ہیری نے مارگریٹ کو حکم دیا کہ وہ گڑیا کو لے آئے۔

مارگریٹ کو گڑیا [illegible] تھی مگر وہ ہیری کی نافرمانی بھی نہ کرسکتی تھی اور [illegible] تمام حالات سے بھی باخبر تھی کہ یہ سب Dolly (گڑیا) کا ہی کام ہے اسی لئے وہ گڑیا کو ہمراہ لے آئی۔ اب فادر نے گڑیا کو سامنے رکھ کر چند دعائیہ کلمات باآواز بلند پڑھنا شروع کردیئے کچھ دیر بعد گڑیا کا سائز بڑھنے لگا اور اس نے سرخ لباس والی لڑکی کی شکل اختیار کرلی۔

مارگریٹ نے صرف گڑیا کو بولتے سنا تھا مگر گڑیا کا یہ روپ نہ دیکھا تھا۔ وہ بھی حیران و پریشان یہ سب دیکھنے لگی۔

فادر نے گرجدار آواز میں حکم دیا ”کیوں ان لوگوں کو پریشان کررہی ہے چلی جا یہاں سے لڑکی یہ دنیا تیری نہیں ہے چلی جا ورنہ انجام بہت برا ہوگا۔“

گڑیا نما لڑکی نے غضب ناک ہوکر فادر کو دیکھا اور ابھی حملہ کرنے ہی والی تھی کہ فادر نے ایک سفوف نما چیز اس پر پھینکی اور لڑکی نے دردناک چیخ بلند کی اس کے ساتھ ہی وہ غائب ہوگئی۔

فادر نے ہیری کو یقین دلایا کہ اب وہ لوٹ کر نہیں آئے گی مگر وہ اسی دنیا میں رہے گی انسانوں کے درمیان کیونکہ اس کی روح اس دنیا میں رہ گئی ہے اب اس کا شکار کوئی اور ہوگا۔

وہ ایک خوبصورت سی سات سالہ بچی تھی جس نے اپنے ممی پاپا کے ہمراہ ”Scary Toys“ میں قدم رکھا تھا گڑیوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی تھی کہ اچانک اس کے سامنے ایک Box آ گیا Box کے کھلنے پر اسے اندر سرخ لباس میں ملبوس دو بالشت کی گڑیا دکھائی دی جسے دیکھتے ہی اس نے ممی پاپا کو حتمی فیصلہ سنادیا کہ وہ یہی گڑیا خریدے گی۔ دکاندار نے مزاحمت کی مگر ہمیشہ کی طرح بے سود۔

اب شیطانی گڑیا کا اگلا شکار سات سالہ کورا تھی۔

بددعا کا خاتمہ

رضوان علی سومرو۔ کراچی

چودھویں کا چاند جیسے ہی پورا ہوا تو ایک خونخوار بھیڑیا دوڑتا ہوا آیا اور خوبرو حسینہ کو دبوچ لیا اور اپنے لمبے دانت حسینہ کے نرخرے میں پیوست کردیئے، حسینہ کی فلک شگاف چیخیں قرب و جوار کو دہلانے لگیں کہ.....

نفسانی خواہش کی پروردہ ایک شخص کی ناقابل یقین سزا کی وحشت ناک لرزیدہ کہانی

چودھویں کا چاند آسمان پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

میری وحشت اور میرا جنون انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ میں شہباز علی نہیں بلکہ کوئی اور ہوں..... وہ بد دعا ثابت ہونے والی تھی جس نے نسل در نسل میرے خاندان کو برباد کر رکھا تھا۔ مجھے اپنا سر بوجھل اور آنکھیں سرخ ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد میں انسان سے ایک ایسا درندہ بن جاؤں گا جو کہ صرف اور صرف انسانی خون پر زندہ رہتا ہے۔

اچانک میرا جسم نہایت سخت ہونے لگا۔ پھر یکا یک میرا سارا جسم نوکیلے سخت بالوں سے بھر گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں کی ساخت تبدیل ہونے لگی ہے۔ میرے ناخن لمبے اور نیچے اندر کی جانب مڑ گئے ہیں۔

"یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے....."

میں ہاتھوں اور پیروں کے بل چلتا ہوا قد آدم آئینے کی طرف بڑھا..... آئینے میں نظر آنے والا منظر نہایت حیران کن تھا۔

آئینے میں میری جگہ اب ایک خونخوار بھیڑیا کھڑا تھا۔ میرا نام شہباز علی خان ہے، یہ سب میرے ساتھ کیسے ہوا یہ ایک طویل داستان ہے۔

دنیا کتنی حسین اور دلفریب ہے۔ یہ ان سے پوچھیں جن کو دنیا کی ہر خوشی میسر ہے، آنکھ کھلی تو خود کو ہر نگاہ کا مرکز پایا..... جس روز میری پیدائش ہوئی وہ رات چودھویں کی رات تھی۔ کہا جاتا ہے کہ میری اور میرے پردادا کی پیدائش ایک وقت ہوئی یعنی وہ رات بھی چودھویں کی تھی اور جب انہوں نے خودکشی کی وہ بھی چودھویں کی رات تھی۔

میرے پردادا مرحوم نے خودکشی کیوں کی یہ ایک لمبی داستان ہے۔ میرے پردادا نواب ظفر علی ایک عیش پرست اور شوقین مزاج نواب زادہ تھے۔ اپنی عیاشیوں کی پاداش میں انہیں سزا دی گئی یعنی انہیں خودکشی کی سزا ملی۔

ہماری حویلی قلعہ نما ہے جو کہ کوئی تین صدی یا اس سے بھی زیادہ پرانی ہے۔ ان تین سو برسوں میں اس کی ظاہری شکل وصورت و ہیت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا مگر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اسے دور جدید کے قابل بنایا گیا ہے۔

حویلی بیسوں کمروں، راہداریوں، خفیہ تہہ خانوں پر مشتمل ہے، ایک چھوٹے سے قلعہ کی مانند ہے۔ اس کی اونچی دیواریں فصیل نما ہیں جن پر کنگورے اور برجیاں دور سے دکھائی دیتی ہیں۔

میری عمر کے 10 سال مکمل ہوتے ہی میرے والدین مجھے لے کر شہر آ گئے جہاں میری اعلیٰ تعلیم کی خاطر وہیں سکونت اختیار کرلی۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ پہلے میری ماں مجھ سے رخصت ہوئی اور میرے والد نے انتقال سے قبل مجھے خاص طور پر اپنے پاس بلوایا۔

''شہباز..... میں جانتا ہوں میں زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ میرے بعد تم کو حوصلے سے کام لینا ہوگا..... میری آخری وصیت ہے تم کو کہ میری تدفین ہمارے آبائی گاؤں میں کرنا..... حویلی کو آباد کرنا..... جاگیر کو ترقی دینا..... تمہارے پردادا نے اس حویلی میں خودکشی کی تھی..... ان کے کمرے کو ہرگز کھولنے کی کوشش مت کرنا، سنا ہے وہ کمرا منحوس ہے وہاں جو جاتا ہے اس کی نحوست اسے کھا جاتی ہے۔ تمہارے پردادا کی عیاشیاں اس خاندان کی عزت و وقار کو کھا گئیں..... اب تم اس خاندان کے وقار کو بحال کرو گے۔ کیونکہ تم قریب قریب اپنے پردادا کے ہمشکل ہو.....

تین دن بعد والد صاحب انتقال کر گئے۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت گاؤں لائی گئی اور ان کو ہمارے خاندانی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

والد صاحب کی موت کے بعد میں بالکل اکیلا رہ گیا۔ آگے بڑھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، پشتوں کی جائیداد ہی اتنی تھی اور مجھے اس طرف توجہ دینے کی ضرورت۔ چنانچہ میں مستقل گاؤں میں آ گیا۔ پھر میری زندگی میں رخسار داخل ہوئی۔ وہ سچ مچ گلاب کا پھول تھی۔ نازک، حسین، معطر وہ جنت نگاہ تھی۔ گل عنبر تھی۔ فردوس گوش تھی، اس کا سراپا جیسے خوشبوؤں سے گوندھا گیا تھا۔ وہ سچ مچ بہت ہی حسین تھی۔

حویلی کا باغ کافی خوب صورت اور جاذب نظر تھا، میرے بزرگوں نے ہمیشہ باغ کو حسین اور بھرپور بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

باغ میں فوارے بھی تھے، سنگی تخت بھی تھے ہر سال اس میں نت نئے پھل دار درختوں اور پھولوں کا اضافہ ہوتا ہی رہتا تھا۔

وہ دن مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں باغ میں صبح ہوا خوری کر رہا تھا۔ باغ خوشبوؤں سے مہکا ہوا تھا۔ فضا معطر تھی۔ ابھی صبح کا دھندلکا تھا جب میں نے پھولوں کی کیاری کے پاس کسی کو جھکا ہوا دیکھا تو وہ ایک نازک اندام کلی، موتیے کی کلیاں چن رہی تھی.....

محراب بناتا ہوا جسم اور اس کا وحشت زدہ ہرنی کی طرح چونکنا پھر ڈر کر بھاگ جانا، میرے دل میں گھر کر گیا، مجھے اس سے پہلی نظر میں محبت ہو گئی تھی۔

اس دن میں سارا دن بس اسی کے بارے میں سوچتا رہا کہ یہ مہکتا ہوا گلاب کس آنگن کا ہے رات کے 12 بجے تھے میں اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ میرا دھیان اسی مہہ گل کی طرف تھا۔ دفعتاً میری نگاہ بائیں جانب والی کھڑکی پر پڑی..... میں چونک گیا مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہاں کوئی ہے..... وہ ایک سفید سایہ تھا۔ سفید ساڑھی میں لپٹی کسی عورت کا سایہ..... وہ میری طرف دیکھ کر دبی آواز میں ہنس رہی تھی۔ گھپ اندھیرے میں بھی روشنی کا سا گمان محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی ہنسی سن کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے حاجت مند نے مندر کی گھنٹیاں بجا دی ہوں۔

میں جیسے ہی اس طرف پہنچا وہ سایہ غائب ہو گیا۔

اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی میرے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔

دفعتاً میرے کانوں میں ایک سرگوشی سی سنائی دی۔

جیسے کوئی کہہ رہا ہو..... ''تم بھی نہیں بچو گے..... سب مریں گے۔''

میں حیران تھا کہ آخر یہ آواز کس کی ہے؟ ضرور اس حویلی میں کچھ تھا؟ یا پھر وہ میری نظر کا وہم تھا؟ نہ معلوم وہ کس کا سایہ تھا والد صاحب کی زبانی پردادا کی خودکشی کا علم ہوا تھا؟ میں نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے خودکشی کیوں کی.....

☆.....☆.....☆

دوسری صبح رات والے واقعے کا اثر مجھ پر موجود تھا۔ مگر میں نے اسے وہم سمجھ کر ٹال دیا۔ میں ناشتے کی ٹیبل بیٹھا تو وہ مجھے پھر نظر آئی اس بار وہ پہلے سے بھی زیادہ تر و تازہ اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ ناشتے والے کمرے سے بیرونی باغ کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا، وہ باغ میں موجود کیاریوں کو پانی دے رہی تھی میں نہایت ہی انہماک سے اسے کام کرتے دیکھ رہا تھا۔

''فضلو..... یہ لڑکی کون ہے.....؟'' میں نے ساتھ کھڑے نوکر سے پوچھا۔

''سرکار..... اس کا نام رخسار ہے، یہ فضل دین مالی

کی بیٹی ہے۔ فضلو بیمار ہے اس لئے اس کی جگہ آئی ہے.....'' فضلو نے جواب دیا۔

''بلاؤ.....اسے.....'' میں نے فضلو کی طرف دیکھ کر کہا۔

میری بات سن کر فضل دین نے مجھے نہایت عجیب سی نظروں سے دیکھا اور باہر کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ رخسار موجود تھی۔ وہ فضلو کے ساتھ ہی کھڑی ہوگئی۔

''فضلو تم جاسکتے ہو.....'' میں نے فضلو کی طرف دیکھے بغیر کہا.....

فضلو نے اس بار نہایت ہی معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر ہی چلا گیا۔

رخسار سہمی ہوئی کھڑی تھی اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کہ ابھی بھاگ کھڑی ہوگی۔

''بیٹھو.....ناشتہ کرو.....'' میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا.....

''ج.....جی.....'' جی ضرورت سے زیادہ طویل ہوگیا تھا۔

''میں نے کہا تم ہمارے ساتھ ناشتہ کرو.....'' میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ میری بات سن کر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

''سس.....سرکار.....ہم آپ کی رعایا ہیں.....ساتھ کیسے بیٹھیں.....''

''یہ میرا حکم ہے.....''

''نہیں.....سرکار ہمیں معاف کریں'' یہ کہہ کر وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس کی اس حرکت پر مجھے غصہ آنے کے بجائے اور پیار آنے لگا، اور ایک پل میں، میں نے اس کے ساتھ شادی کا فیصلہ کرلیا تھا۔

☆.....☆.....☆

میں نے جاگیر کے منشی احمد بیگ سے بات کی، میر منشی کا خاندان کئی پشتوں سے ہماری خدمت کرتا چلا آرہا تھا۔ اگر ہم نسلی جاگیردار تھے تو وہ نسل در نسل ہمارے منشی تھے۔

''میں نے شادی کا فیصلہ کرلیا ہے.....میر منشی صاحب۔''

یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ نے شادی کا فیصلہ کرلیا ہے مگر وہ خوش نصیب لڑکی ہے کون.....''

''میں فضل دین مالی کی بیٹی رخسار سے نکاح چاہتا ہوں۔'' یہ بات سن کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''سرکار.....فضل دین ایک کمی ہے.....اس سے آپ کے خاندانی وقار اور عزت کو دھبہ لگے گا۔''

''محبت اونچ نیچ ذات پات کو نہیں دیکھتی آپ شام تک مجھے بات کرکے اطلاع دیں آپ جاسکتے ہیں۔''

وہ حیرت زدہ انداز میں اٹھا اور گم صم باہر چلا گیا۔ شام گزر گئی لیکن منشی آیا نہیں، رات کے 8 بج چکے تھے میں نا امید سا ہوگیا۔

میں کمرے میں آکر پلنگ پر آنکھیں موند کر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مجھے کسی کے ہونے کا احساس ہوا۔ میں نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے دیکھا کہ وہی سفید سایہ کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا بدن یوں چمک رہا تھا کہ جیسے اندھیرے میں روشنی کی کرنیں اچانک مجھے احساس ہوا کہ جیسے کوئی رو رہا ہو..... اور سسکیوں کی آواز تیز ہوگئی تو میں بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ جس سائے کو میں وہم سمجھا تھا واقعی وہ سایہ حقیقت تھا۔ میں جلدی سے گون پہن کر باہر آگیا۔

میں کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں آگیا۔ وہ سایہ دور کھڑا مجھے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے خدوخال بھی صاف نمایاں نظر آرہے تھے وہ کوئی عورت تھی جو کہ مجھے اشارہ کرکے بلا رہی تھی۔ اس کی سسکیاں ہوا کے دوش پر تیر رہی ہوں۔ جیسے مجھے اپنے کانوں میں ہلکی سی سرگوشی سنائی دی۔

''شہباز.....شہباز.....میں کئی صدی سے پیاسی ہوں.....میرا دل میری روح تمہاری محبت کے لئے ترس رہے ہیں۔''

درد و کرب میں ڈوبی آواز سن کر میرا دل لمحہ بھر کے لئے اداس ہوگیا، میں اس سائے کے پیچھے چل پڑا۔ برآمدے سے دوسری طرف سیڑھیاں تھیں جو کہ اوپر کی منزل کی طرف جاتی تھیں۔

یہ وہی منزل تھی جہاں میرے پردادا کی لاش پائی گئی

تھی۔ سیڑھیاں دھول اور مٹی میں اٹی ہوئی تھیں، میں سیڑھیوں پر چڑھتا گیا بالکل سحر زدگی کے انداز میں اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہ تھا۔

وہ سایہ مجھ سے آگے تھا جو کہ ہاتھ کا اشارہ کرکے بلا رہا تھا۔ سیڑھیاں ختم ہوتے ہی دائیں طرف ایک برآمدہ تھا جس میں قطار سے دو کمرے بنے ہوئے تھے جو کہ بند تھے۔ ان کمروں کے ساتھ ایک طویل بالکونی تھی جس پر کھڑے ہوکر نیچے کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔

وہ چمکتا ہوا سایہ ان کمروں کی جگہ بائیں جانب والے زینے کی طرف بڑھ گیا میں بھی عالم سحر میں اس کے پیچھے تھا۔

جیسے ہی میں سیڑھیوں کے ذریعے اوپر پہنچا اور اوپر بھی ویسے ہی کمرے تھے۔ جیسے کہ نچلی منزل پر تھے۔ وہ سایہ ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ سایہ غائب ہوگیا۔

اچانک میری نظر اس بالکونی کے آخری سرے پر پڑی..... دفعتاً میری آنکھوں نے ایک نہایت حیرت انگیز منظر دیکھا جو کہ چند لمحے پہلے وہاں نہ تھا۔

وہاں ایک جسم شعلے میں لپٹا ہوا جھوم رہا تھا..... وہ جسم کسی مرد کا تھا جسے آگ لگی ہوئی تھی۔

اس کی کرب ناک چیخیں پوری منزل پر گونج رہی تھیں..... میں نے اس کی مدد کرنا چاہی مگر جیسے میرے قدم بھاری ہوگئے..... میرے پیروں نے میرے ارادے کا ساتھ دینے سے انکار کردیا..... چند لمحوں کے بعد یہ منظر غائب ہوگیا..... اب وہاں نہ آگ تھی نہ کوئی انسانی جسم نہ جلنے کی چراند، میں اس گورکھ دھندے میں الجھا ہوا تھا کہ دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ اندر کی جانب کھل گیا..... موتیے اور گلاب کی بے پناہ خوشبو میری قوت شامہ سے ٹکرائی..... دروازہ کھلتے ہی میرے سامنے ایک نہایت پرشکوہ کمرا تھا۔

کمرے کے بالکل وسط میں ایک عالیشان مسہری تھی جو کہ چاروں طرف سے اطلس و کمخواب کے پردوں سے ڈھکی تھی، کمرے کے اندر موتیے اور گلاب کی خوشبو رچی بسی تھی۔ دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ جیسے کہ مسہری پر کوئی موجود ہے میں اپنے شبہے کی تصدیق کے لئے کمرے کے اندر داخل ہوگیا۔ میرے داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہوگیا۔ میں نے جیسے ہی واپس دروازے کی جانب پلٹنا چاہا، زمین نے جیسے میرے قدموں کو پکڑلیا..... جیسے کوئی قوت واپس جانے کے بجائے مجھے آگے کی جانب دھکیل رہی ہو.....

کمرا نہایت ہی شاندار تھا، چاروں طرف نیم عریاں لڑکیوں کی بڑی بڑی پورٹریٹ سجی ہوئی تھیں۔ کمرے کا فرنیچر گرد آلود ضرور تھا مگر عالیشان اور مہنگا تھا، کمرے کی سجاوٹ سے صاحب کمرا کے شوقین مزاج ہونے کا اندازہ ہوتا تھا..... مجھے اندازہ ہوگیا۔ نواب ظفر علی خان کس قدر شوقین مزاج انسان تھے یہ وہ مسہری تھی جس کی چادر نے نہ جانے کتنی عزتوں کو میلا کیا تھا، واقعی وہ خودکشی کے ہی مستحق تھے، اور یہ کمرا نہ جانے کتنی بے چین روحوں کا مرکز تھا۔

بائیں طرف والی دیوار پر پردادا کی بڑی ہی خوب صورت اور رعونت آمیز تصویر لگی تھی، آنکھوں میں سرخی اور ہونٹوں پر متنفر آمیز مسکراہٹ چہرے پر رعونت یہ ظاہر کررہی تھی یہ شخص انسانوں کو کیڑے مکوڑے سمجھتا ہوگا۔

مسہری کا پردہ ہل رہا تھا جیسے کہ کوئی اس مسہری پر موجود ہے جیسے ہی وہ پردہ میں نے ہٹایا..... حیرت و خوف کے سبب میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

مسہری پر ایک انسانی جسم برہنہ حالت میں پڑا تھا، اس پورے جسم کو زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے چمکدار کیڑوں نے ڈھک رکھا تھا۔

میں حیرت و خوف سے یہ منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ جسم اٹھ بیٹھا اس نے میری جانب ہاتھ بڑھایا..... میں نے ڈر کے مارے پیچھے ہٹنا چاہا مگر نا کام رہا.....

اس جسم پر رینگتے کیڑوں نے یکدم اچک کر میرے ہاتھ پر کاٹ لیا..... میرے حلق سے چیخ نکلی اور ناقابل برداشت قسم کی سوزش مجھے محسوس ہونے لگی تھی۔ میں گر کر تڑپنے لگا۔ یہ کیفیت 5 منٹ سے زیادہ نہ رہی ہوگی میری حالت اعتدال پر آنے لگی تھی.....

میرا دل خوف و دہشت سے بھر چکا تھا۔ میں اس آسیب زدہ کمرے سے باہر نکل جانا چاہتا تھا میں کراہتے ہوئے اٹھا اور اپنے ہاتھ کو دیکھا تو میرا ہاتھ سرخ ہو رہا تھا۔ اور اب سوج کر کپا ہو گیا تھا۔ اس کیڑے کے کاٹنے کے کیا اثرات ہو سکتے تھے مجھے نہیں معلوم تھا، لیکن اس وقت میرا ہاتھ سرخ ہو رہا تھا۔

میں اٹھ کھڑا ہوا بیڈ پر کیڑوں بھرا جسم اب موجود نہ تھا۔ بلکہ اس کی جگہ ایک کالے رنگ کی ڈائری موجود تھی۔

نہ جانے کیوں میرے دل میں خیال آیا کہ اس ڈائری کو کھولنا چاہئے میں نے ڈرتے ڈرتے ڈائری کو ہاتھ میں لے لیا، ڈائری نہایت ہی بوسیدہ اور پرانی تھی۔ میں نے ڈائری کھولی۔

''میرے بیٹے..... میرے خاندان کے نام لیوا، میں نہیں جانتا کہ تم میری کون سی پشت سے تعلق رکھتے ہو..... تم نے ڈائری کھولی ہے تو اس چمکیلے کیڑے سے ضرور بچنا..... اگر تم اس کا شکار ہو گئے..... مجھے یہ سوچنے سے بھی ڈر لگتا ہے کہ میرے خاندان کا بیٹا..... اس بددعا اور انتقام کا شکار ہو گا..... میں تو اس انتقام کا جائز حقدار ہوں..... میں اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو بھول بیٹھا۔

عیاشیوں کو ہی اپنا مقصد بنالیا..... اس کا نام روپا تھا..... وہ بہت حسین تھی..... میں نے اس کے حصول کو زندگی کا مقصد بنالیا..... اسے میں حاصل تو نہ کر سکا مگر اس نے خودکشی کر لی..... مجھے بددعا دی..... پھر اس کے بعد اس مردود چمکیلے کیڑے نے مجھے کاٹا پھر چودھویں کی رات کو میں بھیڑیا بننے لگا..... انسانی خون میری ضرورت بن گیا..... کئی بے گناہ زندگیاں میں نے اجاڑ دیں پھر مجھے لگا، خودکشی ہی میری نجات کا ذریعہ ہے۔''

ڈائری کے باقی ورق سادہ تھے، اس مختصر سی تحریر نے کافی کچھ بیان کر دیا تھا۔

اس تصور سے مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا کہ میں بھی اس چمکیلے کیڑے کا شکار ہو چکا ہوں، یقیناً میں بھی بھیڑیا بنوں گا۔ یہ سوچ کر میں کانپ کر رہ گیا کہ اب کیا ہو گا..... چاند کی چودہ تاریخ میں ویسے بھی زیادہ دن نہ تھے۔ میں گرتا پڑتا اس کمرے سے باہر نکل آیا.....

☆.....☆.....☆

دوسرے دن شام کی بات ہے میر منشی صاحب حاضر ہوئے ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے میں تو اپنے ہی خیالات میں گم تھا مجھے تو ہر جگہ چاند کی چودہ تاریخ نظر آ رہی تھی۔

''جی..... منشی صاحب فرمایئے.....''

''میں فضل دین کے گھر گیا تھا سرکار..... میری بات سن کر ان پر سکتہ طاری ہو گیا..... فضل دین تو اپنی بچی کی قسمت پر نازاں تھا مگر اس کی ماں کا ردعمل مختلف تھا۔''

مجھے ایسے لگا کہ جیسے وہ خوش نہیں فضل دین کل صبح تک جواب دے گا۔

دوسرے دن جب فضل دین اپنی بیوی کے ساتھ مجھ سے ملنے آیا تو اس کے حیرت کے تاثرات نہایت عجیب تھے، ان کے خوفزدہ چہروں پر ان گنت وسوسے مچل رہے تھے، میں سمجھ گیا کہ انہیں اپنی بچی کی شادی میرے ساتھ کرنے پر کیا اندیشے تھے۔

وہ سمجھتی میں محض اس حسین گلاب کی خوشبو سونگھنے کے لئے اس سے بیاہ رچا رہا ہوں اس کے بعد میں اسے چھوڑ دوں گا میں نے اسے ہر طرح سے اپنی محبت کا یقین دلایا مگر وہ نہ مانی اور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

''سرکار آپ ہمارے مائی باپ ہیں..... میری رخسار آپ کے قابل نہیں کہاں ہم اور کہاں آپ..... سچ تو یہ ہے کہ میں اس کی بات اپنی بہن کے بیٹے سے طے کر چکی ہوں، ہم غریبوں کے پاس عزت کے سوا ہے کیا اگر برادری میں عزت گئی تو ہم منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے.....

وہ چلی گئی اور مجھے بے حد امیر کبیر ہونے کے باوجود یہ احساس دلا گئی کہ تم کس قدر غریب ہو..... میں چاہتا تو ان سے انتقام لے سکتا تھا مگر میں نے صبر کر لیا اپنی محبت کی بربادی پر۔

☆.....☆.....☆

اس روز چاند کی 12 تاریخ تھی مجھے اپنی آنکھیں بوجھل اور سرخ محسوس ہو رہی تھیں دل میں از خود تشدد کی

خواہش پیدا ہورہی تھی، چاند کی 13 کو میرے اندر کے احساسات عجیب سے تھے یوں لگ رہا تھا کہ کوئی قوی تر درندہ اندر چھپا ہو جو کہ باہر نکلنے کے لئے بے تاب ہو.....

14 کی شام کو میں نے حویلی چھوڑ دی، میں نے مکمل کالے رنگ کا چیسٹر سوٹ چڑھالیا اور کار لے کر باہر نکل آیا، مجھے جیسے کوئی مجبور کررہا تھا جیسے کہ کوئی میرے اندر موجود تھا مجھے شیطانی کاموں پر اکسا رہا تھا..... مجھے محسوس ہورہا تھا کہ کوئی شیطانی قوت میرے اندر موجود ہے۔

کافی دیر تک ڈرائیونگ کے بعد کار ایک مے خانے کے سامنے روک دی اس مے خانے کے سائن بورڈ پر انگریزی میں بڑے بڑے حروف میں BAR لکھا صاف نظر آرہا تھا۔

میں بے صبری سے آگے بڑھا شراب خانے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس کے دھندلے شیشوں سے اندر کا منظر صاف نظر آرہا تھا، لوگ مختلف میزوں پر شراب نوشی میں مصروف تھے۔

میں نے مسکراتے ہوئے بار کا دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہوگیا، بار کے اندر کا منظر بالکل اسی طرح تھا جیسے کہ انگریزی فلموں میں کسی مے خانے کا ہوا کرتا ہے۔

میں نے ایک میز کا انتخاب کیا اور اس پر جا کر بیٹھ گیا۔

میں نے گہری نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لیا، دراصل میرے اندر کا طاقتور درندہ کسی شکار کی کھوج میں مصروف تھا۔

مجھے اپنے اندر آنچ سی دہکتی محسوس ہورہی تھی، یوں لگ رہا تھا کہ میں اپنے آپے میں نہیں بس میں کسی کا معمول بن چکا ہوں، میرے اندر کا شہباز علی کہیں سو گیا ہے.....

''فرمایئے..... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتی ہوں؟''

مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے میرے کانوں میں شہد گھول دیا ہو..... میں نے اس دلفریب گل اندام کو دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گیا..... وہ ایک دلفریب خطوط اور ٹھوس بدن والی گل اندام تھی۔ اس کا بھرپور جسم دعوت گناہ کی طرف بلا رہا تھا۔ اس نے کھلے گلے کا گاؤن پہن رکھا تھا جس سے اس کے جسم کی آنچ دیتی ہوئی رعنائیاں چھلک رہی تھیں۔

اس کی مخروطی گردن، کتابی چہرہ بڑی بڑی روشن سیاہ آنکھیں کسی کے بھی جذبات میں گدگدی کردینے کے لئے کافی تھیں۔

''جی..... آپ کیا پینا پسند کریں گے.....؟''

میں اس کی آواز کی دلکشی اور سحر میں کھو سا گیا تھا۔

''تمہارے خوب صورت ہاتھوں سے کوئی سی بھی تیز شراب.....'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بہت خوب.....'' وہ انداز دل ربائی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

اتنا کہہ کر اس نے مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پلٹ گئی۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اس کے چلنے کا انداز بہت دلکش تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی اس کے ہاتھ میں گلاب اور بوتل موجود تھی۔ میں زندگی میں پہلی بار اس آب شیطان کو منہ لگا رہا تھا۔ میں جس شیطانی قوت کے زیر اثر تھا۔ یہ سب اس کی وجہ سے تھا۔ وہ بوتل میز پر رکھ کر میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی، شراب خانوں میں لیڈیز ویٹرس کو گاہکوں کو شراب پلانے کا کمیشن ملتا تھا کچھ ویٹرس جسم فروشی میں بھی ملوث ہوتی ہیں یہ بھی شاید انہی میں سے ایک تھی۔

''ہر شراب کا اپنا ایک علیحدہ ذائقہ ہے..... یہ دنیا کی سب سے نفیس اور مہنگی شراب ہے.....'' وہ مسکرا کر بولی۔

''تم اس کی فکر نہ کرو.....'' میں مسکرایا۔

شراب کا پہلا ہی گھونٹ تیر کی طرح جا کر لگا..... اور میرا دل مالش کرنے لگا۔ شراب کا ذائقہ بہت تلخ تھا..... مجھے ابکائی سی محسوس ہونے لگی تھی۔

میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ ام الخبائث پہلی بار میرے منہ کو لگی ہے۔

''پہلی بار پی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''صحیح..... جی ہاں.....''

''آپ نے شراب منہ کو لگائی ہے تو شباب کے بارے میں کیا ارادے ہیں؟'' اس کی اتنی بے باکی دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

''یہاں نہیں..... باہر میرے فارم ہاؤس پر.....''
میں نے مسکرا کر کہا۔
پھر میں اس نازک اندام کو کار میں بیٹھا کر اتنی دور لے کر جانا چاہتا تھا تاکہ جب چاند پورا ہو..... اور اس کی چیخیں سننے والا کوئی نہ ہو..... دوران ڈرائیونگ وہ مسکرا مسکرا کر مجھ سے باتیں کرتی رہی..... مگر میری کیفیات اس پرسکون سمندر کی طرح تھیں جس میں طوفان آنے والا ہو..... میرے جسم میں اندر ہی اندر لاوا پھٹنے کو تھا۔ چاند پورا ہونے کو تھا..... میری کیفیات نہایت عجیب تھیں میری آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں..... میں اپنے آپے میں نہیں تھا۔
اچانک میں نے اس لڑکی کی چیخ سنی اور میں نے گھبرا کر گاڑی روک دی.....
''تت..... تمہارا..... ہاتھ.....'' وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔
میرا بازو بالوں سے بھر چکا تھا..... میرے ہاتھوں کی ساخت تبدیل ہوگئی ہے..... وہ اندر کی طرف مڑ گئے تھے۔
''ہاں جان من..... آج تم میرا شکار ہو.....''
میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر وہ چیختی ہوئی گاڑی سے باہر نکل گئی.....
چاند پورا ہو چکا تھا۔ میں نے چیخنا شروع کر دیا.....
پانچ منٹ کے اندر اندر میں بھیڑیا بن چکا تھا۔ انسانی بھیڑیا۔
میں گاڑی کا دروازہ کھول کر اس کے پیچھے لپکا.....
میں نے جلد ہی اسے جالیا..... اور اسے سڑک پر گرا دیا.....
اس کے کپڑے بھی پھٹ چکے تھے میں نے اس کے نرخرے پر اپنے دانت گاڑ دیئے.....
میرے اندر کا شہباز مر چکا تھا..... اب میں صرف بھیڑیا تھا۔ انسانی بھیڑیا..... اسے میں نے پوری طرح سے نوچ کھسوٹ دیا..... وہ مر چکی تھی مگر میری وحشت زندہ تھی۔
پھر اس شکار کے بعد میں گھر کیسے پہنچا میں نہیں جانتا میرے وجود نے مکمل بھیڑیا کا روپ نہیں لیا تھا بلکہ انسانی بھیڑیا بن چکا تھا۔
صبح ہوئی تو میرا دل رت والے واقعے پر مجھے دھتکارنے لگا۔ میں سنجیدگی سے اس بارے میں سوچنے لگا تھا کہ کس طرح میں اس عذاب سے نجات پاؤں۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک نہایت ہی عجیب و غریب شخص تھا۔ جو میرے سامنے بیٹھا تھا، اس کو دیکھ کر کہیں سے بھی ایسا نہیں لگتا تھا کہ اس کے جسم پر گوشت نام کی کوئی چیز ہوگی۔ اس کا حلیہ نہایت عجیب اور کریہہ تھا۔ وہ شکل وصورت اور کپڑوں سے نہایت میلا کچیلا اور گندا معلوم ہو رہا تھا۔ سب سے حیرت انگیز بات آنکھوں میں تھی جو کہ بہت روشن اور چمکیلی تھیں جن سے مجھے شعاعیں سی نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔
''اس قدر غلیظ اور گندے انسان کو تم حویلی میں کیوں لائے ہو؟ میر منشی صاحب۔'' میں نے نہایت سخت لہجے میں پوچھا۔
''سرکار..... آپ ہی کے حکم کے مطابق لایا ہوں.....'' میر منشی صاحب ہاتھ جوڑ کر بولے۔ ''کیا مطلب.....؟''
''ہم بتاتے ہیں مطلب سرکار آپ کو.....'' میر منشی کی جگہ وہ شخص بول پڑا۔ میں نے میر منشی کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''سرکار ہمارا نام جگن ہے ہم کالی کے سچے سیوک ہیں..... آپ کی ہر مشکل کا حل ہے ہمارے پاس.....'' وہ مسکرا کر بولا۔
''کیا مطلب.....؟'' میں چونک کر بولا۔
''مطلب یہ ہے کہ منشی صاحب کو آپ نے کسی علم کرنے والے کو ڈھونڈ لانے کو کہا تھا اور منشی صاحب ہمیں پکڑ لائے۔''
''میں اب بھی نہیں سمجھا کہ تم کون اور کیا کر سکتے ہو؟''
''میں کالی کی کرپا سے ہر وہ کام کر سکتا ہوں جو کہ سیدھے طریقے سے نہ ہو سکتا، میں آپ کو دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ آپ پر کسی آتما کا سایہ ہے..... 20 سال سے ویرانوں میں گند کھایا ہے، جاپ کیا ہے..... یہ بھی نہ کر سکوں تو لعنت ہے مجھ پر۔''
''ہم تمہیں دولت میں تول دیں گے..... جگن اگر تم ہمیں چانڈکی قید سے نجات دلا دو.....''

"دولت تو میں لوں گا سرکار..... مگر اس سے پہلے آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔" اس کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا اور پھر مختصراً اپنی داستان بیان کرنا شروع کردی جب تک میں بولتا رہا وہ چپ کر کے سنتا رہا اس دوران وہ مسلسل منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتا رہا۔

میری داستان ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ سر جھکا کر آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے..... وہ کافی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا، مجھے کوفت ہونے لگی تھی میرا دل چاہا کہ اس میلے کچیلے کو باہر پھینک دوں کوئی 15 منٹ بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"دیکھو سرکار آپ مسلمان ہو..... دنیا کی سب سے پوتر (پاک) قوم جو صرف ایک ہی ایشور کو مانتی ہے..... میں سفلی کرتا ہوں..... میں جانتا ہوں کہ سفلی ایمان کو تباہ کردے گی اور جو راستہ میں بتاؤں گا اس کا تعلق سفلی سے ہے۔"

"تم راستہ بتاؤ جگن ویسے بھی زہر زہر کو مارتا ہے۔"

میری بات سن کر وہ مسکرایا پھر کل آنے کا کہہ کر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

رات کافی گہری ہوچکی تھی۔ چاروں طرف اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا میں اپنی کار میں کافی دیر سے اس مرگھٹ کے باہر کھڑا تھا۔ اور جگن کا انتظار کر رہا تھا۔ جگن مجھے کہیں لے جانے والا تھا۔ احتیاطاً میں نے ساتھ میں پستول بھی رکھ لیا تھا تاکہ اگر ضرورت پڑے تو میں جگن کے خلاف اسے استعمال کرسکوں۔

مجھے احساس ہوتا کہ میں سفلی کے استعمال سے شرک جیسے گناہ عظیم کا ارتکاب کر رہا ہوں۔ اپنی مشکلوں میں اللہ سے مدد طلب کرنے کے بجائے شیطانی قوتوں کا راستہ اپنا رہا ہوں تو شاید میں ایسا نہ کرتا مگر اچھے اور برے راستے کی تمیز اللہ نے بتادی ہے اور اس پر چلنا نہ چلنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے.....

جگن نے مجھے کافی انتظار کرایا، جب وہ مرگھٹ سے باہر آیا تو اس کا روپ اور حلیہ میرے لئے حیرت انگیز تھا، وہ سر سے پاؤں تک کالے لبادے میں ملبوس تھا۔ چہرے پر مرگھٹ کی راکھ مل رکھی تھی۔ پورے جسم سے لوبان اور کافور کی بے پناہ مہک اٹھ رہی تھی۔ میں نے اسے حیرت سے دیکھا اور پیچھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

"یہ ضروری ہے سرکار..... جاب تم کرو گے اور میں تمہاری رکھشا"..... وہ گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"ہم کہاں جارہے ہیں؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"ہم ایسی جگہ جارہے ہیں..... جہاں کسی زمانے میں سفلی مکمل کرنے والوں کے لئے ایک مندر بنایا گیا تھا۔ لیکن اب وہ ویران عمارت ہے۔ جہاں تمہیں ایک جاپ کرنا ہوگا..... جس کے بعد وہ آتما میرے قبضے میں ہوگی۔ اور میں شکتی مان اور تم پر اس بددعا کا اثر ختم ہوجائے گا۔"

آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد گاڑی میں ہمیں دور سے ایک عمارت نظر آئی، وہ بھی جگن کے بتانے پر ورنہ اندھیرے میں مجھے وہ عمارت نظر بھی نہ آتی، سیاہ پتھر سے بنی یہ عمارت شاید کئی سو سال پرانی تھی۔

پوری عمارت پر مستطیل مینار تھے جس کے برج پر پیتل کا پتر چڑھا تھا۔ ہم دونوں عمارت کے سیاہ رنگ کے پتھروں کے بنے دروازے سے اندر داخل ہوگئے۔ اندر چوڑا اور طویل ہال تھا جس کی دیواریں بھی سیاہ اور سخت پتھروں سے بنی تھیں، عمارت کے چاروں برجوں اور ستونوں پر مشعلیں روشن تھیں، جس کی وجہ سے مجھے عمارت کا اندرونی حصے کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔ عمارت جو کہ شاید کسی زمانے میں ایک مندر تھی۔ ہال کی دیواروں پر نیم عریاں عورتوں کی مورتیاں رکھی تھیں اور وسط میں چوڑا چبوترا تھا جو کہ قربان گاہ معلوم ہوتی تھی۔

قربان گاہ کے بالکل عقب میں کالی دیوی کا خوفناک بت رکھا تھا، ہال کی چھت پر عجیب سے پرندے لٹکے ہوئے تھے مگر وہ چمگادڑ نہیں تھے کچھ اور تھے جن کی تھوتھنی عجیب تھی یہ ایک خوفناک عمارت تھی۔

"شہباز صاحب....." جگن کی آواز گونجی۔ تو میں اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

تمہیں اپنے پورے کپڑے اتار کر صرف ایک جانگیہ پہننا ہوگا۔ اور پورے جسم پر کالی کا بھبوت ملنا

ہوگا..... پھر پوری رات میرے کئے ہوئے منتروں کا جاپ کرنا ہوگا تو ہی کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

میں شہباز علی خان ایک نواب گھرانے کا چشم و چراغ اس طرح کے فضول کاموں میں پڑ گیا تھا صرف ان ناکردہ جرائم جو میں نے نہیں کئے تھے۔ کچھ ہی منٹوں بعد میں جگن کے بتائے ہوئے حلیے میں آ گیا تھا۔

میں حصار کھینچ کر اس چبوترے پر بیٹھ گیا۔ میرے بالکل عقب میں کالی کے چرنوں کے پاس ڈنڈوت جما کر جگن بھی بیٹھ گیا۔

مجھے منتر پڑھتے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میرے دل میں ایک انجانا سا خوف میرے دل میں جاگزین ہونے لگا۔ میں نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کرلیں اور تیز تیز منتر کا جاپ کرنے لگا۔

اچانک مجھے کسی چیز کے جلنے کی بو محسوس ہوئی کہ جیسے کہیں کوئی گوشت جلا رہا ہو، چربی جل رہی ہو..... بو بہت زیادہ شدید تھی۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔

میرے سامنے مندر کا پورا فرش کیڑوں سے اٹا ہوا تھا۔ وہ کیڑے تیزی سے میری جانب بڑھ رہے تھے۔ لیکن ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ رہے تھے وہ حد وہ دائرہ تھا وہ حصار تھا۔

یہ مجھے خوفزدہ کرنے کے لئے تھا کہ میں گھبرا کر منتر پڑھنا چھوڑ دوں مگر میں گھبرایا نہیں، میں منتر پڑھتا رہا، میرے پیچھے جگن بھی دھونی مارے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے مندر کی چھت گر رہی ہو..... میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے تاروں بھرا آسمان دکھائی دیا۔

پھر مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں فضا میں پرواز کر رہا ہوں۔ تیز ہوا سائیں سائیں کرتی میرے چہرے، کان، ناک سے گزر رہی تھی۔

پھر مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں زمین پر ہوں، میرے چاروں طرف سناٹا تھا..... میں ویسے ہی بیٹھا رہا میرے لب منتر کی تکرار کرتے رہے۔

میں کہاں تھا مجھے نہیں معلوم تھا۔ بس مجھے اپنے چاروں طرف جنگل اور پہاڑ نظر آ رہے تھے وہ پہاڑ بھی عجیب سے تھے۔ بالکل نیلے اور کوئی کوئی بھورے سب سے عجیب بات یہ تھی کہ وہ بالکل سیدھے تھے جنگل بھی اسی طرح کے تھے سارے درخت اور پتے سیاہ اور زرد رنگ کے تھے عجیب سی نحوست کا راج تھا اس جگہ پر دفعتاً مجھے دل ہلا دینے والی تیز چیخ کی آواز سنائی دی.....

میں گھبرا گیا اور آنکھیں بند کئے منتر پڑھتا رہا..... میرے دل میں عجیب سی دہشت اور خوف سوار تھا۔ دل اس بری طرح دھڑک رہا تھا کہ جیسے باہر آ جائے گا۔

''تم جگتی بھی کوشش کرلو..... روپا کے انتقام سے نجات نہیں پا سکو گے.....'' میرے کانوں میں ایک نسوانی سرگوشی سنائی دی۔

میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں، میں نے دیکھا کہ میں اسی مندر میں ہوں۔ میرے بالکل سامنے ایک عجیب و غریب قسم کا خوفناک درندہ کھڑا ہے، جس کے نتھنوں سے آگ نکل رہی ہے اس کے نوکیلے سینگ آگ کی طرف ہے، وہ جانور نہایت ہی غصے سے مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور بایاں کھر بار بار زمین پر مارنا چاہے۔

''شہباز علی..... گھبرانا مت یہ تمہارا کچھ نہیں کر سکے گا.....'' جگن کی آواز مجھے سنائی دی۔

اس جانور نے تیز چنگھاڑ کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر میں گھبرا گیا اور میرے حلق سے چیخ نکل گئی اس کے ساتھ ہی میں کنڈل سے نکل آیا.....

کنڈل سے باہر نکلتے ہی میں چیختے ہوئے باہر کی طرف بھاگا لیکن اس سے قبل باہر نکل پاتا میں دو تین فٹ اوپر اچھلا اور میں نے جگن کی چیخ سنی میں نے دیکھا کہ اس درندے کے سینگ جگن کے پیٹ میں پیوست ہو چکے ہیں۔

جگن زخمی حالت میں دیوی کے چرنوں میں پڑا ہے اور وہ جانور بار بار اسے اپنے کھروں سے زخمی کر رہا ہے۔

میں فضا میں اوپر جاتے ہی بڑی تیزی سے نیچے آیا اور بے ہوش ہونے پر میں نے نقرئی قہقہہ سنا پھر مجھے کچھ

ہوش نہ رہا۔

جگن کی موت بڑی دردناک ہوئی تھی اگر میں اللہ سے مدد طلب کرتا تو کوئی نہ کوئی سبیل ضرور نکلتی مگر غلط راستوں سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوجاتا ہے، ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو سمندر میں پایا۔ کالی کے قدموں میں اپنے سیوک کی ٹکڑوں میں بٹی لاش پڑی تھی۔

میں گھر میں کس طرح آیا یہ میں ہی جانتا ہوں۔ چودھویں کی رات زیادہ دور نہ تھی اب کوئی اور بے گناہ روپا کے انتقام کا نشانہ بننے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

نصف شب ہوچکی تھی۔ چاند کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میں ایک درندہ بن چکا تھا۔ میرے اندر شر نے اپنا غلبہ کرلیا تھا۔ میں اس وقت اپنی حویلی میں ہی موجود تھا۔ میری بدقسمتی تھی چاند پورا ہونے سے پہلے میں حویلی سے باہر نہ نکل سکا میں نے اپنے آپ کو سرتاپا سیاہ چیسٹر میں ملبوس کیا اور فلیٹ ہیٹ لگا کر باہر نکل گیا۔ میری خوش قسمتی کہ مجھے کسی نے نہ دیکھا اور میں حویلی سے باہر نکل گیا۔

رات زیادہ نہ ہوئی تھی میں گاڑیوں کے گیراج کی طرف جارہا تھا۔ گیراج کا راستہ سرونٹ کوارٹر سے ہوکر آتا تھا.....

دفعتاً مجھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں یکدم کونے میں ہوگیا میں نے دیکھا کہ رخسار گھر سے باہر نکل رہی تھی، اس کا انداز بالکل ایسا تھا کہ جیسے کسی سے ملنے جارہی ہو.....

بھیڑیے کی عیاری اور چالاکی میرے اندر عود آئی، میں نے رخسار کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کرلیا میں دبے قدموں اس کے پیچھے چلنے لگا، میں نے اسے باغیچے میں داخل ہوتے دیکھا، میرے نتھنے کسی اور انسان کی بو محسوس کررہے تھے، چند لمحے کے توقف کے بعد میں بھی باغ میں داخل ہوگیا۔

میں نے دیکھا کہ وہ موتیے کی کیاریوں کے پاس کسی سے باتیں کررہی تھی۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی جولڑکی میری بیوی نہ بن سکی وہ کسی اور کو خوش کیسے کرسکتی تھی، نفرت اور انتقام کی آگ نے مجھے اندھا کردیا تھا..... میں بھیڑیے کی طرح منہ اوپر کرکے غرایا تو وہ دونوں چونک پڑے۔

پھر میں نے اس کو پہچان لیا وہ یہاں کا مالی تھا، رخسار تھر تھر کانپنے لگی تھی۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی مگر میرے ایک ہی وار نے اس کا سر دھڑ سے جدا کردیا۔

رخسار نے بھاگنے کی کوشش کی مگر بھاگ نہ سکی میں نے اسے جھپٹ لیا۔ خوف نے اس کی آواز تک کو سلب کرلیا تھا میں نے اس کے پورے کپڑے پھاڑ دیئے..... پھر میں نے اپنے دانت اپنی محبت کے نرخرے میں گاڑ دیئے۔

میں نے اس کے جسم سے بھی تسکین حاصل کی اور خون سے بھی..... میں نہ جانے کب تک اس کے زخمی اور مردہ جسم سے اپنی وحشت کو تسکین دیتا رہا۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہانپ رہا تھا۔ شام تک پورے علاقے میں رخسار اور فضلو کی موت کے چرچے ہونے لگے تھے کہ وہ بھیڑیے کا نشانہ بن گئے۔

☆.....☆.....☆

شام تک ان دونوں کی تدفین کردی گئی۔ میں اس جنازے میں شریک بھی نہیں ہوا۔ میں اس کی موت کے دکھ میں رویا بھی نہیں، میں نے اپنی پہلی اور آخری محبت کو خود ہی مار ڈالا تھا۔ محبت تو خود کو مٹا دینے کا نام ہے نہ کہ محبت کو مٹا دینا محبت ہے۔

میرے اندر اتنی صلاحیت اور سکت باقی نہ رہی کہ میں اس بددعا کا خاتمہ کرسکوں میں ہار گیا تھا پھر میں نے آخری فیصلہ کرلیا۔

رخسار کے بغیر میں جی نہیں سکتا اور بے گناہوں کا خون بہانا اب مجھے منظور نہیں۔ میں دل کی دھڑکن کو ساکت کردینے والا زہر پی چکا ہوں..... میری آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا رہا ہے..... نواب ظفر علی خان کی طرح نواب شہباز علی خان کا بھی خاتمہ اسی طرح کا ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بددعا کا اثر ختم ہوجائے گا۔

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
میرے ہاتھوں کی لکیروں سے الجھ جاتی ہیں!
(ایس حبیب خان......کراچی)

پھولوں میں خوشبو ہاتھوں میں رچی حنا ہو جیسے
محبت میں گہرے رنگ ہوں پھر یہ تیری وفا ہو ایسے
یہ نہ سمجھو کہ کبھی رنگ محبت ہی دیکھا ہی نہیں ہے
یہ رنگ دل میں بھرے ہیں رومی قوس قزح ہو جیسے
(عبدالجبار رومی انصاری......قصور)

دل ان سے کھل کے جو کہہ دے تو کوئی بات بنے
اگر نہ صبر سے سہہ لے تو کوئی بات بنے
مجھے وہ مل ہی کبھی جائے گا کہیں نہ کہیں
میں خود کو تو ڈھونڈ لوں پہلے تو کوئی بات بنے
(عروج ماہین......پنڈ دادن خان)

...چتا ہوں تو ہنسی آتی ہے
...ندہ خدا کو حساب کیا دے گا؟
(انتخاب: ذکا اللہ بھٹی......کراچی)

...ض کیا خاک بولے گی میاں!!!
دل پہ جو گزری ہے وہ دل ہی جانتا ہے
(انتخاب: شرافت علی......کراچی)

...ن کی قسمت میں لکھا ہو رونا
وہ اگر ہنس بھی دیں تو آنسو نکل آتے ہیں
(انتخاب: اقبال احمد......کراچی)

اس اجنبی شہر میں پتھر کہاں سے لگا
اس کی بھیڑ میں کوئی اپنا ضرور ہے
(سنبل ماہین......راولپنڈی)

...ت سے ہوں محبوب میں دھوکہ نہیں دیتا
... بار مگر خلوص بہت مہنگا پڑا مجھے
(انتخاب: اکبر خان......کراچی)

... ے اس دشت میں ظلمت کا سماں ہے
...لی ہوئی آنکھ میں شعلہ بھی کہاں ہے

سوکھے ہوئے پتوں کو روندا تو صدا دیں
پستے ہوئے انسان کے منہ میں تو زباں ہے
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

وہ بے وفا نہ تھا بس یونہی بدنام ہوگیا
ہزاروں چاہنے والے تھے کس کس سے وفا کرتا
(ڈاکٹر عامر شہزاد رانا......ننکانہ صاحب)

تیرے انتظار میں خود کو محال رکھنا
بس ہر دم میں تیرا خیال رکھنا
تو کبھی تو لوٹ کے آئے گا رومی
خوشی سے دل میں تیرا استقبال رکھنا
(عبدالجبار رومی انصاری......قصور)

اداسیاں ہیں مگر وجہ غم نہیں معلوم
دل پہ بوجھ سا ہے شاید تنہا ہوگیا ہوں میں
(محسن عزیز حلیم......کوٹھا کلاں)

12 جولائی کا دن کچھ اس طرح سے گزرا
جیسے محشر کا میدان ہو اور سایہ ساتھ نہ ہو
(عبدالکریم طارق......کوٹھا کلاں)

بے خبر سے رہنے لگے ہو ہم سے تم
بھول گئے ہو یا بھلانا چاہتے ہو......
(عبدالحلیم بھٹی......کوٹھا کلاں)

مت پوچھ مجھ سے میری داستان غم اے دوست
ایک شخص مجھ کو صحرا میں تنہا چھوڑ گیا
(انتخاب: ذیشان......فیصل آباد)

محبت ملن ہے اس میں تن کا ملن مت مانگو
جسے چھولیا جائے اسے پوجا نہیں کرتے
(انتخاب: عارفہ عامر......نواب شاہ)

تیری پلکوں کے آنسوؤں سے عقیدت مجھے بھی ہے
تیری طرح زندگی سے محبت مجھے بھی ہے
تو اگر نازک ہے تو میں بھی نہیں پتھر
تنہائی میں رو دینے کی عادت مجھے بھی ہے
(انتخاب: عمران......کراچی)

اداس دل ہو تو ہر شے اداس ہوتی ہے
اگرچہ لاکھ کھلے ہوں گلاب آنکھوں میں
(انتخاب: شان۔ ٹنڈو آدم)

☆☆

چھا گئے سب پڑھنے والے
ہیں سارے ڈر کے متوالے
ہر کوئی اس کا شیدائی ہے
ڈر کی سالگرہ آئی ہے
ہر سو ڈنکا ہے ڈر پڑھنے کا
ہر پڑھنے والے کے دل میں
اس کی ہر تحریر سمائی ہے
ڈر کی سالگرہ آئی ہے
تحریریں لکھنے کو ہر قاری
منتظر ہے اپنی باری
سبھی نے محفل سجائی ہے
ڈر کی سالگرہ آئی ہے
اس کے سب پڑھنے والے
ہیں سبھی بڑے دل والے
اک اک نے لاج نبھائی ہے
ڈر کی سالگرہ آئی ہے
ترقی کی دوڑ میں سب سے آگے
ہر کوئی اس کے پیچھے بھاگے
سب کے سنگ چلنے کی ریت نبھائی ہے
ڈر کی سالگرہ آئی ہے
پراسرار دنیا کا شاہکار
رولو کا ہے اس میں برسر پیکار
اے وحید کی جانفشانی ہے
ڈر کی سالگرہ آئی ہے
ایم الیاس بھی کھڑے ہیں سر راہ
لے کر حیرت انگیز خونی جزیرہ
پڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہے
ڈر کی سالگرہ آئی ہے
یہیں پہ ملتے ہیں محمد خالد شاہان
جن کی ہے اپنی ہی اک شان
جن کے قلم سے اسرار چھائی ہے
ڈر کی سالگرہ آئی ہے
اس میں خالد علی و آصف حسن نے نوک پلک سنواری ہے
شاہد علی و ذیشان کی ایڈیٹنگ بھی پیاری ہے
سارے اسٹاف کی محنت رنگ لائی ہے
ڈر کی سالگرہ آئی ہے
آؤ سب اس کی شان بڑھائیں
اپنا اور اس کا نام بنائیں
روی کی یہ عاجز ائی ہے
ہاں جی ڈر کی سالگرہ آئی ہے

(عبدالجبار رومی انصاری.....قصور)

نیکیاں کیا رنگ لائیں حال کیا بنتا گیا
جو بھلا تھا وہ بھی بالآخر برا بنتا گیا
دور تک پہنچا اثر جب بھی کوئی پتھر گرا
بحر غم میں دائرہ در دائرہ بنتا گیا
ایک کیکر کے شجر کی کیا ہوئی نشوونما
دور تک کانٹوں کا گویا دشت سا بنتا گیا
پھر سبکدوش کے امکانات سارے مٹ گئے
جو چڑھا کاندھوں پہ پیر شمسہ بنتا گیا
میرے ہمسائے نے جانے کون سی پائی کلید
دیکھتے ہی دیکھتے وہ کیا سے کیا بنتا گیا
راہ پر پٹنے سے جو پیدل بچا انجام کار
زیست کی شطرنج میں وہ کام کا بنتا گیا
جس نے پارس پالیا وہ شخص واجد تا بہ دیر
سلسلہ در سلسلہ قارون سا بنتا گیا

(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

اب یہ ویران دن کیسے ہوگا بسر
رات تو کٹ گئی درد کی سیج پر
بس یہیں ختم ہے پیار کی رہگزر
دوست اگلا قدم کچھ سمجھ سوچ کر
اس کی آواز یا تو بڑی بات ہے
ایک پتہ بھی کھڑکا نہیں رات بھر
گھر میں طوفان آئے زمانہ ہوا
اب بھی کانوں میں بجتی ہے زنجیر در

اپنا دامن بھی اب تو میسر نہیں
کتنے ارزاں ہوئے آنسوؤں کے گہر
شکستہ قدم بھی ترے ساتھ تھے
اے زمانے ٹھہر، اے زمانے ٹھہر
اپنے غم پر تبسم کا پردہ نہ ڈال
دوست! ہم ہیں سوار ایک ہی ناؤ پر
(انتخاب: ایس حبیب خان...... کراچی)

کبھی تسبیح کو دیکھا ہے؟
کبھی دانے الگ ہوکر بھی
ہردم ساتھ رہتے ہیں
یہی تعلق ہمارا ہے
بظاہر الگ ہیں لیکن
دلوں میں ساتھ رہتے ہیں
سدا ایک دوسرے کے نام کی
تسبیح پڑھتے ہیں
اسی کو روح کا بندھن، اسی کو چاہ
کہتے ہیں
عمر کی آخری سرحد اور زندگی کی آخری
سانس تک چلنے والا "سچا ساتھ"
(سنبل ماہین...... پنڈ دادن خان)

صحن چمن میں آگ جو برسا گئے ہیں لوگ
اپنے کیے کی آپ سزا پا گئے ہیں لوگ
پژمردگی چہار سو چھائی ہے آج کل
شاید غم حیات سے اکتا گئے ہیں لوگ
ایسی چلی ہے شہر میں کچھ باد تیز رو
پھولوں کی طرح آج جو مرجھا گئے ہیں لوگ
کچھ مسئلے ہیں رو برو ایسے جہان میں
انجام سو سوچ کے گھبرا گئے ہیں لوگ
جن کو جنون شوق نے وحشی بنادیا
امتیاز بس وہ راہ وفا پا گئے ہیں لوگ
(ایس امتیاز احمد...... کراچی)

وہ کہتی ہے اب بھی کسی کے لئے لال چوڑیاں خریدتے ہو
میں کہتا ہوں ہر کسی کی کلائی پر یہ رنگ اچھا نہیں لگتا
وہ کہتی ہے اب بھی کسی کے آنچل آ کاش لکھتے ہو
میں کہتا ہوں اب کسی کے آنچل میں اتنی وسعت کہاں
وہ کہتی ہے تمہارے لہجے میں بہت اداسی ہے
میں کہتا ہوں تتلیوں نے بھی میرے دکھ کو محسوس کیا ہے
وہ کہتی ہے مجھے اب بے وفا کے نام سے یاد کرتے ہو
میں کہتا ہوں میرے نصاب میں یہ لفظ شامل نہیں ہے
وہ کہتی ہے کبھی میرے ذکر پر روتے بھی ہوگے
میں کہتا ہوں میری آنکھوں کو ہر وقت کی پھوار اچھی لگتی ہے
وہ کہتی ہے چاند رات میں چھت پر اب بھی عید کا چاند دیکھتے ہو
میں کہتا ہوں میرا چاند تو تم تھیں جسے زمانے نے بادلوں میں چھپالیا
وہ کہتی ہے اب بھی مہندی کی خوشبو پسند ہے
میں کہتا ہوں مہندی میں خوشبو کہاں وہ تو تمہارے ہاتھوں میں رچ کر خوشبو ہوتی تھی
وہ کہتی ہے تمہاری باتوں میں اتنی گہرائی کیوں ہے
میں کہتا ہوں تمہاری جدائی کے بعد مجھ کو یہ اعزاز ملا ہے
(شرف الدین جیلانی...... ٹنڈو الہ یار)

کیوں مجھ سے پوچھتے ہو کیسا لگتا ہے وہ
دل سے اتر کر دھڑکنوں میں بستا ہے وہ
نہ دیکھوں تو دل دھڑکنا ہی چھوڑ دے
بے جان وجود میں زندگی بھرتا ہے وہ
چھوتا ہے ایسے کہ سب کچھ بھلا دیتا ہے
خوشی کا منفرد احساس دلاتا ہے وہ
قدم زمین پر ٹکتے نہیں پھر تو میرے
خوابوں کا جہاں کیا خوب سجاتا ہے وہ
نینا کے جسم و جان کا مالک اک بس وہ
کہ نینا کو بہت ٹوٹ کر چاہتا ہے وہ!!!
(شاعرہ: نینا خان...... کراچی)

بس گیا میری آنکھ میں وہ خواب کی طرح
گزر رہی ہے ہر شب میری عذاب کی طرح
میرے سامنے وہ پھر ایسے گزرے آج
میں لفظ در لفظ پڑھوں اسے کتاب کی طرح
میں کیسے اسے اپنے دل سے پھر بھلادوں
میری چاہت کو گھیرے ہے وہ گرداب کی طرح
لمحہ در لمحہ اس کے احساس کی خوشبو مہکے
برس جائے وہ میرے جیون پہ سحاب کی طرح

میں راہ وفا کے اس مقام پر ہوں جہاں جاوید
کانٹے بھی گلے آملتے ہیں پھر گلاب کی طرح
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

ہم جلتے رہے موم کی طرح
وہ بے خبر چلتے رہے ہوا کی طرح
ہم ڈرتے رہے پرندوں کی طرح
وہ گرجتے رہے بادلوں کی طرح
ہم سہم گئے بچوں کی طرح
وہ کھیلتے رہے بجلیوں کی طرح
ہم بھیگ کے چڑیاں کی طرح
وہ برس کر چل دیئے بارش کی طرح
(عبدالکریم طارق.....کوٹھا کلاں)

بے وفا تم نے مجھے جب بھی بھلایا ہوگا
کوئی آنسو تو تیری آنکھ میں آیا ہوگا
ہو کر ناکام بہت اشک بہائے ہوں گے
جب بھی آنکھوں میں میرا روپ سمایا ہوگا
تم کو جب یاد میری ٹوٹ کر آئے گی
پھر تو ہر طرف میرا ہی چہرہ نظر آیا ہوگا
پلکوں کے بھیگنے تک نیند بھی آئی ہوگی
تو نے تکیے کو بھی بانہوں میں چھپایا ہوگا
سکھیوں کی محفل میں میرا نام جب گونجا ہوگا
اک آنسو تو تیری آنکھ میں بھی آیا ہوگا
بے چینی جب تیرے دل کی بڑھی ہوگی
تو بے باتوں میں اسے خوب چھپایا ہوگا
(ڈاکٹر عامر شہزاد رانا.....ننکانہ صاحب)

گھر میں ٹی وی آن ہوا ہے
ہر کوئی سامنے جا بیٹھا ہے
بوڑھا، بچہ اور جوان
سب کی خوشیوں کا سامان
گھڑی پر جب آٹھ بجے
گوش سبھی کے کھڑے ہوئے
دیکھو شروع ہوا ڈرامہ
دم سادھے ہر کوئی ہے بیٹھا
اسکرین پہ ہے عابد آیا
شفقت اپنے ساتھ ہے لایا
پھر سامنے محبوب عالم
اکڑ دیکھاتا تھا جو سالم
پھر کچھ دیر میں کھوسٹ آیا
لوگوں کو تھا خوب ہنسایا
عظمیٰ گیلانی بڑھیا بنی تھی
چہرے پہ چھائی سرخی تھی
کاش قمر نہ بجلی جائے
لطف سیریل کا ہر اک پائے
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

تسلی کون دیتا ہے ستم ڈھانے بہت آئے
ہمارے ساتھ دل اپنے کو بہلانے بہت آئے
مسافر ہوں تو کچھ ایسا کہ میری دیکھئے قسمت
شہر سے جب چلا راہوں میں ویرانے بہت آئے
سبق دنیا کے اس حیرت کدے سے یہ ملا مجھ کو
کہ مجھ سے ملنے اس میں دیوانے بہت آئے
یہ میری شومئی قسمت کہ سمجھا نہ میں بات ان کی
مجھے غمناک سے چہرے تو سمجھانے بہت آئے
مجھے باور کراکے بات شمع بجھ گئی فوراً
تیرے جیسے یہاں جلنے کو پروانے بہت آئے
کوئی ناپے تو پھر مانوں شب فرقت کے لمحوں کو
ریاضی دان یوں تو لے کر پیمانے بہت آئے
اگر ملتا ہے بن مانگے تو غم ملتا ہے دنیا میں
یہاں آزاد کم دیکھے سزا پانے بہت آئے
کہا جب خون دینے کو رہا بس قیس ہی در پر
سگ لیلیٰ تو یوں شاکر کہلوانے بہت آئے
(محمد حنیف شاکر.....ننکانہ صاحب)

خوش تھے ہم سب کچھ تم پر فدا کرکے
دیکھو ہنستا ہے زمانہ ہمیں جدا کرکے
معاف کرنا مجھے کہ اب جانا ہی ہوگا
پر بہانا مت آنسو مجھے الوداع کرکے
ملا دے پھر ہمیں پھر انہیں بہاروں میں
روئے ہم آج پھر یہ دعا کرکے

یں زخمی قدم اور چلنا دشوار میرا ہے
ٹ کر آنا ہے اور جینا ہے وفا کرکے
(انتخاب: رابعہ عباس......بستی فتے والی)

ھیل سی آنکھوں کو تنہا
یں نے ہی عبور کیا
لھ پہ تل یوں بیٹھا تھا
جیسے ہو کوئی چھور چھپا
دکھ کی دھوپ نے یوں جھلسایا
اپنے پرائے بھلا بیٹھا
غم کے بادل کھل کے برسے
جب بھی اس نے حال پوچھا
پرویز جیسے تنگدستوں کا
کوئی نہ ہو دل ربا
(مہر پرویز احمد دولو......میاں چنوں)

محبت چیز کیا ہے سوچتی ہوں میں
کبھی مدہوش ہوجاتی ہوں اس کو کھوجتی ہوں میں
کبھی شک کی نظر سے دیکھتی ہوں میں
محبت جان بھی ہے اور دشمن جان کی بھی ہے
کبھی یہ چین دیتی ہے کبھی یہ درد
کا خنجر دل میں گاڑ دیتی ہے
کلیجہ پھاڑ دیتی ہے کبھی ہمدرد ہوتی ہے
ہمارے ساتھ ہنستی ہے ہمارے ساتھ روتی ہے
کبھی سایہ سا بن کر ساتھ دیتی ہے
کبھی یہ سگ بن جاتی ہے
جسم و جاں میں جلتی ہے
ہمارے ہی لہو کو پی کے پلتی ہے
(رشک نور......فیصل آباد)

میں روپ نگر کی شہزادی تو اک آوارہ بنجارہ!
میں چاند کی کشتی میں رہتی تو پھرتا پھرے مارا مارا
تو میری خواہش رکھتا ہے، کیا سوچ کے تو نے ایسا کیا
میں نیل گگن کی وسعت ہوں، تو کچی زمیں کا نظارا
جب پا ہی نہیں سکتے مجھ کو تو میری طرف کیوں بڑھتے ہو
اک بدلی ہوں آکاش کی میں تو ساحل دریا ہے بے چارا
میں تو خوشبو ہوں پھولوں کی اور مستی مست بہاروں کی
ترا دامن ہے کانٹوں سے لدا، تو تو ہے خزاں کا گھوارہ
ترے پاس سوائے دل کے کیا کچھ اور بھی ہے پاگل عاشق!
مرے طالب تو ہیں لاکھ یہاں، کیا جانوں تو گر من یارا
نہ جان کو اپنی روگ لگا، جا لوٹ کے اپنی بستی کو
میں تیری پیاری ہوں لیکن تو میرا نہیں ہے دلدارا
(فریدہ خانم......لاہور)

ختم ہوتے ہوتے پھر سے پیار ہورہا ہے
اچانک ہی اس شخص کو مجھ پہ اعتبار ہورہا ہے
وہ دن بھی تھے ان کے پاس وقت نہ تھا میرے لئے
یہ دن بھی ہیں کہ میرا انتظار ہورہا ہے
مل رہا ہے میری ہر بات کا الفت سے جواب
انکار ختم ہوچکا اقرار ہورہا ہے
اک عرصہ رلایا ہم کو صبح و شام اس نے مگر
رلاتا ہے اب رقیبوں کو سمجھدار ہورہا ہے
میری نوازشوں کا اب جاکر اثر ہوا ہے
ہونٹ اس کے کھل گئے ہیں اظہار ہورہا ہے
جو شکوے تھے اک دوسرے سے بہت دور رہ گئے ہیں
زندگی گزر گئی ہے مگر ایسے نہیں ہوا تھا
جیسے کہ آج صائم کو خمار ہورہا ہے
(ظہور احمد صائم۔ مانگا منڈی)

کتاب دل کی صفحوں پر لکھی تحریر تم ہی ہو
سنو جاناں مرے دل میں چھپی تصویر تم ہی ہو
تمہیں کیسے بھلاؤں جان من تم ہی بتاؤں
خدا ہی کی طرف سے جب مری تقدیر تم ہی ہو
مجھے تعبیر والوں نے یہ خوشخبری سنائی ہے
کہ میں اک خواب ہوں اس خواب کی تعبیر تم ہی ہو
مجھے تو فقط تم سے غرض ہے نا کہ اثاثے سے
اویس تم ہی مرا سب کچھ، مری جاگیر تم ہی ہو
سنو جاناں مرے دل میں چھپی تصویر تم ہی ہو
کتاب دل کی صفحوں پر لکھی تحریر تم ہی ہو
(اویس نور گڈانی......میر پور ماتھیلو، سندھ)

☆☆

حیرت کدہ

شہزادہ چاندزیب عباسی

خوبرو حسینہ درخت کی شاخ سے لٹکی مسکرا رہی تھی کہ اچانک ایک نادیدہ ہستی کی نظریں اس پر مذکور ہوگئیں اور پھر اس کے کندھے پر ناقابل برداشت بوجھ آن پڑا تو حسینہ کی چیخیں نکل پڑیں اور پھر......

حرص ولالچ کے گرداب میں غوطہ زن دل ودماغ کو مبہوت کرتی دل فریفتہ ودل گریفتہ کہانی

کسی انسان سے توقعات وابستہ رکھنے والا عقلمند نہیں کیونکہ کبھی کبھی جس انسان سے توقعات وابستہ ہوں پوری نہ ہونے پر دل کو ٹھیس پہنچتی ہے کسی غیر کے آگے دست دراز کرنے سے بہتر ہے کہ انسان خالق حقیقی سے مانگے جو اپنے بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔

حیرت کدہ کی داستان بھی کچھ ایسی ہی ہے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے انہونی کو ہونی ہوتے دیکھا، میرا نام شاہ میر ہے اور تعلق غریب گھرانے سے تھا، میں اور رخسار دو بہن بھائی تھے۔ والد میر حسن ایک فیکٹری میں ملازم تھے خود تو پڑھ نہ سکے مگر مجھے پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنانا چاہتے تھے۔ مگر انسان سوچتا بہت کچھ ہے ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے ابھی میں تھرڈ ائیر میں تھا کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا، گھر کا نظام چلانے کے لئے مجھے تعلیم ادھوری چھوڑ کر ملازمت کرنا پڑی۔ خوش قسمتی سے جلد ہی ایک گارمنٹس فیکٹری میں ملازمت مل گئی۔

میں کوالٹی چیکر تھا ٹیکسٹائل مل کے مالک واجد علی خوش اخلاق انسان تھے امائمہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور خاصی ماڈرن تھی واجد علی صاحب تو فیکٹری کم ہی آتے تھے زیادہ تر وہی آفس میں موجود ہوتی تھی اور فیکٹری کے ہر ڈیپارٹمنٹ میں دو تین بار راؤنڈ لگا کر ملازمین کی کارکردگی کا جائزہ لیتی تھی۔ میرا اور اس کا سامنا دوسرے روز ہوا اس وقت جب میں چھٹی کے بعد گھر جانے لگا، میں اسٹاپ پر اپنے روٹ کی بس کا انتظار کر رہا تھا کہ نئے ماڈل کی BMW گاڑی میرے قریب آ کر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر انتہائی حسین وجمیل لڑکی براجمان تھی جس نے جینز کے ساتھ ہاف آستین کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ ”آؤ بیٹھو“ اس نے کھڑکی سے سر باہر نکالا، تو میں چونک کر سوچنے لگا کہ کون ہے؟ جو اتنی بے تکلف سے مجھ سے مخاطب ہے۔

”چلو بیٹھو تاں میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں شاہ میر تم مجھے پہچانے نہیں میں امائمہ ہوں“ اس نے ملامت گر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

آفس کے ساتھی مجھے امائمہ کے بارے میں پہلے ہی بتا چکے تھے اس روز اس نے ہمارے ڈپارٹ کا راؤنڈ بھی لگایا تھا مگر میں کام میں مصروف رہا اس کی طرف دیکھا ہی نہیں مجھے اس وقت امائمہ کے رویئے پر حیرت ہو رہی تھی کہاں امائمہ جیسی حسین ترین لڑکی جو واجد علی جیسے امیر ترین باپ کی اکلوتی بیٹی اور کہاں میں جو کہ ان کی ٹیکسٹائل مل کا معمولی ملازم تھا۔ میں ٹھٹھکا تو وہ دوبارہ بولی ”بیٹھو بھی نا لڑکیوں کی طرح شرمارہے ہو“

میرے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے گاڑی

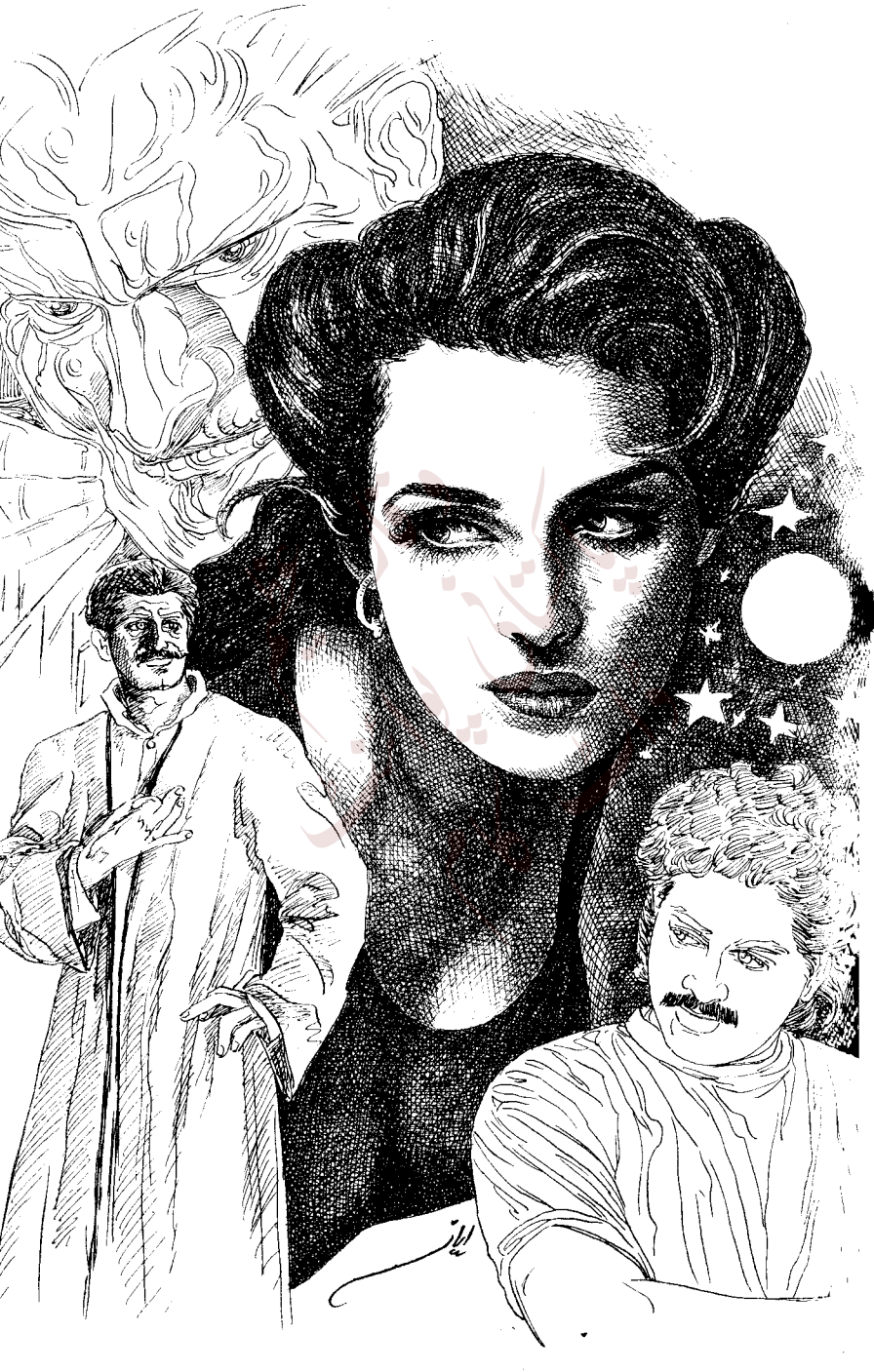

آگے بڑھادی ''کہاں رہتے ہو؟''

جی فلاں کالونی دس نمبر'' میں نے نگاہیں سامنے جماتے ہوئے جواب دیا تو وہ ہنس پڑی۔

''یہ کیا جی جی لگا رکھی ہے میں امائمہ ہوں اس وقت تم آفس میں نہیں آفس سے باہر ہو مجھے نام سے پکار سکتے ہو'' میں جواب میں خاموش رہا جب کہ وہ بولتی رہی ''کل میں نے تمہارے ڈیپارٹ کا راؤنڈ لگایا تو تم کام میں مصروف تھے میری طرف دیکھا بھی نہیں تم خاصے ہینڈسم ہو کسی فلمی ہیرو کی طرح مجھ سے دوستی کروگے''

''کیا؟'' میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ ایک بار پھر ہنسی، وہ راستے بھر مجھ سے میرے بارے میں پوچھتی رہی جس کا میں جواب دیتا رہا، مجھے حیرت تھی کہ وہ مجھ میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔ اس نے مجھے میری مطلوبہ جگہ کے قریب اتار کر دوبارہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔

دوسرے روز بھی جب اس نے بے حد اصرار سے مجھے گھر تک ڈراپ کیا تو میں سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ وہ مجھ میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے ظاہر ہے سائٹ کمپنی سے مجھے میرے گھر چھوڑ کر اسے اپنے گھر ڈیفنس جانا ہوتا تھا وہ آفس میں بھی مجھ سے بے تکلفی سے پیش آتی لنچ ٹائم میں مجھے اپنے آفس میں بلواتی اور میرے ساتھ ہی لنچ کرتی۔ بعض اوقات لنچ ٹائم میں کسی فائیو اسٹار ہوٹل لے جاتی میرے ڈیپارٹ کے ساتھی ورکر کہتے کیا ٹیکسٹائل کے تقریباً ملازمین ہمارے اس تعلق کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ مگر کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی۔

ویسے واجد علی صاحب نے تو بیٹی کو کھلی آزادی دے رکھی تھی کہ ہائی سوسائٹی کے بعض گھرانوں میں لڑکیوں کے افیئر معمول کی بات تھی۔

ایک روز وہ مجھے شہر کے اعلیٰ درجے کے ریسٹورنٹ میں لے گئی اور لنچ کے دوران اظہار محبت کرڈالا کہنے لگی ''شاہ میر تم مجھے پہلی ہی نظر میں اچھے لگے تھے میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں'' اس نے ٹیبل پر رکھے میرے ہاتھ پر اپنا نرم وگداز ہاتھ رکھ دیا۔

''امائمہ میں غریب گھرانے کا عام سا نوجوان ہوں جب کہ تم کروڑ پتی باپ کی اکلوتی اولاد، یوں سمجھ لو کہ آسمان ہو تو میں زمین''

اس نے مجھے خفگی آمیز نگاہوں سے گھورا ''شاہ میر جسے امائمہ چاہے وہ معمولی کیسے ہوسکتا ہے تم بس میری ہر بات مانو پھر دیکھو میں تمہیں ذرے سے آفتاب کیسے بناتی ہوں مگر میری ایک بات یاد رکھنا تم صرف میرے ہو اور میرے ہی رہو گے اگر تم نے کسی دوسری لڑکی کے بارے میں سوچا بھی تو مروں گی میں بھی مگر زندہ تم بھی نہیں بچو گے''

''او کے میڈم'' میں سعادت مندی سے کہتا ہوا ہنس پڑا، میں گویا امائمہ کی سنگت میں ہواؤں میں اڑنے لگا تھا؟

ایک روز میں جیسے ہی اپنے ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوا امائمہ آ پہنچی اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا وہ مجھے اپنی گاڑی میں ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں لے گئی استقبالیہ سے کمرے کی چابی لے کر جب وہ مجھے لیتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تو میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''تم مجھے یہاں کس لئے لائی ہو'' امائمہ نے بنے کمرے کا دروازہ لاک کیا اور گنگنانے لگی ''ہم تم کمرے میں بند ہوں اور چابی کھو جائے''

''امائمہ یہ کیا مذاق ہے'' اس بار میں نے تند لہجے میں استفسار کیا تو امائمہ نے مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھا ''میرا آج تم سے تنہائی میں ملنے کو جی چاہ رہا تھا اس لئے اس ہوٹل میں کمرہ بک کروالیا'' یہ سن کر میں چونک گیا اس کی آنکھوں میں گلابی سے ڈورے تیر رہے تھے اور خود پر آگ کی سی کیفیت طاری تھی وہ آگے بڑھی میرا ہاتھ تھام کر بیڈ کے قریب آئی مجھے بیڈ پر بیٹھا کر میرے گلے میں اپنی بانہوں کا ہار ڈال کر گود میں بیٹھ گئی۔ ''یہ کک کیا کر رہی ہو؟'' میں اس کی غیر متوقع حرکت پر بوکھلا گیا امائمہ نے میری بات کا جواب دیئے بغیر میرے لبوں پر اپنے جلتے بجھتے ہونٹ رکھ دیئے، اس کی بہکی بہکی سانسوں سے عجیب بو آرہی تھی تب میں ٹھٹھکا وہ بنت انگور لیے ہوئے تھی میں نے اسے بمشکل خود سے الگ کیا اور کھڑے ہوکر گہرے گہرے سانس لینے لگا اس کے جسم کے لمس سے میرے

م میں چیونٹیاں سی رینگ گئی تھیں۔

وہ مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی مخاطب ہوئی شاہ میر لگتا ہے تم مجھے پیار نہیں کرتے اس لئے مجھے خود سے الگ کیا"

میں نے اسے سمجھانا چاہا" امائمہ پیار ایک پاکیزہ جذبہ ہے اور پھر شادی سے پہلے ہمارا ایک دوسرے کے قریب آنا گناہ ہے" وہ چند لمحے مجھے غصے سے دیکھتی رہی پھر پاؤں پٹختی ہوئی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

"امائمہ دو چار روز مجھ سے ناراض رہی پھر ایک روز خود ہی صلح کرلی چند روز بعد امائمہ کی سالگرہ تھی واجد علی نے اس سلسلے میں فائیو اسٹار ہوٹل میں پارٹی دی تھی جس میں اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے علاوہ ملک کے باثر طبقے کے افراد کو بھی مدعو کیا تھا اس پارٹی میں انہوں نے ایک بہت بڑی روحانی شخصیت خاکی شاہ کو بھی مدعو کیا تھا خاکی شاہ نے واجد علی کے اصرار پر اس شرط پر پارٹی میں آنے کی حامی بھری تھی کہ پارٹی میں محفل ناچ گانے کا بندوبست نہیں کیا جائے گا ادھر امائمہ نے باپ کو بتائے بغیر ملک کے نامور گلوکار اعظم خان کو انوائٹ کیا تھا اعظم خان کا تعلق بزنس مین گھرانے سے تھا۔

باپ عظیم خان کروڑ پتی بلکہ ارب پتی بزنس مین تھا اس کی صرف دو ہی اولادیں تھیں ام ہانی جو اعظم خان سے چھوٹی تھی اور میڈیکل سائنس کی اسٹوڈنٹ تھی اور اعظم خان جو مشہور و معروف گلوکار تھا اس کی آواز اتنی خوبصورت تھی کہ جو ایک بار سنتا مبہوت ہو جاتا مگر وہ پروفیشنل گلوکار نہیں تھا محض شوقیہ صرف اسی محفل میں جاتا تھا جہاں اس کا دل چاہتا اس نے کئی آڈیو ویڈیو سی ڈیز خود ریلز کی تھیں جنہیں بین الاقوامی سطح پر پذیرائی ملی تھی اور اس کی دھوم مچ گئی تھی۔

ماں کا انتقال برسوں پہلے ہو چکا تھا ان دنوں اعظم خان کی عمر محض پندرہ سال تھی اور ام ہانی بارہ سال کی تھی بیوی کے مرنے کے بعد عظیم خان نے شادی نہ کی اور دونوں بچوں کا ماں باپ دونوں کا پیار دیا، انابی حاجرہ ان کی گورنس تھی جو برسوں سے ان ہی کے گھر میں مقیم تھی حاجرہ جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی تھی محبت کی شادی تھی شوہر کے مرنے کے بعد سسرالیوں نے منحوس قرار دے کر گھر سے نکال دیا میکہ تھا نہیں ایسے میں عظیم خان کے گھر کا سہارا میسر آیا۔ وہ خاندانی آدمی تھے اسے بہن کہا اور نبھایا بھی اس نے بھی دونوں بچوں کو ماں کی کمی نہ ہونے دی بچے اسے انابی کہتے تھے عظیم خان کے انتقال کے بعد اعظم خان کو ہی کاروبار سنبھالنا پڑا اب وہ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے اپنے فن کا کم ہی مظاہرہ کرتا تھا امائمہ نے اس کی آواز کی خوبصورتی کی تعریف سن کر اعظم خان کے قریبی دوست کی سفارش سے اسے مدعو کیا یہ باتیں مجھے بعد میں امائمہ نے ہی بتائی تھیں۔

خاکی شاہ نورانی چہرے والے بارعب بزرگ تھے جن کی عمر لگ بھگ اسی (80) کے قریب تھی وہ سب سے الگ تھلگ واجد علی صاحب کے ساتھ بیٹھے تھے اعظم خان کے آتے ہی محفل میں جان پڑ گئی لڑکے اور لڑکیوں نے اسے گھیر لیا ہر ایک اس کے ساتھ سیلفی بنانا چاہتا تھا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر محفل میں میڈیا سے وابستہ افراد بھی پہنچ چکے تھے جب اس نے اپنی آواز کا جادو جگایا تو جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا محفل کے اختتام پر خاکی شاہ نے واجد علی سے آہستگی سے کچھ کہا تو واجد علی صاحب اعظم خان کی طرف بڑھے جو اس وقت امائمہ سے محو گفتگو تھا امائمہ اس کی آواز کی تعریف کر رہی تھی میں بھی ان کے قریب کھڑا تھا یہ اور بات تھی کہ مجھے امائمہ کا اعظم خان سے بے تکلف ہونا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"اعظم خان! شاہ صاحب تم سے ملنا چاہتے ہیں" واجد علی صاحب نے قریب آ کر کہا تو اعظم خان حیرت زدہ سا خاکی شاہ کے قریب جا پہنچا اور ادب سے سر جھکا کر سلام کیا میں بھی یہ دیکھنے کے لئے قریب چلا گیا کہ خاکی شاہ جیسی بزرگ ہستی نے اعظم خان سے ملنے کی کیوں خواہش ظاہر کی ہے۔

وہ اسے سلام کا جواب دے کر کچھ دیر دیکھتے رہے پھر مخاطب ہوئے "برخوردار تمہاری آواز بہت پیاری ہے یقیناً یہ اللہ کی عطا کردہ وہ نعمت ہے کہ جس کا تمہیں ہر لمحے اس ذات پاک کا شکر ادا کرنا چاہئے کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم

اپنی آواز کی خوبصورتی قرآن پاک کی تلاوت اور نعت رسول ﷺ میں صرف کروانسان کا دنیا میں آنے کا یہ مقصد نہیں کہ وہ فضول کاموں میں اپنا وقت ضائع کرے یہ یاد رکھو انسان سے ہر چیز کا حساب لیا جائے گا'' وہ خاصی دیر تک اسے سمجھاتے رہے جب کہ وہ سر جھکائے سنتا رہا بلاشبہ اس کے لئے یہ اعزاز کی بات تھی کہ خاکی شاہ جیسے بلند مرتبہ بزرگ اس میں دلچسپی لے رہے تھے۔

اعظم خان نے رخصت ہونے سے پہلے عقیدت سے ان کے قدموں کو ہاتھ لگایا اس کے بعد چار پانچ روز امائمہ آفس نہیں آئی اس کا نمبر بھی بند جا رہا تھا میں جو اس کی رفاقت کا عادی ہو چکا تھا اس کے فراق میں بن جل کے مچھلی کی طرح تڑپنے لگا دن میں نہ جانے کتنی بار اس کا نمبر ڈائل کرتا مگر ہر بار اس کا نمبر آف ہی ملتا بالآخر چھٹے روز اس کا نمبر آن ہوا تو کال ریسو ہوتے ہی میں اس پر گرجنے برسنے لگا ''امائمہ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی بدل جاؤ گی'' میں کیا کچھ کہتا رہا اور وہ سنتی رہی میں نے اس کی وضاحت بھی نہیں سنی اور رابطہ منقطع کر دیا۔

وہ مجھے کال بیک کرتی رہی مگر میں نے اس کی کال اٹینڈ ہی نہیں کی دوسرے روز آتے ہی مجھے اس نے آفس میں بلوایا میں اس کے سامنے بیٹھا تو اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا ''اب بتاؤ کیا بات ہے فون پر تو بڑی ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے''

میں نے سرد لہجے میں جواب دیا ''امائمہ پانچ روز سے تم ناں ہی فیکٹری آئی اور نہ مجھ سے ملی حد تو یہ کہ تمہارا نمبر بھی آف جا رہا تھا میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ تم اتنی جلدی بدل جاؤ گی''

''اوہ مائی ڈیئر'' وہ ہنسی ''دراصل ایک بہت ہی ضروری کام تھا، میرے لیے ہمارے ہم پلہ گھرانے سے رشتہ آیا ہوا تھا اتنے دنوں اس معاملے پر سوچتی رہی اور پھر حامی بھر لی'' امائمہ کے جواب سے مجھے جھٹکا سا لگا۔

''امائمہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو تم نے تو محبت کے بڑے بڑے دعوے کیے تھے، آخری سانس تک ساتھ نبھانے کی قسمیں کھائی تھیں وہ قسمیں، وہ وعدے کیا ہوئے''

اس نے ایک ادا سے پیشانی پر آئے بالوں کی لٹ کو جھٹکا اور میرے قریب آ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا ''شاہ میر شادی اور محبت دو الگ الگ معاملے ہیں، کسی دوسرے سے شادی کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں تم سے پیار نہیں کرتی میں تمہیں دل سے چاہتی ہوں۔ میری شادی کے بعد بھی ہم ملتے رہیں گے اور تمہیں میرا جسمانی قرب بھی حاصل رہے گا۔ ایک عورت اور مرد کے پیار کا یہی مطلب ہے ناں''

میں اس کی نرالی منطق پر بھونچکا رہ گیا ''او کے امائمہ اچھا ہوا تمہاری اصلیت مجھ پر جلد ہی کھل گئی'' یہ کہہ کر میں رکا نہیں جب کہ وہ آوازیں دیتی رہ گئی۔

میں نے اسی روز استعفیٰ دے دیا تھا، میں نے اپنا موبائل فون آف کر دیا تھا وہ مجھ سے ملنے میرے گھر آئی مگر میں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ پھر اس کی شادی کی اطلاع ملی تو میں پاگل سا ہو گیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ دنیا کو آگ لگا دوں، مجھے غم کی شدت سے بخار ہو گیا اتنا تیز بخار کہ تین چار روز مجھے ہوش تک نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ تین روز تو اسپتال میں رہا، جب ہوش آیا تو میری دنیا اجڑ چکی تھی امائمہ کسی اور کی ہو چکی تھی۔ میں رات دن اپنے کمرے میں پڑا رہتا نہ کھانے کا ہوش تھا نہ پہننے کا ہوش گھر والے میری اس حالت سے پریشان تھے انہیں اصل بات کی خبر نہ تھی کہ مجھے عشق میں چوٹ لگی ہے۔

ان ہی دنوں گاؤں سے میرے ماموں کے بیٹے کی شادی کی دعوت آئی گھر والوں کے اصرار پر میں نے شادی پر جانے سے انکار کر دیا۔

6 جون کا وہ دن میرے لیے قیامت ثابت ہوا، گھر والوں کو شادی میں شرکت کے لئے جانا تھا، میں انہیں ائیر پورٹ پر رخصت کر کے گھر لوٹا میں جو امائمہ کی جدائی سے ویسے ہی پاگل تھا اکیلے گھر میں وقت سے ہونے لگی وقت گزاری کے لئے TV آن کیا، چینل سرچ کرتے ہوئے ایک نیوز چینل پر رکا۔

نیوز کاسٹر کسی مسافر بردار طیارے کے حادثے کے بارے میں بتا رہی تھی میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا

کنپٹیاں سائیں سائیں کرنے لگیں۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہی پلین تھا جس پر میرے گھر والے اسلام آباد جارہے تھے۔ طیارے کے عملے سمیت تمام مسافر مارے جاچکے تھے میں خبر سنتے ہی چکرا کر گر پڑا۔ میری دنیا اندھیری ہوچکی تھی اپنے پیاروں کو لحد میں اتارنے کا دکھ کیسا ہوتا ہے یہ میں جانتا ہوں باپ کے بعد ماں اور بہن سے بھی محرومی میرا مقدر بن چکی تھی۔

امائمہ کی بے وفائی کے بعد ماں اور بہن رخسار کی موت سے میں پاگل سا ہوگیا تھا ویسے بھی اب میرا اس دنیا مین رہا ہی کون تھا جس کے لئے جیتا۔ نوکری چھوڑ چکا تھا ایسے میں مکان کا کرایہ کیسے ادا کرتا مالک مکان نے تین ماہ کے صبر کے بعد گھر کا سامان ضبط کرکے مجھے باہر نکال دیا اب میں تھا اور شہر کے پارک اور فٹ پاتھ جہاں جگہ ملتی پڑ کر سو جاتا ایک روز معمول کے مطابق ایک پارک میں بیٹھا خیالوں میں گم تھا کہ کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا میں نے مڑ کر دیکھا تو نورانی چہرے والے بزرگ خاکی شاہ قریب کھڑے تھے میں ان کے قدموں سے لپٹ کر رو دیا

''بابا جی میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا''

انہوں نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا

''پاگل اس دنیا کے لئے رو رہا ہے جو کسی کی نہیں ہوتی عشق کی آگ میں جلتا ہے تو اس سے عشق کر جو تجھ سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے''

''بابا مجھے کوئی تو راہ دکھاؤ کہ مجھے سکون ملے'' میں روتے ہوئے بولا۔

''تو سخی سلطان کے دربار پر جا انہوں نے حکم دیا'' اور تیزی سے ایک طرف چل دیئے۔

''مجھے بھی تو ساتھ لے جایئے میں اکیلا کہاں رہوں گا'' میں نے آواز لگائی مگر وہ کہیں غائب ہوچکے تھے۔

''سخی سلطان کا مزار منگھوپیر کے علاقے میں ہے یہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر مشتمل پہاڑی سلسلہ ہے بڑے سے احاطے میں تالاب میں موجود مگر مچھ دیکھنے کے بعد میں مزار پر پہنچا دعا کے بعد کافی دیر میں بیٹھا رہا میرے شب و روز وہیں بیتنے لگے ویسے بھی شروع سے ہی میں اپنے والدین کی بدولت میرا ذہن دین کی جانب راغب تھا میں شروع سے ہی پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا تھا اب میں نماز کے ساتھ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ذکر الٰہی کی برکت سے مجھے پراگندہ خیالات سے نجات ملی اور رفتہ رفتہ مجھے عجیب سی لذت ملنے لگی۔

امائمہ جیسی ہرجائی لڑکی کو بھول گیا کھانا لنگر سے مل جاتا کبھی کبھار مزار پر آنے والے زائرین بھی نیاز کی دیگیں تقسیم کرتے بعض لوگ مجھے بھکاری سمجھ کر بھیک دینے کی کوشش کرتے تو میں مسکرا کر منع کردیتا بعض اوقات ایسا ہوتا کہ اسم الٰہی کا ورد کرتے ہوئے میں گرد و پیش سے بے خبر ہوجاتا۔

ایک روز مزار کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے مجھ پر کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہوچکی تھی کہ کسی کے رونے کی آواز سن کر مجھے ہوش آیا یہ ایک برقعہ پوش عورت تھی جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے وہ روتی ہوئی مزار کی سیڑھیاں اتر رہی تھی اس کے ساتھ ایک باریش شخص بھی تھا جس کا چہرہ سوگوار تھا نہ جانے کیوں میں بے اختیار آگے بڑھا اور بے ساختہ پوچھ بیٹھا ''کیا ہوا بہن کیوں رو رہی ہو؟''

عورت کے بجائے باریش شخص نے جواب دیا کہ ''اس کا آٹھ سالہ بیٹا گزشتہ سات آٹھ روز سے لاپتہ ہے وہ گھر سے باہر کھیل رہا تھا جب کافی دیر گزرنے کے بعد گھر پر نہ لوٹا تو باپ اس کی تلاش میں نکلا مگر وہ نہ ملا پولیس میں رپورٹ درج کروانے کے ساتھ ساتھ اخبارات میں اشتہار بھی دیئے گئے ہر جگہ پر ڈھونڈا مگر بچہ نہ ملا''

اب وہ مزار پر منت ماننے آئے تھے، میں بے اختیار بول اٹھا ''جاؤ گھر جاؤ بچہ تمہیں وہیں ملے گا'' یہ کہنے کے بعد میں خود حیران تھا کہ میں نے ایسا کیوں کہا، ایسا لگ رہا تھا کہ کسی نادیدہ قوت نے مجھے ایسا کہنے پر مجبور کیا تھا۔ خو وہ جوڑا بھی حیرت زدہ تھا۔

دوسرے روز وہی جوڑا مزار پر آیا اس بار ان کے ساتھ سات آٹھ سالہ خوبصورت سا لڑکا بھی تھا باریش شخص ضبط مسرت سے مجھ سے لپٹ گیا ''حضرت آپ واقعی اللہ والے ہیں ہم گھر پہنچے ہی تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی

دروازہ کھولا تو وہاں یاسر موجود تھا" یاسر اس بچے کا نام تھا خود وہ عورت بھی بار بار میرا شکریہ ادا کررہی تھی میں نے کہا "بھائی میں کچھ بھی نہیں مصیبت کا مارا ایک عام سا بندہ ہوں جو لاوارثوں کی طرح مزار کی سیڑھیوں پر پڑا ہوں یہ سب اللہ کی کرم نوازی ہے کہ تمہیں تمہارا بیٹا مل گیا اس کا شکر ادا کرو اور صدقہ خیرات کرو کہ صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے"

وہ میرے لئے دو تین کپڑوں کے جوڑے اور چپل بھی لائے تھے انعام میں اچھی خاصی رقم دینا چاہتے تھے میں نے رقم تو نہیں لی البتہ کپڑے اور چپل شکریہ ادا کر کے رکھ لئے کہ سردست ان کی ضرورت تھی میرے تن پر موجود لباس خاصا پرانا اور بوسیدہ ہو چکا تھا۔ اس ایک واقعے کی شہرت سے ہر ایک مجھ سے عقیدت سے پیش آنے لگا بہت سے لوگ تو اپنے اپنے مسائل کے حل کے لئے میرے پاس آنے لگے اس صورتحال سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

حقیقت یہی تھی کہ اس بچے کے ملنے میں میرا کوئی کمال نہ تھا یہ سب قدرت کے کھیل تھے وہی بچھڑوں کو ملاتا ہے مگر لوگ اسے میری انکساری سمجھ کر منت سماجت پر اتر آتے۔

آخر کار تنگ آ کر دوسرے روز صبح سویرے میں نے مزار سے جانے کا سوچا ان دنوں منگھوپیر سے 60 نمبر کی بس چلتی تھی بس میں اس وقت مجھ سمیت چند ہی مسافر تھے میرے برابر والی سیٹ پر ایک تیس پینتیس سالہ شخص بیٹھا تھا۔ باتوں باتوں میں اس سے دوستی ہوگئی فراز نامی وہ شخص اندرون سندھ سے حصول روزگار کے سلسلے میں کراچی آیا ہوا تھا اور رہائش کے لئے ایک فلیٹ میں اپارٹمنٹ لے رکھا تھا خاصا باتونی اور ہمدرد شخص تھا باتوں میں میری روداد سن کر ساتھ رہنے کی پیشکش کردی وہ کام پر چلا جاتا اور میں فلیٹ میں پڑا بور ہوتا رہتا میں نے اپنی اس کیفیت کا ذکر فراز سے کیا تو اس نے مجھے کرائے پر ٹیکسی لے کر دیدی۔

امائمہ سے دوستی کے دوران وہ اکثر مجھے ہی گاڑی چلانے کو کہتی اس سے میں نے ڈرائیونگ سیکھ لی تھی۔

ڈرائیونگ لائسنس بھی فراز نے ہی بنوایا اور معاش کے ساتھ ساتھ میری بوریت دور ہونے لگی ایک روز ڈیفنس میں سواری اتار کر میں نے واپسی کے لئے ٹرن لیا ایک ذیلی سڑک پر موڑ کاٹتے ہی میں چونک پڑا ٹیکسی سے آگے ایک ون ٹو فائیو موٹر سائیکل پر دو افراد بیٹھے میرے چونکنے کی وجہ پیچھے بیٹھے شخص کے ہاتھ میں موجود پسٹل تھا سڑک پر اس وقت اکا دکا گاڑیاں تھیں موٹر سائیکل فراری تھی میں نے ٹیکسی کی رفتار ذرا بڑھائی تو ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھی لڑکی دکھائی دی موٹر سائیکل اب فراری کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی لڑکی غالباً متوقع قاتل کو دیکھ چکی تھی اور رفتار بڑھا کر جان بچانے کے لئے آگے نکلنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

ایسے میں پیچھے بیٹھے شخص نے پسٹل کا رخ لڑکی کی طرف کیا فراری لہرائی موت کو سامنے دیکھ کر لڑکی دہشت زدہ ہو چکی تھی ایسے ہی وقت میں نے ایکسلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا ٹیکسی بندوق سے نکلی گولی کی طرح آگے بڑھی اور موٹر سائیکل کے عقب سے ٹکرائی، قاتل ٹریگر دبا چکا تھا فضا فائرنگ کے ہولناک دھماکے سے گونج اٹھی، موٹر سائیکل ٹیکسی کی ٹکر سے سڑک پر دور تک گھسیٹتے ہوئے گری، موٹر سائیکل پر سوار افراد میں سے ایک تو سر سڑک پر لگنے سے بے ہوش ہو چکا تھا یہ وہی تھا جس کے ہاتھ میں پسٹل تھا جبکہ دوسرا موٹر سائیکل کے نیچے دبا ہوا تھا وہ لنگڑاتا ہوا ابھی اٹھا ہی تھا کہ میں نے ٹیکسی سے اتر کر اس کے جبڑے پر زوردار گھونسا رسید کیا وہ اس حادثے سے زخمی اور بدحواس ہو چکا تھا اس لئے اپنا دفاع نہ کرسکا میں اس پر اس وقت تک لاتیں، گھونسے برساتا رہا جب تک وہ ہوش وخرد سے محروم نہ ہوگیا۔

لڑکی فراری سے باہر نکل کر اس کی مرمت ہوتے دیکھ رہی تھی شلوار قمیض میں ملبوس سر پر دوپٹہ اوڑھے مگر اپ سے عاری چہرے والی دوشیزہ مشرقی حسن کا شاہکار تھی اس کا حسن دیکھ کر میں چند لمحوں کے لئے مبہوت ہو گیا تھا "شکر ہے آپ نے بروقت مداخلت کی ورنہ آج ہمارا اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتی" اس کے ان الفاظ پر میں

کا مگر وضاحت طلب کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

پولیس موبائل ہوٹر بجاتی ہوئی پہنچ چکی تھی شاید وہ قریب ہی گشت پر مامور پولیس موبائل تھی جو فائرنگ کی آواز سن کر آئی تھی یا پھر وہاں موجود چند افراد میں سے کسی نے پولیس ایمرجنسی پر کال کی تھی مجھ سے پوچھ گچھ کے بعد پولیس انسپکٹر نے اپنے ساتھ موجود تینوں اہلکاروں کو ملزمان کو حراست میں لینے کا حکم دیا اور لڑکی کی طرف متوجہ ہوا

''آپ انہیں جانتی ہیں؟''

''نہیں'' لڑکی نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں گھر جارہی تھی کہ اچانک میری نظر موٹر سائیکل سواروں پر پڑی ان میں سے ایک مجھ پر پسٹل تان چکا تھا مگر ان کی مداخلت سے میری جان بچی'' لڑکی نے میری طرف اشارہ کیا۔

''آپ کا نام اور ایڈریس؟'' انسپکٹر نے پوچھا ''ام ہانی دختر عظیم خان میں اعظم خان کی چھوٹی بہن ہوں'' اس کے تعارف کروانے پر میرے ساتھ ساتھ انسپکٹر بھی چونکا ''آپ مشہور بزنس مین یعنی معروف سنگر اعظم خان کی سسٹر ہیں''

''جی ہاں'' ام ہانی نے اثبات میں سر ہلایا دونوں بے ہوش ملزمان کو ہتھکڑیاں پہنا کر پولیس موبائل میں ڈال دیا گیا تھا پوچھ گچھ کے بعد انسپکٹر نے ہمیں جانے کی اجازت دیدی۔ فٹ پاتھ سے ٹکرانے کے باعث ام ہانی کی گاڑی نے چلنے سے انکار کردیا تھا۔ ''آئیں میں آپ کو گھر تک چھوڑ دیتا ہوں'' میں نے کہا تو وہ ٹیکسی کی عقبی نشست پر جا بیٹھی ''آپ نے انسپکٹر کے استفسار پر کہا کہ آپ ملزمان کو نہیں جانتی جب کہ مجھ سے بات کرتے وقت آپ نے کہا تھا کہ اگر میں بروقت نہ پہنچتا تو بھابی اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتی'' اس کا مطلب ہے کہ آپ جانتی تھیں کہ ان کلرز کو کس نے آپ کو ٹارگٹ کرنے کو کہا ہے۔ میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''دراصل مجھے یقین ہے کہ ان کلرز کو میری بھابی نے ہی ہائر کیا ہوگا کیونکہ وہ میری جان کی دشمن ہیں''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا ''آپ کی بھابی آپ کی جان کیوں لینا چاہتی ہیں؟''

''اعظم بھائی نے لو میرج کی تھی بھابی حد درجے مغرور اور آزاد خیال ہیں میری اور ان کی شروع سے نہیں بنی اور پھر ایک روز میں نے انہیں تفریحی مقام پر اجنبی شخص کے ساتھ دیکھا بھائی سے ذکر کیا تو بھابی صاف مکر گئیں اسی روز سے وہ میرے لیے دل میں رنجش رکھے ہوئے ہیں اور دوسرا سبب بھابی جانتی ہیں کہ میں پاپا کی دولت و جائیداد اور بزنس میں برابر کی شریک ہوں اس لئے وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہیں''

''ہوسکتا ہے تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو''

میں نے کہا تو وہ بولی ''اس سے پہلے بھی ایک بار ایسا ہوچکا ہے میں سونے سے پہلے دودھ پینے کی عادی ہوں ملازمہ بلاناغہ میرے سونے سے پہلے گلاس میں دودھ لائی ہے ایک بار جب خلاف توقع بھابی دودھ لائیں تو میں نے حیرت کا اظہار کیا انہوں نے کہا کہ ملازمہ کی بچی بیمار ہے اس لئے چھٹی لے کر گھر چلی گئی میں نے دودھ پیا نہیں بچا کر رکھ لیا صبح لیبارٹری ٹیسٹ کے لئے دیا تو پتہ چلا کہ دودھ زہریلا ہے''

''تو پھر بھائی کو نہیں بتایا'' میں نے استفسار کیا۔

''وہ کب یقین کرتے انہیں تو بھابی نے اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے وہ آنکھیں بند کرکے بھابی کی ہر بات پر یقین کرتے ہیں اگر بھابی کہیں کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکلتا ہے تو بھائی جان مان لیں گے''

اس کے تبصرے پر مجھے ہنسی آگئی ''اچھا تو پھر تم نے اس بارے میں اس پولیس انسپکٹر کو کیوں نہیں بتایا''

''میرے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت بھی تو نہیں اور پھر بھائی جان بھی یقین نہیں کریں گے کہ بھابی ایسا بھی کرسکتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ بھابی جیسی شاطر عورت نے ان کرائے کے قاتلوں کو کسی دوسرے کے ذریعے ہائر کیا ہوگا خود سامنے نہیں آئی ہوں گی وہ بہت مکار اور سازشی ذہن کی عورت ہیں''

باتوں کے دوران ہم ڈیفنس پہنچ چکے تھے ایک بنگلے کے سامنے اس نے مجھے رکنے کو کہا اور اترنے سے پہلے بولی ''مجھ سے تو آپ نے بہت سے سوالات کیے پر اپنے بارے میں نہیں بتایا'' میں نے گہری سانس لیتے ہوئے بولا

''ہانی صاحبہ میرے بارے میں جان کر کیا کریں گی میرا نام شاہ میر ہے ایک عام سا انسان ہوں والدین بہن سب مجھے اس فانی دنیا میں چھوڑ کر چل بسے ٹیکسی چلاتا ہوں اور ایک دوست کے ساتھ فلیٹ میں رہتا ہوں'' اس نے چائے کی پیشکش کی میں پھر کبھی پیں گے کہہ کر اسے الوداع کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

میں امائمہ کو یکسر بھول چکا تھا شاید اس کی سبب اس کی بیوفائی تھی اور پھر وہ کسی اور کی ہو چکی تھی میرا شروع سے ہی معمول تھا کہ میں شام کو بلاناغہ ورزش کیا کرتا تھا مزار پر رہنے سے وہ سلسلہ رک گیا تھا مگر پھر فراز کے ساتھ رہتے ہوئے میں دوبارہ سے معمول کے مطابق ورزش کرنے لگا تھا وہ فلیٹ جس سڑک پر تھا اس سڑک پر ایک پارک تھا شام کو میں اس چھوٹے سے پارک میں چلا جاتا گھنٹہ بھر ورزش کرنے کے بعد واپس فلیٹ لوٹ جاتا اس روز اتفاقاً پارک میں میرے علاوہ دوسرا کوئی نہیں تھا میں پش اپ لگا رہا تھا کہ پارک کے سامنے کوئی گاڑی رکی ام ہانی کو گاڑی سے اتر کر پارک میں آتا دیکھ کر میں ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھا

''تم یہاں کیسے؟''

میری فرینڈ صائمہ یہیں اگلی گلی میں رہتی ہے ان سے ملنے آئی تھی واپسی میں پارک کے قریب سے گزرتے ہوئے آپ پر نظر پڑی تو پہچان کر رک گئی''

''آپ کی نظر بڑی تیز ہے جو سڑک سے گزرتے ہوئے مجھے پہچان لیا'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''پارک کے قریب آپ کی آثار قدیمہ کی ٹیکسی کو دیکھ کر نابینا بھی پہچان سکتا ہے'' وہ شوخ لہجے میں بولی۔

''اس کا مطلب ہے کہ آج آپ ہماری مہمان ہیں تو ہمارا بھی فرض بنتا ہے کہ آپ کو چائے پلوادیں'' میں نے پارک سے نکلتے ہوئے کہا ''تو پھر آج آپ میری فراری میں بیٹھیں'' وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی ''ویسے چائے کہاں پلوائیں گے''

''ظاہر ہے کسی اچھے سے ہوٹل میں آپ کو بتایا تھا ناں کہ میں فلیٹ میں دوست کے ساتھ رہتا ہوں'' میں نے فلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہم دونوں نے ایک کیفے میں چائے پی اس دوران وہ مجھ سے میرے بارے میں پوچھتی رہی میں نے بھی اس سے کچھ نہیں چھپایا سب کچھ صاف صاف بتادیا اپنی اور امائمہ کی لو اسٹوری پر اس کا انجام تک مگر امائمہ کا نام یہ سوچ کر نہیں بتایا کہ اب وہ کسی اور کی ہو چکی تھی میں ام ہانی کی خود میں دلچسپی بھانپ چکا تھا مگر جان بوجھ کر انجان بنا ہوا تھا پہلے ہی امائمہ کی بے وفائی کا کرب سہا تھا اب محبت میں مزید کسی دھوکے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

''شاہ میر زندگی کسی کی یادوں کے سہارے نہیں گزاری جاسکتی اور پھر ایسی ہرجائی لڑکی کے لئے جوگ لینا کہاں کی دانشمندی ہے'' ام ہانی نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا مگر میں جواب میں خاموش رہا۔

زندگی معمول کے مطابق گزر رہی تھی ایک روز جب میں شاہراہ فیصل پر پنجر اتار کر آگے بڑھا ہی تھا کہ سڑک کے کنارے کھڑے تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک شخص نے رکنے کا اشارہ کیا وہ سڑک کے کنارے کھڑی ایک ہنڈا اکارڈ کے قریب بریف کیس تھامے کھڑا تھا میں نے ٹیکسی روک کر اسے دیکھا تو چونک پڑا وہ پاکستانی بزنس مین ٹائیکون اعظم خان تھا وہ اس وقت یکسر بدلے ہوئے حلیے میں میرے سامنے کھڑا تھا مونچھیں منڈی ہوئی اور شرعی داڑھی اس کے چہرے پر بھلی لگ رہی تھی ''جی سر'' میں نے مودب لہجے میں استفسار کیا۔

''میری گاڑی خراب ہوگئی ہے اور مجھے ڈیفنس جانا ہے'' وہ ہنڈا اکارڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ''میں نے عقبی نشست کا دروازہ کھول دیا'' لگتا ہے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے'' راستے میں اس نے مجھے مخاطب کیا۔

''جی واجد علی صاحب کی برتھ ڈے پارٹی میں ہماری ملاقات ہوئی تھی ان دنوں آپ کلین شیو تھے'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ہاں یاد آیا تمہارا نام شاہ میر ہے ناں'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''دراصل اس روز پارٹی میں میری خاکی شلوار قمیص میں ملاقات ہوئی تھی اس ایک ملاقات نے مجھے بدل کر رکھ

میں نے شرعی طور پر داڑھی رکھ لی گانا چھوڑ چکا ہوں اور اللہ سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی مانگتا رہتا ہوں'' اس نے وضاحت کی اس کے بعد باقی کا سفر خاموشی سے کٹا اپنے بنگلے کے سامنے اترتے ہوئے اس نے مجھے پانچ سو کا نوٹ دیا اور بقایا لیے بغیر جانے لگا تو میں نے اسے پکارا

''سر بقایا لیتے جائیں''

''رکھ لو یار'' وہ پیچھے مڑ کر بولا۔

''تو سر میں بخشش نہیں لیتا'' میں نے ٹیکسی سے اتر کر تین سو روپے اس کے ہاتھ پر رکھے تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

اپنے فلیٹ کے پارکنگ ایریا میں ٹیکسی روک کر جب میں لاک کرنے لگا تو میری نظر عقبی نشست کے نیچے پڑے بریف کیس پر پڑی میں یہ بریف کیس اعظم خان کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا اتفاق سے بریف کیس لاک نہیں تھا بریف کیس کھولتے ہی میں ششدر رہ گیا پانچ ہزار کے نوٹوں سے بریف کیس بھرا ہوا تھا ان گنت گڈیاں تھیں میرے اندازے میں لاکھوں کی رقم تھی ساتھ میں ایک فائل بھی تھی میں سوچنے لگا میری تقدیر بدل سکتی ہے محرومیوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ لاکھوں کی اس رقم نے مجھے ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا ایک طرف دل کہہ رہا تھا کہ اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور رقم سمیت یہ شہر ہی چھوڑ دو اعظم خان تمہیں کہاں ڈھونڈے گا دوسری طرف ضمیر کا کہنا تھا کہ یہ گناہ ہے روز آخرت اللہ کو کیا جواب دو گے۔

بالآخر جیت ضمیر کی ہی ہوئی اور میں دوبارہ اعظم خان کی رہائش گاہ پر جا پہنچا باہر بیٹھے چوکیدار سے کہا مجھے اعظم خان سے ملنا ہے ان کی ایک امانت میرے پاس ہے اعظم خان جیسے ہی گیٹ پر آیا میرے ہاتھ میں بریف کیس دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا ''تھینک یو شاہ میر تم واقعی انسان نہیں فرشتہ ہو بریف کیس میں پچاس لاکھ کی خطیر رقم کے ساتھ ایک غیر ملکی فرم سے ہونے والی ڈیل کا معاہدہ بھی تھا جو اس رقم سے کئی گنا زیادہ قیمتی ہے'' وہ اظہار تشکر میں میرے آگے بچھا جا رہا تھا اس نے مجھے چائے پلانے کی پیشکش کی مگر میں نے پھر کبھی کہہ کر اسے ٹال دیا۔

ایک روز معمول کے مطابق جب میں ٹیکسی لے کر نکلا تو اچانک موسم کے تیور بگڑ گئے بادل گرجتے گرجتے موسلا دھار بارش برسنے لگی بارش سے گھبرا کر میں نے گھر جانے کا سوچا ایک چوراہے پر ٹرن کاٹتے ہوئے اچانک ایک تیز رفتار کرولا سامنے آگئی میں نے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے بریک پر پاؤں رکھ دیئے ٹیکسی میرے قابو سے باہر ہو کر فٹ پاتھ کے قریب نصب الیکٹرک پول سے ٹکرائی اس اچانک تصادم سے میرا سر اسٹیئرنگ سے ٹکرایا اور میں ہوش و خرد سے محروم ہوگیا۔

مجھے دوبارہ ہوش آیا تو خود کو کسی گاڑی کی عقبی نشست پر پڑے پایا اور پھر میری آنکھیں دوبارہ بند ہوگئیں دوسری بار ہوش میں آیا تو اسپتال کے بیڈ پر تھا سر اور دائیں بازو پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں میرے قریب ڈاکٹر اور نرس کے علاوہ ام ہانی بھی موجود تھی ڈاکٹر مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر آگے بڑھا تو ام ہانی بے قراری سے میرے قریب آئی ''آپ کو ان کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے آپ کو بروقت اسپتال پہنچایا آپ کا خون بہت بہہ چکا تھا آپ کو خون کی اشد ضرورت تھی انہوں نے اپنا خون ہمارے اسپتال کے بلڈ بینک کو ڈونیٹ کر کے آپ کے لئے خون کا انتظام کیا دراصل ہم خون فروخت نہیں کرتے مریض کو خون اس شرط پر مہیا کیا جاتا ہے کہ جب مریض کا کوئی رشتہ دار ہمیں خون ڈونیٹ کرے'' میرا معائنہ کرنے کے بعد اسٹینڈ پر لٹکی ڈرپ میں انجکشن لگا کر ڈاکٹر نرس سمیت روانہ ہوگیا۔

مجھے ان اتفاقات پر حیرت تھی قدرت بار بار ام ہانی کو میرے راستے پر لا رہی تھی باتوں کے دوران ام ہانی نے بتایا کہ ''جب میرا ایکسیڈنٹ ہوا ام ہانی اس راستے سے اپنی فرینڈ صائمہ کے ساتھ وہاں سے گزری ٹیکسی کی تباہ شدہ حالت دیکھ کر وہ دھڑکتے دل سے صائمہ سمیت ٹیکسی کی طرف بڑھی اندر ڈرائیونگ سیٹ پر میں خون میں لت پت بے ہوش پڑا تھا کسی نے اتنی بھی زحمت نہ کی تھی کہ مجھے اسپتال پہنچاتا، ام ہانی نے صائمہ کے ساتھ مل کر کسی نہ کسی طرح مجھے اپنی گاڑی کی عقبی نشست پر ڈالا اور اس نجی اسپتال میں لے آئی وہ گزشتہ پانچ چھ گھنٹوں سے اسپتال

میں تھی جب کہ صائمہ اپنے گھر جا چکی تھی۔

شام کے قریب میری حالت میں بہتری آنے پر ام ہانی میرے اصرار پر گھر چلی گئی میں دو روز اس اسپتال میں ایڈمٹ رہا وہ برابر اسپتال آتی رہی میرے کھانے پینے اور تیمارداری میں اس نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس دوران فراز بھی اسپتال میں مجھ سے ملنے آیا اور ام ہانی کو میری تیمار داری میں مصروف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکراتا رہا۔

تیسرے روز مجھے چھٹی دے دی گئی وہ خود مجھے فلیٹ تک چھوڑنے آئی اس روز اس نے رخصت ہوتے وقت سنجیدگی سے کہا ''شاہ میر میں زندگی کی شاہراہ پر تمہاری ہم سفر بننا چاہتی ہوں''

''مگر ام ہانی سوچو تو تم میں اور مجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہی بات اس وقت اس لڑکی کو بھی میں نے سمجھائی تھی مگر وہ نہ مانی انجام کیا ہوا اس نے میرا ساتھ چھوڑ کر اپنے ہم پلہ گھرانے میں شادی کر لی۔''

میں نے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ ضدی لڑکی نہ مانی۔

''شاہ میر جس طرح ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح ہر انسان ایک جیسا نہیں ہوتا اب بھی اگر تمہارا جواب اثبات میں نہیں تو میں چلی جاتی ہوں میں یہ نہیں کہتی کہ تمہارے انکار پر میں خودکشی کر لوں گی مگر یقین جانو تمہارے بناء میری زندگی ادھوری ہے اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کبھی نہ آئے گی جس کے ذمہ دار صرف تم ہوگے'' یہ کہہ کر وہ آنکھوں میں آنسو لیے جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ میں نے اس کا دایاں ہاتھ تھام لیا۔

''ہانی میرا جواب بھی تو سنتی جاؤ تم ہر وقت مسکراتی رہو گی مگر سوچ لو میں عام سا انسان ہوں جو تمہیں ہر آسائش زندگی نہیں دے سکتا نہ ہی محل جیسے گھر میں رکھ سکتا ہوں بس چھوٹا سا گھر ہوگا'' میری آنکھوں میں خواب اتر آئے تھے ''مگر میری ایک شرط ہے کہ ہماری شادی تمہارے بھائی کی رضامندی سے ہوگی اگر وہ خوشی سے نہ مانے تو تم ضد نہیں کرو گی'' مجھے ام ہانی پسند تھی اس جیسی حسین و جمیل باحیا لڑکی کو ٹھکرانا کفران نعمت تھا مگر میں کود کو اس کے لائق نہیں سمجھتا تھا اور پھر میں نے یہ شرط بھی اسی وجہ سے رکھی تھی۔

میں جانتا تھا کہ اعظم خان اس بات کو نہیں مانے گا کہاں ام ہانی اعظم خان جیسے بزنس مین کی بہن اور کہاں شاہ میر جو اس وقت معمولی ٹیکسی ڈرائیور تھا ''تھینک یو شاہ میر'' وہ خوشی سے کھل اٹھی۔

دوسرے روز جب وہ کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ آ دھمکی تو مجھے حیرت کا جھٹکا سا لگا میرا تو خیال تھا کہ اس کا بھائی انکار کر دے گا اور اب وہ مجھے دوبارہ ملنے بھی نہ آئے گی۔ ''مبارک ہو شاہ میر بھائی مان گئے''

''کیا!'' میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا دراصل میں نے انابی سے بات کی تھی انہوں نے بھائی سے کہا بھائی نے تمہیں کل آفس بلوایا ہے'' وہ بہت خوش تھی۔

مگر میں اعظم خان کا سامنا کیسے کروں گا میں پریشان ہو گیا ''ارے پاگل وہ کوئی ڈریکولا نہیں کہ تمہارا خون پی جائیں گے بس تم تیار رہنا میں کل تمہیں خود لینے آؤں گی'' وہ ہوا کے جھونکے کی طرح آئی اور چلی گئی دوسرے روز وہ صبح دس گیارہ بجے آ دھمکی اور کسی سخت مزاج بیوی کی طرح مجھے تیار ہونے کا حکم دیا اس دوران وہ مجھے ہدایت دیتی رہی کہ اس طرح کے کپڑے پہنو۔

اعظم خان کے آفس پہنچنے تک وہ مجھے سمجھاتی رہی کہ مجھے بھائی سے کس طرح بات کرنی ہے اور کیا کہنا ہے میں احمقوں کی طرح سر ہلاتا رہا وہ مجھے آفس کے باہر چھوڑ کر چلی گئی میں دل ہی دل میں ڈرتا ہوا اعظم خان کے شاندار آفس میں داخل ہوا ''شاہ میر تم؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی اور آنکھوں میں حیرت کے تاثرات تھے۔

اب مجھے انتظار تھا کہ کب وہ مجھے ذلیل کر کے آفس سے باہر نکالے گا مگر یہ میری غلط فہمی تھی وہ دیگر دولت مند افراد کی طرح مغرور اور گھمنڈی نہیں تھا اس نے آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا ''شاہ میر مجھے اپنی بہن کے انتخاب پر فخر ہے مجھے تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا بس انابی نے حکم دیا تھا کہ ام ہانی نے پسند کا اظہار کیا ہے لڑکا شریف اور خوددار ہے اور مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتا ہے لہذا میں آفس میں اس شخص سے ملوں کہ وہ ام ہانی کے لائق ہے بھی یا نہیں'' اعظم خان نے مجھے اتنی عزت دی کہ

مجھے خود پر رشک آنے لگا، اس نے آفس میں مجھے چائے پلوائی اور دوسرے روز گھر آنے کو کہا تا کہ انابی مجھے دیکھ لیں۔

دوسرے روز میں ان کے گھر گیا ان کی انابی بہت سیدھی سادھی اور مخلص خاتون تھیں انہوں نے آگے بڑھ کر میری پیشانی چوی اعظم خان کی اہلیہ میکے گئی ہوئی تھی اس لئے اس سے ملاقات نہ ہوسکی انابی کرید کرید کر مجھ سے سوالات کرتی رہیں اور بالآخر مجھے اوکے کردیا معاملات تیزی سے طے پائے، شادی کی تاریخ مہینے بعد کی طے کردی گئی۔

اعظم خان نے کڑی شرط یہ رکھی کہ میں شادی کے بعد ام ہانی کے ساتھ اس کے محل نما گھر میں رہوں گا اور بجائے ٹیکسی چلانے کے بزنس میں اس کا ہاتھ بٹاؤں گا اور یہ کہ اب شادی سے پہلے ام ہانی مجھ سے نہیں ملے گی" اس کی ان شرائط پر میں پریشان سا ہوگیا۔

مگر ام ہانی کے کہنے پر مان گیا اس کا کہنا تھا کہ "اس میں حرج ہی کیا ہے" اور پھر اب میرا اس بھری دنیا میں تھا بھی کون؟

باپ کے بعد ماں اور بہن بھی چل بسی تھیں شادی سے تین چار دن پہلے اعظم خان نے مجھے بلوایا اس کا کہنا تھا کہ اس کی بیوی مجھے دیکھنا چاہتی ہے میں سہہ پہر کے قریب ان کے گھر پہنچا ملازم نے مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھایا کچھ دیر بعد اعظم خان اپنی اہلیہ اور انابی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو میں حیرت سے اچھل پڑا مجھے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے مجھے کمرے سمیت وہاں موجود ہر شے چکراتی محسوس ہو رہی تھی وہ بے وفا، ہرجائی امائمہ تھی وہ بھی مجھے دیکھ کر حیران ضرور ہوئی مگر اس کی کیفیت مجھ سے مختلف تھی اس نے لمحوں میں خود کو سنبھال لیا اور مسکرائی "اوہ تو یہ ہیں ام ہانی کے ہونے والے سرتاج؟"

اعظم خان ہنسا "ہاں اور یہ تم دونوں کے لئے سرپرائز ہے اس لئے میں نے تمہیں پہلے شاہ میر کے متعلق نہیں بتایا اور نہ ہی شاہ میر جانتا تھا کہ تم میری بیوی ہو دراصل تمہاری برتھ ڈے پارٹی پر میری ملاقات شاہ میر سے ہوئی تھی وہیں میں نے تمہیں پسند بھی کیا تھا پھر نہ جانے یہ موصوف کہاں غائب ہوئے ہماری شادی میں بھی شرکت نہ کی"

امائمہ کی بے باک نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں میں ان نگاہوں سے خائف تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح یہاں سے نکل کر بھاگ جاؤں، دونوں میاں بیوی نے میرے ساتھ ہی کھانا کھایا جب کہ انابی جا چکی تھیں اس دوران اعظم خان کے موبائل فون کی بیل بجی اس نے اسکرین پر نمبر دیکھا اور معذرت کرتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا شاید کوئی پرسنل کال تھی اس کے جاتے ہی امائمہ اٹھی اور صوفے پر میرے قریب بیٹھنے لگی "یہ کیا حرکت ہے دہیں بیٹھو اعظم بھائی آگئے تو کیا سوچیں گے" میں اس کی اس غیر متوقع حرکت پر شپٹا گیا وہ کسک کر مزید مجھ سے جڑ کر بیٹھ گئی۔ "شاہ میر ویسے تم نے بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے ہانی کروڑوں کی آسامی ہے خیر اب سنا ہے کہ اعظم خان تمہیں اپنے گھر پر ہی رکھنے میں بضد ہے خیر اس میں ہم دونوں کا بھی فائدہ ہے" اس نے معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے میرے شانے پر بازو رکھ کر مجھ سے لپٹنا چاہا، مگر میں بدک کر کھڑا ہوگیا "امائمہ یہ کیا کررہی ہو تم اعظم بھائی کی بیوی ہو" اس نے مجھے گہری نگاہ سے دیکھا "شاہ میر میں دیکھتی ہوں تم کب تک مجھ سے بچو گے اس گھر پر صرف امائمہ کا ہی حکم چلتا ہے" وہ استہزائیہ انداز میں ہنستی ہوئی اٹھی اس اثناء میں اعظم خان اندر داخل ہوا "سوری بھئی ایک کاروباری مریض کی کال تھی اس لئے باہر چلا گیا مگر تم دونوں کھڑے کیوں ہو؟"

"اعظم دراصل ان کو جانے کی جلدی ہے میں روک رہی تھی کہ اتنی جلدی بھی کیا ہے اعظم کو تو آنے دو" امائمہ نے اتنی چالاکی سے جھوٹ بولا کہ میں بھی حیرت زدہ رہ گیا۔

گھر پہنچ کر میں نے ہانی کے موبائل فون پر کال کی تھی "اتنی بھی کیا بے صبری ہے کہ میرے گھر سے جاتے ہی کال کر بیٹھے" کال ریسیو کرتے ہی ہانی نے ہنستے ہوئے کہا "ہانی تمہاری بھابی امائمہ وہ لڑکی تھی جس نے مجھ سے محبت کا ناٹک رچایا" میں نے دھیمے لہجے میں بتایا تو ہانی کی تحیر زدہ آواز ابھری "کیا؟"

تب میں نے اسے امائمہ کے موجودہ رویئے کے بارے میں بتاتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا کہ شادی کے بعد ہمارا اعظم خان کے ساتھ رہنا کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوگا ہانی نے مجھے تسلی دی کہ وہ کسی نہ کسی بہانے بھائی کو منا لے گی کہ ہمارا علیحدہ رہنا ہی مناسب ہے مگر مجھے یقین تھا اعظم خان نہیں مانے گا وہ ہانی سے بہت پیار کرتا تھا اور ابھی یہی...... مسئلہ یہ تھا کہ ہم اعظم خان کو اصل صورتحال سے آگاہ نہیں کر سکتے تھے اندیشہ تھا کہ امائمہ جیسی مکار عورت ہمیں ہی کسی مصیبت میں پھنسا دے۔

آخر شب وصال کی وہ گھڑی آ ہی گئی جس کا مجھے اور ہانی کو شدت سے انتظار تھا شہر کے مہنگے ترین میرج ہال سے بارات اعظم خان کے گھر آئی یہ اس لحاظ سے انوکھی شادی تھی لڑکی کی بارات جس گھر سے گئی اسی گھر میں واپس لوٹی تھی میں نے ہانی کا گھونگھٹ اٹھایا تو اس نے شرما کر نگاہیں جھکا لیں میں چند لمحے مبہوت سا اس کا اپسرائی حسن دیکھتا رہا پھر اس کا گداز ہاتھ تھام کر ہونٹوں کے قریب لا کر چوما ”کاش میں تمہیں یونہی دیکھتا رہوں مگر کیا کروں شب وصل کی حسین گھڑیاں گزر رہی ہیں“ تو وہ شرما کر سمٹ گئی اور میں نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

وہ رات میری زندگی کی حسین ترین رات تھی ہمیں اعظم خان ہنی مون کے لئے سوئزر لینڈ بھجوانا چاہتا تھا مگر ہم نے مری کاغان اور جھیل سیف الملوک میں ایک دوسرے کے سنگ پندرہ بیس روز گزارا پھر اعظم خان کے کہنے پر اس کے آفس جانے لگا۔

اس روز میں آفس میں تھا کہ گھر کے پی ٹی سی ایل سے کال آئی یہ خلاف معمول بات تھی ام ہانی آفس میں مجھے کبھی کال نہیں کرتی تھی اور بالفرض اگر کر بھی لیتی تو اپنے سیل فون سے کرتی میں نے دھڑکتے دل سے کال ریسیو کی دوسری طرف سے امائمہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی ”شاہ میر جلدی گھر پہنچو نہ جانے ہانی کو اچانک کیا ہو گیا ہے وہ اچانک بے ہوش ہو گئی ہے اعظم بھی گھر پر نہیں ہیں ان کا نمبر بھی آف جا رہا ہے میرے سیل فون کی بیٹری بھی لو تھی اس لئے گھر کے نمبر سے کال کر رہی ہوں“ اس کی بات سنتے ہی میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

میں بنا سوچے سمجھے آفس سے نکلا اور تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گھر پہنچا گاڑی گھر سے باہر ہی پارک کی اور اندر بھاگا اندر جاتے ہی مجھے حیرت کا جھٹکا لگا امائمہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی نہ ہی گھر پر کوئی ملازم تھا اپنے بیڈ روم میں گیا تو ہانی بیڈ پر سر سے پاؤں تک اس طرح کمبل اوڑھے سو رہی تھی کہ اس کے چہرے سمیت جسم کا کوئی بھی حصہ کمبل سے باہر نہ تھا میں کسی انہونی کے تصور سے دل ہی دل میں لرزتا ہوا بیڈ کے قریب جا پہنچا ابھی کمبل ہٹانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس وقت کمبل سے ایک مخروطی ہاتھ باہر نکلا اور مجھے اپنے اوپر کھینچ لیا یہ امائمہ تھی جو بے لباس کمبل میں موجود تھی اس نے چشم زدن میں مجھے اپنی بانہوں کے حصار میں لے کر خود سے چپکا لیا۔

میں اس اچانک افتاد سے گھبرا گیا اس کے عریاں جسم کی آنچ سے میرے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں ”چھوڑو مجھے“ میں نے پھولی ہوئی سانسوں میں کہتے ہوئے اسے خود سے الگ کرنا چاہا اس نے کسی وحشی بلی کی طرح میرے گریبان میں ہاتھ ڈال کر میری قمیض پھاڑ ڈالی اور پلٹی کھا کر میرے اوپر آ گئی اس کھینچا تانی میں اس کے جسم سے کمبل ہٹ چکا تھا اور اس کا گورا گورا عریاں جسم جگمگا رہا تھا میں نے آنکھیں بند کر لیں اور تقریباً درد دینے والے انداز میں چلایا ”امائمہ چھوڑو مجھے یہ کیا بے ہودگی ہے اگر کوئی آ گیا تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں گے“ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس حسین بلا سے کس طرح پیچھا چھڑاؤں وہ ہوس کے جذبات سے مغلوب ہو چکی تھی۔

”کوئی نہیں آئے گا ہانی عظیم کے ساتھ ہاشم صاحب کے گھر گئی ہے ان کی وائف کی ڈیتھ ہو گئی ہے میں طبیعت خراب کا بہانہ کر کے رک گئی ان کے جاتے ہی تمام ملازموں کو چھٹی دے کر بہانے سے تمہیں بلا لیا لہٰذا اب ڈرو مت کہ کوئی آ جائے گا اور ان حسین لمحات کو انجوائے کرو“ وہ بہکی بہکی سانسوں میں بولی اور میرے لبوں پر اپنے جلتے بجھتے ہونٹ رکھ دیئے، میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے خود پر سے دھکیلا اور برقی سرعت سے

دروازے کی طرف بھاگنا چاہا مگر اس اثناء میں وہ بھی اٹھ کر مجھ سے عقب سے لپٹ چکی تھی، میں اب بے بس ہو چکا تھا اس نے میری باقی ماندہ بھی قمیض اتار کر جسم سے الگ کردی۔ ''امائمہ یہ گناہ ہے'' میں کرب آمیز لہجے میں چلایا۔

وہ سانپ کی طرح پھنکاری ''خاموش اب اگر تم نے مزاحمت کی تو میں شور مچادوں گی کہ تم نے ہی مجھے برہنہ کیا ہے اور میری عزت سے کھیلنا چاہتے ہو'' مجھے سانپ سونگھ گیا تھا زندگی میں پہلی بار خود کو ایک عورت کے ہاتھوں بے بس ہوتا دیکھ رہا تھا وہ مجھے غلاظت کی دلدل میں دھکیلنا چاہتی تھی۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور ہانی نے قدم اندر رکھے، اسے دیکھتے ہی میرے سانس میں سانس آیا میں عقب سے خود سے چپکی عریاں امائمہ کو دھکیل کر ہانی کے قریب جا پہنچا اور پھولے ہوئے سانسوں میں اسے امائمہ کی اس حرکت کے بارے میں بتایا، امائمہ حیرت انگیز طور پر اطمینان سے اس طرح لباس پہن رہی تھی کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ہانی نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا ''امائمہ تم نہ صرف گری ہوئی بلکہ طوائف سے بھی بدتر عورت ہو تم نے اپنے اور شاہ میر کے رشتے کا بھی احترام نہیں کیا''

وہ ذرا برابر بھی ہانی کے غصے سے خائف نہیں ہوئی بلکہ اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پا کر اطمینان سے کہنے لگی ''شاہ میر میرا تھا ہانی اور میرا ہی رہے گا اگر میرا نہ ہو سکا تو تمہارا بھی نہ رہے گا بہتر یہی ہے کہ مجھ سے سمجھوتہ کرلو اگر یہ دو چار روز میں میرے ساتھ ایک رات گزار لے تو تمہیں کیا فرق پڑے گا''

ہانی نے اس کی بازاری گفتگو سنتے ہی اس کے منہ پر تھپڑ رسید کردیا وہ چند لمحے خونخوار نگاہوں سے ہانی کو دیکھتی رہی پھر یہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی کہ ''تمہیں یہ تھپڑ مہنگا پڑے گا''

ہم دونوں ہی امائمہ کی طرف سے فکر مند تھے وہ زخمی ناگن کی طرح ہمیں کسی بھی وقت ڈس سکتی تھی۔

کچھ روز بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا اس دن میں گھر پر ہی تھا جب کہ اعظم خان آفس میں تھا کہ اچانک امائمہ ہمارے کمرے میں داخل ہوئی اور ام ہانی کے سامنے ہاتھ جھوڑ دیئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ''ہانی اور شاہ میر پلیز مجھے معاف کردو مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی'' ہم دونوں ہکا بکا اسے دیکھ رہے تھے اور دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ اب وہ مکار عورت کون سا نیا کھیل کھیلنا چاہتی ہے شاید وہ اندازے سے ہمارے دل کے خیالات جان چکی تھی ہانی کے قدموں میں بیٹھ گئی ''میں جانتی ہوں کہ تم دونوں مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے مگر مجھے بلڈ کینسر ہے آج ہی مجھے ڈاکٹر نے میری میڈیکل رپورٹس دیکھ کر بتایا ہے ہانی اب جب کہ میری زندگی بہت کم رہ گئی ہے مجھے اپنے گناہوں کا احساس ہو چکا ہے پلیز مجھے معاف کردو'' وہ بولتی جارہی تھی اور روتی جارہی تھی۔

ہانی نے اسے قدموں سے اٹھایا اور سینے سے لگالیا امائمہ واقعی بدل چکی تھی ہانی سے سگی بہنوں کی طرح پیش آنے لگی میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی شوخ اور ماڈرن لباس کی جگہ سیدھے سادھے کپڑے پہننے لگی تھی سونے پر سہاگہ نماز بھی پڑھنے لگی تھی خود اعظم خان بھی اس کے بدلے ہوئے رویئے پر خوش اور حیران تھا امائمہ نے ہمیں اعظم خان کو اس کی بیماری کے بارے میں بتانے سے منع کیا تھا، میں محتاط تھا میرے خیال میں یہ امائمہ کا ناٹک تھا مگر جب تین چار ماہ اسی طرح گزرے اور اس کے رویئے میں تبدیلی نہ آئی تو میں بھی اس کی طرف سے مطمئن ہوگیا۔

ایک روز میں معمول کے مطابق آفس سے گھر کی طرف روانہ ہوا میں روڈ پر فٹ پاتھ کے قریب کھڑی ایک لڑکی نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا وہ کالج یونیفارم میں ملبوس تھی اور شانے پر بیگ موجود تھا جس میں شاید کتابیں تھیں اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات دیکھ کر میں نے گاڑی روک دی وہ آگے بڑھی ''سر مجھے دیر ہو رہی ہے ٹیسٹ کی وجہ سے کوچنگ سے دیر سے چھٹی ہوئی اور پھر پبلک ٹرانسپورٹ بھی کم ہے جو دین یا بس آرہی ہے اس میں تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں اگر آپ مجھے آگے تک لفٹ دے دیں تو میں پریشانی سے بچ جاؤں گی پلیز'' اس نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ میں انکار نہ کرسکا۔

ویسے بھی وہ سیدھی سادھی کوئی کالج کی لڑکی دکھائی دے رہی تھی جس نے سردی کی وجہ سے سوئٹر پہن رکھا تھا اور ہاتھوں میں دستانے تھے میرے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اور بیگ گود میں رکھ لیا میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا ''آپ نے کہاں جانا ہے؟''

جی میرا نام مائرہ ہے'' کھڑکی سے باہر جھانکتی لڑکی نے جواب دیا ''مس مائرہ میں نے آپ کا نام نہیں پوچھا بلکہ پوچھا ہے کہ آپ نے کہاں جانا ہے'' میں اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنسا تو وہ شرمندہ سی ہوگئی ''سوری سر آپ مجھے اگلے موڑ پر اتار دیجئے گا'' اسے اگلے موڑ پر اتار کر میں آگے بڑھا ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ میری نظر فرنٹ سیٹ پر پڑی نیچے مائرہ کا بیگ پڑا ہوا تھا ''اوہ یہ جلدی میں اپنا بیگ بھی بھول گئی'' میں نے ارادہ کیا کہ آگے سے ٹرن لے کر واپس جاؤں گا شاید وہ لڑکی مل جائے تو اس کا بیگ لوٹا دوں مگر اس کی نوبت ہی نہ آئی۔

اسی وقت عقب سے موبائل کے ہوٹر کی آواز سنائی دی عقب میں پولیس موبائل دیکھ کر میں نے گاڑی سائیڈ میں کرتے ہوئے پولیس موبائل کو آگے جانے کا راستہ دیا مگر پولیس موبائل میری گاڑی کو اوور ٹیک کرتی ہوئی میرے سامنے رکی تو مجھے مجبوراً بریک لگانا پڑا پولیس موبائل سے انسپکٹر رینک کے افسر سمیت چار پانچ مسلح اہلکار اترے اور میری گاڑی کو گھیرے میں لے کر اس طرح گنیں تان لیں جیسے میں کوئی بہت بڑا گینگسٹر یا ٹارگٹ کلر ہوں۔

''خیریت تو ہے؟'' میں نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر پوچھا۔

''نیچے اترو'' انسپکٹر نے درشت لہجے میں کہا۔ ''پر کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس گاڑی میں منشیات موجود ہے۔'' انسپکٹر نے کرخت لہجے میں کہا تو میں بھونچکا رہ گیا۔ ''نیچے اترو ہمیں گاڑی کی تلاشی لینی ہے۔'' اس بار انسپکٹر نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو میں غصے سے تلملاتا ہوا گاڑی سے اترا انسپکٹر کے اشارے پر دو پولیس اہلکار گاڑی کی تلاشی لینے لگے جبکہ دیگر اہلکار بدستور مجھ پر گنیں تانے کھڑے تھے کچھ دیر بعد ایک پولیس اہلکار فرنٹ سیٹ پر سے مائرہ کا بیگ اٹھائے انسپکٹر کی طرف بڑھا اور سرسراتے لہجے میں کہا ''سر اس بیگ میں ہیروئن ہے'' اس کی بات سنتے ہی میرے اوسان خطا ہوگئے بیگ کی زپ کھلی ہوئی تھی جس میں تین چار پولی تھین کی تھیلیاں تھیں انسپکٹر نے ایک پولی تھین کی تھیلی تھوڑی سی پھاڑی تو سفوف مادہ دکھائی دیا جسے سونگھتے ہی وہ میری طرف مڑا ''تم یہ ہیروئن کس کے لئے اسمگل کر رہے تھے؟''

''یہ بیگ میرا نہیں مائرہ کا ہے'' میں نے بوکھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کون مائرہ؟ تمہاری کوئی ساتھی ہے اس کا مطلب ہے تمہارا واقعی باقاعدہ گینگ ہے'' اس اثناء میں ہمارے گرد راہ گیروں کا مجمع لگ چکا تھا۔

''انسپکٹر میں اس لڑکی کو نہیں جانتا وہ کالج یونیفارم میں ملبوس تھی اور یہ بیگ اس کے ہاتھ میں تھا جسے وہ بھول کر اتر گئی میری غلطی صرف اتنی ہے کہ اسے لفٹ دی'' میں نے گھبراتے ہوئے لہجے میں وضاحت کی مگر انسپکٹر میری کسی بات پر یقین نہیں کر رہا تھا مجھے ہتھکڑی پہنا کر پولیس اسٹیشن لے جا کر لاک اپ کر دیا گیا مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ میری گاڑی کا نمبر بتاتے ہوئے اطلاع دی تھی کہ اس گاڑی میں ہیروئن اسمگل کی جارہی ہے جس نمبر سے کال کی گئی تھی وہ کسی کے نام پر بھی رجسٹریشن نہیں تھا میری خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے مائرہ کون ہے؟ اس کی مجھ سے کیا دشمنی تھی اتنا تو میں سمجھ ہی چکا تھا کہ یہ مجھے پھنسانے کی سازش ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مائرہ کو مجھ سے کیا دشمنی تھی میں تو اسے جانتا تک نہیں تھا۔

اعظم خان بھی اطلاع سن کر پولیس اسٹیشن آ پہنچا ہمارے بیچ سالے بہنوئی کے رشتے کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا مگر اسے مجھ پر بھروسہ تھا وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ میں ہیروئن اسمگل کر سکتا ہوں اس نے بہت بھاگ دوڑ کی اچھے سے اچھا قابل وکیل کیا مگر میرے خلاف کیس مضبوط تھا لاکھوں کی ہیروئن میری گاڑی سے برآمد ہوئی تھی سڑک پر درجنوں افراد کے سامنے پولیس نے ہیروئن سمیت

گرفتار کیا تھا پھر میرے خلاف اپنی بے گناہی کا کوئی ثبوت بھی تو نہیں تھا اگر مائزہ مل جاتی تو سارا معاملہ ہی حل ہو جاتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا مگر وہ ملتی تب ناں میرے خلاف FIR درج ہو چکی تھی۔

اعظم خان کے اثر ورسوخ اور پیسے کی وجہ سے پولیس نے مجھ پر ٹارچر نہیں کیا میں نے اپنا جرم تسلیم نہیں کیا بالآخر مجھے جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھجوا دیا گیا جیل میں مجھے ہانی بھی ملنے آئی اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میں تڑپ اٹھا وہ واقعی مجھ سے بے لوث محبت کرتی تھی ”ہانی پلیز! رومت تمہارے آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں اور پھر تمہیں ضرور مجھ پر بھروسہ ہوگا تمہارے پیار کی قسم مجھے سازش کے تحت پھنسایا جارہا ہے“ میں نے بے بسی سے کہا تو وہ تڑپ اٹھی۔

”میں جانتی ہوں پھر اس دل کا کیا کروں تمہیں مصیبت میں بھی تو نہیں دیکھ سکتی“

”سنو ہانی مجھے یقین ہے میں بہت جلد جیل کی ان سلاخوں کے پیچھے سے تمہارے پاس آؤں گا میرا انتظار کرو گی نا“ اس نے آنسوؤں سے بھیگی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور رندھی ہوئی آواز میں بولی ”شاہ میر میں زندگی کی آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گی یقین جانو اگر اس جہاں بھی چلی گئی تو تمہاری خاطر صرف تمہاری خاطر لوٹ کر اس دنیا میں ضرور آؤں گی“

میں نے تڑپ کر اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا ”ہانی ایسا مت کہو تمہیں کچھ ہوا تو زندہ میں بھی نہیں رہوں گا“ پھر وہ چلی گئی ان ہی دنوں اناںی ایک حادثے میں چل بسیں مجھے اعظم خان نے جیل میں ہونے والی ملاقات پر بتایا وہ رات اچھی بھلی اپنے کمرے میں سوئی تھیں نصف شب کے قریب ان کی چیخ سن کر اعظم خان کی آنکھ کھلی وہ نہ جانے کیسے نصف شب کے قریب سیڑھیاں اترتے ہوئے گریں اور موت کے منہ میں جا پہنچیں ان کے سر پر لگنے والی گہری چوٹ موت کا سبب بنی تھی اعظم خان حیران تھا کہ انابی نصف شب کے قریب سیڑھیوں سے کیوں اتر رہی تھیں ان کا کمرہ تو دوسری منزل پر تھا جہاں اٹیچڈ باتھ سمیت ہر سہولت موجود تھی۔ ہانی کورٹ میں پیشی کے روز بھی مجھ سے ملنے آئی۔

جس روز آخری پیشی پر مجھے چار سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی میری سزا کا پہلا ہی سال گزرا تھا کہ میری دنیا اجڑ گئی۔ ام ہانی مجھے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلی گئی یہ خبر مجھے اس وقت ملی جب ام ہانی کو دنیا سے گزرے پانچ چھ گھنٹے گزر چکے تھے وہ رات اچھی بھلی اپنی خواب گاہ میں سوئی تھی اعظم خان صبح سات بجے آفس گیا نو بجے کے قریب اسے امائمہ نے کال کیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں اطلاع دی کہ ہانی اپنے کمرے میں بے حس وحرکت پڑی ہے اعظم خان اسی وقت گھر پہنچا ہانی کو اسپتال پہنچا دیا گیا اس کی جسمانی رنگت میں نیلاہٹ کی آمیزش تھی اور وہ بے حس وحرکت تھی ڈاکٹرز نے بتایا کہ ہانی دم توڑ چکی ہے اور اس کی موت سانپ کے ڈسنے سے واقع ہوئی ہے۔

اعظم خان حیران تھا کہ ہانی کے کمرے میں سانپ کیسے داخل ہوا میں یہ خبر سنتے ہی ہوش وحواس کھو بیٹھا اعظم خان کے اثر ورسوخ کی بدولت مجھے ام ہانی کے جنازے میں شرکت کی اجازت ملی مجھے چند گھنٹوں کے لئے پیرول پر رہا کیا گیا تھا ام ہانی کا جسم زہر کے اثرات سے نیلا پڑ چکا تھا آنکھیں بند تھیں ایسا لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہی ہے میں بچوں کی طرح رو دیا جب سفر آخرت پر جانے کے لئے اس کا جنازہ اٹھایا جانے لگا تو میں پاگل سا ہو گیا۔ ”اسے کہاں لے جا رہے ہو یہ سو رہی ہے۔“ میں پاگل ہو چکا تھا اس کے جنازے سے لپٹا نہ جانے کیا اول فول بکتا رہا پھر مجھے ہوش ہی نہ رہا میں غش کھا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

ہانی کو سپرد خاک کر دیا گیا اور مجھے اسپتال منتقل کر دیا گیا مجھے دوسرے روز اسپتال میں ہوش آیا تھا ہوش میں آتے ہی میں ہانی کو پکارتے ہوئے پاگلوں کی طرح چلانے لگا جیل میں ہی میرا علاج چلتا رہا ذہنی امراض کے ماہر ڈاکٹرز کی توجہ سے میری حالت میں صرف اتنی بہتری آئی کہ میں گم سم رہنے لگا۔ مگر مجھے اپنا ہوش تک نہ تھا میں دیوانوں کی طرح اپنے آپ سے باتیں کرتا رہا میری

سالوں کو دیکھتے ہوئے مجھے تیسرے سال ہی جیل سے رہا کر دیا گیا۔

اعظم خان مجھے جیل سے گھر لے گیا یہاں بھی میں ہانی کو رات دن یاد کرتا رہتا اکثر میں راتوں کو خواب میں ہانی کو دیکھ کر چلانے لگ جاتا ایک روز اسی طرح خواب میں ہانی کو دیکھا وہ مجھے پکار رہی تھی میں اٹھ گیا اور دیوانگی کے عالم میں گھر سے نکل گیا چوکیدار نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں نے اسے زور سے دھکا دیا کہ وہ لڑکھڑا کر دیوار سے ٹکرایا اس کا سر دیوار سے ٹکرایا وہ سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا اور میں بھاگتا ہوا گھر سے نکل گیا۔

میں جو امائمہ کی بے وفائی اور اپنے والدین اور بہن کی موت کے صدمے سے نڈھال تھا تو ایسے میں ہانی نے مجھے سنبھالا تھا اس نے مجھے وہ پیار اور محبت دی تھی کہ میں سب غم بھلا بیٹھا تھا اب ہانی کی موت نے مجھے پاگل بنا دیا تھا نہ کھانے پینے کا ہوش تھا نہ اٹھنے بیٹھنے کا، میں بھٹکا ہوا نہ جانے کہاں سے کہاں جا نکلا جہاں جگہ ملتی پڑ کر سو جاتا اٹھتے بیٹھتے ہانی سے باتیں کرتا رہتا۔

ہانی میرے تصور میں زندہ تھی میرے سر اور داڑھی کے بال جھاڑ جھنکار کی طرح بڑھ چکے تھے لوگ ترس کھا کر جو کھانے کو دیتے کھا لیتا پر ہر لمحہ میرے ذہن میں ہانی کی آواز گونجتی یوں لگتا کہ وہ مجھے پکار رہی ہو اور میں اس پکار پر دیوانوں کی طرح چلتا ہی رہتا، رات کو جہاں نیند آتی سو جاتا تھا کبھی کسی فٹ پاتھ پر اور کبھی کسی پارک میں۔

ایک روز اسی طرح ایک پارک میں سو رہا تھا کہ کسی نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میری آنکھ کھل گئی۔

یہ خاکی شاہ تھے جو میرے قریب کھڑے تھے ان پر نظر پڑتے ہی جیسے میرے ذہن پر چھائی دھندسی چھٹ گئی میں جو عالم دیوانگی میں تھا جیسے ایک دم ہوش میں آ کر ان کے قدموں سے لپٹ گیا۔ ”شاہ جی ہانی جھوٹی نکلی وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر اس دنیا سے چلی گئی حالانکہ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں مر بھی گئی تو تمہاری خاطر صرف تمہاری خاطر اس دنیا میں دوبارہ لوٹ آؤں گی“ یہ کہتے ہوئے میرے تصور میں جیل میں ہونے والی ام ہانی کی آخری ملاقات آ گئی جب اس نے کہا تھا ”شاہ میر میں زندگی کی آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گی اگر مر بھی گئی تو تمہاری خاطر صرف تمہاری خاطر دنیا میں ایک بار پھر لوٹ آؤں گی، شاہ جی وہ آئے گی اسے میری خاطر آنا پڑے گا“ میں ان کے قدموں سے لپٹا روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

انہوں نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا ”انہونی کو ہونی کرنا چاہتا ہے پگلے یہ دنیا فانی ہے اور ہمارا قیام یہاں بہت ہی مختصر ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لئے ذرہ ذرہ اکٹھا کر لو جہاں کوئی انسانی رشتہ ناطہ کام نہ آئے گا نہ ماں باپ نہ بہن بھائی اور نہ بیوی اور نہ اولاد اس روز سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی وہاں صرف تمہارے اچھے اعمال تمہارا ساتھ دیں گے میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا جو دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے دنیا اسے دھتکار دیتی ہے اور اس کے حصے میں ذلت اور رسوائی ہی آتی ہے جو خالق حقیقی کا دامن تھام لیتا ہے تو وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے وہ تمام جہانوں کا بادشاہ ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے“ وہ کہتے جا رہے تھے اور میں سنتا جا رہا تھا۔

میرا سر جھکا ہوا تھا اتنی ہمت نہ تھی کہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھتا پھر جب وہ بولتے بولتے خاموش ہوئے اور کچھ دیر تک ان کی آواز نہ سنائی دی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ غائب تھے۔ ”پھر اکیلا چھوڑ گئے۔“ میں بڑبڑایا اور پارک سے باہر نکل گیا خاکی شاہ جا چکے تھے مگر مجھے راستہ بھی تو دکھا گئے تھے۔

میں ایک بار پھر سخی سلطان کے مزار پر جا پہنچا گرم چشمے کے کھولتے گرم پانی سے نہا کر وہی کپڑے دھو کر دوبارہ پہنے اس اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا مسجد قریب ہی تھی میں خالق حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا دعا مانگتے ہوئے میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے میں دعا میں رب سے ہانی مانگ رہا تھا، میں انہونی کو ہونی ہوتے دیکھنا چاہتا تھا میرے شب و روز سخی سلطان کے مزار پر گزرنے لگے میں ہر لمحہ ہر پل ذکر الٰہی میں مشغول رہتا میں نے سال بھر کا عرصہ وہیں گزارا اب میری ذہنی حالت میں کافی بہتری آ چکی تھی۔

پھر ایک روز مجھے ہانی دکھائی دی وہ پہلے سے زیادہ حسین وجمیل تھی اور بلند وبالا برفانی پہاڑ پر کھڑی تھی ''ہانی کہاں چلی گئی تھیں تم؟'' میں چلایا۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ اگر میں مر بھی گئی تو تمہاری خاطر صرف تمہاری خاطر اس دنیا میں لوٹ آؤں گی دیکھو میں لوٹ آئی'' اس نے پرسکون لہجے میں جواب دیا میں اسے گلے لگانے کے لئے آگے بڑھا اسی پل وہ غائب ہوگئی ''ہانی ہانی'' میں چلایا اس وقت مجھے کسی نے جھنجھوڑا اور ناگوار لہجے میں بولا ''کیا پاگلوں کی طرح چلا رہے ہو سونے دو'' مزار کے احاطے میں مجھ سے کچھ فاصلے پر لیٹا ہوا ملنگ تھا جو مجھے چلاتا دیکھ کر بیدار ہو چکا تھا۔

ہانی کو مہینوں بعد خواب میں دیکھ کر مجھ پر دوبارہ دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی میں رات کے اندھیرے میں مزار سے نکلا اور سڑک پر جا پہنچا کچھ دیر بعد ایک لوڈنگ ٹرک آتا دکھائی دیا ٹرک پر ٹنوں وزنی دو چٹانی پتھر موجود تھے میرے اشارے پر بلوچ ڈرائیور نے ٹرک روک دیا ''اڑے کدھر جائیں گا ملنگ بابا'' میرے سر اور داڑھی کے بڑھے ہوئے بالوں اور میلے کچیلے کپڑوں سے اس نے مجھے ملنگ کا خطاب دے ڈالا ''پتہ نہیں تقدیر کہاں لے جانا چاہتی ہے'' میں نے عالم دیوانگی سے جواب دیا اس نے مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا ''اڑے بابا ہم لوگ یہ پتھر ماربل فیکٹری لے جا رہے ہیں تمہیں سائٹ ایریا تک چھوڑ دیں گے میں کلینر کے ساتھ ٹرک میں بیٹھ گیا اس نے مجھے سائٹ ایریا میں اتارا میں پیدل چلتا ہوا پانچ بجے کے قریب ریلوے اسٹیشن جا پہنچا اور پلیٹ فارم کے ایک کونے میں کھڑی مال گاڑی کے ایک خالی ڈبے میں بیٹھ گیا۔

تیسرے روز مال گاڑی راولپنڈی اسٹیشن پر رکی تو میں اتر پڑا میری کوئی منزل نہیں تھی میں دیوانوں کی طرح چلتا رہتا جہاں رات ہوتی تھک ہار کر سو جاتا، رہا کھانے پینے کا معاملہ تو رزق اللہ کے اختیار میں ہے کوئی نہ کوئی ترس کھا کر کھانے کو دے دیتا اس طرح دیوانگی کے عالم میں چلتے چلتے ہفتوں کے سفر کے بعد ایک بلند وبالا برفانی پہاڑ پر جا پہنچا، پھر میں عالم دیوانگی میں اس برفانی پہاڑ پر گرتا پڑتا پہنچ تو گیا تھا مگر جسم پر موجود لباس یہاں کے سرد موسم کے لحاظ سے ناکافی تھا برفانی سرد ہواؤں کے باعث سردی سے کپکپانے لگا رفتہ رفتہ سردی کے باعث میری حالت غیر ہونے لگی۔

اسی وقت قریب ہی کہیں سے خوفناک غراہٹ کی آوازیں ابھریں، آوازوں کی سمت دیکھا تو حیرت وخوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، وہ چھ سات عجیب الخلقت بھیڑیئے تھے عجیب اس لئے کہ ان کا سر بھیڑیئے کا تھا جب کہ دھڑ برفانی ریچھ کا تھا وہ خوفناک انداز سے غراتے ہوئے میری جانب بڑھ رہے تھے ایک تو قیامت خیز برفانی ہواؤں سے جسم کپکپا رہا تھا تو دوسری طرف وہ عجیب الخلقت درندے غراتے ہوئے میری طرف بڑھ رہے تھے مجھ میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ بھاگ کر جان بچا سکتا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میرے قدم زمین نے جکڑ لئے ہوں مجھے اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا۔

اسی وقت اچانک سٹی سے مشابہ عجیب سی ہونکتی ہوئی آواز سنائی دی آواز کی سمت دیکھا تو وہاں ستر اسی سالہ نحیف ونزار بوڑھا تھا اس کے جسم پر لباس برائے نام تھا پہلی ہی نظر میں اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ ہڈیوں کے ڈھانچے پر انسانی کھال چڑھا دی گئی ہو حیرت انگیز بات یہ کہ اس شدید ترین سرد موسم میں وہ بھی ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پہنے اطمینان سے کھڑا تھا وہ عجیب الخلقت درندے اسے دیکھتے ہی وفادار کتے کی طرح دم ہلاتے ہوئے اس کے قریب جا پہنچے ہڈیوں کا وہ پنجر اطمینان سے چلتا ہوا میرے قریب آیا اور تحیر زدہ لہجے میں مخاطب ہوا ''تم کو یہاں تو لگتے نہیں پھر یہاں کیسے اور کیوں آ پہنچے ہو''

اس کا ورطہ حیرت میں مبتلا ہونا بجا تھا مرگ میں جواب دینے کے لائق کہاں تھا میں تو سردی کی شدت سے کپکپا رہا تھا پھر اسے میری حالت کا اندازہ ہوگیا ''ارے تمہیں تو سخت سردی لگ رہی ہے کپکپا رہے ہو یہ بہت خطرناک ہے تمہیں نمونیہ ہوسکتا ہے چلو میرے ساتھ'' اس نے میرا دایاں بازو اپنے شانے پر رکھا اور نوجوانوں کی طرح سہارا دے کر چلتا ہوا ایک چٹان کے قریب جا پہنچا عجیب

ادھر ... درندے بھی اس کے ساتھ تھے چٹان کی جڑ میں اس نے ٹھوکر رسید کی تو چٹان خودکار طریقے سے ایک طرف سرک گئی اب سامنے غار کا دہانہ دکھائی دے رہا تھا ہمارے درندوں سمیت غار میں جاتے ہی چٹان خودکار طریقے سے سرک کر دہانے پر آ گئی غار کیا تھا حیرت کدہ تھا کافی کشادہ اور شیطان کی آنت کی طرح اس لمبے غار میں داخل ہوتے ہی سردی کا احساس ختم ہوگیا ایسا لگ رہا تھا کہ غار میں ہیٹر آن تھا۔ قدرے فاصلے پر پنجرے موجود تھے جس میں عجیب وخلقت جانور تھے پہلے پنجرے میں لومڑی کے سر والا کتا تھا جس کا دھڑ کتیا کا جب کہ سر لومڑی کا تھا دوسرے پنجرے میں گیدڑ کے سر والا تیندوا تھا جس کا دھڑ تیندوے کا اور سر گیدڑ کا تھا تیسرا پنجرہ کافی بڑا اور خالی تھا جس کے کھلے دروازے میں عجیب وخلقت بھیڑیئے اندر داخل ہوئے اور اس بوڑھے نے پنجرے کا دروازہ بند کردیا۔

غار کے دہانے سے لے کر آخر تک نیچے عمدہ قسم کا قالین بچھا ہوا تھا سب سے آخر میں دروازہ تھا جسے کھلتے ہی ہم ہال نما کمرے میں داخل ہوئے یہاں بہت سی عجیب قسم کا کمپیوٹر تھا یہاں بیٹھنے کے لئے صوفے بھی موجود تھے بوڑھے نے مجھے غار کی سیر کروائی اس حیرت کدے میں لکڑی کے بنے ہوئے دو کمرے بھی رہائش کے لئے موجود تھے اور تو اور ان کمروں کے ساتھ اٹیچڈ باتھ روم بھی تھے بوڑھے کے کہنے پر میں نے نہا کر شیو کی اس نے مجھے پہننے کے لئے جینز کی پینٹ اور شرٹ بھی دی ایک کمرے میں لے جا کر کافی بھی پلوائی جس سے جسم میں چستی سی آ گئی پھر اس کے استفسار پر میں نے اپنی روداد سنائی۔

روداد کے اختتام پر وہ کہنے لگا ”بقول تمہارے اس دنیا میں تمہارا اب کوئی نہیں تم در بدر بھٹک رہے ہو اس ویرانے میں میں بھی تنہائی کی زندگی گزار رہا ہوں میرے ساتھ رہو بہت فائدے میں رہو گے“

”کیسا فائدہ؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کے لئے تمہیں میرے بارے میں جاننا ہوگا میرا نام پروفیسر شیرازی ہے میں دنیائے سائنس کا عظیم سائنسدان ہونے کے ساتھ ساتھ سرجری میں بھی مہارت رکھتا ہوں میں نے زندگی کے تیس سال یورپ میں گزارے وہاں میری قابلیت کی وجہ سے میری بہت قدر تھی میں نے یورپ میں اتنی دولت کمائی کہ میری سات پشتیں ساری زندگی عیش سے گزاریں پھر بھی ختم نہ ہو میں نے وطن آنے کا ارادہ کیا جذبہ حب الوطنی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ مجھے اپنی ایجاد کے لئے تنہائی اور یکسوئی درکار تھی جو مجھے وہاں میسر نہیں تھی میں وہاں پابند تھا اور پھر اپنی اس تھیوری کو دنیا سے مخفی رکھنا چاہتا تھا میں نے اپنی مصروف ترین زندگی میں بھی بیوی بچوں کو کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی۔ مگر میں انہیں وقت نہیں دے پایا۔

اپنے وطن آنے کے بعد میں رات دن اپنے تجربہ گاہ میں مصروف رہتا وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور میں بڑھاپے کی طرف بڑھ رہا تھا دراصل انسان ازل سے ہی پہلے بچپن پھر لڑکپن اور پھر بڑھاپے کے مراحل سے گزرتا ہوا موت کی نیند سو جاتا ہے میں اس کوشش میں ہوں کہ کوئی ایسی دوا ایجاد کروں کہ بوڑھا انسان اسے پیتے ہی جوان ہو جائے اگر میں اپنی اس کوشش میں کامیب ہوگیا تو دوبارہ جوان ہو جاؤں گا اور پھر میری جوانی کو دوبارہ زوال نہ آئے گا۔

اپنی اس ایجاد کو میں نے آب حیات کا نام دیا ہے یہی سوچ مجھے ہر وقت تجربہ گاہ میں مصروف رکھتی ہے اپنے ان تجربات میں مجھے بڑی حد تک کامیابی ہو چکی ہے یوں سمجھ لو کہ میرا ففٹی پرسنٹ کام مکمل ہے اسی دوران میں نے ماضی کے سفر میں بھی کامیابی حاصل کی میں کامیابی کے قریب تو ہو چکا تھا مگر میری بیوی بچے مجھ سے دور ہوتے چلے گئے وہ مجھے سنکی، پاگل، دیوانہ سمجھتے تھے جوان ہوتے ہی مجھ سے لاپرواہی برتنے لگے، ٹوکتے کہ ہر وقت تجربہ گاہ میں گھسے رہا کرو لوگ انہیں طعنہ دیتے ہیں کہ پروفیسر شیرازی خبطی ہے بیوی بھی مجھے اہمیت نہیں دے رہی تھی تب میں نے مطلبی اور خودغرض انسانوں کی دنیا سے دور جانے کا سوچا روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی، اس میں کروڑوں کا خرچہ ہوا تم خود دیکھو یہاں بجلی بھی ہے میں نے تجربہ گاہ کے لئے بجلی گھر قائم کر رکھا ہے جو خودکار طریقے سے متحرک ہے اس کی دیکھ بھال کے لئے دو روبوٹ ہیں کبھی فرصت ملی تو تمہیں

بجلی گھر کی بھی سیر کروادوں گا ابھی تو تم اپنی ہانی سے ملاقات کرو۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

اس کی بات سنتے ہی میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا نہ جانے وہ سائنسدان اب کیا شعبدہ دکھانے والا تھا ادھر وہ کہہ رہا تھا مشین کے وسط میں روشن اسکرین کو غور سے دیکھو اور ہانی سے اپنی پہلی ملاقات کے بارے میں سوچو اس نے مشین سے منسلک ایک تار اٹھائی اور میرے قریب چلا آیا تار کے سرے پر ہیڈ فون سے مشابہ آلہ تھا اس نے آلہ میری کنپٹی سے لگادیا جو مقناطیس کی طرح میری کنپٹی سے چپک گیا میں اس کی ہدایت پر اسکرین پر نظریں جمائے ہانی کے بارے میں سوچنے لگا اس نے کنٹرول پینل پر نصب سرخ رنگ کا بٹن دبایا۔

مشین سے رخ رنگ کی روشنی نکلی جس نے میرے پورے وجود کا احاطہ کرلیا اس کے ساتھ ہی مجھے اپنا وجود بے حس و حرکت ہوتا ہوا محسوس ہوا ایسا لگتا تھا کہ میں مر چکا ہوں پھر مجھے اپنا وجود ذرات میں تبدیل ہوتا ہوا محسوس ہوا اب وہ کرسی خالی تھی جس پر میں بیٹھا تھا میں تو اب ٹیکسی چلا رہا تھا مجھ سے آگے فراری تھی جسے ہانی ڈرائیو کررہی تھی فراری کے تعاقب میں موٹر سائیکل تھی جس پر دو افراد سوار تھے پچھلے نے پسٹل اٹھا رکھا تھا یہی منظر مشین کی اسکرین پر بھی دکھائی دے رہا تھا میں خود بھی تو اس منظر کا کردار بن چکا تھا موٹر سائیکل فراری کے قریب آئی پیچھے بیٹھے شخص نے پسٹل کا رخ ہانی کی طرف کیا ہی تھا کہ میں نے ایکسلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھادیا۔

ٹیکسی نے موٹر سائیکل کو ہٹ کیا موٹر سائیکل سوار موٹر سائیکل سمیت گر چکے تھے پھر پولیس اہلکاروں کا آنا اور ہانی کو اس کے گھر تک چھوڑنا سب کچھ وہی تھا جو بیت چکا تھا لوگ کہتے ہیں بیت جانے والا دور لوٹ کر نہیں آتا مگر میں نہ صرف بیت جانے والے دور میں لوٹ چکا تھا بلکہ اس کا ایک کردار بھی بن چکا تھا میری محبت ہانی میرے سنگ سنگ تھی اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ وقت یہیں تھم جائے مگر یہ ناممکن تھا وقت کبھی نہیں رکتا۔

پروفیسر نے کنٹرول پینل پر نصب ایک دوسرا بٹن دبایا تو اسکرین تاریک ہوگئی اور میں ماضی سے حال میں لوٹ آیا کچھ دیر پہلے جو کرسی خالی تھی میں اب اس کرسی پر براجمان تھا میں بے چینی سے پہلو بدل کر بولا ''پروفیسر یہ تم نے کیا ظلم کیا مجھے میری ہانی کے پاس ہی رہنے دیتے''

وہ کہنے لگا ''شاہ میر تم اس مشین کے ذریعے جب چاہے ماضی میں لوٹ سکتے ہو مگر جو بیت چکا ہے اس میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی میں نے اس لئے تمہیں واپس حال میں بلالیا کہ تمہیں ہانی کی موت کا تکلیف دہ منظر دوبارہ نہ دیکھنا پڑے اس طرح نہ صرف تمہارے زخم ہرے ہوجاتے بلکہ تم پہلے کی طرح دوبارہ ایک نارمل ہوسکتے تھے۔

میرے شب و روز حیرت کدے میں بیتنے لگے اس دوران اس مشین کے ذریعے میں کئی بار ہانی کی موت سے پہلے ماضی سے حال میں لے آتا اس کا زیادہ تر وقت تجربہ گاہ میں ہی گزرتا تھا ہر وقت تجربہ گاہ میں مصروف رہتا۔

ایک روز جب رات کے پہر وہ معمول کے مطابق تجربہ گاہ میں تھا کہ بھیانک قسم کی چیخ و پکار کی آوازوں سے میں بیدار ہوگیا یہ درندگی آمیز لرزہ خیز چیخوں کی آوازیں تجربہ گاہ سے آرہی تھیں جو کافی دیر سنائی دیتی رہیں پھر تھم گئیں۔ دوسرے روز پروفیسر شیرازی سے استفسار کیا تو وہ ہنسنے لگا۔ ''چند روز صبر کرو پھر تمہیں خود ہی پتہ چلے گا کہ آج تجربہ گاہ میں کیا ہورہا تھا۔''

سات آٹھ روز بعد اس حیرت کدے میں ایک بڑے سے پنجرے کا اضافہ ہوچکا تھا اس پنجرے میں ایک عجیب الخلقت عمر رسیدہ بن مانس تھا جس کا دھڑ بن مانس کا مگر سر ٹائیگر کا تھا وہ عجیب الخلقت جانور اس وقت پنجرے میں موجود کرسی پر بیٹھا کسی فلسفی انسان کی طرح گہری سوچ و بچار میں مصروف تھا پروفیسر شیرازی کو دیکھ کر اس نے پروفیسر کو فوجی انداز سے سلیوٹ کیا اور سر جھکا کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

''نئی زندگی مبارک ہو مائی ڈیئر فی الحال آرام کرو پھر ملیں گے'' پروفیسر شیرازی نے اسے مخاطب کیا تو وہ اس طرح اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا جیسے پروفیسر کی بات چیت سمجھ رہا ہو اس روز پروفیسر بہت خوش

تھا۔ شاہ میر میرا آب حیات کا فارمولا تکمیل کے آخری مراحل میں ہے ذرا سوچو اس دنیا میں ہر طرف میرا ڈنکا بج رہا ہوگا میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہی انسانی پیوند کاری کا جدید ترین اسپتال کھولوں گا جس میں اعضاء سے محروم انسانوں کی کامیاب پیوند کاری ہوگی میں ایسے اعضاء سے محروم افراد کی کامیاب پیوند کاری کروں گا جن کا معاشرے میں ایک مقام ہوگا جو معاشرے کے کارآمد شہری ہوں گے میں ایسے افراد سے منہ مانگا معاوضہ طلب کروں گا میرے اسپتال میں لائق ترین ماہر سرجن ہوں گے جو میرے معاون ہوں گے ایسے لوگ جو لاوارث ہیں جن کا کوئی نہیں بے مقصد زندگی گزار رہے ہیں زندگی ان کے لئے بوجھ ہے ہمارا ٹارگٹ ہوں گے ذرا سوچو ایک بزنس مین جس کا ورلڈ میں اربوں ڈالر کا بزنس ہے کسی حادثے میں اپنے کسی جسمانی اعضاء مثلاً ہاتھ پاؤں یا ایسے ہی کسی دوسرے اعضاء سے محروم ہوجاتا ہے ہم اس بزنس مین سے منہ مانگا معاوضہ لے کر اسے ایسے ہی کسی لاوارث شخص کے جسمانی اعضاء کی پیوندکاری سے اس کی معذوری دور کردیتے ہیں تو اس سے کسی کا نقصان تو نہیں۔'' وہ بولتا جارہا تھا۔

اس کے گھٹیا خیالات جان کر میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا گلا دبادوں اس کے کچھ روز بعد ایک صبح جب میں بیدار ہوا تو حیرت کدے سے میں پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی پنجروں میں موجود عجیب الخلقت جانور بے حس و حرکت پڑے تھے یوں لگتا تھا کہ وہ مرچکے ہوں پھر اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔

مگر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ عمر رسیدہ جانور اس وقت اپنی عمر سے کہیں کم لگ رہے تھے پروفیسر شیرازی نے استفسار پر بتایا کہ اس نے اپنا آب حیات کا فارمولا ان بیچاروں پر آزمایا تھا ان بیچاروں کا عالم شباب تو لوٹ آیا مگر وہ زندگی سے بھی محروم ہوگئے۔

پروفیسر شیرازی اور میں نے مل کر ان جانوروں کی لاشیں حیرت کدے سے دور ویرانے میں پھینکیں چند روز بعد پروفیسر شیرازی پرجوش انداز میں کہنے لگا۔ ''میں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والا ہوں بس ہمیں قفس کی راکھ عمر رسیدہ ہاتھی دانت کے حصول کے لئے افریقہ جانا ہوگا یہ دونوں چیزیں میری ایجاد کے لئے اشد ضروری ہیں تم نے دیکھا اس روز میرے تجربے سے وہ جانور عالم شباب میں لوٹتے ہی زندگی سے محروم ہوگئے ان دونوں چیزوں کے حصول کے بعد ایسا نہیں ہوگا افریقہ سے لوٹنے کے بعد میں دوبارہ ایسے جانور تخلیق کروں گا مگر اس بار تجربہ خود اپنی ذات پر کروں گا اور تم دیکھو گے کہ میں بھی تمہاری طرح بھرپور جوان بن جاؤں گا پھر مجھ پر بڑھاپا کبھی نہیں آئے گا ابدی زندگی جیوں گا موت میرے قریب بھی نہیں بھٹکے گی دنیا میں میرا ڈنکا بج رہا ہوگا بس ایک بار افریقہ پہنچ کر قفس کی راکھ اور ہاتھی دانت لے آؤں تم بھی میرے ساتھ ہوگے۔'' وہ مجھے افریقہ لے جانا چاہتا تھا۔

بانی کی موت کے بعد ویسے بھی زندگی میرے لئے بے معنی تھی اس لئے میں نے محض ایڈونچر کی غرض سے افریقہ جانے کی حامی بھرلی پروفیسر شیرازی کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی اس کے علاوہ وہ پہلے بھی افریقہ سمیت دنیا کے بہت سے ممالک کی سیاحت بھی کرچکا تھا اس بارے میں ایک روز اس نے مجھے بتایا بھی تھا حیرت کدے کو پروفیسر شیرازی نے واپس لوٹنے تک کے لئے سیل کردیا اگلے ہفتے ہم افریقہ کی سرزمین پر قدم رکھ چکے تھے۔

پروفیسر شیرازی نے ائیرپورٹ سے ہوٹل کا رخ کیا کمرے میں پہنچ کر میرے پوچھنے پر بتایا کہ افریقہ کے ایک وحشی قبیلے کا فرد جوزف اس کا شناسا ہے جوزف سے اس کے برسوں پرانے تعلقات تھے اور وہ افریقہ کے جنگلات سمیت وہاں کے چپے چپے سے واقف تھا۔ برسوں پہلے افریقہ میں قیام کے دوران پروفیسر شیرازی کی جوزف سے ملاقات ہوئی تھی اس وقت پروفیسر شیرازی محض سیر وتفریح کی غرض سے افریقہ آیا ہوا تھا جوزف نے بطور گائیڈ افریقہ کے اہم مقامات کی سیر کروائی تھی ان دنوں شیرازی ادھیڑ عمر اور جوزف نوجوان تھا اس نے جوزف کو اچھی خاصی رقم بطور معاوضہ دی تھی تب جوزف نے اسے پیشکش کی تھی کہ کبھی دوبارہ افریقہ آنا ہو تو اس سے رابطہ کرے وہ افریقہ روانگی سے پیشتر جوزف سے معاملات طے کرچکا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد میں نے ذہن میں مچلتا سوال بالآخر پوچھ ہی لیا ''شیرازی تم نے بتایا تھا کہ تم قفقس اور ہاتھی دانت کی تلاش میں افریقہ جارہے ہو کیا یہ چیزیں کسی اور ملک میں دستیاب نہیں تھیں''

''شاہ میر میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ یہ دونوں چیزیں میری ایجاد آبِ حیات کے لئے بہت ضروری ہیں تم نے میری تجربہ گاہ میں موجود جانوروں کو غور سے دیکھا ہوتا تو جان جاتے وہ سب اپنی عمر کا بہت سا حصہ گزار چکے ہیں یعنی بوڑھے ہو چکے ہیں دراصل یہ ایک محلول ہے جو میں نے برسوں کی انتھک محنت سے ایجاد کیا ہے مگر اس میں ایک بہت بڑی خامی ہے وہ یہ کہ اس محلول کو میں جس جانور کو پلاتا ہوں وہ اسے پیتے ہی مرجاتا ہے اس خامی کو دور کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں میں تمہیں ذرا تفصیل سے سمجھاتا ہوں قفقس ایک نایاب پرندہ ہے جو برسات کے موسم میں بھری برسات میں اپنی خوبصورت آواز میں گیت گاتا ہے اسی آواز کے باعث اس کے گھونسلے میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ اسی آگ میں جل کر راکھ ہوجاتا ہے مجھے اس پرندے کی راکھ کی ضرورت ہے اور راکھ بھی ایسی جو برسات میں اس کی آواز کے باعث لگے اور وہ جل کر راکھ ہوجائے یہ پرندہ افریقہ کے گھنے جنگلات میں پایا جاتا ہے اور عمر رسیدہ ہاتھی کا دانت درکار ہے ان دونوں چیزوں کے شامل ہونے سے محلول جو بھی بوڑھا جاندار پیئے گا وہ دوبارہ جوان ہوجائے گا'' اور نہ جانے وہ کیا کیا کہتا رہا میرے پلے ہی نہ پڑا میں صرف ہاں ہوں کرتا رہا۔

پروفیسر کی قابلیت کا تو میں قائل ہو ہی چکا تھا کہ اس کی مشین کی بدولت ماضی کا سفر کر چکا تھا شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو بھی جاتا جوزف دوسرے روز صبح دس گیارہ بجے کے قریب آیا وہ چار فٹ کا پست قامت اور سیاہ رو شخص تا پروفیسر شیرازی معاملے کو جلد از جلد نمٹانا چاہتا تھا تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر ابدی زندگی حاصل کر سکے جو اس کا برسوں پرانا سپنا تھا۔

ہمیں جنگل پہنچنے تک رات ہو چکی تھی رات کا سفر خطرات سے خالی نہ تھا جوزف نے قریبی بستی کے ایک مقامی شخص سے بات چیت کی اور معقول رقم کے عوض اس کے پاس رات بسر کرنے کی اجازت حاصل کی دوسرے روز ہم صبح سویرے اپنے سفر پر روانہ ہوگئے بقول جوزف کے جنگلات میں خطرات بہت ہوتے ہیں اس لئے پروفیسر شیرازی نے جوزف کے ذریعے اسلحہ بھی حاصل کیا تھا جوزف کے پاس خنجر اور رائفل جبکہ میرے اور پروفیسر کے پاس پسٹل تھے جوزف جنگل کے چپے چپے سے واقف اور مقامی فرد تھا ہم اس کی رہنمائی میں جنگل میں آگے بڑھ رہے تھے۔

پروفیسر شیرازی کا مطلوبہ مقام بقول جوزف کے گھنے جنگلات میں بہت دور تھا گھنے جنگل میں راستہ ناہموار اور دشوار گزار تھا جوزف کے کہنے پر جیپ ایک مخصوص مقام پر کھڑی کر کے درخت کی ٹہنیوں سے ڈھانپ کر ہم اپنے اپنے بیگ اٹھائے پیدل ہی آگے بڑھے۔

ابھی ہم نے کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک سرسراہٹ کی آواز ابھری جوزف نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا اور متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ''کیا ہوا؟'' پروفیسر شیرازی نے پوچھا تو جوزف نے انگلی سے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا درخت کی نچلی شاخ سے چار فٹ لمبا اور جسیم سانپ پھنکار رہا تھا پروفیسر شیرازی نے پسٹل کا رخ سانپ کی طرف کیا ہی تھا کہ جوزف نے اسے تنبیہ کیا ''نہیں پروفیسر سانپ پر گولی مت چلانا یہ انتہائی زہریلا سانپ ہے اگر تمہارا نشانہ خطا ہوا تو تمہارا بچنا مشکل ہے اور پھر یہاں سے کچھ ہی فاصلے سے ان کی حدود شروع ہوتی ہے تمہیں جا بجا سانپ دکھائی دیں گے ان میں اڑنے والے سانپ بھی ہیں یہاں کسی بھی سانپ کو مار کر ہم زندہ جنگل سے لوٹ نہیں سکیں گے'' جوزف کی بات سچ نکلی۔

جنگل کا یہ حصہ سانپوں سے اٹا ہوا تھا کم و بیش ہر درخت کی ہر شاخ پر سانپ رینگ رہے تھے زمین پر بھی جا بجا سانپ ہی سانپ تھے جوزف کے کہنے پر ہم محتاط انداز میں چل رہے تھے کہ مبادا کوئی سانپ پاؤں کے نیچے نہ آجائے سانپوں کے اس بھیانک مسکن سے نکلتے ہی ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا گھنے جنگل میں سرِشام ہی اندھیرا پھیلنے لگا تھا کچھ دیر بعد جوزف نے ایک اونچے اور گھنے درخت پر

مچان بنایا۔

رات ہم نے اس مچان پر بسر کی جنگلی درندوں کی ہیبت ناک آوازوں نے مجھے اور پروفیسر شیرازی کو کسی حد تک خوفزدہ کئے ہوئے تھا اس لئے ہم دونوں رات بھر جاگتے رہے جب کہ جوزف شاید اس ماحول کا عادی تھا اس لئے رات بھر گھوڑے گدھے بیچے سوتا رہا صبح سویرے درخت سے اترے اور آگے بڑھے ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ٹھٹھک کر رک گئے۔

ہمارے اس طرح رکنے کا باعث وہ خونچکاں لاش تھی جو ایک درخت کے نیچے پڑی تھی لاش کی حالت دیکھ کر ڈر اور خوف سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہوگئے یہ کسی شکاری کی لاش تھی جس کے جسم کے مختلف حصوں سے گوشت غائب تھا کچھ فاصلے پر ایک رائفل پڑی تھی جسے پروفیسر شیرازی نے اٹھالیا اسے کسی آدم خور شیر نے شکار کیا ہے جوزف نے بتایا کیا اس جنگل میں آدم خور شیر بھی ہوتے ہیں پروفیسر شیرازی نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا

''نہ صرف آدم خور شیر بلکہ آدم خور انسان بھی ہوتے ہیں جنگل کے اس حصے میں وحشی قبائل آباد ہیں جن میں سے بعض انسانی گوشت کے رسیا بھی ہوتے ہیں'' جوزف نے پروفیسر شیرازی کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان سے بتایا۔

''مگر تم گھبراؤ مت آدم خور کسی بوڑھے کا گوشت نہیں کھاتے اور پھر تمہارے جسم پر گوشت ہے کہاں ہڈیاں ہی ہڈیاں ہیں وہ بھی بوسیدہ۔'' جوزف اور پروفیسر شیرازی کا ارادہ آگے بڑھنے کا تھا مگر میں اس بدنصیب شخص کی لاش کو دفنائے بغیر آگے بڑھنے کو تیار نہ تھا مجبوراً انہیں رک کر میرا ساتھ دینا پڑا خنجروں کی مدد سے گڑھا کھود کر اسے دفنادیا اور اس بدنصیب شخص پر افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھے۔

چلتے چلتے پروفیسر شیرازی نے پوچھا ''ہمارا مطلوبہ مقام کتنی دور ہے؟''

تو جوزف نے جواب دیا ''زیادہ دور نہیں قریب ہی ہے''

چلتے چلتے اچانک موسم کے تیور بدل گئے اور بارش ہونے لگی پروفیسر شیرازی نے اس مقصد کے تحت برساتیوں کا بندوبست بھی کیا تھا اس لئے ہم رکے بنا چلتے رہے۔

اچانک قریب ہی کہیں سے کسی پرندے کی خوبصورت آواز سنائی دی ایسی خوبصورت آواز تھی کہ ہم اپنے آپ میں کھو سے گئے مگر جوزف آواز سنتے ہی چوکنا ہوگیا اور ہمیں اشارے سے ایک جگہ رک کر خاموش ہونے کو کہا اور ایک گھنے درخت کے نیچے جا پہنچا آواز وہیں سے آرہی تھی یہ خوبصورت آواز کافی دیر تک آتی رہی پھر بارش رک گئی تو جوزف بندر کی سی پھرتی سے درخت پر چڑھا جب کچھ دیر بعد لوٹا تو اس کے ہاتھ میں پولی تھین کی تھیلی تھی جس میں راکھ پڑی تھی پروفیسر شیرازی نے راکھ والی تھیلی اپنے بیگ میں محفوظ کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ ''قفس کی راکھ ہے وہ خوبصورت آواز اسی پرندے کی تھی جو اپنی آواز کی خوبصورتی کی بھینٹ چڑھ گیا''

پروفیسر شیرازی یہ سب دیکھتے ہوئے بھی ابدی زندگی کا خواہشمند تھا کہ ہر شے نے فنا ہونا ہے سورج غروب ہونے کو تھا مگر ہمارا ارادہ رکنے کا نہیں تھا اور پھر دور کہیں سے ہاتھی کی چنگھاڑ سنائی دی خوش قسمتی سے یہ ہاتھی اپنے غول سے بچھڑا ہوا اکیلا ہاتھی تھا جو آگے بڑھتے ہی دکھائی دیا جوزف نے تصدیق کی کہ ''یہی پروفیسر شیرازی کا مطلوبہ ہاتھی ہے'' کامیابی کو قریب دیکھتے ہی پروفیسر شیرازی جیسے خوشی سے پاگل ہوگیا اس نے آؤ دیکھا نا تاؤ ہاتھی کا نشانہ لے کر تابڑ توڑ گولیاں چلائیں۔ خوش قسمتی سے پروفیسر شیرازی کے ہاتھوں میں موجود رائفل ہاتھی کے شکار کے لئے مناسب تھی اور پھر گولیاں بھی ٹارگٹ پر لگی تھیں عمر رسیدہ ہاتھی زیادہ مزاحمت نہ کرسکا اور چنگھاڑتا ہوا گر گیا۔

جوزف نے پروفیسر شیرازی کے اشارے پر ہاتھی دانت حاصل کر کے پروفیسر شیرازی کے حوالے کیا جسے پروفیسر شیرازی اپنے بیگ میں منتقل کرنے لگا۔

اس وقت اچانک سنسناہٹ کی آوازیں ابھریں اور پے در پے کئی تیر اردگرد کے درختوں کے تنوں میں پیوست ہوگئے۔ ''مارے گئے'' جوزف نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا ''کیا مطلب؟'' پروفیسر شیرازی نے پوچھا۔ ''یہ تیر زہر لگے ہوئے مخصوص تیر ہیں'' جوزف نے ایک درخت کے تنے میں پیوست تیر نکال لیا ''اس کا

مطلب ہے ہمیں جنگل میں رہنے والے کسی قبیلے نے گھیرے میں لے لیا ہے پروفیسر شیرازی نے رائفل کے ٹریگر پر ہاتھ رکھتے ہوئے لاپرواہی سے کہا ''ہمارے پاس ہتھیار ہیں ہمیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں''

''یہ تمہاری بھول ہے پروفیسر یہ جنگلی ایک دو نہیں درجنوں ہوں گے اور پھر ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا یہ گھات لگا کر بیٹھے ہیں اور ہم ان کے نشانے پر ہیں جب کہ ہم انہیں دیکھ نہیں پا رہے یہ تیر اتنے زہریلے ہیں کہ لگتے ہی انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔'' اس کی بات سنتے ہی ہمارے اوسان خطا ہو گئے اس وقت چند تیر ہمارے قدموں کے قریب زمین پر پیوست ہوئے اور بھونپو کی آواز سنائی دی۔ ''یہ ان کے وارننگ دینے کا انداز ہے اگر ہم نے ہتھیار نہیں پھینکے تو اگلے تیر ہمارے جسموں میں پیوست ہوں گے۔'' جوزف نے بتایا اور اپنی رائفل پھینک دی اس کے اشارے پر ہم نے بھی اپنے ہتھیار ایک طرف پھینکے اور ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔

اسی وقت اردگرد سے درجنوں کی تعداد میں کالے سیاہ ننگ دھڑنگ درجنوں افراد نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ یہ سب جوزف کی طرح پست قامت تھے ان میں سے بہت سوں نے پتوں اور درخت کی چھال سے جسم کے پوشیدہ حصے چھپا رکھے تھے تو کچھ نے جانوروں کی کھال سے جسم کا زیریں حصہ چھپا رکھا تھا وہ سب نیزوں اور بھالوں سے مسلح تھے بہت سوں کے شانے پر تیر کمان موجود تھے ان میں سے ایک قد میں تھوڑا سا لمبا تھا اس کی سر پر تیر پرندوں کے پروں سے بنا تاج تھا اس نے آگے بڑھ کر نامانوس زبان میں نہ جانے کیا الاشلا کہا جو ہمارے سروں سے گزر گیا۔

جوزف نے ان ہی کی زبان میں جواباً کچھ کہا تو پروں کے تاج والے نے بولنے کے ساتھ ساتھ انکار میں سر ہلایا تو جوزف کا چہرہ مرجھا سا گیا ''یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' پروفیسر شیرازی نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔ ''ان کا تعلق گومبو قبیلے سے ہے یہ تاج والا ان کا سردار ہے اس کے کہنے کے مطابق ہم نے ہاتھی کا شکار کر کے بہت بڑا گناہ کیا ہے اگر ہمیں اس گناہ کی سزا نہ دی گئی تو ان کے قبیلے پر عتاب نازل ہوگا''

''اب کیا ہوگا؟'' اس کی بات سنتے ہی پروفیسر شیرازی نے سہم کر پوچھا۔

''سردار کے کہنے کے مطابق تم دونوں کو دیوتاؤں کے نام پر قربان کر کے تمہارے گوشت کو تبرک کے طور پر قبیلے کے افراد میں بانٹا جائے گا اور میرا فیصلہ قبیلے میں پہنچ کر کیا جائے گا میں مقامی فرد ہوں اس لئے وہ تذبذب کا شکار ہیں بہرحال ہاتھی کے شکار کی کوئی نہ کوئی سزا مجھے بھی دی جائے گی''

میں نے بے یقینی سے ان ننگ دھڑنگ جنگلیوں کو دیکھتے ہوئے کہا ان کے دلوں میں انسانی ہمدردی کے جذبات نہیں یہ جنگلی ہیں انہیں ہمدردی کے جذبات کا کیا پتہ پھر ہم نے ہاتھی ہلاک کر کے ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے تم خود سوچو دنیا کا کوئی بھی شخص اپنے مذہب کے خلاف کوئی بھی غلط بات برداشت نہیں کر سکتا جوزف نے واقعی درست دلیل دی تھی۔

اسی وقت سردار نے جوزف کو مخاطب کر کے کچھ کہا اور جوزف کے جواب دینے پر سردار جنگلیوں کی طرف مڑ کر غصے سے کچھ کہنے لگا دو جنگلی آگے بڑھے اور پروفیسر کے احتجاج کے باوجود اس کے ہاتھ میں موجود وہ بیگ چھین لیا جس میں قنفس کی راکھ اور ہاتھی دانت موجود تھا ہم سے بھی بیگ لے لئے دو جنگلیوں نے ہمارے ہتھیار بھی اٹھا لئے وہ وحشی جنگلی ہمیں گھیرے میں لئے آگے بڑھتے ہوئے اپنی بستی میں داخل ہوئے یہاں مکانات لکڑی کے بنے ہوئے تھے جن کے باہر ننگ دھڑنگ عورتیں اور بچے موجود تھے عورتوں نے بھی ستر پوشی کے لئے جسم پر پتے باندھ رکھے تھے جو کہ ان کے جسمانی نشیب فراز کو چھپانے کے لئے ناکافی تھے۔

ہمیں لکڑی سے بنے ایک کمرے میں دھکیل کر دروازہ مقفل کرنے سے پہلے ایک جنگلی نے بلند آواز میں کچھ کہا۔ ''یہ کیا کہہ رہا تھا۔'' پروفیسر شیرازی نے پوچھا ''اس کا کہنا ہے کہ تم دونوں کو صبح کا سورج طلوع ہوتے ہی قربان کر دیا جائے گا جب کہ مجھے سردار کے سامنے پیش کیا

جائے گا۔ وہ میری زندگی اور موت کا فیصلہ کرے گا"

ہانی کی موت کے بعد زندگی میرے لیے بے معنی ہوچکی تھی مگر اس طرح بے رحمی سے مرنا بھی تو مجھے گوارہ نہ تھا کہ وہ جنگلی جانوروں کی طرح مجھے ذبح کرکے میرے گوشت سے ضیافت اڑائیں۔

وقت بند مٹھی سے ریت کی مانند سرک رہا تھا ہم رات بھر جاگتے رہے اور اپنے انجام کے بارے میں سوچتے ہوئے ڈر اور خوف سے لرزتے رہے۔

رات کی تاریکی ختم ہوتے ہی دروازے کی طرف بڑھتے قدموں کی چاپ سن کر ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ دروازہ کھلا اور دو جنگلی ہاتھوں میں نیزے تھامے داخل ہوئے ان میں سے ایک سے جوزف نے مقامی زبان میں کچھ پوچھا جس کا اس نے غصے سے جواب دیا "یہ کیا کہہ رہا ہے؟" پروفیسر شیرازی نے پوچھا۔ "اس کا کہنا ہے کہ ہمیں سزا دینے سے پہلے ان کی دیوی کے سامنے پیش کیا جائے گا وہی ہماری قسمت کا فیصلہ کرے گی"

"پہلے دیوتا اب دیوی یہ کیا چکر ہے؟" میں نے حیرت سے استفسار کیا جوزف نے کندھے اچکائے "یہ تو وہاں جاکر ہی پتہ چلے گا"

ہمیں ایک وسیع عریض میدان میں لے جایا گیا جہاں عورتوں اور مردوں کی بڑی تعداد موجود تھی ان کے بیچوں بیچ ایک سائبان کے نیچے سردار کے ساتھ ایک بوڑھا اور ایک دوشیزہ موجود تھے حیرت کی بات یہ تھی کہ بوڑھے اور اس لڑکی نے کپڑے پہن رکھے تھے وہ دونوں پست قامت بھی نہ تھے اور پھر ان کی رنگت بھی ان کی طرح سیاہ نہ تھی بوڑھا سانولے رنگ کا تھا سب سے حیرت انگیز بات اس کے گلے میں موجود وہ کوبرا سانپ تھا جو ہار کی طرح اس کے گلے میں موجود تھا اور جنگلیوں کی طرف دیکھ کر پھن اٹھا کر پھنکار رہا تھا۔

لڑکی کی پشت ہماری طرف تھی اس لئے اسے نہ دیکھ سکے ہم جیسے ہی مجمع میں سے ہوتے ہوئے سائبان میں ان کے سامنے پہنچے لڑکی ہماری طرف مڑی۔

"میں ششدر رہ گیا مجھے زمین و آسمان نگاہوں کے سامنے چکراتے ہوئے محسوس ہوئے کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے۔" میں نے عالم تصور میں بھی نہ سوچا تھا اس لڑکی کو دیکھتے ہی میں محارتاً نہیں حقیقت میں سانس تک لینا بھول چکا تھا اور مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا وہ لڑکی کوئی اور نہیں۔ "ام ہانی تھی۔"

ہانی میری محبت میری بیوی ان وحشی جنگلیوں کے بیچوں بیچ ایستادہ تھی اور میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جنگلیوں کے سردار نے میری طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کچھ کہا تو جوزف نے گھبرا کر مجھے دیکھا "شاہ میر یہ کیا کررہے ہو تمہیں تاڑنے کے لئے یہی لڑکی ملی تھی یہ ان کی دیوی ہے سردار کہہ رہا ہے اپنی گستاخ نگاہیں جھکا دو ورنہ اسی وقت زندگی سے محروم ہوجاؤ گے"

مجھ پر سردار کے غصے یا جوزف کی تنبیہ کا مطلق اثر نہ ہوا میں ہانی کو دیوانوں کی طرح پلکیں جھپکائے بنا دیکھتا ہی رہا سردار میری طرف بھالا تانے غصے سے بڑھا ہی تھا کہ ہانی کی آواز گونجی وہی آواز وہی لب ولہجہ مگر وہ سردار سے ان جنگلیوں ہی کی زبان میں مخاطب تھی اور غصے سے نجانے کیا کہہ رہی تھی۔

سردار ہانی کے سامنے سجدے میں گر گیا کچھ دیر بعد اٹھا اور اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور اب ہانی جوزف سے مخاطب تھی غالباً وہ اس سے کچھ پوچھ رہی تھی جس کا جوزف ادب واحترام سے جواب دے رہا تھا ان کے بیچ بات چیت ختم ہوئی تو جوزف میری طرف متوجہ ہوا۔

"شاہ میر یہ ان کی دیوی کولائی ہے اس کا پہلا سوال تو یہ تھا کہ ہم نے ہاتھی کو کیوں ہلاک کیا اور دوسرا سوال یہ کہ تم اسے کیوں اس طرح گھور رہے ہو؟ پہلے سوال کا تو میں نے صاف صاف سچ جواب دیا ہے کہ ہم پروفیسر شیرازی کی وجہ سے یہاں آئے ہیں اور ہاتھی کو پروفیسر شیرازی نے ہلاک کیا ہے کیوں؟ اس کی وجہ بھی بتادی ہے اب تم بتاؤ اسے کیوں گھور رہے تھے۔"

میں پھٹ پڑا "جوزف یہ ام ہانی ہے میری محبت میری بیوی وہی شکل وصورت وہی آواز وہی لب ولہجہ اور وہی قد وقامت" میں اس زور سے چلایا تھا کہ میری آواز

دور تک گونجی جوزف اور پروفیسر شیرازی نے کچھ اس طرح مجھے دیکھا جیسے مجھے پاگل سمجھ رہے ہوں۔

پروفیسر شیرازی غصے میں آ گیا ''شاہ میر تمہارا دماغ تو درست ہے مجھے تم نے اپنی سرگزشت میں بتایا تھا کہ تمہاری بیوی ام ہانی سانپ کے ڈسنے سے مر چکی تھی جسے تمہاری نگاہوں کے سامنے قبر میں اتارا گیا تھا۔ اور اسے مرے ہوئے بھی کم از کم تین برس گزر رہی چکے ہوں گے اور پھر کولائی کا تعلق اس قبیلے سے ہے اور یہ ان ہی کی زبان میں بات چیت کر رہی ہے۔''

اس کی بات پر میں بھی سوچنے پر مجبور ہو گیا وہ بھی تو سچ کہہ رہا تھا ہانی مر چکی تھی جسے میری نگاہوں کے سامنے لحد میں اتارا گیا تھا اس دوران کولائی اپنی زبان میں ان جنگلیوں سے مخاطب تھی سردار نے اقرار میں سر ہلایا تو وہ سانپ والے بوڑھے کے ساتھ مجمع سے نکلی اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

سردار جوزف کے قریب آیا اور مقامی زبان میں کچھ کہا اور قریب کھڑے جنگلیوں کو کوئی حکم دیا، میں اور پروفیسر شیرازی اس بات چیت کے دوران خاموش رہے کچھ دیر بعد ہمیں دوبارہ اس کمرے میں لے جایا گیا مگر اس بار دروازہ باہر سے مقفل نہیں کیا گیا تھا جوزف نے انگڑائی لیتے ہوئے ایک طرف بیٹھ کر پاؤں پسارے ''ہمیں رہا کر دیا گیا ہے دراصل کولائی کو جیسے ہی پتہ چلا کہ تین اجنبی افراد کو اس کے قبیلے نے پکڑا ہے اور ہاتھی کو ہلاک کرنے کے جرم میں موت کی سزا سنائی ہے تو اس نے صبح ہی صبح ہمیں طلب کیا ہمارا موقف جان کر اس نے ان جنگلیوں سے کہا ہے کہ ہم اس بات سے آگاہ نہ تھے کہ ہاتھی اس قبیلے کے لئے محترم ہے اور نہ ہی ہم جانتے تھے کہ یہ ان کے قبیلے کی حدود ہے لہذا ہمیں معاف کر کے جانے دیا جا رہا ہے مگر ہم دوبارہ یہاں کا رخ کریں گے تو ہمیں ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا ظاہر ہے یہ فیصلہ ان جنگلیوں کو پسند نہیں آیا مگر وہ اپنی دیوی کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتے اب کچھ دیر بعد ہمیں رہا کر دیا جائے گا۔''

اور واقعی کچھ دیر بعد دو جنگلی آئے ان کے ہاتھوں میں ہمارے بیگ بھی تھے انہوں نے بیگ ہمارے حوالے کئے اور جوزف سے کچھ کہا ''چلو دوستو کوچ کا وقت آ گیا دیوی کے حکم پر ہاتھی دانت سمیت ہماری ہر شے اس سامان میں موجود ہے صرف اسلحہ رکھ لیا گیا ہے'' جوزف اٹھتے ہوئے بولا۔

دونوں جنگلی ہمیں اپنے قبیلے سے کچھ دور چھوڑ کر واپس لوٹ گئے ہم تینوں واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا ڈھول کی آواز کے ساتھ ساتھ عجیب قسم کی آوازیں سنائی دیں جوزف ٹھٹھک کر رک گیا میں نے پوچھا ''یہ آوازیں کیسی ہیں''

''ہوگا جنگلیوں کا ہی کوئی قبیلہ ہم اس وقت جنگل کے جس مقام پر ہیں وہاں ان جنگلیوں کے بہت سے قبیلے آباد ہیں'' جوزف نے جواب دیا تو میرا دل بے اختیار اپنا سر پیٹنے کو چاہا ہم پر وہی مثال صادق آ رہی تھی کہ ''آسمان سے گرے اور کھجور میں اٹکے۔''

بڑی مشکل سے جنگلیوں کے ایک قبیلے سے جان بچائی تھی اب پھر ان جنگلیوں سے سامنا ہونے والا تھا آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں پھر اچانک ہی درجنوں ننگ دھڑنگ جنگلیوں نے ہمیں گھیر لیا ان کے ہاتھوں میں بھی نیزے اور بھالے تھے ایک موٹی توند والا جنگلی گلے میں ڈھول لٹکائے مسلسل بجا رہا تھا یکا یک اس نے ڈھول بجانا بند کیا اور ایک مکروہ صورت جنگلی آگے بڑھا اس بار بھی اس سے بات چیت کے فرائض جوزف نے انجام دیئے اور ہمیں بتایا کہ وہ ہمیں اپنے سردار کے حکم پر اپنے قبیلے میں لے جانا چاہتے ہیں اس بار بھی ہمیں نیزوں اور بھالوں کی زد میں ان جنگلیوں کی بستی میں لے جایا گیا اس بار ہمیں قید کرنے کے بجائے ایک قوی ہیکل سیاہ شخص کے سامنے پیش کیا گیا اس کے اور جوزف کے بیچ کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی گفتگو کے اختتام پر جوزف نے بتایا کہ ''یہ قبیلہ دیوی کے قبیلے کا مخالف قبیلہ ہے اور یہ شخص اس الیفور قبیلے کا سردار ہے''

سردار زومبا تک جیسے ہی یہ خبر پہنچی کہ دیوی کے قبیلے نے تین اجنبی افراد کو قید کرنے کے بعد کولائی کے حکم پر رہا کر دیا ہے تو اس نے اپنے قبیلے کو ہمیں پکڑ کر یہاں لانے

کا حکم دیا پروفیسر شیرازی نے پوچھا ''زومبا اب ہم سے کیا چاہتا ہے؟'' اسے اپنا مشن مکمل ہونے کے بعد دوسری بار رکاوٹ پڑھنے پر غصہ آرہا تھا وہ قفس کی راکھ اور ہاتھی دانت حاصل کرچکا اور چاہتا تھا کہ جلد از جلد اپنے ملک اپنی تجربہ گاہ تک پہنچ جائے تاکہ اس کا دیرینہ سپنا حقیقت بن جائے یہ ہم میں سے دو افراد کو بطور یرغمال یہاں قید رکھے گا جب کہ تیسرے کو گومبو قبیلے میں جاکر ان کی دیوی کولائی کو اغواء کرکے یہاں لانا ہوگا۔

انکار کی صورت میں ہم تینوں کو اسی وقت جان سے مار دیا جائے گا جب کہ کامیابی کی صورت میں ہمیں فوراً رہا کردیا جائے گا اس کی بات سنتے ہی ہمارے دماغ اڑ گئے میں تلملا کر بولا ''اس کا دماغ تو درست ہے بھلا ہماری اس دیوی سے کیا دشمنی ہے جو اسے اغواء کرکے زومبا کے حوالے کریں اور پھر اسے اغواء کرنا کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں اس کے اردگرد پہرے دار ہوں گے''

میرے ایما پر جوزف نے یہی بات زومبا سے کہی جواب میں زومبا نے غصے سے کچھ کہا اس کا ترجمہ جوزف نے ہمیں بتایا ''زومبا کا کہنا ہے کہ ہم کولائی کا اغواء اپنی جان بچانے کے لئے کریں گے اسے اغواء نہیں کیا تو زومبا ہم تینوں کو قتل کردے گا'' مجھے خود بھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ زومبا ہانی کی ہمشکل کولائی کو کیوں اغواء کرنا چاہتا ہے مگر جوزف اور پروفیسر شیرازی کے اصرار پر میں نے حامی بھرلی، ہمارے حامی بھرنے پر زومبا نے بتایا کہ ''کولائی اپنی الگ تھلگ جھونپڑی میں تنہا رہتی ہے'' اس کے حکم کے مطابق اس کی حفاظت کے لئے کوئی بھی پہرے دار نہیں مجھے زومبا کے دو بندوں کے ساتھ گومبو قبیلے تک جانا تھا اور رات کے پہر جب کولائی سو رہی ہوگی مجھے کولائی کے چہرے پر ایک سفوف چھڑکنا تھا جس کی تاثیر سے وہ بے ہوش ہوجاتی پھر میں اسے اٹھا کر زومبا کے کارندوں کے ساتھ واپس آجاتا اور کولائی کو زومبا کے حوالے کرنے کے بعد ہم تینوں آزاد ہوجاتے۔

رات ہوتے ہی دو مقامی افراد کے ہمراہ میں وہاں سے نکلا بے ہوش کرنے والے سفوف کی تھیلی میری جیب میں تھی جس کا منہ سختی سے بندھا تھا ایک تیز دھار خنجر بھی میری پنڈلی سے بندھا ہوا تھا کہ اگر بے ہوش کرنے سے پہلے وہ جاگ جاتی تو اسے خنجر کی نوک پر اغواء کرکے لاتا۔

گومبو قبیلے کی بستی کے قریب پہنچ کر انہوں نے دور سے مجھے اس کا جھونپڑا دکھایا اور کچھ فاصلے پر موجود ٹیلے کی آر میں دبک گئے میں دبے قدموں چلتا ہوا کولائی کے جھونپڑے میں داخل ہوا وہ اپسرا گھاس پھونس کے بستر پر بے خبر سو رہی تھی اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرے دل و دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں وہ ہو بہو ہانی کی طرح تھی میں محض اپنی جان بچانے کے لئے اسے کیسے اغواء کرسکتا تھا نہ جانے زومبا جیسا شیطان اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

میں لرزتے قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا وہ گہری نیند سو رہی تھی اسے اس وقت کوئی بھی نقصان پہنچانا میرے لئے مشکل نہ تھا صرف تھیلی لباس سے نکال کر سفوف اس کے چہرے پر چھڑکنا تھا وہ بے ہوش ہوجاتی پھر اسے کندھے پر لاد کر میں اسے باآسانی لے جاتا مگر میں ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مجھے اپنی ہانی یاد آگئی اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اسی وقت وہ کسمسائی آنکھیں نیم وا ہوئیں مجھ پر نظر پڑتے ہی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی میری آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اس نے تحیر زدہ لہجے میں ان جنگلیوں کی زبان میں کچھ کہا جسے میں سمجھ تو نہ سکا مگر رندھے ہوئے لہجے میں اردو میں اس سے مخاطب ہوا ''میں نہیں جانتا تم کون ہو؟ اور زومبا کی تم سے کیا دشمنی ہے اس نے میرے دونوں ساتھی قید کرکے مجھے تمہیں اغواء کرکے وہاں لے جانے کا حکم دیا ہے اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ مجھے میرے ساتھیوں سمیت قتل کروادے گا۔ اس کے دو کارندے اس وقت بھی تمہاری جھونپڑی سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے کی آڑ میں میرا انتظار کررہے ہیں کہ میں تمہیں کب اغواء کرکے وہاں لے جاؤں گا'' میں نے کولائی کو پنڈلی سے بندھا خنجر اور سفوف

والی تھیلی بھی دکھائی اور کہنے لگا ''اللہ کی قسم تمہیں اغواء کرنا تو درکنار میں تمہیں معمولی سی خراش بھی لگتے نہیں دیکھ سکتا کیوں کہ تم ہو بہو میری ہانی کی طرح ہو، ہانی جو میری زندگی ہے وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر اس دنیا سے چلی گئی تو کیا ہوا وہ میرے دل میں تو زندہ ہے اور رہے گی میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس نے مجھ سے جھوٹا وعدہ کیا تھا کہ اگر مر بھی گئی تو میری خاطر صرف میری خاطر لوٹ کر دنیا میں آئے گی'' میں روتا رہا اور بولتا رہا۔

میں جانتا تھا کہ ان جنگلیوں کے بیچ رہنے والی وہ لڑکی میری زبان نہیں سمجھتی مگر میں بول کر اپنے دل کا غبار ہلکا کر رہا تھا جبکہ وہ حیرت زدہ سی میرا منہ تک رہی تھی میرا تو خیال تھا کہ وہ چلا کر اپنے قبیلے والوں کو پکارے گی اور مجھے اس جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے اشارے سے مجھے جھونپڑے سے جانے کو کہا ''معاف کرنا کولائی میں تمہارے آرام میں مخل ہوا مگر میں تمہیں کسی بھی طرح کا نقصان بھی تو نہیں پہنچا سکتا'' یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے اور اپنے آنسو صاف کرتا ہوا اس کے جھونپڑے سے نکل گیا اور اس مخصوص مقام تک جا پہنچا جہاں زومبا کے دونوں ساتھی چھپے بیٹھے تھے۔

مجھے اکیلا دیکھ کر انہوں نے اشارے سے کولائی کی بابت پوچھا میں نے جواب دیئے بغیر انہیں اشارے سے واپس چلنے کو کہا وہ مجھے لے کر اپنی بستی میں داخل ہوئے اور زومبا کے جھونپڑے میں پہنچے تو جوزف اور پروفیسر شیرازی وہیں موجود تھے جوزف نے پوچھا ''ناکام لوٹے ہو؟'' میں نے نگاہیں چراتے ہوئے جواب دیا ''وہ ہو بہو میری ہانی جیسی ہے اور اگر نہ بھی ہوتی تو اپنی جان بچانے کے لئے اسے ہرگز اغواء نہ کرتا نہ جانے یہ شیطان اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ایک لڑکی کے لئے اس کی عزت ہی سب کچھ ہوتی ہے''

جوزف نے تو کچھ نہ بولا جبکہ پروفیسر شیرازی مجھ پر گرجنے برسنے لگا ''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے یہ جنگلی ہمیں ابھی اسی وقت قتل کر دیں گے بھاڑ میں جائے وہ لڑکی، زومبا چاہے اس کے ساتھ کوئی بھی سلوک کرتا ہماری جان تو بچ جاتی''

پروفیسر کی خود غرضانہ گفتگو پر جوزف نے بھی اسے ناگوار نگاہوں سے دیکھا شاید زومبا بھانپ چکا تھا کہ میں ناکام لوٹا ہوں اس نے قریب کھڑے دونوں جنگلیوں کو چلا کر غصے سے کچھ کہا وہ نیزا تانے ہماری طرف لپکے۔

اسی وقت باہر سے چیخ وپکار اور شور شرابے کی آوازیں سنائی دیں زومبا باہر کی طرف لپکا ایک نیزا بردار کو اس کا وار روکتے ہوئے جوزف نے اس زور سے اٹھا کر زمین پر پٹخا کہ وہ دوبارہ اٹھ نہ سکا جبکہ دوسرا اس اثناء میں پروفیسر شیرازی پر حملہ کر چکا تھا نیزہ پروفیسر شیرازی کے سینے میں پیوست ہوا اور وہ کربناک انداز میں چیختا ہوا زمین پر گر کر تڑپنے لگا میں اس نیزہ بردار پر پل پڑا اس اثناء میں جوزف بھی میری مدد کو آچکا تھا اس جنگلی کو آناً فیناً قابو کر کے ہم دم توڑتے پروفیسر شیرازی کی طرف بڑھے۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ پروفیسر موت سے کوئی نہیں لڑ سکتا جب انسان کا وقت مقرر آتا ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت موت سے نہیں بچا سکتی'' میں نے پروفیسر کے قریب پہنچ کر آہستگی سے کہا وہ شاید جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسے فرشتہ اجل نے بولنے کی بھی مہلت نہ دی اس کے بے حس وحرکت ہوتے ہی ہم دونوں جھونپڑے سے باہر نکلے یہاں گھمسان کی جنگ جاری تھی درجنوں افراد نیزوں بھالوں خنجروں اور کلہاڑیوں سے ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے ان میں سے بہت سے گھوڑوں پر سوار تھے۔

یہ گومبو قبیلے کے افراد تھے جو سردار زومبا کے قبیلے پر حملہ آور ہو چکے تھے ایک گھوڑے پر ہانی کی ہمشکل کولائی اور دوسرے گھوڑے پر سانپ والا بوڑھا بھی دکھائی دیا اس کے گلے میں اس وقت بھی سانپ موجود تھا پھر میں نے سردار زومبا کے قبیلے کے ایک جنگلی کو نیزہ تانے کولائی کی طرف بڑھتے دیکھا مگر وہ اسے نہ دیکھ پائی میں دیوانہ وار چیختا ہوا اس نیزہ بردار جنگلی کے سامنے آ گیا اس وقت اس نے حملہ کر دیا اور میرے شانے میں انگارے سے بھر گئے لہولہان ہو کر گرنے سے پہلے میں نے دیکھا اس جنگلی کو گومبو قبیلے کے سردار نے نیزے کے بھرپور وار سے موت

کے گھاٹ اتار دیا تھا پھر میں ہوش و خرد سے محروم ہو گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو خود کو ایک جھونپڑے میں گھاس پھوس کے بستر پر پڑے پایا میرے قریب ہی جوزف بیٹھا ہوا تھا میرے زخمی شانے پر کپڑے کی پٹی سی بندھی ہوئی تھی حیرت انگیز طور پر مجھے کسی بھی قسم کا درد محسوس نہیں ہو رہا تھا ''ہم کہاں ہیں؟'' میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا ''گومبو قبیلے کی بستی میں سردار زومبا اپنے قبیلے کے بہت سے افراد سمیت مارا گیا جو بچے وہ قیدی بنا لیے گئے تمہاری وجہ سے کولائی کی جان بچی تھی اس لئے ہم اس بستی میں مہمان کی حیثیت سے موجود ہیں سانپ والے بوڑھے نے ہیرے کی چمک والا کوئی پتھر تمہارے زخم پر ملنے کے بعد پٹی باندھ کر کہا تھا کہ کل تک تمہارا زخم ٹھیک ہو جائے گا پھر تم دونوں جا سکتے ہو'' جوزف نے جواب دیا

کچھ دیر بعد ایک جنگلی بھنا ہوا گوشت اور پھل لے آیا اور کوئی بات چیت کئے بغیر لوٹ گیا ہمیں پروفیسر شیرازی کی موت کا دکھ بھی تھا مگر وہ اپنی خود غرضی کی بھینٹ چڑھا تھا ابدی زندگی کا خواہشمند پروفیسر شیرازی بھلا بیٹھا کہ ''ہر ذی نفس نے موت کا ذائقہ چکنا ہے۔''

ہماری خوب خدمت خاطر بھی کی جا رہی تھی رات کو بھی کھانے کے لئے بھنا ہوا گوشت جو غالباً ہرن کا تھا اور پھل لائے گئے۔

کچھ دیر بعد سانپ والا بوڑھا آیا اور بنا ہم سے مخاطب ہوئے ہوئے خاموشی سے میری پٹی کھولی حیرت انگیز طور پر میرے شانے کا زخم ٹھیک ہو چکا تھا بوڑھا ہم سے مخاطب ہوئے بغیر جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس لوٹ گیا۔

دوسرے روز رات دس گیارہ بجے کے قریب جب جوزف گدھے گھوڑے بیچے سو رہا تھا جبکہ میں دیوار سے ٹیک لگائے ہانی کے خیالوں میں مگن تھا ہانی کی ہمشکل کولائی کو دیکھنے کے بعد میں بے کل سا ہو گیا تھا اور ہانی شدت سے یاد آنے لگی تھی اسی وقت دروازے پر مدھم سے قدموں کی چاپ سن کر میں چونک گیا یہ وہی پراسرار بوڑھا تھا جس کے گلے میں سانپ ہر وقت موجود رہتا تھا ساتھ ہی ہانی کی ہم شکل کولائی بھی تھی۔

رات کے اس پہر ان دونوں کو آتا دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''کیسے ہو؟'' بوڑھے نے اس بار مجھے انگلش میں مخاطب کیا تو میں حیرت سے اچھل پڑا ''آپ انگلش جانتے ہیں۔''

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے میں انگلش سمیت دنیا کی بہت سی زبانیں جانتا ہوں ان میں اردو بھی ہے تم کہو تو میں تم سے اردو میں بھی بات کر سکتا ہوں ویسے ہم تمہارے احسان مند ہیں کہ تم نے گومبو قبیلے کی دیوی کی جان بچائی ویسے میرا تعلق ہندوستان سے ہے کئی برسوں سے یہاں ہوں یوں سمجھو اپنی جوانی اسی قبیلے میں گزاری ہے'' بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے یہ بھی اردو سمجھ لیتی ہوں گی۔'' میں نے پوچھا تو وہ کہنے لگا ''ہمیں دیوی صرف ہمارے قبیلے کی زبان بولتی ہے اس روز جب تم جھونپڑی میں داخل ہوئے تو دیوی نے بتایا تم اس سے روتے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے تم نے خنجر اور سفوف بھی دیوی کو دکھایا تھا پھر دیوی نے تمہیں جانے کا اشارہ کیا اور پھر جب تم باہر نکلے تو دیوی نے جھونپڑی کے دروازے سے دیکھا تو الیفو قبیلے کے دو افراد کے نرغے میں الیفو قبیلے کی طرف جانے والے راستے پر جا رہے تھے تب دیوی سمجھ گئی کہ تم لوگوں کو زومبا کے حکم پر اغواء کر لیا گیا ہے زومبا کمینہ خصلت انسان تھا وہ اسرار کا قبیلہ گومبو قبیلے کا حریف تھا کئی بار دونوں قبیلوں میں جنگ بھی ہوئی۔

دراصل زومبا کولائی پر شروع ہی سے نظر رکھے ہوئے تھا وہ جب طاقت سے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا تو تمہارے طریقے سے کولائی کو اغواء کرنا چاہا اس طرح وہ گومبو قبیلے کو زیر کرنے کے ساتھ اپنے مذموم مقصد میں بھی کامیاب ہو جاتا۔'' بوڑھے نے تفصیل سے بتایا ہماری باتوں کے درمیان جوزف بھی جاگ چکا تھا اور اب حیرت سے کولائی دیوی اور بوڑھے کو دیکھ رہا تھا ''بابا آپ کا نام کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''گوتم کہہ سکتے ہو تم مجھے مگر یہ تو بتاؤ اس روز تم کولائی دیوی سے کیا کہہ رہے تھے؟'' گوتم نے پوچھا۔

''اس بات کو چھوڑو'' میں نے اسے ٹالنے کی کوشش

کی مگر وہ بضد رہا مجبوراً میں نے اسے اپنی روداد سنانے کے ساتھ ساتھ بتایا کہ ''اس روز میں نے کولائی دیوی سے کیا کہا تھا بوڑھا گوتم بہت ہنسا پھر کہنے لگا ''شاہ میر ہمارا قبیلہ اور میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے اب تم لوگ تیار ہو جاؤ میں اور کولائی دیوی بھی تمہارے ساتھ چلیں گے تاکہ پھر تم کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ''

میں اور جوزف بوڑھے گوتم کے ساتھ جھونپڑی سے باہر نکلے کچھ فاصلے پر درختوں کے جھنڈ میں تین چاک و چوبند گھوڑے موجود تھے ایک گھوڑے پر ہمارے سامان کی ساتھ ساتھ رائفل بھی موجود تھی جسے گوتم کے کہنے پر جوزف نے شانے سے لٹکا لیا ایک گھوڑے پر کولائی دیوی جبکہ دوسرے پر بوڑھا گوتم اور تیسرے پر جوزف اور میں بیٹھے جوزف ماہر گھڑ سوار تھا اس لئے گھوڑے کی لگام اس نے سنبھالی۔ تینوں گھوڑے تیز رفتاری سے سرپٹ دوڑتے ہوئے جنگل میں داخل ہوئے اپنی جان خطرے میں ڈال کر کولائی دیوی کی جان بچانے کا صلہ ہمیں مل گیا تھا وہ بوڑھا گوتم اور کولائی دیوی ہمیں بحفاظت پہنچانے ہمارے ساتھ جا رہے تھے بظاہر تو کوئی خطرہ نہ تھا مگر پھر بھی جنگلی درندوں سے واسطہ پڑ سکتا تھا شاید اسی لیے گوتم نے رائفل جوزف کے حوالے کی تھی اندھیرے کے سبب اس گھنے جنگل میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر اس کے باوجود ہم کافی تیز رفتاری سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے کہ جلد از جلد اس ہیبت ناک جنگل سے نکلنا چاہتے تھے اور پھر ہمیں جنگل سے بحفاظت رخصت کرنے کے بعد کولائی دیوی اور بوڑھے گوتم نے بھی واپس اپنے قبیلے لوٹنا تھا۔

صبح کا اجالا نمودار ہونے تک ہم کافی فاصلہ طے کر چکے تھے راستے میں رک کر ہم نے ایک چشمے سے پانی پیا گھوڑوں کو بھی پلایا ہاتھ دھوئے اور تازہ دم ہو کر آگے چل پڑے چلتے چلتے دن ڈھلنے لگا ہماری کوشش یہی تھی کہ رات ہونے سے پہلے پہلے اس جنگل سے نکل جائیں گوتم کے ساتھ ہونے سے یہ فائدہ ہو رہا تھا کہ اس نے جنگل سے باہر نکلنے کے لئے بالکل الگ راستہ اختیار کیا تھا اس لئے سانپوں کے مسکن سے گزرے بغیر ہم کافی فاصلہ طے کر چکے تھے مناسب رفتار سے چلتے چلتے بالآخر ہم جنگل سے باہر نکل ہی گئے یہاں کی سڑک پر اکا دکا گاڑیاں نظر آ رہی تھیں اجناس سے لدی بیل گاڑیاں گھڑ سوار اور پیدل چلنے والے بھی دکھائی دے رہے تھے۔

رات گزارنے کے لئے قریبی قصبے میں واقع ایک ہوٹل میں رہائش کے لئے دو کمرے حاصل کیے بوڑھا گوتم ہمارے کمرے میں سویا جبکہ دیوی کولائی نے ساتھ والے کمرے میں رہائش اختیار کی۔

بوڑھے گوتم کا کہنا تھا کہ ''میرے وطن روانگی کا انتظام وہی کرے گا'' میں نے اس کے کہنے پر اپنے سفری کاغذات اس کے حوالے کئے دوسرے روز صبح وہ دیوی کولائی کے ساتھ ہوٹل سے نکلا اور شام کو لوٹا تو بڑا خوش نظر آ رہا تھا سفری دستاویزات میرے حوالے کر کے وہ کولائی دیوی سمیت ہوٹل سے چلا گیا۔

دوسرے روز جوزف مجھے ائیر پورٹ چھوڑنے آیا جہاز میں سوار ہو کر میں اپنی نشست پر بیٹھا اور آنکھیں موند کر اپنے ذہن کو سوچوں کی یلغار سے پاک کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، بار بار خیالوں میں ہانی در آتی۔ جہاز نے ٹیک آف کیا ہی تھا کہ کسی نے میرے پہلو میں چٹکی بھری میں اچھل پڑا آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھا میرے قریب ہی برقع میں ملبوس ایک دوشیزہ بیٹھی تھی کیا اس نے چٹکی بھری ہے میں سوچتے ہوئے دوشیزہ کو غور سے دیکھنے لگا جو کسی میگزین کی ورق گردانی میں محو تھی میری ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ اس برقع پوش حسینہ سے کچھ پوچھتا ظاہر ہے وہ ایسا کیوں کرتی خیر اسے اپنا وہم جان کر ایک بار پھر آنکھیں موند کر ہانی کے بارے میں سوچنے لگا۔ ''اپنا کوئی یاد آ رہا ہے کیا؟'' میری سماعت سے ایک نسوانی آواز گونجی اور میں نے آنکھیں کھول دیں ''آپ مجھ سے مخاطب ہیں'' میں نے پوچھا۔

''میرے قریب آپ ہی بیٹھے ہیں'' شوخ لہجے میں کہا گیا نہ جانے کیوں اس کی آواز سنتے ہی میرا دل تیزی سے کشش محسوس ہو رہی تھی یہ ہانی کے ساتھ بے وفائی تھی میرے خیالات میرے احساسات میرے جذبات صرف اور صرف ہانی کے لئے تھے میں نے نگاہیں چراتے ہوئے

گہرے کرب آمیز لہجے میں کہا ''اپنے بھولتے ہی کب ہیں'' شاید وہ میرے لہجے میں چھپا دکھ بھانپ گئی تھی ''کون تھی وہ؟'' اس نے اس بار سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ میری محبت میری زندگی میری شریک حیات سبھی کچھ تھی'' برسوں سے ہانی کی جدائی کا غم اپنے سینے میں چھپائے میں نڈھال سا ہو گیا تھا اس کا ہمدردانہ لہجہ سن کر نہ جانے کیوں اپنے دل کے زخم دکھانے لگا وہ ہم تن گوش میری سرگزشت سنتی رہی ''ہانی کے بعد آپ نے دوسری شادی کیوں نہیں کی اکیلے اتنی لمبی زندگی گزارنا کہاں کی دانشمندی ہے'' داستان کے اختتام پر وہ بولی۔

''شادی زندہ لوگ کرتے ہیں اس کے جانے کے بعد میں زندہ ہی کب ہوں'' میں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا پھر اس نقاب پوش حسینہ سے میری بات نہ ہوئی وہ میگزین پڑھتی رہی جب کہ میں آنکھیں بند کئے اونگھتا رہا۔

کراچی ائیر پورٹ پر اتر کر میں ٹیکسی کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہی تھا کہ وہی نقاب پوش حسینہ دروازہ کھول کر میرے قریب آ بیٹھی اور میں ارے ارے کرتا رہا۔

''یہ کیا بونگوں کی طرح ارے ارے لگا رکھی ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے وہ ہانی کی ہم شکل افریقہ کے جنگلی قبیلے کی دیوی کولائی تھی۔

''کولائی دیوی تم؟'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا وہ شوخ لہجے میں بولی ''ادھر جہاز میں تو بڑی بے تابیاں دکھا رہے تھے کہ میں ہانی کے بنا ادھورا ہوں اور یہاں مجھے اجنبی نام سے پکار رہے ہو، بدھو ابھی تک اپنی ہانی کو نہیں پہچانا'' وہ اردو میں مجھ سے مخاطب تھی اس کے کہے گئے جملے نے درحقیقت میرے ہوش وحواس چھین لیے تھے زمین وآسمان نگاہوں کے سامنے گھومتے محسوس ہوئے انہونی ہونی ہو چکی تھی۔

ہانی جو تین برس قبل اس دنیا سے رخصت ہوئی تھی تین برس بعد میرے سامنے زندہ سلامت موجود تھی۔

''ہانی'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا اور میں نے ڈرائیور کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

ہم نے کراچی کے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں قیام کیا کمرے میں جاتے ہی میرے استفسار پر ہانی نے اپنی روداد بیان کی۔ وہ بولتی جا رہی تھی اور میں وم بخود سنتا جا رہا تھا۔

''تم جیل میں تھے اور میں تمہاری یاد میں دن رات آنسو بہاتی رہتی تھی ایسے میں امائمہ میرا اسکی بہن کی طرح خیال رکھنے لگی ایک روز وہ رات دیر سے میرے کمرے میں داخل ہوئی مجھے تمہاری یاد میں نیند نہیں آ رہی تھی اور تمہیں یاد کر کے رو رہی تھی تب امائمہ نے مجھے اصرار کر کے اپنے سامنے دودھ پلایا میں دودھ پیتے ہی ہوش وخرد سے محروم ہو گئی مجھے ہوش آیا تو میں بیڈ پر بے دست وپا موجود تھی میرے ہاتھ اور پاؤں نائیلون کی رسی سے بندھے ہوئے تھے امائمہ بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھی تھی اس کے ہاتھ میں ایک پٹاری موجود تھی، ایسی پٹاری جس میں سپیرے سانپ رکھتے ہیں۔

''یہ کیا حرکت ہے امائمہ بھابی؟'' میں نے غصے سے پوچھا اس نے پٹاری میرے قریب بیڈ پر رکھی اور کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ ''ہانی تم کیا سمجھتی ہو میں اتنی آسانی سے تم جیسی معمولی لڑکی سے شکست کھاؤ جاؤں گی یہ سب میری چال تھی تاکہ تمہیں اپنے جال میں پھنسا سکوں شاہ میر سے راستے میں لفٹ لینے والی لڑکی کا اصل نام ماریہ تھا اور وہ کال گرل تھی جسے میں نے شاہ میر کو پھنسانے کے لئے پچاس ہزار اور لاکھوں کی ہیروئن دی وہ جیسے ہی شاہ میر کی گاڑی سے اتری پولیس کو اطلاع دیدی گئی یوں شاہ میر کو جیل ہو گئی۔

اس روز نصف شب کے قریب انابی کو سیڑھیوں سے میں نے ہی دھکیلا تھا اس لیے کہ انابی میری اصلیت جان چکی تھی اس کی بدقسمتی کہ جس وقت میں ماریہ سے فون کال پر بات کرتے ہوئے شاہ میر کو پھنسانے پر اسے شاباشی دے رہی تھی ہماری گفتگو انابی نے سن لی اور دھمکی دی کہ وہ صبح ہوتے ہی اعظم کو میری اصلیت بتا دے گی مگر میں نے اسے صبح کا سورج نہ دیکھنے دیا اور آج تمہیں دودھ میں بے ہوشی کی دوا ملا کر پلا دی۔

اس پٹاری میں زہریلا سانپ ہے جو میں نے

ایک سپیرے سے بھاری معاوضہ پر خریدا ہے۔ تمہاری موت سانپ کے ڈسنے سے واقع ہوگی، جیل سے واپس آ کر شاہ میر تمہیں بھول چکا ہوگا کہ مرنے والوں کے ساتھ کوئی نہیں مرا کرتا پھر اسی طرح کسی روز اعظم بھی کسی نہ کسی حادثے میں مارا جائے گا اور میں شاہ میر سے شادی رچالوں گی'' اس نے اپنے مکروہ عزائم میرے سامنے ظاہر کئے اور میرے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور پھر پٹاری کا ڈھکن ہٹا کر پٹاری مجھ پر الٹ دی۔ سانپ نے مجھے ڈسا تو درد اور اذیت کی کیسلی لہریں میرے پورے وجود میں سرایت کر گئیں اور میرے ذہن پر دھندسی چھانے لگی اور میں ہوش وخرد سے محروم ہوگئی۔

گوتم بابا کا تعلق ہندوستان سے تھا وہ سپیرے اور نچلی ذات کے ہندو تھے جنہیں بھارت میں اونچی ذات والے دھتکارتے ہی رہتے ہیں اور انہیں معاشرے میں کوئی باعزت مقام نہیں دیا جاتا ان کا نام رمیش تھا ان ہی دنوں ان کی ملاقات کپالا سے ہوئی جو بدھ مت کا پیروکار تھا اس کی باتوں اور اخلاق سے متاثر ہو کر وہ بھی بدھ مت کے پیروکار بن گئے یوں ان کا نام رمیش سے گوتم پڑ گیا، ہندو مذہب چھوڑنے کے جرم میں ان پر ہندوستان کی زمین تنگ کر دی گئی تب وہ بدھ مت کے پیروکاروں کے ایک قافلے کے ساتھ تبت جا پہنچے چند سال وہاں رہے پھر افریقہ جا پہنچے جنگل میں وہ گومبو قبیلے کے ہتھے چڑھے مگر اتفاق سے گومبو قبیلے کے سردار کے بیٹے کو سانپ نے ڈس لیا تھا وہ قریب المرگ تھا۔

بابا گوتم نے زہر چوس کر اس کے جسم سے نکالا اور اس کی جان بچالی یوں وہ گومبو قبیلے کا محسن ٹھہرے اور وہیں رہنے لگے۔

رفتہ رفتہ اسے گومبو قبیلے کے روحانی پیشوا کی سی حیثیت حاصل ہوگئی وہ ماہر سپیرا تھا سانپوں سے اس کی دوستی تھی ہر وقت ایک زہریلا سانپ اس کے گلے میں لٹکا رہتا انہیں برسوں گومبو قبیلے میں بیت گئے اور وہ بوڑھا ہوتے چلے گئے، ان ہی دنوں بابا گوتم کو ناگ منی حاصل کرنے کا جنون ہوا مگر یہ جنون کسی لالچ کی وجہ سے نہیں وہ ناگ منی سے انسانیت کی خدمت کرنا چاہتے تھے اس ناگ منی کی تلاش میں وہ پاکستان جا پہنچا بھٹکتے بھٹکتے انہیں شیش ناگوں کا ایک جوڑا قبرستان میں دکھائی دیا انہیں اسی جوڑے کی تلاش تھی جو اپنی زندگی کے سو سال پورے کر چکا تھا وہ اس جوڑے کی تاک میں قبرستان میں موجود تھے کہ اس قبرستان میں جنازہ داخل ہوا جو کہ میرا تھا جنازے کے ساتھ اعظم بھائی بھی تھے جو کسی کے استفسار پر بتا رہے تھے کہ ان کی بہن کا انتقال سانپ کے ڈسنے سے ہوا ہے۔

گوتم بابا جو کہ قریب ہی موجود تھے اس گفتگو کو سن کر ان کے کان کھڑے ہوگئے اور وہ اعظم بھائی کے قریب آئے پوچھا ''تمہاری بہن کو سانپ نے کب ڈسا؟''

اعظم بھائی نے بتایا ''بارہ گھنٹے گزر چکے ہیں'' تب بابا گوتم نے کہا۔ بعض اوقات سانپ کے ڈسنے سے چوبیس گھنٹے تک انسان کی موت واقع نہیں ہوتی اور وہ کوما میں چلا جاتا ہے اور بظاہر مردہ لگتا ہے مگر ایسے انسان کو بچایا جاسکتا ہے'' اس کے اصرار پر اعظم بھائی نے میرے چہرے سے کفن سرکایا۔

بابا گوتم نے میری آنکھ کے پپوٹے کھول کر دیکھنے کے بعد کہا کہ ''یہ ابھی مری نہیں سانپ کے زہر کے اثرات سے کوما میں ہے اس کی جان بچائی جاسکتی ہے''

شاید اعظم بھائی اس کی بات مان لیتے مگر جنازے کے شرکاء نے کہا ''اس کے دل کی دھڑکن رک چکی ہے ڈاکٹرز نے اسے مردہ قرار دے دیا ہے اور تم کہتے ہو یہ زندہ ہے'' وہ حلیے سے ہی غیر مذہب دکھائی دیتے تھے انہیں دھتکار دیا گیا اور مجھے سپرد خاک کر دیا گیا۔

بابا گوتم ایک ہمدرد اور مخلص انسان تھے جنازے کے شرکاء کے جانے کے بعد جب اندھیرا چھا گیا تو انہوں نے بڑی مشکل سے قبر سے مٹی ہٹائی اور مجھے قبر سے باہر نکال کر لٹا دیا ایک بین جو ہر وقت ان کے گلے میں موجود رہتی تھی نکالی اور نچانے لگے۔

امائمہ سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ سانپ کو وہ پٹاری میں دوبارہ بند نہ کر سکی تھی وہ کمرے سے نکل گیا پٹاری اس نے

پھینک دی تاکہ اس کے جرم کا کوئی ثبوت نہ رہے۔

کافی دیر تک بین بجانے کے بعد مجھے ڈسنے والا سانپ آیا اور بین کی لے پر رقص کرنے لگا بابا گوتم بین بجاتے رہے بالآخر اسی سانپ نے اپنا زہر واپس چوسا اور جہاں سے آیا تھا واپس لوٹ گیا۔

میں ہوش میں آ گئی مگر زہر کے اثرات باقی تھے کمزوری اور نقاہت کے ساتھ ساتھ میری یادداشت بھی بہت کمزور پڑ چکی تھی اپنے بارے میں بابا گوتم کو کچھ نہ بتا سکی وہ ایک سچا اور مخلص انسان تھے ایسا انسان خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہے خدا اس کا مددگار ہے انہیں اپنے مقصد میں اسی رات کامیابی ہوئی اور انہوں نے ناگ منی حاصل کرلی یہ میرے لیے ایک چمکتا ہوا پتھر تھا اس مخلص انسان نے مجھے بیٹی بنالیا اور افریقہ چلے آئے یہی میرے حق میں بہتر تھا۔

اگر میری یادداشت بحال ہوتی تو میں گھر چلی جاتی، تم جیل میں تھے وہ مکار عورت بہانہ کرکے اپنا دامن بچالیتی اور مجھے ایک بار پھر قتل کرنے کی کوشش کرتی۔

گومبو قبیلے میں داخل ہونے سے پہلے بابا گوتم نے ناگ منی میری پیشانی پر اس طرح باندھا کہ وہ میری پیشانی کا ہی ایک حصہ لگے ہم قبیلے میں داخل ہوئے تو رات کے اندھیرے میں میری پیشانی پر چمکنے والے ناگ منی کو جنگلی تیسری آنکھ سمجھ کر حیرت میں پڑ گئے تب بابا گوتم نے مجھے دیوی ظاہر کیا اور کہا کہ ”میری موجودگی سے ان کا قبیلہ دشمنوں پر غالب رہے گا“

مجھے بابا گوتم نے بعد میں بتایا کہ ”انہوں نے ایسا اس لیے کیا کہ وہ جنگلی ایک اجنبی لڑکی کو اپنے قبیلے میں ہرگز نہ برداشت کرتے اتفاق سے میری وہاں موجودگی میں الیفو قبیلے سے تین چار بار لڑائی ہوئی جس میں گومبو قبیلے کو فتوحات حاصل ہوئیں اسے میری برکت سمجھتے ہوئے وہ مجھے دیوی کی طرح پوجنے لگے مگر الیفو قبیلہ میرا دشمن بن گیا۔

کچھ عرصہ میں میری یادداشت لوٹ آئی مگر میں ڈرتی تھی کہ کہیں تم مجھے قبول کرنے سے انکار نہ کردو عورت اگر ایک رات گھر سے باہر رہے تو اسے قبول نہیں کیا جاتا مجھے تو مہینوں بیت چکے تھے یہیں بابا گوتم سے میں نے ان کی زبان سیکھ لی اور جنگلیوں کی بولی بولنے لگی۔

بابا گوتم کی رہنمائی نے مجھے بہادر بنادیا تھا میری پیشانی سے ناگ منی انہوں نے کچھ دنوں میں ہٹالی تھی ویسے بھی ان ہی دنوں قبیلہ کافی ترقی کرچکا تھا وہ اسے میرے قدموں کی برکت سمجھ کر دیوی کی طرح میرا ہر حکم بلا چوں چراں کے ماننے لگے۔

پھر تین برس بعد تقدیر نے تمہیں اس قبیلے تک پہنچایا میں تمہیں دیکھ کر بھی انجان بنتی رہی ڈرتی تھی کہ اتنا عرصہ گھر سے دور رہنے کی وجہ سے تم مجھ سے نفرت نہ کرو، پھر اس رات جب میں سو رہی تھی تم میرے خیمے میں داخل ہوئے روتے ہوئے اپنی بے قراریوں کا ذکر کیا تو مجھے اپنے آپ پر رشک آنے لگا کہ اتنے برسوں بعد بھی تم مجھے اتنا چاہتے ہو۔

سردار زومبا مجھے اغواء کرکے پامال کرنے کے ساتھ گومبو قبیلے کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے تمہیں مجھے اغواء کرنے کے لئے بھیجا۔ تمہارے واپس لوٹ جانے کے بعد میں نے بابا گوتم کو سب کچھ صاف صاف بتادیا۔

بابا گوتم کے حکم پر اس کا قبیلہ الیفو قبیلے پر حملہ آور ہوا پروفیسر شیرازی مارا گیا سردار زومبا اور اس کے قبیلے کے بہت سے افراد بھی مارے گئے تم مجھے بچاتے ہوئے زخمی ہوئے تمہیں اور جوزف کو گومبو قبیلے میں لایا گیا بابا گوتم تم سے بہت خوش تھے تم ان کی بیٹی کو اپنی جان سے بھی بڑھ کر چاہتے ہو ایک بیٹی کا باپ یہی تو چاہتا ہے۔ تب انہوں نے مجھے تمہارے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا مگر تمہیں سسپنس میں رکھنے کے لئے اصل بات نہیں بتائی۔

بابا گوتم نے تمہارے سفری دستاویزات کے ساتھ ساتھ میرے کاغذات بھی بنوالیے وہ مجھے ائیرپورٹ سے رخصت کرکے خود واپس لوٹ گئے کہ وہ ہمیشہ وہیں رہنا چاہتے ہیں سارے جنگلی انہیں دیوانوں کی طرح چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں جہاز میں برقع پوش لڑکی میں ہی تھی وہ تمہارے برابر بیٹھی تھی۔“

ہانی نے اپنی روداد ختم کی راستے کے کانٹے دور ہو چکے تھے مجھے ہانی مل گئی تھی مگر امائمہ سے ہانی پر کیے گئے مظالم کا بدلہ لینا تھا اگر معاملہ صرف مجھ تک ہوتا تو میں امائمہ کو معاف کر دیتا مگر ہانی میری زندگی تھی امائمہ نے اسے قتل کرنے کی پوری پوری کوشش کی تھی امائمہ کی وجہ سے ہانی مجھ سے تین سال دور رہی، در بدر کی ٹھوکریں کھائیں، میں اسے ہرگز معاف نہیں کر سکتا تھا اس دوران ہم نے ہوٹل میں قیام رکھا اور امائمہ سے بدلہ لینے کا فول پروف پلان ترتیب دیا۔

اس روز امائمہ اپنے بیڈ روم میں محو خواب تھی اعظم خان آفس جا چکا تھا امائمہ کا شروع سے ہی یہ معمول تھا کہ وہ اعظم خان کے آفس جانے کے بعد دن گیارہ بجے کے قریب سو کر اٹھتی تھی اس روز صبح نو بجے کسی کے جھنجھوڑنے پر اٹھی تو ڈر اور خوف سے اس کے اوسان خطا ہو گئے اس کے بیڈ سے کچھ فاصلے پر ہانی کھڑی تھی۔

وہی ہانی جسے اس نے سانپ سے ڈسوایا تھا وہ ہانی اس کے سامنے زندہ سلامت کھڑی تھی جبکہ اس کے بیڈ کے قریب رکھے ٹیبل پر پسٹل موجود تھا جو یقیناً اس کا نہیں تھا ''ہانی تم تو مر چکی تھی'' وہ خوف و دہشت سے لرزتے ہوئے بولی ''ہاں تم نے اپنی طرف سے تو مجھے مار ہی دیا تھا مگر میں بچ گئی کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، مجھے ایک مخلص انسان نے بچا لیا تھا جو کہ سپیرا تھا۔

میں یادداشت کھو بیٹھی تھی تمہاری وجہ سے برسوں شاہ میر سے دور رہی اور تمہاری ہی وجہ سے شاہ میر سلاخوں کے پیچھے رہا اور تم ہی انابی کی قاتل ہو۔

اگر عبرتناک انجام سے بچنا چاہتی ہو تو میز پر سے پسٹل اٹھاؤ اور اپنی کنپٹی سے لگا کر ٹریگر دبا دو یہ تمہارے لیے آسان موت ہوگی ورنہ'' ہانی نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑا۔

امائمہ نے جھپٹ کر میز پر پڑا پسٹل اٹھا لیا اور ہانی پر تان کر ٹریگر پر انگلی رکھ دی ''ہانی برسوں پہلے میں نے تمہیں دھوکے سے سانپ سے ڈسوایا تھا، تمہیں میری نگاہوں کے سامنے جنازے میں لے جایا گیا منوں مٹی کے نیچے دفن بھی کیا گیا مگر تم میں نہ جانے کون سی خبیث روح ہے جو تم پھر بھی نہیں مری مگر اب تم زندہ نہیں بچو گی تم نے دو بار میرے سامنے آ کر بہت بڑی غلطی کی ہے، ہانی تم میری خوشیوں کی قاتل ہو، تم نے شاہ میر کو مجھ سے چھینا میں نے تمہیں اس وقت کہا بھی تھا کہ ہم دونوں مل کر شاہ میر کی قربت شیئر کریں گے۔ مگر تم نے میرے منہ پر تھپڑ مار کر میری توہین کی اور پھر اعظم بھی تمہیں بہت چاہتا تھا۔

حالانکہ تم کاروبار اور دولت جائیداد میں برابر کی شریک تھی وہ بیوقوف کہتا تھا ''ہانی میری بہن ہے اگر کہے تو اپنے حصے کی بھی دولت و جائیداد اس کے نام کر دوں'' تب میں نے تمہیں راستے سے ہٹانے کا پلان ترتیب دیا۔

بلڈ کینسر کا ڈرامہ کر کے تمہاری اور شاہ میر کی ہمدردی حاصل کی اور ماریہ نامی کال گرل کے ذریعے شاہ میر کو ہیروئن کے جھوٹے کیس میں پھنسایا، تمہیں دھوکے سے دودھ میں بے ہوشی کی دوا ملا کر بے ہوش کرنے کے بعد سانپ سے ڈسوایا اور انابی کو تو میں پہلے ہی قتل کر چکی تھی۔

میں نے سوچا تھا کہ تمہارے مرنے کے بعد شاہ میر میرا ہو جائے گا مگر وہ تمہارے غم میں پاگل ہو کر گھر چھوڑ کر چلا گیا تمہاری بیوقوفی کہ تم لوٹ کر مرنے میرے پاس چلی آئی۔'' امائمہ نے نفرت سے کہتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔

مگر ٹرچ کی آواز ابھری تب ہانی ہنسی اور امائمہ سے کہا۔ ''پسٹل خالی ہے یہ میری چال تھی تم سے سچ اگلوانا تھا خیر اتنا تو میں مانتی ہوں کہ مکاری میں تم میری استاد ہو۔''

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور چار مسلح پولیس اہلکار اندر داخل ہوئے ان میں سے ایک انسپکٹر رینک کا آفیسر تھا، ان کے عقب میں اعظم خان اور میں تھا یہ سب میری ہی پلاننگ تھی۔

میں ہانی کے ساتھ اعظم خان کے آفس گیا اسے سب کچھ صاف صاف بتا دیا پولیس کو میں پہلے ہی سب کچھ بتا چکا تھا، ہانی پلان کے مطابق امائمہ کے کمرے میں گئی میز پر گولیوں سے خالی پسٹل رکھ کر اسے بیدار کیا حساس ترین

ریکارڈ اس کے لباس میں پوشیدہ تھ امائمہ نے توقع کے مطابق ہانی پر پسٹل تان لیا اور جذبات میں بولتی چلی گئی جو ریکارڈ ہوتا رہا اور کمرے کے دروازے کے باہر موجود پولیس اہلکار، اعظم خان اور میں اس کا اعتراف سن چکے تھے۔

انسپکٹر ہاتھوں میں ہتھکڑی لیے امائمہ کی طرف بڑھا۔ مسز امائمہ آپ کو انابی کے قتل، ہانی پر قاتلانہ حملہ اور شاہ میر کو جھوٹے کیس میں پھنسانے کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔"

امائمہ دونوں ہاتھ آگے کئے سر جھکائے چند قدم آگے بڑھی پھر وہ ہوا جس کی کسی کو توقع ہی نہ تھی وہ بالکل اچانک برق رفتار سے انسپکٹر کے بغلی ہولسٹر سے پسٹل نکال کر تان چکی تھی۔ "خبردار اگر کسی نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی اپنی رائفلیں نیچے پھینک دو۔" وہ لاک پن ہٹا کر ٹریگر پر انگلی رکھ چکی تھی۔

اعظم خان آگے بڑھا۔ "امائمہ یہ کیا حرکت ہے خود کو قانون کے حوالے کردو میں تمہارے لئے قابل سے قابل وکیل کروں گا۔" اعظم خان سب کچھ جانتے ہوئے بھی دل کے ہاتھوں مجبور تھا کہ امائمہ کو سچے دل سے چاہتا تھا وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

"تم کیا سمجھتے ہو میں تمہیں چاہتی ہوں میں نے تم سے شادی صرف آسائش زندگی کے لئے کی تھی میں اس رشتے کی آڑ میں شاہ میر سے تعلقات قائم رکھنا چاہتی تھی مگر اس نے میری محبت کی قدر نہ کی اور ہانی کی محبت کے جال میں جا پھنسا۔" اس کے ساتھ ہی امائمہ نے گولی چلائی جو پولیس اہلکاروں کے قریب سے گزر کر دروازے میں پیوست ہوگئی۔ "ہتھیار پھینک دو۔" وہ چلائی انسپکٹر کے اشارے پر اہلکاروں نے رائفلیں نیچے پھینک دیں جبکہ وہ کہہ رہی تھی۔ "یہ ہانی سارے فساد کی جڑ ہے اس نے شاہ میر کو مجھ سے چھینا مجھ سے بدظن کیا شاہ میر میرا نہ ہوسکا تو ہانی بھی اس کی نہ رہے گی۔" اس نے پسٹل کا رخ ہانی کی طرف کرکے ٹریگر دبا دیا۔

میں بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا اور ہانی کے آگے ڈھال بن گیا، گولی میرے شانے میں لگی تھی پولیس اہلکاروں نے جھپٹ کر رائفلیں اٹھائیں اور گولی چلادی فائر کی ہولناک آواز سے تین چار گولیاں امائمہ کے سینے میں لگیں اور وہ کربناک انداز میں چیختی ہوئی گری، میں کراہتا ہوا خون میں لت پت گرا تو ہانی روتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔

جبکہ اعظم خان نے امائمہ کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ "یہ تم نے کیا کیا میں تمہیں سچے دل سے چاہتا ہوں۔" اعظم خان کی آنکھیں نم تھیں امائمہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی..... اب بھی مجھے..... چاہتے ہو....."

"ہاں امائمہ میں تمہیں تمہاری خامیوں سمیت چاہتا ہوں کہ پیار اندھا ہوتا ہے۔" امائمہ نے اعظم خان کا دایاں ہاتھ اپنی لرزتی کانپتی ہتھیلی میں لے لیا۔ آنکھوں سے لگانے کے بعد چوما۔ "اعظم اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہارے پیار کی قدر نہ کرکے کتنی بڑی غلطی کی میں حرص اور ہوس کے سفلی جذبات میں اندھی ہوچکی تھی..... میں بہت..... بری ہوں جو نہ اچھی بیوی بن سکی اور نہ اچھی....." اتنا کہتے ہی اسکی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی تو اعظم خان اس کا ہاتھ پکڑ کر سسک پڑا۔

سفلی جذبات سے مغلوب ہوکر جرم کرنے والوں کا انجام بلاشبہ بہت برا ہوتا ہے۔

میں چند روز اسپتال میں رہ کر اپنی ہانی کے پاس لوٹ گیا، ہمارے راستے کے کانٹے دور ہوچکے تھے، خوشگوار ازدواجی زندگی گزارتے ہوئے ہمارے گھر میں بیٹی کی صورت میں اللہ کی رحمت نے قدم رکھا زیتون عرف زینی ہم دونوں میاں بیوی کے دل کی دھڑکن ہے۔ برسوں کی جدائی کے بعد ہمارا دن رات کا پیار رنگ لایا اور چند ہی سال میں ہمارا آنگن بھر گیا اب ہمارے چار بچے ہیں۔

بیچاری ہانی ہر وقت بچوں میں گھری رہتی ہے اور ہاں اعظم خان بھی ہانی اور میرے اصرار پر شادی کر چکا ہے۔